درس تفسیر
تبیان الفرقان
الجزء الثالث
افادات
حکیم العصر
مولانا
عبدالمجید لدھیانوی
امیر مرکزیہ
عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت
اہتمام
مفتی ظفر اقبال

تبیان الفرقان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نام کتاب : تبیان الفرقان (جلد سوم)

ازافادات : حضرت حکیم العصر مولانا عبد المجید لدھیانوی مدظلہ العالی

اہتمام وترتیب : استاذ العلماء مفتی ظفر اقبال صاحب مدظلہ العالی

پروف ریڈنگ : مولانا صہیب ظفر و کلیم اختر صاحب

کمپوزنگ : مہر محمد فیاض

اشاعت اول : صفر المظفر ۱۴۳۴ھ

الحمد للہ اگرچہ مکتبہ شیخ لدھیانوی نے **تبیان الفرقان** کی تصحیح وطباعت میں ہر ممکن احتیاط سے کام لیا ہے لیکن کبھی کبھی کتابت، طباعت اور جلد سازی میں سہواً غلطی ہو جاتی ہے۔ اگر کسی صاحب کو ایسی کسی غلطی کا علم ہو تو براہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔

ناشر

مکتبہ شیخ لدھیانوی

کہروڑ پکا ضلع لودھراں

0300-6804071

فہرست

سورۃ المائدۃ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ

یَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ؕ

یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ج

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا

اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ

قُلْ يَاۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ

يَاۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ط

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَیَبْلُوَنَّكُمُ

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْــَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ط

سورۃ الانعام

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِىْ يَقُوْلُوْنَ

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْا

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ط

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ

اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ

یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِكُمْ

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ

هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ

عرض مدعا

امت مسلمہ کی یہ خوش نصیبی ہے کہ اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی ایسی الہامی اور آخری کتاب موجود ہے جس کی حفاظت کی ذمہ داری خود اس کے اتارنے والے نے اپنے ذمے لی ہے، دنیا کے کسی آسمانی وغیر آسمانی مذہب کو یہ اعزاز حاصل نہیں، قرآن کریم سے قبل اترنے والے آسمانی صحائف وکتب کے ساتھ ان کے ماننے والوں نے جو حال کیا وہ اظہر من الشمس ہے۔

قرآن کریم بنی نوع انسان کی راہنمائی اور ہدایت کے لیے اتارا گیا ہے، اور رہتی دنیا تک یہی ہدایت اور راہنمائی کا سرچشمہ اور فوز وفلاح کا ضامن ہے، یہ اپنے اندر علم وحکمت کے بے انتہاء موتی سموئے ہوئے ہے اسی لیے اہل اسلام پر قرآن کریم کو نہ صرف پڑھنا بلکہ اس کے معانی ومطالب کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔

قرآن کریم کے حوالہ سے متعدد علوم وفنون وجود میں آئے ان میں سے ایک کا تعلق علمی مباحث، تفسیری نکات، شرعی احکام اور موضوعاتی تشریحات سے ہے، اس موضوع پر چودہ سو سال سے امت کے عظیم مفسرین نے محنت وکوشش کر کے اس فن کو زندہ رکھا اور قرآن کریم کی تفسیر وتشریح کے ذریعے امت کی راہنمائی کا فریضہ سرانجام دیا۔

استاذ مکرم، فضیلۃ الشیخ، حکیم العصر حضرت اقدس مولانا عبدالمجید صاحب لدھیانوی دامت برکاتہم العالیہ کی درسی تفسیر "تبیان الفرقان" بھی اسی سلسلۃ الذہب کی ایک کڑی ہے۔

حضرت الشیخ مدظلہ کی تفسیری خوبیاں اور مفسرانہ عظمتیں ''تبیان الفرقان'' کی پہلی دوجلدوں میں آپ ملاحظہ فرما ہی چکے ہوں گے۔

اب اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور محض اسی کی توفیق سے (بندہ کا اس میں کوئی کمال نہیں) ''تبیان الفرقان'' کی تیسری جلد جو سورۃ المائدۃ اور سورۃ الانعام پر مشتمل ہے کو شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔

اللہ تعالیٰ ہی توفیق دینے والا ہے اور وہی ارادوں کو عملی جامہ پہنانے والا ہے، حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی لحاظ سے اس عظیم الشان کتاب کی خدمت اس خادم کے لیے شرف کی بات ہے اس پر جتنا بھی اپنے پروردگار کا شکر ادا کروں کم ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس حقیر پُرتقصیر کی اس کوشش کو اپنی بارگاہ عالیہ میں قبول فرمائیں اور عوام الناس کے لیے ہدایت وراہنمائی کا ذریعہ بنائیں اور جن حضرات نے اس کی تیاری (کمپوزنگ، پروف ریڈنگ، چھپائی) میں حصہ لیا اور اس کو خوب سے خوب تر بنانے کے لیے اپنی قیمتی آراء سے نوازا اور اس میں معاون بنے ان کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اپنی شایان شان اجر عطا فرمائیں (آمین)

دعا گو

ابوطلحہ ظفر اقبال غفرلہ

اٰیاتھا ۱۲۰ ۵ سُوْرَۃُ الْمَآئِدَۃِ مَدَنِیَّۃٌ ۱۱۲ رکوعاتھا ۱۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ۬ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِیْمَةُ

اے ایمان والو! تم عہدوں کو پورا کرو ، حلال کیے گئے ہیں تمہارے لیے وہ چوپائے

الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا یُتْلٰى عَلَیْكُمْ غَیْرَ مُحِلِّی الصَّیْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ

جو انعام کے مشابہ ہیں سوائے ان کے جو تم پر پڑھے جاتے ہیں اس حال میں کہ تم شکار کو حلال قرار دینے والے نہ ہو تمہارے محرم ہونے کی حالت میں

اِنَّ اللّٰهَ یَحْكُمُ مَا یُرِیْدُ ① یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآىِٕرَ

بے شک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے جو چاہتا ہے ① اے ایمان والو! حلال قرار نہ دو اللہ کے دین کی نشانیوں کو

اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْیَ وَلَا الْقَلَآىِٕدَ وَلَآ آٰمِّیْنَ

اور نہ شہر حرام کو اور نہ ھدی کو اور نہ قلادے والے جانوروں کو اور نہ ان لوگوں کو جو قصد کرنے والے ہیں

الْبَیْتَ الْحَرَامَ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ؕ وَاِذَا

حرمت والے گھر کا طلب کرتے ہیں وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا ، اور جب

حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ

تم احرام سے نکل جاؤ پھر تم شکار کر لیا کرو ؛ نہ برانگیختہ کرے تمہیں کسی قوم کی عداوت اس سبب سے کہ انہوں نے روکا تمہیں

عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ

مسجد حرام سے کہ تم حد سے بڑھ جاؤ اور ایک دوسرے کی مدد کیا کرو نیکی اور

التَّقْوٰى ۪ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ

تقویٰ پر ، اور نہ مدد کیا کرو ایک دوسرے کی گناہ اور ظلم پر ، اور اللہ سے ڈرتے رہو ، بے شک

اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٢﴾ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ

اللہ سخت سزا دینے والا ہے ﴿۲﴾ حرام کردیا گیا تم پر میتہ کا کھانا اور خون

وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ

اور خنزیر کا گوشت اور وہ جس پر آواز بلند کی جائے اللہ کے غیر کے لیے اور جو گلہ گھونٹ جانے سے مرجائے اور چوٹ لگایا ہوا

وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۟ قف

اور گرنے والا اور جس کے ٹکر ماری گئی ہو اور جس کو کوئی درندہ کھا جائے مگر جس کو تم ذبح کرلو ،

وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ؕ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ؕ

اور حرام ہے وہ چیز جو ذبح کی جائے نصب پر اور یہ کہ تم قسمت طلب کرو تیروں کے ساتھ ، یہ گناہ ہے ،

اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ

آج مایوس ہوگئے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تمہارے دین سے پس تم ان سے اندیشہ نہ کیا کرو

وَاخْشَوْنِ ؕ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ

اور مجھ سے ڈرو ، آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کردیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کردی

وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ

اور میں نے پسند کرلیا تمہارے لیے اسلام کو از روئے دین کے ، پس جو شخص مجبور کردیا گیا بھوک میں اس حال میں کہ نہ ہو

مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣﴾

وہ کسی گناہ کی طرف میلان کرنے والا ، تو بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے ﴿۳﴾

لغوی، نحوی وصرفی تحقیق:

"یاایھا الذین آمنوا" اے ایمان والو! "اوفوا بالعقود" عقود عقد کی جمع ہے، عقد کا لفظی معنی ہوتا ہے گرہ لگانا، باندھنا، اس لئے عقدہ گانٹھ کو کہتے ہیں اور یہاں عقد سے مراد عہد ہے "اوفوا بالعقود" کا مفہوم ہے "اوفوا بالعھود" عہدوں کو پورا کرو "احلت لکم بھیمۃ الانعام" انعام یہ نعم کی جمع ہے، نعم کا لفظ ان چوپاؤں پر

بولا جاتا ہے جو عادتاً گھر میں پالے جاتے ہیں، سورۃ الانعام میں آئے گا، بھیڑ، بکری، گائے، اونٹ یہ جو گھر میں عام طور پر پالے جاتے ہیں، بھینس یہ گائے کے حکم میں ہے، ان کے اوپر انعام کا لفظ بولا جاتا ہے، اور "بھیمة" مطلقاً چوپائے کو کہتے ہیں، "بھیمة" عام ہے اور "انعام" خاص ہے، تو یہ عام کی اضافت خاص کی طرف کردی گئی ہے۔

اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق یہ اضافت تشبیہی ہے جس کی بناء پر ترجمہ اس کا یوں کیا جائے گا کہ حلال کیے گئے تمہارے لئے وہ تمام چوپائے جو کہ انعام کے مشابہ ہیں یعنی انعام کی حلت تو ہے ہی، اس میں تو شبہ ہی کوئی نہیں ان انعام کے علاوہ جو دوسرے چوپائے ہیں ان کی حلت بیان کرنا مقصود ہے کہ جو انعام کے مشابہ ہیں وہ تم پر حلال کردیے گئے تفصیل اس کی بعد میں آجائے گی، "الا مایتلیٰ علیکم" سوائے ان کے جو تم پر پڑھے جاتے ہیں اس کا اشارہ آنے والی آیت کی طرف ہے کہ جن کی عنقریب تم پر تلاوت کی جائے گی وہ ان سے مستثنیٰ ہیں، "غیر محلی الصید" اس حال میں کہ تم شکار کو حلال قرار دینے والے نہ ہو، "وانتم حرم" اس حال میں کہ تم محرم ہو حرم حرام کی جمع ہے، یعنی "بھیمة الانعام" کے اندر چونکہ شکاری جانور بھی آئیں گے، جو انعام کے مشابہ ہیں وہ تمہارے لئے حلال کردیے گئے، لیکن اتنی بات ہے کہ احرام کی حالت میں تم شکار کو حلال نہ قرار دینا، اس حال میں کہ تم احرام کی حالت میں نہ حلال قرار دینے والے ہو شکار کو "غیر محلی الصید وانتم حرم" حرم حرام کی جمع بمعنی محرم، اور اسی طرح سے حرم کا اطلاق داخل حرم پر بھی ہوگا، تمہارے محرم ہونے کی حالت میں تم شکار کو حلال قرار دینے والے نہ ہو، "ان اللہ یحکم مایرید" بے شک اللہ تعالیٰ فیصلہ کرتا ہے جو چاہتا ہے، حکم دیتا ہے جو چاہتا ہے۔

"یایھا الذین آمنوا لا تحلوا" اے ایمان والو! حلال قرار نہ دو "شعائر اللہ" شعائر شعیرۃ کی جمع ہے، شعیرۃ علامت کو کہتے ہیں، اللہ کی علامات یعنی اللہ کے دین کی علامات، ایسی چیزیں جو کہ اللہ تعالیٰ کے احکام میں سے کسی حکم کی تعیین کے لئے بطور نشان کے متعین کی ہوئی ہیں جو دین کی علامتیں ہیں جن کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ یہ چیز دین اسلام کی چیز ہے، حلال قرار نہ دو کا مطلب یہ ہے کہ ان کا احترام کرو اور ان کی حرمت کے خلاف اس طرح برتاؤ نہ کرو، جس کا حاصل ترجمہ یہ ہوگا کہ بے ادبی نہ کرو اللہ کے شعائر کی "لا تحلوا" کا یہاں مفہوم یہ ہے کہ ان کا احترام کرو ان کی حرمت کا لحاظ رکھو ان کو حلال قرار نہ دو کہ ان کی حرمت کو زائل کردو، بے ادبی نہ کرو اللہ کے دین کی نشانیوں کی "ولا الشھر الحرام" شعائر اللہ کے اندر بہت ساری چیزیں شامل ہوگئیں جن میں سے بعض کا خصوصیت کے ساتھ ذکر آرہا ہے، "ولا الشھر الحرام" اور نہ بے ادبی کیا کرو شہر حرام کی، نہ حلال قرار دو شہر حرام کو، حرمت والے مہینے کو اس کا مصداق چار مہینے ہیں، رجب، ذی قعدہ، ذی الحج، محرم الحرام، ان کو حلال قرار نہ دو یعنی ان کا بھی

ادب کرو، ان کے اندر بھی ان کے ادب کے خلاف کوئی حرکت نہ کرو جیسے لڑائی کی ممانعت کردی گئی اگر تم لڑائی کرو گے چھیڑ چھاڑ کرو گے وہ ان کے احترام کے خلاف ہے، ''ولا الهدی'' اور نہ حلال قرار دو ہدی کو، یعنی ہدی کی بھی بے ادبی نہ کرو، ہدی سے مراد وہ جانور ہیں جن کو بیت اللہ کی طرف بطور قربانی کے بھیجا جاتا ہے یہ بھی عام ہیں اور ان میں سے ''ولا القلائد'' اس کا ذکر خاص طور پر کردیا، قلائد قلادۃ کی جمع ہے، قلادۃ کہتے ہیں پٹوں کو جو کہ جانوروں کے گلے میں ڈالا کرتے ہیں، یا عورت جو ہار پہنتی ہے اس کو بھی قلادۃ کہہ دیتے ہیں یہاں وہ پٹے مراد ہیں اور مضاف اس کا محذوف ہے ''ولا ذوات القلائد'' قلادے والے جانوروں کو بھی حلال نہ قرار دو جن کے گلے میں پٹا ڈالا ہوا ہے بطور نشان کے ''ولاآمين البيت الحرام'' آمین یہ ''اَمَّ یَاُمُّ'' قصد کرنے کے معنی میں ہے اور نہ حلال قرار دو ان لوگوں کو جو کہ قصد کرنے والے ہیں بیت حرام کا، قصد کرنے والے ہیں حرمت والے گھر کا، بیت حرام سے بیت اللہ مراد ہے، آمین قاصدین کے معنی میں ہے ان کی بھی بے ادبی نہ کرو ان کی بھی عزت کا خیال کرو ان کا احترام کرو، ''آمین البیت الحرام'' کا مصداق ہوں گے وہ لوگ جو کہ حج یا عمرہ کی نیت کے ساتھ بیت اللہ کی طرف سفر کررہے ہیں، ''يبتغون فضلا من الله ورضوانا'' قصد کرنے والے ہیں بیت اللہ کا، طلب کرتے ہیں وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضا۔

''واذا حللتم'' اور جس وقت تم احرام سے نکل جاؤ جب تم حلال ہو جاؤ، حلال ہونا یہ ''انتم حرم'' کے مقابلے میں ہے جس وقت تم احرام سے نکل جاؤ ''فاصطادوا'' پھر تم شکار کرلیا کرو، اصطاد یصطاد شکار کرنا، جب تم حلال ہو جاؤ تو تم پھر شکار کرلیا کرو ''ولا يجرمنكم شنأن قوم'' نہ برانگیختہ کرے تمہیں کسی قوم کی عداوت اس سبب سے کہ انہوں نے روکا تمہیں مسجد حرام سے، یہ عداوت تمہیں برانگیختہ نہ کرے کہ تم حد سے بڑھ جاؤ، حد سے نکلنے پر تمہیں برانگیختہ نہ کرلے کہ تم زیادتی کرنے لگ جاؤ ''وتعاونوا على البر والتقوىٰ'' ایک دوسرے سے تعاون کیا کرو نیکی پر اور تقویٰ پر، تعاون ایک دوسرے کی مدد کرنا یہ لفظ عون سے لیا گیا ہے اعانت ایک دوسرے کی مدد کرنا آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرنا، آپس میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو نیکی اور تقویٰ پر ''ولا تعاونوا على الاثم والعدوان'' اور نہ ایک دوسرے کی مدد کیا کرو گناہ پر اور ظلم پر ''واتقوا الله'' اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو ''ان الله شديد العقاب'' بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا والے ہیں۔

''حرمت عليكم الميتة'' حرام کردیا گیا تم پر میتہ یعنی میتہ کا کھانا ''والدم'' اور خون، خون سے یہاں دم مسفوح مراد ہے، جیسے دم مسفوح کی قید سورۃ الانعام میں آئے گی، بہنے والا خون جو رگیں وغیرہ کٹنے سے بہنے لگ جاتا ہے ''ولحم الخنزير'' اور حرام کیا گیا ہے تم پر خنزیر کا گوشت ''وما اهل لغير الله به'' اور حرام کردی گئیں تم پر

وہ چیزیں جن پر آواز بلند کی جائے اللہ کے غیر کے لئے "والمنخنقة" اور حرام کردیا وہ جو گلہ گھونٹ کر مرجائے، ایسا جانور جو کہ گلا گھٹنے سے مرجائے خنق گلہ گھٹنے کو کہتے ہیں "انخنق" کا معنی ہوتا ہے گلہ گھٹ جانا تو منخنقة وہ جانور جس کا گلہ گھٹ جائے ''والموقوذة" چوٹ لگایا ہوا، وقذ مارنے کو کہتے ہیں چوٹ لگانے سے جو مرجائے "والمتردية" گرنے والا جو پہاڑ سے چھت سے کسی بلند جگہ سے گرنے کی بناء پر مرجائے "والنطيحة" جس کے سینگ مارا گیا ہو یا ٹکر ماری گئی ہو ٹکر لگنے سے مرجائے'' وما اكل السبع " اور حرام کردیا گیا وہ جس کو کوئی درندہ کھا جائے جیسے بلی نے مرغی پکڑی آدھی کھالی آدھی چھوڑ دی، اور جو باقی ہے وہ حرام ہے۔

''الا ماذكيتم " اس کا تعلق یا تو "المنخنقة" سے لے کر مابعد کے ساتھ لگایا گیا ہے یا "ما اكل السبع" کے ساتھ لگایا گیا ہے، "الا ماذكيتم'' کا مطلب یہ ہے کہ مگر جس کو تم ذبح کرلو یعنی اگر کسی جانور کا گلہ گھونٹ دیا گیا گلہ گھٹنے کی بناء پر وہ تڑپنے لگ گیا قریب ہے کہ وہ مرجائے لیکن تم نے اس کو زندگی میں ذبح کرلیا تو چاہے وہ ''منخنقة" ہے لیکن ذبح ہوجانے کے بعد وہ حلال ہوگیا، اگر تم ذبح نہ کرتے تو وہ مرجاتا لیکن زندگی کے آثار اس میں موجود تھے کہ تم نے ذبح کرلیا پھر وہ حلال ہے، اسی طرح سے چوٹ اس کے لگ گئی اور تڑپنے لگ گیا اور قریب تھا کہ وہ مرجائے اور اس کو ذبح کرلیا کہ ابھی زندگی کے آثار اس میں تھے تو ایسی صورت میں پھر وہ حلال ہوگیا اسی طرح سے کوئی جانور بلندی سے گر گیا اور اس گرنے کی بناء پر اس کے اتنی چوٹ لگی قریب ہے کہ مرجائے لیکن اس میں حرکت باقی تھی، آثار حیات کے تھے تو ایسی صورت میں ذبح کرلیا جائے تو وہ بھی حلال ہے، اور اسی طرح سے ایک جانور نے دوسرے جانور کے سینگ مارا ٹکر ماری اور وہ ٹکر کے ساتھ قریب الموت ہوگیا تو ایسی صورت میں بھی اگر اس کو ذبح کرلیا جائے جب اس میں زندگی کے آثار ہوں تو وہ بھی حلال ہے درندے نے کسی جانور کو پکڑ لیا زخمی کردیا لیکن آپ نے چھڑالیا اور ابھی وہ زندہ ہے تو اس کو ذبح کرلیا تو اس صورت میں وہ حلال ہوجائے گا، اور اگر ذبح کرنے کی نوبت نہیں آئی گلہ گھٹنے کی بناء پر جانور مرگیا اس کی حیات ختم ہوگئی چوٹ کے ساتھ وہ مرگیا اسی طرح سے جو دوسری صورتیں آپ کے سامنے ذکر کی گئی ہیں کہ درندے نے اس کو کھایا اور اس کی جان نکل گئی مرگیا تو پھر باقی جو ہے وہ حلال نہیں ہے۔

"الا ما ذكيتم" مگر جس کو تم ذبح کرلو یا اس کا تعلق ہے "ما اكل السبع" کے ساتھ اور پہلے لفظوں کے مفہوم میں ما داخل ہے کہ'' منخنقة " کہیں گے اسی کو جو گلہ گھٹنے کی بناء پر مرجائے اور اس کے بعد پھر ذبح کرنے کی گنجائش ہی نہیں رہے گی "موقوذة" کہیں گے ایسے جانور کو جو چوٹ لگنے کی بناء پر مرجائے اور اسی طرح سے ''متردية" اور ''نطيحة" تو جب اس کے اندر موت کا مفہوم لے لیا جائے گا تو پھر "الا ماذكيتم " کا تعلق جو ہے صرف ''ما اكل السبع " کے ساتھ ہوجائے گا کہ جس جانور کو، جس حیوان کو کوئی درندہ کھالے اور تم پھر اس کو زندگی

میں ذبح کرلوتو ایسی صورت میں پھر وہ تمہارے لئے حلال ہے اور اگر ذبح نہ کرسکوتو پھر حلال نہیں ہے لیکن اس میں اتنی قید ہوگی فقہ کے اندر آپ پڑھیں گے ہدایہ رابع کے اندر تفصیل آئے گی کہ اگر درندے نے اس جانور کو اتنا زخمی کردیا کہ اگر آپ اس کو ذبح نہ کریں تو وہ اتنی دیر تک ہی زندہ رہ سکتا ہے جتنی دیر تک آپ کسی اچھے جانور کو ذبح کرنے کے بعد رگیں کاٹنے کے بعد چھوڑ دیتے ہیں تو وہ تڑپتا ہے اگر اس کی اتنی سی حیات ہے جتنی مذبوحہ میں ہوتی ہے پھر اس کو ذبح کرنے کی گنجائش نہیں، ذبح کروگے تو بھی حلال نہیں ہے البتہ اگر وہ اتنا زخمی کردیا کہ وہ بچ تو نہیں سکتا لیکن ذبیحہ سے زیادہ دیر تک وہ زندہ رہ سکتا ہے ایسی صورت میں اگر اس کو ذبح کرلیا جائے گا تو پھر وہ حلال ہے، مثلاً بلی نے پنجہ مارا اور مرغی کا پیٹ پھاڑ دیا اور آپ جانتے ہیں کہ پیٹ پھٹنے کے بعد وہ بچے گی تو نہیں لیکن وہ گھنٹہ دو گھنٹے زندہ رہ سکتی ہے فوراً اس کی جان نہیں نکلے گی ایسی صورت میں اگر اس کو ذبح کرلیا جائے اور اس کی رگیں کاٹ دی جائیں تو مرغی حلال ہوجائے گی۔

لیکن اگر بلی نے اس کو اس طرح جھپٹا ہے کہ اس کا سر ہی توڑ کر لے گئی اور گردن اس کی کٹ گئی اب اگرچہ وہ مرغی تڑپتی پھرتی ہے تو آپ جانتے ہیں کہ اس میں زندگی اتنی سی ہے کہ جیسے اگر آپ اچھی مرغی کو پکڑ کر اس کی رگیں کاٹ دیں تو جتنی دیر وہ تڑپا کرتی ہے اتنی دیر ہی یہ تڑپے گی اس سے زیادہ وہ زندہ نہیں رہ سکتی ایسی صورت میں اگر اس کو پکڑ کر اس کی باقی گردن جو بچی ہوئی ہے اس کو آپ اگر ذبح کر بھی لیں گے تو یہ حلال نہیں ہے، اس میں معیار یہی ذکر کیا فقہاء نے کہ اگر اس زخمی جانور میں مذبوحہ جیسی حیات ہے پھر تو ذبح کرنے کی گنجائش نہیں ہے پھر تو وہ حلال نہیں ہے، البتہ اس میں مذبوح سے زائد حیات ہو یعنی چاہے وہ بچ نہیں سکتا زخمی ہونے کے بعد لیکن زندہ اتنی دیر رہ سکتا ہے کہ مذبوحہ سے زیادہ اس میں حیات کے آثار ہیں۔

پھر اگر اس کو ذبح کردیا جائے گا ٹھیک ہے اور اگر اس کے ویسے ہی بچنے کے امکان ہیں ضروری نہیں کہ مرجائے تو پھر تو بدرجہ اولیٰ ذبح کرنے سے حلال ہوجائے گا، اتنا سا زخمی ہوگیا کہ وہ بچ سکتا ہے ضروری نہیں کہ یہ مرے تو ایسی صورت میں ذبح کرلیں گے تو یہ بھی ٹھیک ہے تو حیات مذبوحہ سے زیادہ اگر ہو تو پھر ذبح کرنے کی گنجائش ہوتی ہے اگر اس میں اتنا سا اضطراب ہے جتنا کہ مذبوحہ میں ہوا کرتا ہے اور وہ اس سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتا جتنی دیر تک کہ ذبیحہ زندہ رہتا ہے تو پھر اس کے ذبح کرنے کی گنجائش نہیں پھر یونہی سمجھو کہ حکماً وہ مرچکا، "الا ماذکیتم" کے اندر اس تفصیل کو آپ نے مستحضر رکھنا ہوگا۔

"وما ذبح علی النصب" نصب یہ گاڑے ہوئے پتھروں کو کہتے ہیں یہ نصب اگر جمع ہے تو اس کا مفرد آئے گا نصاب، اور اگر یہ مفرد ہے تو اس کی جمع آتی ہے انصاب دونوں طرح سے اس لفظ کو ذکر کیا گیا ہے، نصب کو

جمع بنالیں تو نصاب اس کا مفرد آئے گا جیسے کہ کتاب، کتب جمع ہے اور کتاب اس کا مفرد ہے، اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ آپ اس کو مفرد کہیں اور اس کی جمع انصاب آجائے گی، انصاب کا لفظ بھی قرآن کریم میں آیا ہوا ہے اور حرام کی گئیں وہ چیزیں جو ذبح کی جائیں نصب پر ''وان تستقسموا بالا زلام'' ازلام یہ زلم کی جمع ہے اور زلم کہتے ہیں تیر کو اور استقسام قسمت طلب کرنا یا حصہ طلب کرنا اور یہ بھی حرام کردیا گیا کہ تم قسمت طلب کرو تیروں کے ساتھ فال نکالو، جس طرح کہ مشرکین کی عادت تھی کہ کوئی کام کرنا ہوتا تھا تو تیر رکھے ہوئے تھے فال کے جن کے اوپر کسی کا نام لکھا ہوا ہوتا تھا کسی کے اوپر ''امرنی ربی'' لکھا ہوا ہوتا، کسی پر ''نهانی ربی'' لکھا ہوا ہوتا، ان میں سے ایک تیر کھینچتے تو جو کچھ اس پر لکھا ہوا ہوتا اس کے مطابق عمل کرتے یہ بھی تم پر حرام کردیا گیا۔

یا استقسام بالازلام کا مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ مشترکہ اونٹ وغیرہ ذبح کر کے اس کے گوشت کو پھر جوئے کے طور پر تقسیم کیا کرتے تھے جوئے کے تیر کہ دس آدمی اکٹھے ہو جاتے اور دس ہی تیر ہوتے کسی پہ کتنا حصہ لکھا ہوا ہوتا اور کسی پر کتنا حصہ لکھا ہوا ہوتا کسی کو خالی چھوڑا ہوا ہوتا تو ایک ایک کے نام پر تیر نکالتے جاتے جس کے نام پر خالی تیر نکل آیا گویا کہ وہ ہار گیا اس کو گوشت کا کوئی حصہ نہ ملتا اور جس کے نام پر جو تیر نکلا اس کے اوپر جتنا حصہ لکھا ہوا ہوتا تو اتنا اس کو دے دیا جاتا تو بعضے جیت جاتے تھے حصے سے زائد گوشت ان کو مل جاتا، مثلاً پیسے تو برابر برابر ڈالے لیکن کوئی بالکل محروم ہو گیا کسی کو اس کے حصے سے زائد مل گیا یہ جوا ہے یہ میسر ہے تو ''استقسام بالازلام'' کے مفہوم میں یہ بھی داخل ہے ''ذلکم فسق'' ''یہ گناہ ہے'' استقسام بالازلام' یا جو احکام اوپر ذکر کئے گئے ہیں ان کی خلاف ورزی جو ہے یہ فسق ہے فسق سے یہاں وہ فقہاء والا مراد نہیں جو کفر سے نیچے درجے کا ہوتا ہے بلکہ یہ فسق عام ہے جو کہ بغاوت اور نافرمانی کے معنی میں ہے جس کے اندر کفر و شرک بھی شامل ہوسکتا ہے، ''الیوم یئس الذین کفروا'' آج مایوس ہو گئے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تمہارے دین سے ''**فلا تخشوهم**'' پس تم ان سے اندیشہ نہ کیا کرو' واخشونی ''اور مجھ سے ڈرو' الیوم اکملت لکم دینکم **واتممت** علیکم نعمتی'' آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کردیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کردی'' ورضیت لکم الاسلام دینا'' اور میں نے تمہارے لئے اسلام کو از روئے دین کے پسند کرلیا' **فمن اضطر فی مخمصة**'' پس جو شخص مجبور کردیا گیا بھوک میں ''غیر متجانف لاثم'' اس حال میں کہ وہ کسی گناہ کی طرف میلان کرنے والا نہ ہو' تجانف جنف میلان'' گناہ کی طرف میلان کرنے والا نہ ہو' فان اللہ غفور رحیم'' بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔

تفسیر:

ماقبل سے ربط:

سورۃ المائدۃ یہ ہجرت کے بعد نازل ہوئی بلکہ سرور کائنات ﷺ کی حیات کے آخری دور کی یہ سورۃ ہے آپ کے سامنے پہلے جو بڑی بڑی سورتیں گزری ہیں بقرۃ، آل عمران، نساء وہ بھی مدنی تھیں اس لئے ان سورتوں کے اندر کثرت کے ساتھ احکام مذکور ہوئے سورۃ البقرۃ میں فروعی احکام بھی تھے اور اصول کا ذکر بھی تھا، آل عمران میں زیادہ تر اصولی احکام تھے جن کا تعلق عقائد اور نظریات کے ساتھ تھا، اور باطل کے رد کرنے کے ساتھ تھا، احقاق حق کے ساتھ تھا، اور پھر سورۃ النساء میں بھی جزئیات آئی تھیں بہت سارے احکام کی، فروعی احکام مذکور تھے خاص طور پر وہ جن کا تعلق آپس کے معاملات اور معاشرت پہ تھا، تفصیل آپ کے سامنے گذر چکی ہے سورۃ المائدۃ کے اندر بھی احکام کثرت کے ساتھ آرہے ہیں دیگر مباحث بھی آئیں گی لیکن احکام بھی کثرت کے ساتھ آئیں گے، اور یہ احکام بھی اکثر فروعی ہیں اور اصولی مباحث بھی ہوں گی۔

اور سورۃ النساء کی آخری آیت آپ کے سامنے آئی تھی ''یبین اللہ لکم ان تضلوا'' اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے احکام واضح کرتا ہے تا کہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ سیدھے راستے سے بھٹک نہ جاؤ، تو اگلی سورۃ اسی قسم کے احکام پر ہی مشتمل ہے جو آپ کو ضلالت اور گمراہی سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے احکام دیے جارہے ہیں۔

ایمان کے تقاضے:

پہلی آیت یوں سمجھیے کہ سورۃ کے لئے متن کا درجہ رکھتی ہے اے ایمان والو! عہدوں کو پورا کرو یہ ایک عنوان ہے جامع عنوان، اے ایمان والو! یہ لفظ کہہ کر جو خطاب کیا تو آپ کے سامنے پہلے پارے میں ''یایھاالذین اٰمنوا لا تقولوا راعنا'' کی آیت جس وقت آئی تھی تو اس وقت بھی ایمان کا مفہوم آپ کے سامنے ذکر کیا تھا اس کا مطلب یہ ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اطاعت کا عہد کرلیا وہ گویا کہ مؤمن بن گیا تو ''یایھاالذین اٰمنوا'' کے لفظ کے ساتھ وہی عہد یاد دلایا جارہا ہے کہ جنہوں نے اطاعت کا عہد کیا ہے، ہم انہیں کہتے ہیں کہ اب عہدوں کی پابندی کرو یہ عنوان اختیار کرنے کے ساتھ گویا کہ ترغیب بھی ہوگئی ایفائے عہد کی کہ جب تم نے اطاعت کا عہد کرلیا اللہ تعالیٰ سے، ایمان لے آئے اور ایمان لے آنا یوں کہہ دینا ''اٰمنت باللہ'' اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے اللہ کے سب احکام کو قبول کرلیا۔

بظاہر دیکھنے میں یہ عنوان مختصر سا ہے، خیال فرمایئے! لیکن یہ عنوان ایسے ہی ہے کہ جس طرح سے ایک شخص کسی لڑکی کے ساتھ نکاح کرتا ہے تو نکاح کا ظاہر اتنا سا ہے کہ ''نکحت قبلت'' ایک طرف سے کہا کہ میں نے تیرے ساتھ نکاح کیا، دوسرے نے کہا کہ میں نے قبول کیا، تو نکاح ہوگیا اب دیکھنے میں عنوان مختصر سا ہے لیکن آپ جانتے ہیں کہ ازدواجی زندگی کی پوری ذمہ داریوں کو قبول کرلینا ہے اس ''قبلت'' کہنے کے ساتھ، اب کسی ذمہ داری سے جان چھڑواتا ہے یہ کہتا ہوا کہ میں نے تو اس کا عہد نہیں کیا تھا، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نکاح کے مفہوم کو نہیں سمجھتا، مثلاً جس وقت وہ لڑکی اس کے گھر چلی جائے تو وہ کھانے کے لئے مانگے گی، اس کو کپڑے چاہئیں اس کو اس کے حال کے مطابق رہائش کی ضرورت ہے، اب جس وقت وہ کسی چیز کا مطالبہ کرے کھانے کا، پینے کا، کپڑے کا، رہنے کا، تو خاوند آگے سے عذر کرے کہ میں نے تو ان چیزوں کا عہد نہیں کیا تھا میں نے تو تجھے قبول کیا ہے، اب دنیا کی ہر عدالت اس کو جھوٹا قرار دے گی، اور ہر سمجھدار اسے کہے گا کہ اس پاگل کو یہ معلوم نہیں کہ اس قبول کرنے کے پیٹ میں کیا کیا پڑا ہوا ہے۔

جس وقت آپ نے کہہ دیا کہ میں نے قبول کیا، اس کا کپڑا بھی آپ نے اپنے ذمہ لے لیا، اس کی روٹی بھی آپ نے اپنے ذمہ لے لی، اور اس کی دیگر ضروریات کی چیزیں وہ بھی آپ نے اپنے ذمہ لے لیں، اس لئے ''قبلت'' کے تقاضے کے ساتھ ان سب کا پورا کرنا آپ کے ذمے ہے۔

بالکل اسی طرح سے جس وقت ایک آدمی ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' پڑھ کر مؤمنین کی صف میں شامل ہوتا ہے تو یہ بھی ایک قسم کا ''قبلت'' ہے کہ اللہ کے سارے احکام کو قبول کرلیا، اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے وصول کرنے کا ذریعہ محمد رسول اللہ ہیں کہ جو کچھ یہ کہیں گے میں اس کو اللہ کا حکم سمجھتے ہوئے پورا کروں گا، پس یہ ہے کلمہ بنیادی جس کے ساتھ ایک شخص کافروں کی صف سے نکل کر مؤمنوں کی صف میں آتا ہے، تو جب یہ لفظ اس بات پر مشتمل ہوگئے کہ احکام سارے کے سارے قبول کیے جائیں گے تو یہ عنوان اختیار کرکے آپ کو آپ کا یہی اقرار یاد دلایا ہے کہ جنہوں نے اطاعت کا عہد کیا ہے انہیں کہا جا رہا ہے ''اوفوا بالعقود'' کہ اب عقود کو پورا کرو۔

عقود وعہود کا مصداق:

عقود اور عہود سے یہاں کیا مراد ہے؟ اس میں تین قسم کے مفہوم شامل ہوسکتے ہیں تمام کے تمام احکام شریعت وہ بھی عقود میں آگئے کیونکہ وہ اللہ اور بندے کے درمیان معاہدے ہیں کہ بندہ جس وقت ایمان قبول کرتا ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ سے عہد کرتا ہے کہ میں ان احکام کی بجا آوری کروں گا اور میں ان کو

پورا کروں گا، ان پر عمل کروں گا، عقود کا مصداق یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اے ایمان لانے والو! اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو تمہیں ہدایات دی جاتی ہیں جن کے پورا کرنے کا تم نے اللہ کے ساتھ معاہدہ کیا ہے ایمان لانے کے ضمن میں اب ان احکام کی پابندی کرو اور اس معاہدے کے پابند رہو اور بعض عہد وہ بھی ہوتے ہیں جو اپنے ذمے خود لازم کر لیے جاتے ہیں، جس طرح سے آپ نے کسی کام کے کرنے کی قسم کھالی، بشرطیکہ وہ جائز کام ہو اگر جائز نہیں تو پھر شریعت کے تقاضے کے مطابق اس قسم کو توڑا جائے گا اور کفارہ دیا جائے گا وہ کام نہیں کیا جائے گا لیکن اگر وہ جائز ہے تو قسم کھانے کے بعد آپ اس کے پابند ہو گئے، نذر مان لی اپنے اوپر خود کوئی چیز لازم کر لی، عہود کا مصداق تو نذور بھی ہوسکتی ہیں ان کا ایفاء بھی ضروری ہے۔

اس طرح سے عقود کا مصداق وہ معاملات بھی ہیں جو دو مرد آپس میں طے کرلیں کچھ لینا کچھ دینا جو آپس میں عہد کرلیا جاتا ہے جس میں بیع بھی آ گئی، اجارہ بھی آ گیا اور اس قسم کی دوسری چیزیں جن کے آپس میں عہد معاہدے کر لیے جاتے ہیں چاہے وہ دو افراد کے درمیان ہوں چاہے دو قوموں کے درمیان ہوں، چاہے دو جماعتوں کے درمیان ہوں، چاہے دو حکومتوں کے درمیان ہوں چاہے دو ملکوں کے درمیان ہوں، جتنے آپس میں معاہدات کیے جاتے ہیں عقود کا مصداق وہ بھی بن سکتے ہیں تو "اوفوا بالعقود" کا مطلب یہ ہوگا کہ ان معاہدات کی بھی پابندی کرو اب آپ نے دیکھ لیا کہ یہ لفظ جمیع احکام کے لئے جامع ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں وہ بھی عقود کا مصداق بن گئے اور اس طرح سے انسان اپنے اوپر جو چیزیں لازم کرلیتا ہے قسم اور نذر کے ذریعے سے وہ بھی عقود کا مصداق ہو گئے اور معاملات میں آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ جو عقد اور عہد ہو جاتا ہے چاہے وہ بیع کے ضمن میں ہے کہ فلاں چیز دوں گا فلاں چیز لوں گا چاہے وہ اجارہ کے ضمن میں ہے اور اسی طرح سے دوسرے معاملات یا دو جماعتیں آپس میں کسی بات پر معاہدہ کرتی ہیں یا دو ملک آپس میں کسی بات کا معاہدہ کرتے ہیں ان سب کے ایفاء کی اس کے اندر تاکید کردی گئی تو یہ آیت گویا کہ اس سورۃ کے لئے بطور متن کے ہے باقی جتنے احکام آئیں گے وہ سارے کے سارے اس کے لئے شرح کا درجہ رکھتے ہیں۔

گھریلو جانوروں کے مشابہ چوپائیوں کا حکم:

"احلت لکم بهيمة الانعام" اب یہ احکام دینے شروع کیے انعام چوپائے جو کہ گھروں کے اندر رکھے جاتے ہیں وہ تو حلال ہیں یقیناً ان کے اندر تو کوئی حرمت کی بات ہے ہی نہیں بھیڑ ہو گئی، بکری ہو گئی، گائے بھینس اونٹ ہو گئے، یہ انعام کا مصداق ہیں یہ حلال ہیں اور بھیمۃ عام ہے یہ مطلقاً چوپائے کو کہتے ہیں تو "بهيمة الانعام"

میں اضافت تشبیہی مراد لینے کے بعد معنی اس کا یوں کیا جائے گا کہ وہ وحشی چوپائے جو انعام کے مشابہ ہیں وہ تمہارے لئے حلال کر دیے گئے، انعام کے مشابہ کس کام میں یعنی غیر شکاری ہونے میں، لہٰذا جنگل کا جو جانور شکاری نہیں ہے نباتات کھا کر گزارہ کرتا ہے اپنے منہ کے ساتھ شکار نہیں کرتا وہ انعام کے مشابہ ہے جب وہ انعام کے مشابہ ہوگا وہ بھی حلال ہوگا۔

ہاں البتہ بعض چوپائے ایسے ہیں کہ جو انعام کے مشابہ ہیں غیر شکاری ہیں شکار نہیں کرتے اپنے دانتوں کے ساتھ وہ شکار کر کے نہیں کھاتے لیکن حدیث شریف کی دلیل کے ساتھ ان کو حرام قرار دے دیا گیا، وہ اس سے مستثنیٰ ہو گئے جس طرح سے گدھا ہے گدھا شکاری جانور نہیں ہے یہ اپنے منہ کے ساتھ شکار نہیں کرتا تو غیر شکاری ہونے میں یہ انعام کے مشابہ ہے لیکن حدیث شریف میں آ گیا کہ گھریلو گدھا حرام ہے تو اس لئے اس کو اس سے مستثنیٰ کر لیا جائے گا، خچر اور گدھا دونوں اس میں شامل ہیں، باقی جنگلی جانوروں میں معیار یہی ہوگا کہ وحشی جانوروں میں کہ جو درندے نہیں وہ انعام کے مشابہ ہیں اور جو انعام کے مشابہ ہے تو وہ حلال ہے ہاں البتہ ان میں سے بعض چیزیں حرام ہوں گی جس کا تذکرہ اگلی آیت میں آ رہا ہے کہ یہ ''بهيمة الانعام'' میں سے کوئی مر گیا ''ميتة'' ہو گیا یا ''ما احل لغير الله به'' کا مصداق بن گیا یا ''منخنقة، موقوذة، مترديه، نطيحة'' کا مصداق بن گیا یا ''ما اكل السبع'' کا مصداق بن گیا تو پھر یہ ''بهيمة الانعام'' حلال نہیں ہے۔

حالت احرام میں شکار کی ممانعت:

اور ''بهيمة الانعام'' میں چونکہ شکاری جانوروں کی حلت کا ذکر آ گیا کہ یہ شکاری جانور جو انعام کے مشابہ ہیں یہ تمہارے لئے حلال ہیں اس میں بھی ایک پابندی لگا دی کہ ان کا پکڑنا کھانا تمہارے لئے اس وقت حلال ہے جب تم نے احرام نہ باندھا ہوا اسی طرح سے روایات کی دلیل کے ساتھ یہ بھی ہے کہ وہ جانور حرم میں نہ ہو اگر وہ جانور حرم میں ہوگا پھر بھی پکڑنا ٹھیک نہیں اور اگر تم احرام کی حالت میں ہو پھر بھی شکار کرنا تمہارے لئے حلال نہیں ہے احکام کی تفصیل پوری طرح سے فقہ کے اندر موجود ہے، آپ نے خود شکار نہیں کیا کسی کو شکار کرنے کے لئے نہیں کہا، اشارہ نہیں کیا، دلالت نہیں کی، کسی غیر محرم نے از خود شکار کیا اور خود ذبح کر کے وہ گوشت اگر ان کو دیتا ہے تو وہ حلال ہے، خود شکار کرنا حلال نہیں اسی طرح سے شکاری جانور کو اگر کوئی دوسرا شخص زندہ پکڑ کر محرم کو دے دے تو اس کو ذبح کرنا بھی محرم کے لئے حلال نہیں ہے اگر محرم شکاری جانور کو ذبح کرے گا تو وہ بھی ''میتہ'' کا مصداق ہے اس کا کھانا پھر کسی کے لئے جائز نہیں ہے گھریلو جانور کو محرم ذبح کر سکتا ہے مرغی ذبح کر سکتا ہے، بکری ذبح کر سکتا ہے شکاری جانور کو ذبح نہیں کر سکتا۔

تو"غیر محلی الصید وانتم حرم " کا مصداق یہ ہوگیا کہ شکاری جانور تمہارے لئے حلال کردیے گئے وحشی جانور تمہارے لئے حلال ہیں لیکن احرام کی حالت میں تم شکار کو حلال نہ سمجھنا اور اسی کے ساتھ ہی شامل ہوجائے گا کہ جس وقت وہ شکار حرم میں ہو تو تب بھی اس کو حلال نہیں سمجھنا تب بھی شکار کرنا ٹھیک نہیں ہے،"ان اللہ یحکم مایرید" اس میں ان احکام کی عظمت آگئی کہ اس میں تمہیں کسی قسم کی اونچ نیچ کی اجازت نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے حکم دے سکتا ہے اس کا یہ منصب ہے اور تمہیں اس کی پابندی کرنی ہے۔

شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم:

اے ایمان والو! اللہ کے شعائر کو حلال قرار نہ دیا کرو، حلال نہ قرار دیا کرو کا مطلب یہ ہے کہ ان کی حرمت اور احترام کے خلاف کوئی حرکت نہ کیا کرو جس کا حاصل ترجمہ آپ کے سامنے آیا کہ اس کی بے ادبی نہ کیا کرو، اللہ کے شعائر، اللہ کے دین کی علامات یعنی جو اپنے ظاہری وجود کے ساتھ اللہ کے دین کی علامتیں ہیں، نماز کو اس مین شامل کیا گیا، آذان کو اس میں شامل کیا گیا، مساجد کو اس میں شامل کیا گیا، مسنون طریقہ کے مطابق داڑھی جو ہے یہ بھی شعائر میں داخل ہے، اللہ کی کتاب شعائر میں داخل ہے، بیت اللہ شعائر میں داخل ہے، صفا مروۃ اللہ کے شعائر میں داخل ہے، یہ ساری کی ساری چیزیں جن کی تفصیل مختلف جگہوں میں مذکور ہے یہ سب شعائر کا مصداق ہیں ان کی بے ادبی نہ کیا کرو ان کا احترام کیا کرو ان کے متعلق جو احکام دیئے گئے ہیں ان کی رعایت رکھا کرو۔

اور خصوصیت کے ساتھ ذکر کردیا کہ اشہر حرم کا ادب کرو یعنی ان کی بے ادبی نہ کرو کیونکہ ان چار مہینوں کے اندر لڑائی حرام ہے اگرچہ اب روایات کی طرف دیکھتے ہوئے بعض مفسرین نے قول کیا ہے کہ یہ منسوخ ہے اب ان مہینوں کے اندر لڑائی کرنا جائز ہے لیکن پھر بھی بہتر یہ ہے کہ ابتداء نہ کی جائے اگر کوئی چھیڑ چھاڑ کرے تو پھر مقابلے میں لڑائی کی جاسکتی ہے جیسا کہ سورۃ البقرۃ میں اس کی تفصیل آئی تھی اپنی طرف سے ابتداء نہ کرنا آج بھی ادب کا تقاضا ہے اگرچہ وہ حرمت منسوخ ہوگئی، اگر کوئی لڑائی کرے تو پہلے کی طرح حرام نہیں ہے اور ہدی کو حلال قرار نہ دیا کرو اس کا بھی ادب کرو احترام کرو اگر بیت اللہ کی طرف کوئی جانور بھیجے جارہے ہیں تو اس وقت چونکہ عرب کے اندر مشرک بھی تھے اور مسلمان بھی تھے اور پہلے جب مشرکوں کا غلبہ تھا تو مسلمانوں کو بیت اللہ تک نہیں جانے دیتے تھے حتیٰ کہ ایک دفعہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بمع قافلہ کے گئے تھے تو حدیبیہ میں روک دیا گیا آگے نہیں بڑھنے دیا اور جب مکہ معظمہ فتح ہوگیا تو اس وقت بھی مکہ میں مشرکوں کی آبادی تھی اب ایسا ہوسکتا تھا کہ مسلمانوں کے دل میں انتقامی جذبات آجائیں کہ جب ان کو اقتدار حاصل تھا تو انہوں نے ہمیں بیت اللہ کے پاس نہیں آنے دیا اب ہمیں اقتدار

حاصل ہو گیا ہے تو ہم ان کو نہیں آنے دیں گے، ان کے راستے روکیں اور بیت اللہ کی طرف کوئی قربانی کا جانور لے کر آرہا ہو تو چھین لیں اور اس طرح سے کوئی احرام باندھے آرہا ہو تو ماریں، روکیں۔

تو اللہ تعالیٰ ہدایات دیتے ہیں کہ دین کے شعائر اور ہدی اور قلائد ان کا ادب کرو اور جو لوگ بیت اللہ کا قصد کر کے آرہے ہیں اپنے خیال کے مطابق اللہ کی رضا جوئی کے لئے ان کے ساتھ بھی کسی قسم کا بغض نہ کرو اگر ایک وقت انہوں نے تم کو روکا تھا تو تمہیں حوصلہ رکھنا چاہیئے کہ آج تم ان کو اس جذبے سے نہ روکو کہ انہوں نے ہمیں نہیں آنے دیا تو ہم بھی ان کو نہیں آنے دیں گے، عداوت تمہیں ان حالات پر برانگیختہ نہ کرے کہ تم راستے روک لو، اس وقت تک ان لوگوں کو آنے جانے کی اجازت تھی بعد میں پھر ممانعت کر دی گئی، اب اگر مشرک جائے بھی حج کرنے کے لئے تو اس کو روکا جاسکتا ہے روایات کے اندر اس کی صراحت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمادیا تھا کہ آئندہ کوئی مشرک حج کرنے کے لئے نہ آئے اور نہ کوئی ننگے ہونے کی حالت میں بیت اللہ کا طواف کرے اب اگر کوئی عیسائی یا یہودی یا کوئی مشرک بیت اللہ کی طرف عمرہ کرنے کے لئے یا حج کرنے کے لئے جائے تو اس کو روکا جاسکتا ہے، حرم میں داخل ہونے کی اس کو اجازت نہیں دی جاسکتی موجودہ حکومت جو ہے ان کے نزدیک مطلقاً حرم میں داخلہ بھی جائز نہیں ہے، اس لئے جہاں جہاں سے حدودِ حرم شروع ہوتی ہیں سڑکوں پر میں نے دیکھا کہ وہاں بڑے بڑے بورڈ لکھ کر لگائے ہوئے ہیں عربی میں اور انگریزی میں ان کے اوپر لکھا ہوا ہے کہ اس سے آگے کافر کا داخلہ ممنوع ہے تو اگر پتہ چل جائے کہ یہ کافر ہے تو اس کو پکڑ لیتے ہیں حرم کے اندر اس کو رہنے نہیں دیتے اس لئے مرزائیوں وغیرہ کے متعلق نشاندہی ہو جاتی ہے تو ان کی گرفتاری ہو جاتی ہے۔

ہدی کو حلال قرار نہ دو اور اس طرح سے قلائد کو بھی "ذوات القلائد" وہ جانور جن کے گلوں کے اندر پٹے ڈال دیئے گئے ہیں بطور نشانی کے کہ یہ ہدی ہیں اور نہ ان لوگوں کو حلال قرار دو ان کے ادب کے خلاف بھی کوئی حرکت نہ کرو جو بیت اللہ کا قصد کر کے آنے والے ہیں اور اپنے خیال کے مطابق وہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رضامندی چاہتے ہیں یہ علیحدہ بات ہے کہ حقیقت میں کافر ہونے کی بناء پر نہ ان کو فضل ملے اور نہ رضامندی، لیکن اس جذبے کے ساتھ آرہے ہیں ایسی صورت میں بھی ان کے ساتھ کسی قسم کا تعارض نہ کیا کرو۔

باقی یہ جو ہم نے کہا "غیر محلی الصید وانتم حرم" جس وقت تمہارا احرام ختم ہو جائے گا پھر تمہیں شکار کرنے کی اجازت ہے "فاصطادوا" بالاتفاق یہ امر اباحت کے لئے ہے کیونکہ پہلے پابندی لگ گئی تھی کہ جب احرام باندھا ہوا ہو تو اس وقت تم شکار نہیں کر سکتے تو "اذا حللتم" کا مطلب یہ ہوگا کہ اب تمہارا احرام ختم ہو گیا تو ایسی صورت میں پھر وہ پابندی ختم ہو گئی اب تمہیں شکار کرنے کی اجازت ہے "ولا یجرمنکم شنآن قوم"

کسی قوم کی عداوت تمہیں اس بات پر برانگیختہ نہ کرے اور عداوت بھی اس وجہ سے کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا، اس سے وہی مشرک مراد ہیں جو مانع بنے ہوئے تھے اور مسلمانوں کو قریب نہیں جانے دیتے تھے اس سبب سے کہ روکا انہوں نے تم کو مسجد حرام سے عداوت کے سبب سے یہ عداوت تمہیں برانگیختہ نہ کرے کہ تم حد سے بڑھ جاؤ، یعنی اگر ایک طرف سے ناجائز حرکت کرتے ہوئے تمہارے حقوق تلف کیے گئے ہیں تو تمہیں چاہیئے کہ جب تمہیں اختیار حاصل ہو گیا تو تم ان کا انتقام لینے کے لئے حد سے تجاوز نہ کرو، ظلم کے مقابلے میں ظلم نہیں ہے، اگر ایک شخص نے ایک وقت میں تم پر ظلم کیا تمہارے حق تلف کیے تو اس کا یہ معنی نہیں کہ جب تمہیں اقتدار مل جائے تو تم بھی ان کے حقوق تلف کرنا شروع کردو اگر انہوں نے ایسا کیا ہے تو غلطی کی ہے، اور اگر تم ایسا کرو گے تو تمہاری بھی غلطی ہوگی، اس ضد کی بناء پر حد سے تجاوز نہ کرنا۔

انسانی زندگی میں باہمی تعاون کی اہمیت:

"تعاونوا" ایک دوسرے کی مدد کیا کرو نیکی کے کاموں پر، تعاون کا مطلب ایک دوسرے کی اعانت کرنا ہے عون سے یہ لفظ لیا گیا ہے جیسے ترجمہ میں میں نے پہلے ذکر کیا ہے، انسان اس دنیا کے اندر جو زندگی گزارتا ہے تو آپ خیال فرمایئے کہ جس وقت تک ہم آپس میں ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون اور اعانت نہیں کریں گے کوئی شخص زندگی گزار نہیں سکتا اللہ تعالیٰ نے انسان کا مزاج جو ہے ایسا بنایا ہے جو تمدن کو چاہتا ہے آپس میں ایک دوسرے سے مل جل کر رہنے کو چاہتا ہے جنگل میں جانور پیدا ہوتے ہیں تو اپنے طور پر گھاس چرتے ہیں، اپنے طور پر گھونسلہ خود بناتے ہیں اور وہ اپنا گھر وغیرہ کھود کر بیٹھ جاتے ہیں اسی طرح سے بچے جنتے ہیں اور ختم ہو جاتے ہیں ان کی زندگی ایسی ہے کہ ایک جانور اکیلا جو ہے وہ جنگل میں گزارہ کر سکتا ہے اس کو کسی دوسری چیز کا احتیاج نہیں ہے۔

لیکن انسان کی طرز معاشرت ایسی ہے آپ اندازہ کریں کہ صرف روٹی کے لئے آپ کو کتنے لوگوں کے تعاون کی ضرورت ہے زمین ہے اس کے اندر آپ بیج بوئیں گے، ہل چلائیں گے، ہل چلانے والے اور اسی طرح سے دوسرے سارے کے سارے کام کرنے والے، بڑھئی کیا، لوہار کیا، اور کام کرنے والے لوگ سب کا تعاون ہوگا پھر اس کے کاٹنے کے وقت میں، پھر اس کو مشینوں میں پیسنے کے وقت میں دیکھیں گے آپ کہ ایک ایک ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ساری کی ساری کائنات کی مختلف چیزیں آپ کے اردگرد چکر کاٹتی ہیں تب جا کے ایک لقمہ تیار ہو کے منہ تک آتا ہے تو یہ تعاون ہوا ہے ایک دوسرے کے ساتھ تو لقمہ نصیب ہوا ہے، کپڑا پہننے کے لئے آپ کو کتنے لوگوں کی ضرورت ہے کہاں سے یہ روئی پیدا ہوتی ہے پھر دھاگہ بنتا ہے پھر کس طرح سے چلتا ہوا مشینوں سے

گزرتا ہے پھر درزی سے سلائی ہوکر آپ اس کو پہن سکتے ہیں یہ ممکن ہی نہیں کہ ایک آدمی دوسرے سے غیر متعلق ہوکر اپنی ساری ضرورتیں پوری کر لے ایسا ممکن ہی نہیں ہے کہ میں کسی سے کوئی کام نہیں لوں گا اور اپنی ہر ضرورت جو ہے وہ خود پوری کرلوں گا بالکل نہیں۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے اندر آپس میں ایک دوسرے کی طرف احتیاج کی صفت رکھی ہے اور یہ احتیاج کی صفت ایسی ہے کہ انسان کو انسان کے ساتھ جوڑتی ہے غریب آدمی کے پاس بدنی قوت ہے تو وہ مالدار آدمی کا محتاج ہے کہ مجھ سے وہ کام لے اور مجھے پیسے دے تاکہ میں اپنی ضرورت پوری کروں، ایک آدمی کے پاس پیسے ہیں لیکن بدنی قوت نہیں ہے تو وہ غریب آدمی کا محتاج ہے، مزدور کا، کہ کوئی شخص آئے میرا کام کرے اور میں اس کو پیسے دے کر یہ کام کروالوں تو صبح سے لے کر شام تک آپ کی زندگی جتنی بھی چل رہی ہے وہ اسی احتیاج کی بناء پر ایک دوسرے کی طرف ہم متوجہ ہیں اپنی ضرورت پورا کرنے کے لئے ہم ایک دوسرے سے تعاون حاصل کرتے ہیں تب جا کے زندگی گزرتی ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسی تعاون کو برقرار رکھتے ہوئے اصول قائم کردیا کہ تعاون کرو ایک دوسرے کے ساتھ اس کے بغیر تو انسانی معاشرہ تشکیل ہی نہیں پا سکتا جب تک کہ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون نہیں ہوگا۔

باہمی تعاون میں بر اور تقویٰ کی رعایت کا حکم:

لیکن اس میں بر اور تقویٰ کی رعایت رکھو، نیکی کا مفہوم جہاں پایا جائے، جہاں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا مفہوم پایا جائے وہاں تو ایک دوسرے کے ساتھ اعانت کیا کرو تعاون کیا کرو اور اگر کسی کے گناہ اور عداوت کی بات آجائے تو وہاں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون نہیں کرنا، روٹی کمانے کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو، کپڑا بنانے کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو لیکن اگر ایک آدمی چاہتا ہے کہ میں فلاں گھر سے چوری کر کے لاؤں تاکہ مفت میں مجھے مال مل جائے تو وہ آپ سے تعاون چاہتا ہے تو اس کے ساتھ تعاون نہ کرو کیونکہ اثم اور عدوان کے بارے میں اگر تم ایک دوسرے کا ہاتھ بٹانے لگ جاؤ گے اور چوروں کی ایسی کمیٹیاں بننی شروع ہو جائیں جس طرح سے دوسرے کاروبار کے اندر لوگ ایک دوسرے کے ساتھ امداد باہمی کے اصول پر اکٹھے ہوتے ہیں جیب تراش اکٹھے ہو جائیں تو آپ جانتے ہیں کہ اس کے نتیجے میں اس عالم کے اندر فساد ہی فساد آئے گا۔

جیسا کہ آپ کی آنکھوں کے سامنے ہے آج کل باقاعدہ یونین بنی ہوئی ہیں چور چوروں کے حامی ہیں، جیب تراش جیب تراشوں کے حامی ہیں، اور غلط کار آدمی دوسرے غلط کار آدمیوں کے حامی ہیں تو انفرادی طور پر ایک

شخص اتنا نقصان نہیں پہنچا سکتا جب وہ جماعت تشکیل پا جاتی ہے تو وہ بہت زیادہ نقصان پہنچاتی ہے، اس لئے حکم دیا گیا کہ جب بھی دوسرے کے ساتھ تعاون کی نوبت آئے تو دیکھ لیا کرو کہ تمہارے اس تعاون کے اندر گناہ کا پہلو تو نہیں ہے؟ جس شخص کی تم اعانت کرنے لگے ہو اس کے اس کام کے اندر کوئی ظلم کا پہلو تو نہیں ہے اگر اس کے اندر گناہ کا پہلو ہے، ظلم کا پہلو ہے تو پھر قطعاً اس کی اعانت نہ کرو، ہاں البتہ اس میں گناہ کا پہلو نہیں اور ظلم کا پہلو نہیں ہے تو ایسی صورت میں آپس میں تعاون کیا کرو کیونکہ اسلامی معاشرے کے اندر تعاون ہی ایک ایسی چیز ہے کہ جس کے ساتھ انسانی زندگی آسانی کے ساتھ گزر سکتی ہے۔

تو تعاون کے بارے میں گویا کہ حد بندی کر دی گئی کہ بر اور تقویٰ کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا ہے ایک شخص اچھا کام کرنا چاہتا ہے کسی پہلو سے وہ نیکی ہے چاہے معاشرتی پہلو سے نیکی ہے، دینی نیکی ہے، اخلاقی نیکی ہے اور وہ تم سے کہتا ہے کہ میرا تعاون کرو تو میں یہ کام کروں تو اس کی طرف ہاتھ بڑھاؤ اس کے ساتھ تعاون کرو لیکن اگر ایک آدمی کسی لڑکی کو اغوا کرنا چاہتا ہے، کسی کا مال چرانا چاہتا ہے، کسی کو قتل کرنا چاہتا ہے کوئی ایسا گناہ کرنا چاہتا ہے جو شرعاً جرم ہے اخلاقاً جرم ہے معاشرتی جرم ہے جس کے ساتھ کسی دوسرے کے حقوق تلف ہوتے ہیں تو ایسی صورت میں پھر اس کی اعانت نہ کرو، یہ دونوں طرف سے حد بندی کر دی گئی کہ تعاون کس صورت میں ایک دوسرے کے ساتھ جائز ہے اور کس صورت میں جائز نہیں ہے،

"واتقوا اللہ" اور اللہ کا تقویٰ ہی ہے جو انسان کو پورے احکام کی بجا آوری کے اوپر مجبور کرتا ہے ہر وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا والا ہے۔

وہ جانور جن کا کھانا حرام ہے:

اب یہ آیت جو شروع کے اندر آئی تھی "الا مایتلیٰ علیکم" کے لفظ جس کے اندر آئے تھے تو "الا مایتلیٰ علیکم" کی تفصیل ان آیات کے اندر کی جارہی ہے کہ حرام کر دیا گیا تم پر میتۃ یہ آیت چونکہ سورۃ البقرۃ کے اندر گذر چکی ہے تو وہاں الفاظ کی تشریح بھی آگئی تو میتۃ اس جانور کو کہتے ہیں کہ جو واجب الذبح تھا لیکن بغیر ذبح کرنے کے مر گیا، واجب الذبح یہ قید لگائی ہم نے مچھلی اور ٹڈی کو نکالنے کے لئے وہ واجب الذبح نہیں ہیں وہ اگر بغیر ذبح کے مر جائیں تو وہ حلال ہیں جو شرعاً واجب الذبح تھا اور بغیر ذبح کے مر گیا تو اس کو کہیں گے میتۃ یہ بھی حرام ہے۔

"والدم" اور بہنے والا خون یہ بھی حرام ہے اور دم کے ساتھ مسفوح کی قید سورۃ انعام میں لگی ہوئی ہے

یعنی زخم ہونے کے بعد جو خون بہنے لگ جاتا ہے یہ بھی نجس ہے، رگوں کا خون جو ہے یہ نجس بھی ہے ناپاک بھی اس کا استعمال ٹھیک نہیں ذبح کرتے وقت جو رگیں کاٹی جاتی ہیں تو خون جو اچھل کر نکلتا ہے تو وہ بھی ناپاک ہے ہاں البتہ ویسے جو گوشت کے ساتھ خون لگا ہوا ہوتا ہے وہ حرام نہیں ہے اس لئے اگر گوشت کو بغیر دھونے کے پکا لیا جائے تو بالکل ٹھیک ہے دھونا جو ہے وہ بطور نظافت کے ہے وہ علیحدہ بات ہے گوشت اگر آپ کسی کپڑے میں لائیں تو کپڑے کے اوپر جو خون کا نشان لگ گیا وہ بھی پاک ہے اس کپڑے کو ناپاک نہیں کہیں گے، بہنے والا خون جو ہے وہ ناپاک ہے اور اس کا استعمال ٹھیک نہیں ہے۔

"ولحم الخنزیر "اور خنزیر کا گوشت یہاں چونکہ ماکولات کا ذکر ہے تو اس کو ذکر کر دیا گوشت کے طور پر ورنہ خنزیر نجس العین ہے اور اس کا ہر ہر جزء جو ہے وہ نجس ہے اس کا استعمال ٹھیک نہیں ہے، میتۃ نجس العین نہیں ہے اس کا کھانا حرام ہے، چمڑا دباغت دے لیا جائے تو پاک ہو جائے گا، ہڈی کی رطوبات صاف کر لی جائیں تو اس کو استعمال کیا جا سکتا ہے، بال اس کے استعمال کئے جا سکتے ہیں خنزیر کا کوئی جزء استعمال نہیں کیا جا سکتا۔

"وما اهل لغیر الله به "اس کی تفصیل بھی آپ کے سامنے آ گئی اس کا قطعی مصداق جس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں وہ یہ ہے کہ ذبح کرتے وقت غیر اللہ کا نام لیا جائے آپ نے عربی تفسیروں کے اندر یہ لفظ پڑھا ہوگا کہ "ماذبح باسم اللات والعزیٰ" اسم اللات والعزیٰ کے ساتھ جس کو ذبح کر دیا گیا یہ قطعی حرام ہے کہ اس کے اندر کسی قسم کی تاویل کی گنجائش نہیں اور ایک صورت وہ ہے کہ ذبح کرنے سے مقصد ہے کہ کسی غیر اللہ کا قرب حاصل کرنا اس کی رضاء جوئی لیکن ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھ لی گئی جمہور فقہاء کے نزدیک اور اکثر علماء دیوبند کے نزدیک یہ بھی حرام ہے جیسے تفصیل آپ کے سامنے آ گئی لیکن یہ دوسرے درجے میں ہے بہر حال یہ مجتہد فیہ ہے پہلے کی طرح قطعی نہیں ہے وہ جانور کہ آواز بلند کر دی گئی اللہ کے غیر کے لئے اس کے ساتھ۔

"والمنخنقة" گلا گھونٹ کر مرنے والا جانور "والموقوذة" چوٹ لگ کر مرنے والا جانور "متردیة" کسی بلند جگہ سے نیچے گر کر مرنے والا جانور "والنطیحة" جس کے سینگ مار دیا جائے ٹکر مار دی جائے ٹکر کھا کر یا سینگ کھا کر مرنے والا جانور "وما اکل السبع" جس کو کوئی درندہ کھا جائے یہ بھی سارے کے سارے حرام ہیں "الا ماذکیتم " مگر جس کو تم حیات کی موجودگی میں ذبح کر لو جس کی تفصیل آپ کے سامنے آ گئی "وما ذبح علی النصب" اور حرام کر دیا گیا وہ جانور بھی جس کو نصب پر ذبح کیا گیا ہو نصب پر ذبح کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے ملک میں بھی ایسی چیزیں موجود ہیں کوئی درخت ہے کسی بزرگ کی طرف منسوب لوگ جاتے ہیں اور وہاں جا کر اس بزرگ کے نام پر جانور دیتے ہیں۔

غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانوروں کی مختلف صورتیں:

اب نصب پر ذبح کرنا اور "ما اهل لغير الله به" ان دونوں کے درمیان فرق اس طرح سے کیا جائے گا کہ اگر تو ذبح کرتے وقت اس غیر کا نام بھی لے لیا گیا تو اس صورت میں یہ "ما اهل لغير الله به" کا مصداق بن گیا اور اگر اس پیر کی قبر پر یا کسی ایسی جگہ پر جو کسی جن کی طرف یا کسی فرشتے کی طرف منسوب قرار دی ہوئی ہے وہاں جا کر وہ لوگ ذبح کرتے تھے چاہے پھر ذبح کے وقت غیر کا نام نہ بھی لیا جائے تو وہ نصب پر ذبح ہے یہ "ما اهل لغير الله به" میں شامل ہو گیا، دونوں کے درمیان فرق کرنے کے لئے ایک اہلال قولی ہے اور ایک اہلال فعلی ہے۔

مشرکین کا طریقہ یہی تھا کہ کبھی تو وہ لات اور عزیٰ کا نام لے کر ذبح کرتے تھے کبھی ان بت کدوں پر جا کر ذبح کر دیا کرتے تھے چاہے وہ ذبح کرتے وقت لات عزیٰ کا نام بھی نہ لیں تب بھی وہ غیر اللہ کے لئے سمجھا گیا تب بھی حرام، اور اسی طرح سے ہمارے ہاں بھی اگر کوئی شخص ذبح کرتا ہے بسم اللہ پڑھ کر لیکن ذبح کرتا ہے کسی پیر کی جگہ پر لے جا کر نیت اس کی یہ ہے کہ میں تقرب کے طور پر ذبح کر رہا ہوں تو "ما ذبح على النصب" میں یہ بھی شامل ہے لیکن دو درجے میں نے آپ کے سامنے نکال دیے، ایک ہے قطعی جس میں کسی قسم کی تاویل کی گنجائش نہیں ہے، اور ایک ایسا درجہ ہے جس میں نیت اگرچہ یہ ہو لیکن ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھ لیا تو جمہور فقہاء اور اکثریت علماء دیوبند کی اس کو بھی پہلے کی طرح حرام قرار دیتی ہے لیکن اس میں کسی درجہ میں اختلاف کی گنجائش ہے باقی چیزوں کی طرف دیکھتے ہوئے، لہٰذا یہ اس درجے کی نہیں کہ اس کے انکار کرنے والے کو کافر کہیں اس میں تاویل کی کسی درجے میں گنجائش ہے، مشرکین کے ہاں جو عمل تھا وہ یہی تھا کہ یا تو ذبح کرتے وقت وہ غیر اللہ کا نام لیتے تھے یا ان کے ٹھکانوں پر جا کر ذبح کر دیا کرتے تھے چاہے وہ غیر اللہ کا نام بھی نہ لیں، اور اللہ کا نام لینے کا ان کے ہاں رواج ہی نہیں تھا۔

تیسری قسم جو ہے یہ بعد میں پیدا ہوئی کہ نیت کر لی جائے غیر اللہ کی اور پھر ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لے لیا جائے "بسم الله" پڑھ لیا جائے اس ایک قسم کا وجود بعد میں ہوا، جس وقت قرآن کریم کی آیات اتر رہی تھیں اس وقت مشرکین کے اندر یہ تیسری قسم موجود نہیں تھی، اب خبث نیت کی طرف دیکھتے ہوئے جمہور اس کو حرام قرار دیتے ہیں اور ہمارے اکابر میں سے یعنی اکثریت قریب الکل کا تو یہی قول ہے بعض کی طرف اس کے خلاف قول کی نسبت کی گئی ہے اس لئے میں اس کو مجتہد فیہ حرام قرار دیتا ہوں، پہلے کی طرح اس کو قطعی حرام قرار نہیں دیتا کہ

جس کے انکار کی بناء پر ہم کہہ دیں کہ کفر آ گیا، اور دونوں کے درمیان فرق بھی ہو گیا "ما اھل لغیر اللہ بہ" اور "ماذبح علی النصب" یہ بھی اھلال کی صورت ہے لیکن یہ اھلال فعلی ہے اور جب زبان کے ساتھ نام لے لیا جائے گا تو یہ اھلال قولی ہے۔

"وان تستقسموا بالازلام" "اور حرام کر دیا گیا تم پر کہ تم تیروں کے ذریعے سے تقسیم کرو یا حصہ طلب کرو یا قسمت طلب کرو یہ مفہوم بھی آپ کے سامنے آ گیا "ذلکم فسق" یہ سب نافرمانی ہے، اللہ تعالیٰ کے حکم کی بغاوت ہے جو پیچھے ذکر کیا گیا اس کی مخالفت یا "استقسام بالازلام" یہ فسق ہے، گناہ کا کام ہے۔

تکمیل دین کا اعلان:

آگے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس دین کی تکمیل کا احسان جتایا جا رہا ہے تا کہ اس کی قدر کرتے ہوئے اس کی پابندی کریں آج کافر مایوس ہو گئے تمہارے دین سے کیا مطلب؟ کہ اب دین تمہارا اتنا نمایاں ہو گیا ہے کہ وہ حوصلہ رکھتے تھے حوصلے بنائے پھرتے تھے کہ ہم اس دین کو مٹا دیں گے اب وہ مایوس ہو گئے کہ یہ مٹایا نہیں جا سکتا اور پہلے جو ان کو توقع تھی کہ ہم کسی طرح سے مسلمانوں سے مصالحت کر کے کچھ اس سے تبدیل کروالیں گے اب وہ تبدیلی کروانے سے بھی مایوس ہو گئے پس تم ان سے کوئی اندیشہ نہ رکھو اب یہ تمہارے دین کو مٹا نہیں سکتے مجھ سے ڈرتے رہو تا کہ میرے احکام کی خلاف ورزی نہ ہونے پائے۔

"الیوم اکملت لکم دینکم" آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر دیا ہر لحاظ سے کامل ہو گیا، اب اس میں کسی اضافے کی ضرورت نہیں ہے بہت ساری جزئیات صراحتاً بیان کر دی گئیں ورنہ اصول ایسے قائم کر دیئے گئے کہ اب ان اصولوں سے باہر نکل کر کوئی حکم معلوم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اس لئے جتنے بھی واقعات قیامت تک آتے چلے جائیں گے تو وہ انہیں اصولوں سے نکلتے رہیں گے جو قرآن اور حدیث کے اندر واضح کر دیئے گئے، اور میں نے تم پر اپنی نعمت تام کر دی کہ دین بھی کامل کر دیا ظاہری طور پر اس کا غلبہ بھی ہو گیا یہ بھی اتمام نعمت ہے اور میں نے تمہارے لئے اسلام کو از روئے دین کے پسند کر لیا یعنی ہمیشہ کے لئے، اب اس کو منسوخ نہیں کیا جائے گا۔

یہ دین کا اکمال اب اس طرح سے ہو گیا ہے کہ پہلے جو نبی دین لاتے تھے اس زمانے کے اعتبار سے وہ بھی کامل ہوتا تھا، خیال فرمالیجئے کسی نبی کے لائے ہوئے دین کو اس دور کے اعتبار سے ناقص نہیں کہہ سکتے جس قسم کی ضرورتیں اس امت کی ہوتی تھیں وہ ساری کی ساری اس میں پوری کر دی جاتی تھیں، لیکن اس وقت چونکہ معاشرے

میں تنگی تھی اتنی وسعت نہیں تھی تو تھوڑی سی ضرورتیں ہوتی تھیں تھوڑے سے احکام آ گئے ان کے لئے وہ کامل ہے لیکن جیسے جیسے معاشرے میں وسعت پیدا ہوتی گئی اس کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے وہ آئے ہوئے احکام کافی نہیں ہوتے تھے جس کی بناء پر دوسرا نبی آتا پھر وہ احکام لاتا اب یہ معاشرہ اپنے کمال کو پہنچ گیا تو اللہ تعالیٰ نے دین بھی کمال کو پہنچا دیا یوں سمجھیں کہ پہلے انبیاء علیہم السلام کے لائے ہوئے دین کے مختلف اجزاء ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر آ کر اس کی تکمیل ہو گئی۔

جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ختم نبوت کی مثال دیتے ہوئے کہا کہ جو نبی آتا گیا یوں سمجھو کہ نبوت کی بنیادیں اینٹوں کے طور پر سب فٹ ہوتے چلے گئے محل بنتا چلا گیا تو آخر میں ایک اینٹ کی جگہ خالی تھی میں آ گیا تو وہ اینٹ بھی فٹ ہو گئی اور دین کامل ہو گیا تو جس طرح تمام انبیاء علیہم السلام ملے تو قصر نبوت تیار ہوا آپ آخری جزء ہیں اس کے بعد کوئی گنجائش نہیں ہے اسی طرح سے دین بھی درجہ بدرجہ ترقی کرتا چلا آیا، اپنے وقت کے اعتبار سے اپنے مخاطبین کی ضرورت کے لئے ہر دین کافی ہوتا تھا کامل ہوتا تھا لیکن اس میں ترقی کی گنجائش ہوتی تھی اور وہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں انتہاء کو پہنچ گیا اب اس میں کسی اضافے کی گنجائش نہیں ہے اب جو بھی واقعات پیش آئیں گے ہر ایک کا حکم انہی اصولوں سے اخذ کیا جائے گا جو اصول بیان کر دیے گئے ہیں، کوئی وقت ایسا نہیں آنے گا کہ کوئی چیز سامنے آ جائے کہ جس کا حکم ہم ان اصولوں سے نہ نکال سکیں یہ درمیان میں احسان جتلایا۔

حرمت والے احکام کی استثنائی صورت:

اور پھر اس حکم کی تکمیل کر دی جو پیچھے حرمت کا آیا تھا کہ یہ چیزیں حرام کر دی گئیں لیکن اس میں اتنی گنجائش چھوڑ دی گئی کہ جو شخص بھوک میں مضطر ہو جائے اس حال میں کہ گناہ کی طرف میلان رکھنے والا نہ ہو اس میں وہی صورتیں شامل ہیں "غیر باغ ولا عاد" والی دوسری آیت کے اندر یہ لفظ "غیر باغ ولا عاد" کے ساتھ آیا تھا، نہ طالب لذت ہو نہ ضرورت سے زیادہ کھانے والا ہو اگر طالب لذت ہو گا تو بھی "متجانف لاثم" سمجھا جائے گا، تو یہ لفظ ان دونوں صورتوں کو شامل ہے وہ گناہ کی طرف میلان کرنے والا نہ ہو "فان اللہ غفور رحیم" پس بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے، یعنی اگر وہ اپنی ضرورت کے تحت اس حرام چیز کو استعمال کرے گا تو باوجود اس بات کے کہ وہ ہے حرام لیکن اللہ بخش دے گا رحم کرے گا اس کے اوپر کسی قسم کی گرفت نہیں کرے گا یہ رخصت حاصل ہو گئی۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ

وہ آپ سے پوچھتے ہیں کیا چیز حلال کی گئی ہے ان کے لیے ، آپ کہہ دیجئے حلال کردی گئیں تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں ، اور جن کو تم تعلیم دو

مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۡ فَكُلُوْا مِمَّآ

شکاری جانوروں میں سے اس حال میں کہ تم ان کو چھوڑنے والے ہو سکھاتے ہو تم ان جانوروں کو اس چیز سے جو اللہ نے تمہیں سکھائی پس کھالیا کرو اس جانور سے جو

اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

روک رکھا انہوں نے تم پر اور ذکر کیا کرو اللہ کا نام اس پر ، اور اللہ سے ڈرتے رہو ، بے شک اللہ تعالیٰ

سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝۴ اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۭ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ

جلدی حساب لینے والا ہے ۝۴ آج حلال کردی گئیں تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں ، اور ان لوگوں کا طعام بھی

اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۠ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۡ وَالْمُحْصَنٰتُ

جو کتاب دیے گئے تمہارے لیے حلال ہے ، اور تمہارا طعام ان کے لیے حلال ہے ، اور پاک دامن عورتیں

مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ

مومن عورتوں میں سے اور پاک دامن عورتیں ان لوگوں میں سے جو کتاب دیے گئے

قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ

تم سے قبل جبکہ تم دے دو ان کو ان کے اجور اس حال میں کہ تم ان کو قید نکاح میں لانے والے ہو شہوت رانی کرنے والے نہیں

وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ

اور نہ تم ان کو خفیہ دوست بنانے والے ہو ، جو شخص انکار کرے ایمانیت کا پس تحقیق ضائع ہوگیا

عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۵ ع

اس کا عمل ، اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوں گے ۝۵

لغوی، صرفی تحقیق:

"یسئلونك ماذا احل لهم " آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا چیز حلال کی گئی ہے ان کے لئے "قل احل لکم الطیبات" آپ کہہ دیجئے حلال کردی گئیں تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں "وما علمتم من الجوارح " جوارح یہ جارحہ کی جمع ہے، جارحہ کالفظی معنی ہے زخمی کرنے والا''جرح یجرح ''زخمی کرنا،اور یہاں جارحۃ سے مراد شکاری جانور ہے جو اپنے منہ کے ساتھ یا اپنے پنجہ کے ساتھ کسی چیز کو زخمی کردیتا ہے اس میں کتا بھی شامل ہے باز بھی شامل ہے اور جو درندہ بھی شکار کرنے کے لئے رکھ لیا جائے جوارح کا مصداق بن سکتا ہے''من الجوارح'' یہ ما کا بیان ہے جن شکاری جانوروں کو تم تعلیم دو سکھالو "مکلبین" اس حال میں کہ تم ان کو چھوڑنے والے ہو "تعلمونهن مما علمکم الله" سکھاتے ہو تم ان جانوروں کو اس چیز سے جو اللہ نے تمہیں سکھائی "فکلوا مما امسکن علیکم " پس کھا لیا کرو اس جانور سے جو روک رکھا ان جوارح نے ان شکاری جانوروں نے تم پر "واذکروا اسم الله" ذکر کیا کرو اللہ کا نام اس پر یعنی "ماعلمکم " میں جو ما آیا ہوا ہے اس کا مصداق جوارح کو بنایا گیا تو اس ما کے لفظوں کی رعایت رکھتے ہوئے "واذکروا اسم الله" میں ضمیر مفرد کی لوٹائی ہے یعنی ان شکاری جانوروں پر اللہ کا نام ذکر کیا کرو ان جوارح پر اللہ کا نام لیا کرو "واتقوا الله" اللہ سے ڈرتے رہو "ان الله سریع الحساب" بے شک اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والے ہیں۔

"الیوم احل لکم الطیبات" آج حلال کردی گئیں تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں "وطعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم " اور وہ لوگ جو کتاب دیے گئے ان کا طعام بھی تمہارے لئے حلال ہے "وطعامکم حل لهم " اور تمہارا طعام ان کے لئے حلال ہے "والمحصنات من المؤمنات" محصنات پاک دامن عورتیں، پاک دامن عورتیں مومن عورتوں میں سے اور پاک دامن عورتیں ان لوگوں سے جو کتاب دیے گئے تم سے قبل یہ بھی حلال کردی گئیں، حلال کردی گئیں تمہارے لئے پاک دامن عورتیں مومن عورتوں میں سے اور پاک دامن عورتیں ان لوگوں کی جو دیئے گئے کتاب تم سے قبل "ان اٰتیتموهن " جب کہ دے دو تم انہیں ان کے اجر "محصنین" اس حال میں کہ تم ان کو قید نکاح میں لانے والے ہو''غیر مسافحین ''شہوت رانی کرنے والے نہیں، قید نکاح میں لانے والے ہو نہ کہ مستی نکالنے والے ہو محض شہوت رانی کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ ان کو بیوی بنا کر رکھنا مقصود ہے اور نہ تم ان کے ساتھ خفیہ آشنائی لگانے والے ہو" ولا متخذین "نون اضافت کی وجہ سے گر رہا ہے "اخدان" خدن کی جمع ہے، خدن کہتے ہیں خفیہ یار کو یعنی علی الاعلان نکاح نہ کیا جائے بلکہ خفیہ طور پر آشنائی قائم کرلی جائے

ایسا نہیں تم قید نکاح میں لانے والے ہو نہ کہ محض مستی نکالنے والے ہو اور نہ تم ان کو خفیہ دوست بنانے والے ہو، خفیہ آشنائی کرنے والے ہو یہ خدن کی جمع ہے "ومن یکفر بالایمان" اور جو کوئی انکار کرے ایمان کا، ایمان سے یہاں مراد ایسی چیز ہے جس کے اوپر ایمان لانا ضروری ہے یعنی ایمانیات جو کوئی شخص ایمانیات کا انکار کرے گا، ان باتوں کا انکار کرے گا جن باتوں پر ایمان لانا ضروری ہے "فقد حبط عمله" پس تحقیق اس کا عمل ضائع ہو گیا "وهو فی الآخرة من الخاسرین" اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوں گے۔

تفسیر

ماقبل سے ربط:

پچھلی آیات میں ماکولات میں سے کچھ محرمات کی تفصیل آپ کے سامنے ذکر کی گئی ہے اور ابتداء میں حلال چیزوں کا ذکر کیا گیا تھا جس میں یہ لفظ آئے تھے "احلت لکم بهیمة الانعام" اور میں نے عرض کیا تھا کہ "بهیمة الانعام" میں چونکہ اضافت تشبیہ کے لئے ہے تو یہاں شکاری جو باہر سے شکار کئے جاتے ہیں ان کے حلال ہونے کا ذکر کرنا مقصود ہے کہ جنگلی جانور جو کہ ان گھریلو پالتو جانوروں کے مشابہ ہیں درندہ نہ ہونے میں شکاری نہ ہونے میں تو وہ تمہارے لیے حلال کر دیے گئے تو جنگل کے شکار کے حلال ہونے کا ذکر آیا، اور آگے کچھ پھر محرمات کا ذکر آگیا کہ وہی حیوانات جو تمہارے لیے حلال ہیں ان میں سے اگر اس قسم کا مصداق بن جائے اس کی تفصیل آپ کے سامنے آگئی مثلاً وہ میتہ ہو گیا منخنقة ہو گیا موقوذة ہو گیا متردیة ہو گیا یا اس کو کوئی درندہ پھاڑ جائے ایسی صورت میں وہ حرام ہے تو حلال چیزوں کے ذکر کے ساتھ یعنی ماکولات میں سے یہ محرمات کا ذکر تھا۔

انسانی زندگی میں شکار کی اہمیت:

اگلی بات اسی سلسلے سے تعلق رکھتی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ عرب میں اس وقت عام طور پر چونکہ بدوانہ زندگی تھی، جنگلوں میں لوگ زیادہ وقت گزارتے تھے، شہروں کی آبادی کم تھی، خانہ بدوش قسم کے لوگ ان کے معاش کا زیادہ تر دارومدار شکار پر تھا وہ باہر سے جنگلی جانور پکڑتے شکار کرتے اور اس کو کھاتے تھے اسی طرح سے اپنا وقت گزارتے تھے پرانی تاریخ آپ اٹھا کر دیکھیں گے تو ابتدائی دور میں جب کہ انسان نے زیادہ تر تمدن اختیار نہیں کیا تھا اور اس طرح سے اجتماعی زندگی، شہری زندگی، تجارت زراعت والی زندگی نے اس وقت تک زور نہیں پکڑا تھا تو زیادہ تر لوگوں کا گزارہ جو تھا وہ یا غلہ بانی پر تھا یہ بکریوں کے، بھیڑوں کے، اونٹوں کے، گائیوں کے ریوڑ رکھتے تھے اور ان کو باہر چراتے اور پالتے اور ان کے دودھ بال کھال گوشت پر گزارہ کرتے، اور یا پھر وہ

شکار کرتے تھے اور شکاری جانوروں کے گوشت سے، ان کے چمڑے سے، ان کی ہڈیوں سے فائدہ اٹھاتے اس طرح سے ان کا وقت گزرتا تھا۔

گویا کہ انسان کے شکار کرنے کی تاریخ اتنی پرانی ہے جتنی پرانی انسان کی تاریخ ہے، ابتداء سے ہی شکار والا شغل انسان نے اختیار کیا ہے اپنی غذا مہیا کرنے کے لئے درندوں کو اور چوپایوں کو وہ شکار کرتا ہے، شکار کر کے ان کو کھاتا ہے تو عرب کے اندر بھی یہی چیز تھی تو صید کو شکار کو جو حلال کیا گیا تو اس وقت شکار کرنے کے ذرائع جو تھے ان میں ایک ذریعہ تو تیر اندازی تھا کہ تیر کے ساتھ لوگ شکار کرتے تھے چوپایوں کا بھی، اور درندوں کا بھی، اور دوسرا ذریعہ تھا کتوں کے ذریعہ سے شکار کرتے تھے، کتے پالتے تھے، اور ان کتوں کے ذریعے سے شکار کرتے تھے اور آج بھی اس دور میں آپ دیکھ لیں کہ جن لوگوں کو شکار کا شوق ہے تو وہ بندوق کے ساتھ بھی شکار کرتے ہیں اور کتوں کے ساتھ شکار کرنے کا رواج آج بھی موجود ہے، جو لوگ بھی ایسی جگہوں میں آباد ہیں جہاں شکار ملتا ہے ریگستانی علاقے ہو گئے، جنگلات کے علاقے ہو گئے تو وہاں شکار کرنے کے لئے آج بھی لوگ کتے پالتے ہیں، اور شریعت نے چونکہ شکار کرنے کو حلال قرار دیا، جب حلال قرار دیا تو جن کے ذریعہ سے شکار کرنا ہے تو ان کو بھی جائز قرار دیا، اس لئے تیر اندازی شکار کے لئے ہو تو درست ہے اور شکار کرنے کے لئے کتا پالنے کی بھی اجازت ہے۔

کتا کن صورتوں میں رکھا جا سکتا ہے اور کن میں نہیں؟

کتا رکھنے کی مذمت ہے اس پر بہت ساری وعیدیں آئی ہیں لیکن جس قسم کے کتوں کا استثناء فرمایا کہ یہ رکھنے جائز ہیں ایک تو ہے کھیتی باڑی کی نگرانی کے لئے باہر کھیتوں میں جنگلی جانور آ جاتے ہیں اور آ کر نقصان کر جاتے ہیں یا چور وغیرہ آتے ہیں تو زمینداروں کی عادت ہے کہ باہر اپنے باغات میں کھیتوں کے اندر کتے کو رکھتے ہیں اور یا بھیڑ بکریوں کی حفاظت کے لئے "کلب صید او کلب غنم او ماشية" (بحوالہ مشکوٰۃ ص ۳۰۹ ج ۲) "کلب ماشية او صيد او زرع" (بحوالہ بالا) مویشی کی حفاظت کے لئے جیسے یہ لوگ چونکہ ریوڑ رکھا کرتے ہیں تو ریوڑوں کی نگرانی کے لئے ساتھ کتے بھی پالتے ہیں جہاں بھیڑ بکریاں بٹھائی ہوتی ہیں کتا بھی بطور حفاظت اور نگرانی کے چھوڑ دیا، یہ کتا بھی جائز ہے جو بھیڑ بکریوں کے ریوڑ کی حفاظت کے لئے رکھا جائے۔

اور تیسرے نمبر پر وہ کتا جس کی اجازت دی گئی ہے وہ کلب صید ہے شکار کرنے کے لئے جو کتا رکھا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مذمت جس کتے کی آئی ہے جس کے رکھنے سے منع کیا گیا ہے یہ محض وہ کتا ہے جو شوق کے

طور پر پالا جائے اس کی ضرورت نہیں ہے جیسے آج کل لوگ کوٹھیوں میں رکھتے ہیں کاروں میں ان کو ساتھ بٹھا کر چلتے ہیں، قیمتی سے قیمتی کتے لاتے ہیں بس ان کے بھونکنے سے خوش ہوتے ہیں اس قسم کے کتے جو شوقیہ طور پر رکھے جاتے ہیں یہ کتے رکھنے حرام ہیں، اوران کے رکھنے کے ساتھ ہر روز انسان کی نیکی میں کمی آتی ہے اور جہاں یہ کتے رکھے ہوئے ہوں وہاں فرشتے نہیں آتے ممانعت آئی ہے اس قسم کے کتے کی جو کہ اس طرح سے شوق کے طور پر رکھے ہوئے ہوں، اور جو کتا ان ضرورتوں کے لئے رکھا ہوا ہو اس کا جواز حدیث شریف کے اندر صراحتاً آیا ہوا ہے کھیتی کی نگہداشت کے لئے ہو، باغات کی نگہداشت کے لئے ہو یا اپنے حیوانات مویشی کی نگہداشت کے لئے ہو، بھیڑوں بکریوں کے غلے کی نگہداشت کے لئے اور یا شکار کے لئے رکھا ہوا ہو۔

شکار جو ذبح اختیاری سے پہلے مر جائے:

اب شکار جس وقت کتے کے ذریعہ سے کریں گے یا تیر کے ذریعہ سے کریں گے تو بسا اوقات ایسی نوبت بھی آجاتی ہے کہ آپ نے تیر مارا ایک پرندے کے اور آپ اس کو قاعدے کے مطابق ذبح نہیں کر سکے آپ کے وہاں پہنچنے تک وہ مر گیا، یا ایک شکار کے اوپر آپ نے کتا چھوڑا اور کتے نے اس کے ساتھ جا کر لڑائی کی تو اس کو عاجز کرنے کے لئے اس کو زخمی کر دیا پھاڑ دیا تو پھاڑنے کے ساتھ بسا اوقات شکاری آدمی وہاں تک پہنچنے نہیں پاتا شکار پہلے ہی مر جاتا ہے اب یہ شکار حلال ہے کہ نہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یہ سوال کیا کہ جب محرمات کا تذکرہ چلا آرہا تھا کہ فلاں چیزیں تمہارے لئے حرام اور فلاں چیز بھی تمہارے لئے حرام تو اپنی ضرورت کے تحت یہ سوال اٹھایا گیا کہ اس صید کے شمار میں کون کونسی چیزیں ہمارے لئے حرام ہیں کس طریقے سے شکار کیا جائے تو حلال ہے اور کس طریقے سے شکار حرام ہوگا۔

"یسئلونك" کا یہاں یہ معنی ہے شکار کے متعلق یہ سوال کیا گیا تو حدیث شریف کے اندر مستقل باب آتا ہے "باب الصید والذبائح" اس کے اندر اس کی تفصیل موجود ہے، سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ اگر تیر "بسم اللہ" پڑھ کر چھوڑا جائے اور چھوڑنے والا مسلمان ہو یا کتابی ہو جس کا ذبیحہ جائز ہے جیسے مسئلہ آپ کے سامنے آرہا ہے،! "بسم اللہ" پڑھ کر تیر چھوڑا جائے اور وہ کسی پرندے کے لگ جائے پھر اگر آپ کے پہنچنے سے پہلے پہلے پرندہ مر بھی جائے تو بھی وہ حلال ہے اس کو آپ کھا سکتے ہیں اس کو ذبح اضطراری کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے ،اور ایسے ہی اگر کسی شکاری نے کتا وغیرہ چھوڑا ہے اور "بسم اللہ" پڑھ کر چھوڑا ہے اور وہ کتا سکھایا ہوا ہو معلم ہو کتا جاہل نہ ہو تو وہ پھر اگر اس جانور کو پکڑ لے اور پکڑنے کے ساتھ وہ آپ کے پاس آنے سے پہلے پہلے مر جائے،

یاباز آپ نے چھوڑ دیا وہ باز معلم ہے "بسم اللہ" پڑھ کر اس کو چھوڑ دیا اس نے جا کے کسی پرندے کو دبوچا اور آپ کے پاس آنے سے قبل قبل وہ پرندہ مر گیا تو سرور کائنات ﷺ نے فرمایا ان آیات کی روشنی میں کہ وہ شکار انسان کے لئے حلال ہے کتے کا زخمی کر دینا یا کتے کا اس کو مار دینا یا باز کا مار لینا انسان کے ذبح کے قائم مقام ٹھہرا دیا گیا اس کو ذبح اضطراری کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں کہ کہیں بھی اس کے زخم ہو جائے۔

یا فقہاء رحمہم اللہ کے نزدیک زخم کوئی ضروری نہیں زخم کی قید صرف ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہے تو باقیوں کے نزدیک زخم بھی ضروری نہیں ہے تو ایسی صورت میں جو مر جائے گا اس کو حلال قرار دیا ہے۔

شکار کرنے کی شرائط:

لیکن ان میں چند شرطیں ہیں جو ان آیات کے اندر واضح کی گئی ہیں، پہلی بات تو یہ ہے کہ لفظ جوارح اختیار کیا گیا اسی سے ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اخذ کیا ہے کہ کچھ نہ کچھ زخم ضرور ہونا چاہیئے تب جا کے جوارح کا تحقق ہوگا، اور باقیوں کے نزدیک جوارح سے مراد صرف شکار کرنے والا جانور ہے، آگے لغوی دلالت کے تحت زخم کا پایا جانا ضروری نہیں وہ "جارحة" کو اس معنی میں لیتے ہیں کام کرنے والے جو شکار کا کام کرنے والے ہیں وہ جوارح کا مصداق بن جائیں گے، جرح زخمی کرنا وہ مراد نہیں لیتے، اور ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اس کو زخمی کرنے کے معنی میں لیتے ہیں تو اس لئے کہتے ہیں کہ کچھ نہ کچھ زخم جانور پر ضرور ہونا چاہیئے جس کے اوپر آپ نے شکاری کتا یا شکاری جانور چھوڑا ہے۔

پھر وہ معلم ہو معلم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کتے کو سکھایا ہوا ہو، سکھائے ہوئے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جو شکار پکڑے وہ خود نہ کھائے بلکہ اپنے مالک کے پاس لے کر آئے اگر وہ چھوٹی چیز ہے تو آپ نے دیکھا ہوگا اگر کبھی نوبت آئی ہے لوگوں کو شکار کرتے ہوئے دیکھنے کی کہ کتا یہ خرگوش وغیرہ پکڑتا ہے تو اس کو کھاتا نہیں بلکہ اس کو پکڑ کر مالک کے پاس لے آتا ہے، اور اگر وہ چیز وزنی ہوتی ہے جیسے ہرن وغیرہ تو پھر وہ کتا اس کو گرالے گا اور گرا کر وہیں نگرانی کے طور پر بیٹھ جائے گا کھائے گا نہیں تاکہ اس کا مالک آجائے اور آ کر اس کو سنبھال لے تو کتے کے سکھانے کا مطلب یہ ہے کہ شکار کیے ہوئے جانور میں سے کھائے نہ بلکہ اپنے مالک کے پاس لے آئے اور مالک کے لئے محفوظ رکھ لے تو یہ کتا معلم ہے اور اگر کتا شکار کرنے کے بعد خود کھانے لگ جاتا ہے تو یہ جاہل ہے اس جاہل کا شکار جائز نہیں ہے، تبھی جائز ہوگا جب آپ اس کے مارے ہوئے کو زندہ ذبح کر لیں ذبح کر لیں گے تو ٹھیک ہوگا ورنہ نہیں جاہل کتے کے شکار کا ذبح کرنا ضروری ہے اگر ذبح نہیں کیا تو پھر اس کا شکار جو ہے وہ حلال نہیں ہے، اس کا معلم ہونا ضروری ہے۔

اور باز وغیرہ پرندے جو کہ شکار کے لئے استعمال کیے جاتے ہیں شکرا ہو گیا باز ہو گیا ان کے معلم ہونے کی علامت یہ قرار دی گئی ہے کہ اگر آپ اس کو شکار پر چھوڑ دیں پھر بعد میں اس کو آواز دیں تو آپ کی آواز پر وہ واپس آجائے آواز پر واپس آنا یہ معیار ہے اس باز یا شکرے کے معلم ہونے کا، اگر آپ اس کو چھوڑ دیتے ہیں کبوتر پر آپ نے اس کو چھوڑ دیا اور پھر آواز دی واپس نہیں آیا بلکہ وہ اپنے جذبات کے تحت کبوتر کی طرف ہی چلا گیا تو وہ جاہل ہے اس کا پکڑا ہوا شکار آپ کے لئے حلال نہیں ہوگا ہاں البتہ ذبح کرنے کی نوبت آگئی تو آپ کے لئے حلال ہوگا تو اس طرح کتا شکار پر چھوڑا ہوا آواز دینے سے واپس نہ آئے تو یہ اس کے جاہل ہونے کی علامت نہیں ہوگی وہاں دارومدار ہے کھانے نہ کھانے پر، اور باز اگر شکار پکڑ کر اس میں سے کھالیتا ہے تو بھی وہ جاہل نہیں کیونکہ باز کے معلم ہونے کا دارومدار ہے آواز پر بلانے پر واپس آجائے تو یہ اس کے معلم ہونے کی علامت ہے، اور کتے کا نہ کھانا یہ اس کے معلم ہونے کی علامت ہے۔

اور پھر ایک شرط یہ بھی ہوئی کہ چھوڑتے وقت اس کو قصداً چھوڑا جائے مثلاً کتا آپ کے پاس ہے شکار دیکھ کر آپ نے اس کو چھوڑا، اور اگر وہ کتا آپ باہر لے گئے آپ نے شکار کو دیکھا ہی نہیں کتے نے از خود دیکھ لیا اور خود جاکے وہ شکار پکڑ لایا یہ شکار بھی حلال نہیں ہے اس کی نسبت جو ہے وہ آپ کی طرف نہیں ہوگی، اس شکار کی نسبت آپ کی طرف تب ہوگی جس وقت کہ آپ نے اس کتے کو چھوڑا ہے پکڑا ہوا ہو تو آپ نے چھوڑا ہو، اور اگر پکڑا ہوا نہیں ہے ویسے آپ کے ساتھ چل رہا ہے تو آپ نے اس کو برانگیختہ کیا ہو شکار پر تو پھر بھی اس کی نسبت آپ کی طرف ہو جائے گی، اور اگر از خود چلتے پھرتے کتا پکڑ لائے تو ایسی صورت میں پھر وہ حلال نہیں ہے، اس لئے "مکلبین" کے اندر یہ ذکر کیا گیا کہ تم ان کو چھوڑنے والے ہو تب جاکے شکار حلال ہوگا پھر چھوڑتے وقت اس پر" بسم اللہ" پڑھو" بسم اللہ" پڑھنا بھی ضروری ہے تو جس وقت یہ چیزیں متحقق ہو جائیں گی تو ایسی صورت میں وہ باز کا مارا ہوا شکار، کتے کا مارا ہوا شکار حلال ہو جائے گا، اس طرح سے تیر کا مارا ہوا شکار وہ بھی حلال ہو جائے گا۔

اور اگر وہ چیز جس کے ساتھ آپ نے شکار کو مارا ہے دھاری دار نہیں ہے بلکہ ایسے ہے کہ جس طرح آپ غلیل کے اندر غلولہ چلاتے ہیں تو پھر یہ چوٹ کے ساتھ مرا ہوا جانور ہے ایسے جانور حلال نہیں چنانچہ یہ بندوق جو شکار کے لئے استعمال ہوتی ہے اس کے اندر بھی چونکہ وہ چھرے گول گول ایسے ہوتے ہیں جس طرح سے غلول ہوتے ہیں تو یہ چھرا لگ کر زخمی بھی کر دے تو یہ ایسے ہی ہے جیسے لاٹھی مارنے سے بھی زخم ہو جاتا ہے چمڑا پھٹ جاتا ہے اور خون نکل آتا ہے اس کا کوئی اعتبار نہیں یہ بھی چوٹ میں شامل ہے اور ایسے ہی ہے جیسے کہ چوٹ لگ کر مرا ہے اس جانور کو بھی حلال قرار نہیں دیا جائے گا جو گولی کے ساتھ جس میں دھار نہیں ہوتی یا غلولے کے ساتھ جو کہ

عام طور پر ربڑ کی غلیل میں رکھ کر چلایا جاتا ہے یا کمان میں رکھ کر چلایا جاتا ہے اس کے ساتھ مرا ہوا شکار یہ چوٹ کے ساتھ مرا ہے حلال نہیں ہے البتہ دھاری دار چیز جیسے تیر اس کے آگے دھار ہے اگر تیر میں بھی دھار نہیں ہے تو ایسے ہی اس کو چلا دیا لاٹھی کی طرح وہ جا کر لگا اور جانور کو مار دیا تو وہ بھی حلال نہیں ہے تو یہ ہے کچھ تفصیل شکار کی جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال اٹھایا تھا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان آیات کے اندر اس کی وضاحت کر دی۔

تفسیر باللفظ:

"یسئلونك ماذا احل لهم" آگے جواب کی تفصیل کی طرف دیکھتے ہوئے سوال یہی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سوال کیا کہ حلال جانوروں میں سے ان کے لئے کون سا شکار کیا ہوا کس طرح سے شکار کیا ہوا جانور حلال ہے، جواب کی تفصیل کی طرف دیکھتے ہوئے سوال یہ ہوا، آپ کہہ دیجئے جو چیزیں عام طور پر ذبح کرنے کی صورت میں تمہارے لئے حلال ہیں شکار کی صورت میں بھی حلال ہیں تو یہ بات تمہارے لئے کر دی گئی یعنی شکار کی صورت میں بھی یہ بات تمہارے لئے حلال ہے جو عام حالات میں حلال ہیں وہ شکار کی صورت میں بھی حلال ہیں "وماعلمتم من الجوارح" اور جن شکار کرنے والے جانوروں کو تم تعلیم دے لو "من الجوارح" ما کا بیان ہے جوارح کا معنی کواسب، یا جوارح کا معنی زخم کرنے والے جیسے میں نے دونوں مفہوم آپ کے سامنے ذکر کر دیئے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ زخم کرنے کو بھی شرط ٹھہراتے ہیں اور باقی ائمہ کے نزدیک زخم شرط نہیں ہے چاہے گلا گھونٹ کر کتا اس کو مار دے تو بھی ان کے نزدیک حلال ہے، چاہے خون کچھ بھی نہ نکلا ہو جن شکاری جانوروں کو تم تعلیم دے لو اس حال میں کہ تم ان کو چھوڑنے والے ہو اور سکھاتے ہو تم ان کو اس چیز سے جو اللہ نے تم کو سکھائی ہے یعنی جو طریقہ شریعت کے اندر تمہیں تعلیم کیا ہے یا سکھایا ہے اس طریقے کے مطابق تم ان کو سکھاؤ جس کی تفصیل میں نے آپ کی خدمت میں کر دی پس کھا لیا کرو ان جانوروں میں سے جس کو وہ شکاری جانور تم پر روک رکھیں تو "امسکن" کے اندر یہ آ گیا کہ وہ خود نہ کھائیں بلکہ تمہارے لئے روک رکھیں اس کو کھا لیا کرو۔

"واذکروا اسم الله علیه" اور ان جانوروں کو چھوڑتے وقت ان کے اوپر اللہ کا نام لیا کرو "علیه" کی ضمیر مفرد لوٹ گئی "ماعلمتم" ما کی طرف، چاہے مصداق اس کا جوارح ہے جمع لیکن لفظوں میں چونکہ مفرد ہے تو یہ "واذکروا اسم الله" کی ضمیر مفرد لوٹا دی اس کی طرف "واتقوا الله" اللہ سے ڈرتے رہو اس کا مطلب یہ ہے کہ شکار وغیرہ کے شغل میں لگ کر اللہ تعالیٰ کے باقی احکام فراموش نہ کر دو، وقت پر نماز نہ پڑھو اور اسی طرح دوسری چیزوں میں کوتاہی کرو ایسا نہ کرو اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ ڈرتے رہو حدیث شریف میں آتا ہے کہ

عام طور جولوگ شکار کے پیچھے لگ جاتے ہیں غافل ہو جاتے ہیں ان کو باقی باتیں یاد نہیں رہتیں، اس لئے تنبیہ فرمائی ہے کہ شکار کی صورت میں بھی اللہ سے ڈرتے رہو اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی رعایت رکھو بے شک اللہ تعالیٰ جلد ہی حساب لینے والا ہے۔

چیزوں کی حلت وحرمت کا واضح اصول:

"الیوم احل لکم الطیبات" آج تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کردی گئیں، آج سے مراد ہے زمانہ نزول قرآن جس وقت یہ سورۃ اتر رہی ہے، حلال کردی گئیں کا مطلب یہ ہے کہ اب وہ حلال کردی گئیں ہمیشہ کے لئے ان کے اوپر کوئی کسی قسم کا نسخ نہیں آئے گا، قیامت تک کے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کردی گئیں، پاکیزہ چیزوں کا کیا مصداق ہے؟ یہاں طیبات خبائث کے مقابلے میں ہیں "یحل لکم الطیبات" حلال کرتا ہے تمہارے لئے طیبات کو "یحرم علیکم الخبائث" اور حرام ٹھہراتا ہے خبائث کو اس قسم کے الفاظ سورۃ اعراف میں آتے ہیں نبی کا ذکر پیچھے آیا ہوا ہے کہ تمہارے اوپر وہ طیبات کو حلال ٹھہراتا ہے اور خبائث کو تمہارے اوپر حرام ٹھہراتا ہے، تو خبائث کے مقابلہ میں طیبات کو لایا گیا، خبائث خبیثۃ کی جمع ہے جس چیز کے اندر کسی قسم کا خبث ہو وہ حرام ہے اور جس چیز کے اندر کسی قسم کا خبث نہ ہو وہ حلال ہے تو جن چیزوں کو قرآن اور حدیث نے صراحۃً حلال قرار دے دیا وہ بالیقین طیبات کا مصداق ہیں، اور جن کو صراحۃً حرام ٹھہرا دیا وہ تو بالیقین خبائث کا مصداق ہیں اس میں کسی قسم کی تاویل کی گنجائش نہیں ہے۔

اور جن چیزوں کا قرآن وحدیث میں ذکر نہیں آیا اب ان کو جاننے کے لئے کہ یہ حلال ہیں یا حرام اس کا مدار اس بات پر ہے کہ اگر عقل سلیم اور عقلی دلیل کے ساتھ اس میں خبث ثابت ہو جاتا ہے تو ہم اس کو طیبات میں شامل نہیں کریں گے اس کو حرام قرار دے دیں گے، اور اگر عقلی دلیل اس چیز کو طیب ثابت کرتی ہے تو ہم اس کو حلال قرار دے دیں گے طیب ثابت ہونے کے لئے یہ ہوگا کہ اس میں کسی قسم کی نجاست نہ ہو اور اس کے اخلاق کے اندر اس قسم کی کوئی خرابی نہ ہو کہ کھانے کے ساتھ انسان اس سے متاثر ہوگا، اور اس کے اندر بھی وہی خرابیاں آجائیں گی، جس طرح سے درندگی ہے دوسرے کے اوپر ظلم کرنے کا جذبہ دوسرے کو پھاڑ کھانے کا جذبہ، اگر انسان اس قسم کے جانوروں کو کھائے گا تو اس کے اندر بھی درندگی آئے گی جو انسانیت کے منافی ہے اس لئے حدیث شریف میں یہ اصول ہی قائم کر دیا گیا کہ درندے تمہارے لئے حرام ہیں چاہے وہ نجاست خور جانور نہیں ہیں۔

چاہے ان کا رجحان جو ہے انتہائی پستی اور ذلت کی طرف ہے جیسے حشرات الارض ہوگئے زمین کے کیڑے مکوڑے یا ان کے قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے جیسے سانپ ہوگیا بچھو ہوگیا اس قسم کی چیزیں یہ بھی اس قسم کے خبث پر دلالت کرتی ہیں بہر حال روحانی طور پر مضر ہو یا جسمانی طور پر وہ نقصان پہنچانے والی چیز ہے یا اس سے برے اخلاق بڑھنے کا اندیشہ ہے تو یہ چیزیں خبائث میں شامل ہو کر حرام ہو جائیں گی، اور جن کے اندر اس قسم کی کوئی بات نہیں ان کو پاکیزہ قرار دیں گے اور ان کو حلال قرار دے دیں گے، تو جو منصوص نہیں ہیں غیر منصوص اشیاء ان کے حلال اور حرام ہونے کا مدار اس بات پر ہوگا کہ یہ طیبات کا مصداق ہیں یا خبائث کا، دلائل کے ساتھ اس بات کی تعیین کرنی ہوگی دلیل کے ساتھ اگر کسی شی کا خبث ثابت ہو جائے تو ہم اس کو حرام قرار دیں گے، اور اگر اس کا خبث ثابت نہیں ہوگا تو ہم اس کو حلال قرار دیں گے، یہ چیزیں مجتہد فیہ ہوں گی، اور جن کو صراحت کے ساتھ قرآن وحدیث میں حلال قرار دے دیا گیا وہ بالیقین طیبات کا مصداق ہیں اور جن کو قرآن وحدیث میں صراحۃً حرام قرار دے دیا گیا تو یہ بالیقین خبائث کا مصداق ہیں تو تمہارے لئے طیبات حلال کر دی گئیں اب ان کے اوپر نسخ نہیں ہوگا بلکہ یہ طیبات تم پر حلال ہی رہیں گی۔

اہل کتاب کے ذبیحہ کا حکم:

"وطعام الذین اوتواالکتاب حل لکم" یہاں طعام کا مصداق بالاتفاق ذبیحہ ہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لئے حلال کر دیا گیا، کیونکہ اگر غیر ذبیحہ مراد لیا جائے جیسے خشک غلہ ہوگیا، سبزیاں ہوگئیں، فروٹ ہوگئے، پھل ہوگئے اس میں اہل کتاب کی تخصیص نہیں ہے وہ کافر ہو، وہ مشرک ہو، وہ بت پرست ہو، جو بھی ہو اس کے ہاتھ کا لے کر کھانا جائز ہے، ہندو کی دوکان ہے فروٹ کی وہاں سے آپ نے کیلا خرید لیا، مالٹا خرید لیا کوئی حرج نہیں ہے اس طرح سے آپ اس کی دوکان سے دودھ لے لیجئے کوئی حرج نہیں ہے البتہ یہ خیال کرتے ہوئے کہ اس کے برتن پاک نہیں ہوں گے اس کے ہاتھ پاک نہیں ہوں گے یہ خیال کریں تو یہ ایک علیحدہ بات ہے لیکن اس کی دوکان کی یہ چیزیں جیسے غلہ جات ہوگئے، دالیں ہوگئیں، سبزیاں ہوگئیں اور اس طرح کی چیزیں ہوگئیں جو کھانے پینے کے لئے ہوتی ہیں وہ بالاتفاق جائز ہے چاہے وہ دوکان مشرک ہی کی کیوں نہ ہو اس کے ہاتھ سے لے کر کھایا جاسکتا ہے اس میں کوئی تخصیص نہیں ہے۔

فرق اگر ہے تو ذبیحہ کے بارے میں ہے کہ ذبیحہ اسی شخص کا حلال ہے یا تو وہ مسلم ہو اور یا اہل کتاب میں سے ہو اور مشرک بت پرست جو اہل کتاب کا مصداق نہیں ہیں ان کا ذبیحہ حرام ہے۔

اہل کتاب کا مصداق:

اب یہ بات کہ اہل کتاب کون لوگ ہیں؟ اہل کتاب کن کو کہا جاتا ہے؟ اہل کتاب کا مصداق قرآن کریم کی اصطلاح میں عیسائی اور یہودی ہیں اور اگر تعریف کرنی ہو اہل کتاب کی تو یہ ہے کہ ایسی کتاب جس کا نزول من جانب اللہ یقینی ہے یقینی طور پر قطعیات کے تحت معلوم ہے کہ فلاں کتاب اللہ کی طرف سے اتری ہے اور وہ لوگ اس کتاب کو مانتے ہوں اور اس کی اتباع کا دعویٰ کرتے ہوں، دعویٰ کرتے ہوں آگے عمل کیا ہے اس سے ہمیں بحث نہیں ہے، جس طرح سے ایک مسلمان اللہ کی کتاب کو قرآن مانتا ہے اور اس کی اتباع کا دعویٰ کرتا ہے اس کا ذبیحہ حلال ہے باقی عملی زندگی میں کیسا ہے اس سے ہمیں کیا؟

اسی طرح جو شخص اس کتاب کو تسلیم کرے گا جو اللہ کی طرف سے آئی ہوئی ہے بالیقین، اور بالیقین اللہ کی طرف سے آئی ہوئی کتاب ہے زبور، توراۃ، اور انجیل، اور قرآن کریم میں اگرچہ صحف موسیٰ علیہ السلام اور صحف ابراہیم علیہ السلام کا بھی ذکر ہے، لیکن صحف موسیٰ علیہ السلام صحف ابراہیم علیہ السلام کی شکل میں کتاب موجود نہیں ہے، جس کی بناء پر ہم اس کا مصداق کسی کو نہیں بنا سکتے کہ فلاں کتاب صحیفہ ابراہیمی ہے یا فلاں کتاب صحیفہ موسوی ہے، ہم بالیقین کچھ نہیں کہہ سکتے اگر ہم کہہ سکتے ہیں اللہ کی طرف سے اتری ہوئی کتاب تو ہم انجیل کو کہہ سکتے ہیں، زبور کو کہہ سکتے ہیں، توراۃ کو کہہ سکتے ہیں، تو جو لوگ اپنی نسبت ان کی طرف کرتے ہیں توراۃ کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں، انجیل کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں یہ کہلائیں گے اہل کتاب، باقی دوسری کتابیں جس طرح سے سکھوں کا گرنت ہو گیا، یا ہندوؤں کی بوتھیا ہو گئی یا اسی طرح سے آتش پرستوں کی کتابیں ہو گئیں چاہے وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ الہامی کتابیں ہیں، اللہ کی طرف سے آئی ہوئی ہیں لیکن ہمارے پاس ان کے الہامی ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے، جس کی بناء پر ہم ان کو من جانب اللہ نہیں مانیں گے۔

جب ان کا من جانب اللہ ہونا یقینی نہیں تو ان کتابوں کی طرف نسبت رکھنے والا کوئی قبیلہ اور کوئی گروہ موجود نہیں البتہ ایک لفظ آیا کرتا ہے آپ کی فقہ میں صابیات کا، صابیات کے متعلق اختلاف ہے بعض حضرات کے نزدیک یہ زبور کے ماننے والے ہیں ان کے نزدیک یہ اہل کتاب میں شامل اور بعض کے نزدیک یہ ستارہ پرست ہیں اور زبور کے ماننے والے نہیں ہیں، پھر وہ اہل کتاب میں شامل نہیں ہوں گے اور ان کا ذبیحہ حرام ہوگا، اور اسی طرح سے ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح بھی جائز نہیں ہوگا تو صابیوں کے بارے میں جو فقہ کے اندر اختلاف لکھا ہوا ہے تو اس اختلاف کا مدار بھی اس بات پر ہے کہ یہ زبور کو ماننے والے ہیں یا نہیں، جن کے نزدیک وہ زبور کو ماننے والے نہیں ہیں ان کے نزدیک وہ ستارہ پرست مشرک ہوں گے ان کو اہل کتاب میں نہیں رکھا جائے گا۔

تو یہ دو گروہ بالیقین ایسے ہیں جو کہ اللہ کی طرف سے آئی ہوئی کتاب کی اتباع کا دعویٰ کرتے ہیں ایک یہ نصرانی ہوگئے اور دوسرے یہ یہودی ہوگئے تو اہل کتاب جس وقت بھی بولا جائے گا قرآن کریم کی اصطلاح میں تو اس کا مصداق یہی دو گروہ ہوں گے۔

اہل کتاب کہلانے کے لیے ایمان کا معیار:

باقی رہی یہ بات کہ اہل کتاب کہلانے کے لئے کیا صحیح طور پر کتاب کا حامل ہونا ضروری ہے یا یہی محرف تورات محرف انجیل جس کے اندر شرک اور کفر بھی شامل کر لیا گیا ان کا مان لینا بھی اہل کتاب کہلانے کے لئے کافی ہے یہ دوسری بات ہوئی اس کے بارے میں عرض یہ ہے کہ جو لوگ بھی ادھر نسبت کا دعویٰ کرتے ہیں وہ اہل کتاب کا مصداق ہوں گے چاہے ان کے نظریات میں کفر اور شرک شامل ہو گیا ہو۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ قرآن کریم ان اہل کتاب کے اوپر یہ الزام قائم کرتا ہے اترتے وقت "یحرفون الکلم من بعد مواضعه" کہ انہوں نے کتاب کو بدل کر رکھا، کتمان حق کیا، تحریف کرتے ہیں تحریف کی نسبت بھی ان کی طرف کی ہے "وقالت الیهود عزیر ابن الله" یہود کی طرف اللہ تعالیٰ نے اس بات کی نسبت کی کہ یہ عزیر کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں "وقالت النصاریٰ مسیح ابن الله" مسیح کے ابن اللہ ہونے کا عقیدہ قرآن کریم نے نصاریٰ کی طرف منسوب کیا، "لقد کفر الذین قالو ان الله هو المسیح ابن مریم" مسیح ابن مریم کو الٰہ قرار دینے والوں کا کفر قرآن کریم میں مصرح ہے، اسی طرح سے "ثالث ثلثة" قرار دینے والے بھی کافر ہیں یہ نظریات سارے کے سارے قرآن کریم کے اندر یہود اور نصاریٰ کی طرف منسوب کیے گئے ہیں اس کے باوجود ان کو اہل کتاب قرار دے کر ان کے ذبیحہ کو حلال قرار دیا گیا۔

اس لئے وہ جن نظریات پر موجود تھے حضور ﷺ کے زمانے میں چاہے وہ کفر تھا شرک تھا لیکن وہ دعویٰ رکھتے ہیں ایک نبی کے اوپر ایمان کا اور دعویٰ رکھتے ہیں کتاب کی اتباع کا ایسی صورت میں ان کو اہل کتاب قرار دیں گے اور ان کا ذبیحہ حلال ہوگا، بالکل صحیح طور پر کتاب کا حامل ہونا موحد ہونا اور نبی کو صحیح تعلیمات کے تحت ماننا یہ ضروری نہیں کیونکہ ایسا ایمان تو ان کا حضور ﷺ کے زمانے میں بھی نہیں تھا جس زمانے میں ان کے ذبیحہ کو حلال قرار دیا جا رہا ہے۔

اہل کتاب کے ذبیحہ کے حلال ہونے کی شرائط:

لیکن اس کے ساتھ یہ ضروری ہے کہ وہ ذبح کریں بسم اللہ پڑھ کر، اللہ کا نام لے کر کیونکہ اہل کتاب میں

جیسے کہ مفسرین نے صراحت کی ہے کہ آج بھی جو کتابیں موجود ہیں توراۃ وانجیل باوجود اس بات کے کہ وہ محرف ہوچکی ہیں لیکن آج بھی ان کے اندر صراحت ہے کہ ان کو حکم یہی تھا کہ اللہ کے نام پر ذبح کریں، ذبح کرنے کے احکام قرآن توراۃ انجیل میں ایک جیسے ہیں ان کو بھی حکم یہی تھا کہ بسم اللہ پڑھ کر ذبح کریں جو اللہ کا نام لے کر ذبح نہیں کریں گے جو کہ ان کے الفاظ میں بسم اللہ ہو اللہ کا نام لے کر ذبح نہ کیا جائے تو ان کے نزدیک بھی وہ حرام تھا گویا کہ ذبح کرنے کا طریقہ کہ رگیں کاٹی جائیں اور خون بہایا جائے اور اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے یہود ونصاریٰ کے اندر طریقہ یہی تھا۔

پھر ایک بات اور بھی تو سوچنے کی ہے کہ مسلم جس کا ایمان صحیح ہے اگر یہ اللہ کے نام پر ذبح نہیں کرتا تو اس کا ذبیحہ بھی حرام تو اہل کتاب کو ان کے مقابلے میں شرف نہیں دیا جاسکتا کہ اہل کتاب چاہے غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتے رہیں تو بھی حلال ہے اور صحیح ایمان والے مسلمان جو ہیں وہ اللہ کے نام پر ذبح کریں تو حلال ہے اور غیر اللہ کے نام پر ذبح کریں تو حرام ہے، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اہل کتاب کو اس مسئلہ میں فوقیت دے دی گئی یہ قیدیں ضروری ہیں کہ ذبح صحیح طریقے پر کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ کیا جائے کیونکہ یہود ونصاریٰ کی کتابوں کے اندر بھی یہی تعلیم ہے۔

اگر اس کے خلاف کوئی کرتا ہے تو ایسے ہی ہے جیسے مسلمان جاہل شریعت کے احکام کو چھوڑ دیتے ہیں ایسے ہی یہود ونصاریٰ کے بدعمل وہ بھی اس کو چھوڑ دیں گے اس پر مدار نہیں ہے اگر ہم میں سے کوئی جاہل غلط کاری اختیار کرتا ہے تو اس کا ذبیحہ حرام ہے تو اگر اہل کتاب میں سے اسی طرح کوئی جاہل کرے گا تو اس کا ذبیحہ بھی حرام ہوگا تو اس قید کا ساتھ رکھنا ضروری ہے، کہ ذبح کریں اسی طریقے سے کہ جس طرح سے ذبح کرنے کا حکم ہے "بسم اللہ" پڑھ کر ذبح کریں رگیں کاٹیں اس لئے اگر وہ کوئی جھٹکا کرتے ہیں یا چوٹ لگا کر جانور کو مار دیتے ہیں یا "بسم اللہ" نہیں پڑھتے یا عیسیٰ علیہ السلام کا نام لے کر ذبح کرتے ہیں یا کسی غیر کا نام لے کر ذبح کرتے ہیں تو جس طرح سے مسلم کا ذبیحہ حرام ہے تو ان کا ذبیحہ بھی اسی طرح سے حرام ہے۔

اہل کتاب بننے کی شرائط:

اور پھر ساتھ ساتھ یہ بات بھی یاد رکھنی ہوگی کہ آج کل خاص طور پر بعضے لوگ کہلاتے اپنے آپ کو عیسائی ہیں، کہلاتے اپنے آپ کو یہودی ہیں جس طرح سے بعضے مسلمان ایسے ہیں کہ مردم شماری کے طور پر لسٹیں بنتی ہیں تو وہ اپنے آپ کو مسلمان کہلاتے ہیں لیکن اگر ان سے بات کرو گے تو نہ وہ خدا کے قائل ہیں، اور نہ آخرت کے قائل

ہیں، نہ قرآن کے قائل ہیں اور نہ حضور ﷺ کے قائل ہیں ہر چیز کے منکر ہیں، اور اس قسم کے لوگ اگر سیاسی طور پر مسلمان شمار ہوں تو ٹھیک یہ حقیقت مسلمان شمار نہیں، یہ مرتد ہیں اور ان کا ذبیحہ حرام ہے اسی طرح سے اگر کوئی سیاسی طور پر اپنے آپ کو عیسائیوں میں شمار کرتا ہے اور مردم شماری کے مطابق وہ یہودیوں میں ہے لیکن وہ نہ توراۃ کا قائل، نہ انجیل کا قائل، نہ نبیوں کا قائل، نہ اللہ کا قائل نہ آخرت کا قائل ایسی صورت میں اس کے اوپر عنوان جو عیسائیت کا لگا ہوا ہے، یہودیت کا لگا ہوا ہے یہ کافی نہیں ہے۔

اور آج کل اکثر و بیشتر عیسائی یہودی اس طرح کے ہیں کہ اگر چہ ان کا شمار جو ہے وہ عیسائیوں میں ہوگا یہودیوں میں ہوگا لیکن ان کے نظریات عیسائیوں والے نہیں، یہودیوں والے نہیں، عیسائیوں کے نظریات میں اللہ کا وجود، اللہ کی توحید کا دعویٰ، رسالت کا اقرار، اللہ کی طرف سے کتابوں کا نزول یہ سب چیزیں موجود ہیں، وہ کافر اگر بنے ہیں تو حضور ﷺ کا انکار کرنے کی وجہ سے بنے ورنہ باقی ان کے نظریات ویسے ہی ہیں جیسے اہل کتاب کے ہوتے ہیں، اور انبیاء علیہم السلام تلقین کرتے رہے ہیں چاہے انہوں نے اپنے نظریات میں غلطیاں شامل کرلی ہوں اور اس قسم کی گڑبڑ ہوگئی ہو لیکن ان بنیادی چیزوں کو مانتے ہوں تب جا کے وہ اہل کتاب کہلائیں گے، اگر وہ ان بنیادی چیزوں کو نہیں مانتے تو یہ اہل کتاب میں شامل نہیں ہیں۔

اور وہ اہل کتاب بھی ہو چاہے اصلی کہ یا تو وہ پیدائشی طور پر عیسائی اور یہودی ہے یا کسی کافر قوم میں سے اس نے عیسائیت اور یہودیت قبول کی ہے ایسی صورت میں وہ اہل کتاب کا مصداق ہوں گے اور ان کا ذبیحہ حلال ہے، مثلاً پہلے بت پرست تھا اور پھر عیسائی ہوگیا یا پہلے مجوسی تھا پھر یہودی ہوگیا تو ان کو تو ہم اہل کتاب شمار کریں گے لیکن اگر کوئی مسلمان عیسائی ہوجائے تو یہ مرتد ہے اس کا ذبیحہ حلال نہیں ہے، کوئی مسلمان یہودی ہوجائے وہ مرتد ہے اور مرتد کا ذبیحہ حلال نہیں ہے اب اس کو ہم اہل کتاب میں شامل نہیں کریں گے، کیونکہ اس کو اس نظریے پر جمے رہنے کا حق نہیں ہے یا تو وہ واپس آئے گا اپنے نظریے کی طرف یا اس کو قتل کردیا جائے گا، جدھر یہ منتقل ہوا ہے اس کے مذہب کا کوئی اعتبار نہیں ہے، اسلام اس کے پاس رہا نہیں، جدھر منتقل ہوا ہے اس کا اعتبار نہیں لہٰذا یہ مرتد اور لا مذہب ہوتا ہے اس کا ذبیحہ جو ہے وہ جائز نہیں ہے۔

یہ تفصیل ہے اہل کتاب میں کہ اہل کتاب سے کون مراد ہوئے اور ان کا ذبح کرنے کا طریقہ کیا ہے کہ ذبح اگر صحیح طریقے کے ساتھ کرتے ہیں تو تب ہم جا کے ان کے ذبیحہ کو حلال قرار دیں گے ورنہ نہیں، اور اہل کتاب کا مصداق وہ لوگ ہیں کہ جس کتاب کا نزول من جانب اللہ ہونا یقینی ہے قطعی طور پر اس کو ماننے کا وہ دعویٰ رکھتے ہوں، چاہے پھر ان کے نظریات کے اندر گمراہی کفر شرک شامل ہوگیا ہو تو بھی وہ اہل کتاب کا مصداق رہیں گے۔

مرزائی زندیق ہیں:

مرزائی جو پہلے مسلمان تھے پھر مرزائی ہوئے ان کے مرتد ہونے میں کوئی شبہ نہیں چاہے دعویٰ کرتے ہوں قرآن کو ماننے کا، ان کو ہمارے علماء مرتدوں میں ہی شمار کرتے ہیں، یہ بالکل مرتد ہیں، واجب القتل ہیں یا تو یہ دوبارہ اسلام قبول کریں یا ان کو قتل کر دیا جائے، شرعی طور پر حکم یہی ہوگا اور ایک یہ ہے کہ کوئی مرزائیوں کے گھر پیدا ہوتا ہے، یہ نہیں کہ پہلے مسلمان تھا بعد میں مرزائی ہوا، بلکہ پیدا ہی مرزائی کے گھر ہوا تو یہ پیدا ہوتے ہی کافر ہے اس لئے اس کو مرتد تو نہیں کہا جائے گا، البتہ یہ کافر اور زندیق ہے۔

شیعہ کا حکم بھی یہی ہے کہ اگر کوئی آدمی سنی ہو اور پھر شیعہ ہو جائے اور کفریہ عقائد اختیار کرلے تو وہ مرتد ہوگا اور اس کا ذبیحہ بھی حرام ہوگا لیکن جو ابتداء سے ہی شیعہ ہو اس کے بارے میں محققین حضرات کی تحقیق یہ ہے کہ وہ بھی کافر اور زندیق ہے، پھر ایسے مرزائیوں اور شیعوں کو اہل کتاب میں شامل کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ قرآن کریم کی اصطلاح ان کے اوپر صادق آتی ہے یا نہیں؟ تو حضرت مولانا عبدالستار تونسوی صاحب زید مجدہم نے فرمایا تھا کہ قرآن کریم جن کو اہل کتاب کہتا ہے اور ان کا ذبیحہ حلال قرار دیتا ہے ان اہل کتاب سے اہل قرآن قطعاً مراد نہیں، اس سے صرف اہل توراۃ اور اہل انجیل مراد ہیں، اور یہ واقعہ ہے کہ جہاں جہاں اہل کتاب کا لفظ بولا گیا ہے تو اس کے مصداق وہی توراۃ اور انجیل والے ہیں، لہٰذا جو مرزائی اور شیعہ ابتداء ہی سے مرزائی ہوں یا شیعہ ہوں اور کفریہ عقائد رکھتے ہوں وہ زندیق ہیں، وہ نہ اہل کتاب میں شامل ہیں، نہ ان کا ذبیحہ حلال ہے، اور نہ ان سے نکاح جائز ہے۔

"وطعامکم حل لھم" اور تمہارا ذبیحہ ان کے لئے حلال ہے، ہمارا ذبیحہ اُن کے لئے حلال ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر وہ ہمارا ذبیحہ کھائیں گے تو جرم کے اندر اضافہ نہیں ہوگا اگر ہم اپنا ذبیحہ اہل کتاب کو کھلا دیں گے تو ہمیں کوئی گناہ نہیں ہوگا، ورنہ اگر کوئی چیز حرام ہے اگر ہم کسی کو کھلائیں گے تو ہم بھی جرم کرنے والے ہیں لیکن جب ہمارا ذبیحہ ان کے لئے حلال ہے تو ہم اپنا ذبیحہ ان کو کھلا سکتے ہیں جیسے اپنے قربانی کے گوشت میں سے ان کو دے دیا جائے اپنے ذبح کیے ہوئے جانور میں سے دے دیا جائے۔

"والمحصنات من المؤمنات" اسی طرح سے پاک دامن عورتیں مؤمنات میں سے، مؤمنات کا مصداق وہ ہیں جو سرور کائنات ﷺ پر ایمان لانے والی ہیں۔

اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کرنا:

پاک دامن کا عنوان جو اختیار کیا گیا ہے یہ محض ترغیب دینے کے لئے ہے کہ انسان نکاح کے لیے عورت جس وقت بھی اختیار کرے پاک دامن اختیار کرے، نکاح کے لئے پاک دامن عورت کو اختیار کرنا چاہیئے یہ بطور ترغیب کے ہے اور اگر کوئی عورت فاحشہ ہے، زانیہ ہے، بدکارہ ہے نکاح تو اس کے ساتھ ہو جائے گا لیکن بہتر نہیں ہے، اس کے ساتھ نسب گندہ ہوتا ہے، آنے والی نسل کے اخلاق تباہ ہوتے ہیں تو ایسی عورتوں کو نکاح کے لئے اختیار نہیں کرنا چاہیئے لیکن اگر کوئی شخص زانیہ وغیرہ سے نکاح کر لیتا ہے تو نکاح ہو جاتا ہے نکاح کے جواز میں شبہ نہیں ہے لیکن ایسی عورتوں سے نکاح کرنا نہیں چاہیئے ''وحرم ذلك على المؤمنين'' جس طرح سے آپ کے سامنے سورۃ النور میں آئے گا، تو مؤمنات میں سے پاک دامن عورتیں تمہارے لئے حلال کر دی گئیں یعنی تم اہل کتاب کی عورتوں کے ساتھ بھی نکاح کر سکتے ہو۔

اور قرآن کریم میں دوسری جگہ آگیا ''ولا تنكحوا المشركات'' مشرکات کے ساتھ نکاح نہ کیا کرو، اس طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا مسلک یہی ہے کہ موجودہ اہل کتاب چونکہ مشرک ہیں اور قرآن کریم کے اندر صراحۃً آگیا ''لاتنكحوا المشركات'' کہ مشرک عورتوں سے نکاح نہ کیا کرو، لہٰذا ان عیسائی یہودی عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے، بعض دیگر تابعین کا قول بھی آتا ہے، لیکن جمہور صحابہ اور جمہور فقہاء کے نزدیک جو اہل کتاب کا مصداق ہیں جس کی تفصیل آپ کے سامنے ذکر کر دی گئی چاہے ان کے نظریات کے اندر کفر و شرک داخل ہو گیا ہو وہ مشرکات کا مصداق نہیں ہیں، قرآن کریم کی اصطلاح میں اہل کتاب کا مصداق علیحدہ ہے، اور قرآن کریم نے ان کو مشرکین اور مشرکات کے عنوان کے تحت ذکر نہیں کیا، تو نظریات میں اس قسم کی گڑبڑ ہونے کے باوجود ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح حلال ہے، جمہور فقہاء کا یہی مسلک ہے، جمہور صحابہ کا یہی مسلک ہے اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا نکاح کرنا بھی ثابت ہے۔

لیکن مصلحت کے خلاف ہے کہ اگر غیر مذہب والی عورتیں لے آئیں گے اپنے گھر کے اندر تو بچوں پر بھی برا اثر پڑنے کا اندیشہ ہے خاص طور پر آج کل تو سیاسی طور پر بھی انتہائی نقصان ہے کہ غیر مذہب والے اپنی عورتوں کو مسلمانوں میں بھیجتے ہیں ان کے نکاحوں میں اور پھر وہ جاسوسی کرتی ہیں سازشیں کرتی ہیں اس سے کتنی سلطنتیں تباہ ہو گئیں اور کتنے گھرانے تباہ ہو گئے یہ واقعات چونکہ مسلسل پیش آتے ہیں اس لئے مصلحت کے خلاف ہونے کی بناء پر روکا جائے گا اور نکاح کرتے وقت صرف عیسائی یہودی کا عنوان کافی نہیں جیسے پہلے عرض

کردیا ذبیحہ کے مسئلے میں کہ دیکھنا یہ ہوگا کہ اس کے نظریات اس قسم کے ہیں بھی کہ نہیں، خدا کے قائل ہوں ،توحید کا دعویٰ رکھتے ہوں، رسالت کے قائل ہوں اور اس کتاب کو من جانب اللہ مانتے ہوں، اور اس کی اتباع کا دعویٰ کرتے ہوں تب جا کے ان کی عورتیں حلال ہوں گی، اور اگر محض سیاسی انداز سے ہی یہودی اور عیسائی شمار ہوتے ہیں باقی وہ نظریاتی طور پر خدا کے منکر ہیں جس طرح سے سوشلسٹ قسم کے لوگ ہو گئے یہ بھی اصل کے اعتبار سے یہودی تھے چاہے وہ یہودی ہیں لیکن خدا کے وجود تک کے منکر ہو گئے جب وہ خدا کے وجود تک کے منکر ہو گئے تو ان کی عورتوں کو حلال نہیں قرار دیا جائے گا۔

نکاح کی شرائط:

"اذا اٰتیتموھن اجورھن" یہ قید تو ایسی ہے جیسے پانچویں پارے میں آپ کے سامنے ذکر ہو گئی تھی کہ نکاح کے اندر چونکہ مہر مقرر کرنا ضروری ہے پھر وہ مہر ادا بھی کرنا چاہیئے جب کہ تم ان کو دے دو ان کے مہر، اس حال میں کہ تم ان کو قید نکاح میں لانے والے ہو یعنی نکاح کر کے اس کو بیوی بنا کر رکھنا مقصود ہے محض وقتی طور پر مستی نکالنا مقصود نہیں "غیر مسافحین" تم ایسے شہوت رانی کے طور پر پانی گرانے والے نہیں ہو کہ وقتی جوش کم کرنا مقصود نہیں ہے کہ مثانے کا بوجھ ہی کم کرنا ہے باقی بیوی بنا کر رکھنا مقصود نہیں ہے، جس طرح پیشاب سے مثانہ بھر جائے تو بیت الخلاء تلاش کیا جاتا ہے اسی طرح ۔یہ اپنے آپ کو ہلکا کرنے کے لئے کوئی مکان و محل تلاش کرنے وہ "مسافحین" کا مصداق ہے ایسے نہ ہو بلکہ اس کو بیوی بنا کر رکھنا مقصود ہے۔

"ولا متخذی اخدان" کا مطلب یہ ہے کہ پھر علی الاعلان قاعدہ کے مطابق نکاح کیا جائے چنانچہ اہل کتاب کے ہاں بھی طریقہ نکاح ایسے ہی تھا ایجاب و قبول علی الاعلان ہوتا تو اہل کتاب کے ہاں نکاح ہوتا ہے، تو ان کے ہاں ذبح کے احکام بھی ایسے ہیں جیسا کہ اسلام میں ہیں اور نکاح کے احکام بھی ایسے ہیں "ولا متخذی اخدان" اور نہ تم ان کو خفیہ یار بنانے والے ہو، خفیہ طور پر آشنائی لگانے والے نہ ہو۔

کفر کا نقصان:

"ومن یکفر بالایمان" اب اہل کتاب کے ساتھ کھانے پینے کی، ان کے ذبیحہ کے استعمال کرنے کی اور ان کی عورتوں کو نکاح میں لانے کی جب اجازت دے دی گئی تو اس اختلاط میں اندیشہ ہوتا ہے کہ کوئی شخص ان سے متاثر ہو کر کوئی کفر اختیار کر لے تو ساتھ اس کے وعید ذکر کر دی کہ ان کے ساتھ میل جول اور ان

کے ساتھ بیاہ شادی میں مشغول ہونے کی وجہ سے اگر کسی ایسی بات کا انکار کردیا جائے جس پر ایمان لانا ضروری ہے ایمان سے مؤمن ہی مراد ہے، ایمانیات اگر کوئی ایسی بات کا انکار کرے گا جس پر ایمان لانا ضروری ہے تو اس کا عمل ضائع ہوجائے گا نیکیاں اس کی برباد ہوجائیں گی "وھوفی الآخرة من الخاسرین" اور یہ شخص آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا۔
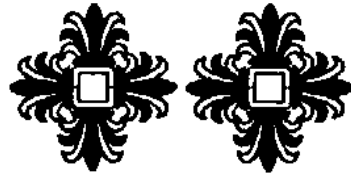
يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ

اے ایمان والو! جس وقت تم اٹھو نماز کی طرف تو دھولیا کرو اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں کو

اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ وَاِنْ

کہنیوں تک اور اپنے سروں کو مل لیا کرو (مسح کیا کرو) اور ٹخنوں تک اپنے پاؤں دھولیا کرو ، اور اگر

كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ

تم جنبی ہو تو خوب اچھی طرح سے اپنے آپ کو پاک کرلیا کرو ، اور اگر تم مریض ہو یا تم سفر پر ہو یا

جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا

آیا ہے تم میں سے کوئی ایک پیشاب سے فارغ ہو کر یا تم نے عورتوں سے جماع کیا ہے پھر تم نہیں پاتے

مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ

پانی تو تم قصد کرلیا کرو پاک مٹی کا پھر تم مل لیا کرو اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں کو

مِّنْهُ ؕ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ

اس مٹی سے ، نہیں ارادہ کرتا اللہ تعالیٰ کہ کرے تم پر کسی قسم کی تنگی لیکن ارادہ کرتا ہے

لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝٦

کہ تمہیں صاف ستھرا کردے اور تا کہ وہ اپنی نعمت کو تم پر پورا کردے تا کہ تم شکر گزار ہو جاؤ ٦

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ

اور یاد کرو اللہ کے احسان کو جو تم پر ہے اور یاد کرو اللہ کے عہد کو جو اللہ نے تم سے لیا ،

اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ

جب تم نے کہا تھا کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا ، اللہ سے ڈرتے رہو ، بے شک اللہ جاننے والا ہے

الصُّدُوْرِ ۝٧ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ

دلوں کی باتوں کو ٧ اے ایمان والو! تم اللہ کے لیے احکام کو سنبھالنے والے ہو جاؤ گواہی دینے والے

بِالْقِسْطِ ۫ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ

انصاف کے ساتھ ، برانگیختہ نہ کرے تمہیں کسی قوم کی عداوت کہ تم انصاف نہ کرو ،

اِعْدِلُوْا ۫ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ

انصاف کیا کرو ، یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے ، اللہ سے ڈرتے رہو ، بے شک اللہ تعالیٰ خبر رکھنے والا ہے

بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ

ان کاموں کی جو تم کرتے ہو ﴿۸﴾ وعدہ کیا اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۹﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ

ان کے لیے مغفرت اور بڑا اجر ہے ﴿۹﴾ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۰﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ

یہی جہنم والے ہیں ﴿۱۰﴾ اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کے احسان کو

اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ

جو تم پر ہے جب قصد کیا تھا ایک قوم نے کہ وہ تمہاری طرف دست درازی کریں پھر اللہ نے روک لیا

اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾

ان کے ہاتھوں کو تم سے ، اور اللہ سے ڈرتے رہو ، اور مومنوں کو اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیے ﴿۱۱﴾

لغوی، صرفی ونحوی تحقیق:

"یایھاالذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوۃ" اے ایمان والو! جس وقت تم اٹھو نماز کی طرف، قیام کا صلہ جس وقت الیٰ آئے تو اس کا معنی متوجہ ہونا، قصد کرنا ہو جایا کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس وقت تم نماز ادا کرنے کا قصد کرو، اے ایمان والو! جس وقت تم نماز کی طرف اٹھو یعنی نماز ادا کرنے کا، نماز پڑھنے کا قصد کرو نماز کی طرف توجہ کرو"فاغسلوا وجوھکم " تو اپنے چہروں کو دھو لیا کرو"وایدیکم الی المرافق" اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھو لیا کرو، مرافق مرفق کی جمع ہے "وامسحوا برؤسکم "اور اپنے سروں کو مل لیا کرو، مسح ملنا، ہاتھ پھیرنا، اور اپنے سروں کو مل لیا کرو"وارجلکم "لام کے اوپر چونکہ فتح آ گیا یہ صریح دلیل ہے اس بات کی کہ

اس کا عطف رؤس پر نہیں ہے بلکہ "وجوھکم" پر اور "ایدیکم" پر ہے تو یہ بھی "فاغسلوا" کے نیچے داخل ہے اور ٹخنوں تک اپنے پاؤں دھولیا کرو۔

"وان کنتم جنبا" اور اگر تم جنبی ہو یعنی تمہیں حدث اکبر لاحق ہو گیا جس میں غسل کی حاجت ہوتی ہے اگر تم جنبی ہو، جنابت والے ہو "فاطھروا" تو مبالغہ کے ساتھ اپنے آپ کو پاک کر لیا کرو جس کا مطلب یہ ہے کہ سارے بدن کی طہارت حاصل کرو، خوب اچھی طرح سے اپنے آپ کو پاک کر لیا کرو "وان کنتم مرضیٰ" مرضیٰ مریض کی جمع ہے اور اگر تمہیں کوئی بیماری ہے اگر تم مریض ہو "اوعلیٰ سفر" یا تم سفر پر ہو "اوجاء احدمنکم من الغائط اولمستم النساء" یا مرض اور سفر کا عذر نہیں بلکہ عام حالات میں بھی تم میں سے کوئی شخص غائط سے آیا ہے، غائط کا لفظی معنی ہے پست زمین اور عام طور پر چونکہ قضائے حاجت کے لئے انسان باہر جائے تو کوئی گڑھا وغیرہ پست زمین ہی تلاش کیا کرتا ہے تا کہ ارد گرد چلنے والوں کی نگاہ نہ پڑے تو پھر یہ جائے ضرورت سے کنایہ ہو گا، تو مطلب اس سے یہ ہے کہ پیشاب پاخانے سے فارغ ہو کر آیا ہے، یا تم نے عورتوں سے ملامست کی ہے اور ملامست سے مراد مجامعت ہے کہ تم نے عورتوں سے جماع کیا ہے، جیسے غائط سے آنا یہ حدث اصغر کا ذریعہ ہے عورتوں کے ساتھ ملامست یہ حدث اکبر کا ذریعہ ہے۔

ان سب صورتوں میں "فلم تجدوا ماءً" پھر تم پانی نہیں پاتے پانی کے استعمال کرنے پر تمہیں قدرت نہیں یہاں وجدان سے قدرت مراد ہے پانی کے استعمال کرنے کا تمہیں موقعہ نہیں ہے، چاہے اس لئے کہ پانی موجود نہیں چاہے اس لئے کہ بیماری وغیرہ کے عذر سے پانی کا استعمال کرنا نقصان دیتا ہے عدم وجدان ماء دونوں صورتوں کو شامل ہے پھر تم پانی استعمال کرنے کا موقع نہ پاؤ تمہیں پانی پانے پر قدرت نہ ہو "فتیمموا" تو تم قصد کر لیا کرو "صعیدا طیبا" پاک مٹی کا، تیمّم قصد کرنے کو کہتے ہیں جیسے یہ لفظ پہلے آپ کے سامنے سورۃ البقرۃ کے اندر بھی گزرا تھا "ولا تیمموا الخبیث منہ تنفقون" تو قصد کر لیا کرو تم پاک مٹی کا "فامسحوا بوجوھکم وایدیکم منہ" پھر تم مل لیا کرو اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں کو اس مٹی سے صعید طیب سے "مایرید اللہ لیجعل علیکم من حرج" نہیں ارادہ کرتا اللہ تعالیٰ کہ کرے تمہارے اوپر کسی قسم کی تنگی "ولکن یرید لیطھرکم" لیکن ارادہ کرتا ہے کہ تمہیں صاف ستھرا کر دے "ولیتم نعمتہ علیکم" اور تا کہ وہ اپنی نعمت کو تم پر پورا کر دے "لعلکم تشکرون" تا کہ تم شکر گزار ہو جاؤ تا کہ تم احسان مانو۔

"واذکروا نعمۃ اللہ علیکم" اور یاد کرو اللہ کے احسان کو جو تم پر ہیں "ومیثاقہ" اور یاد کرو اللہ کے عہد کو

جو اللہ نے تم سے لیا ''الذی واثقکم بہ'' وہ عہد کہ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ میثاق کیا ہے، تمہارے ساتھ معاہدہ کیا ہے، یاد کرو اللہ تعالیٰ کے اس میثاق کو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ ٹھہرایا ''اذقلتم سمعنا واطعنا'' جب کہ تم نے کہا تھا کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا ''واتقوااللہ'' اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو''ان اللہ علیم بذات الصدور'' بے شک اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کو جاننے والا ہے ''باقوال ذات الصدور بامور ذات الصدور'' ''یایھاالذین آمنوا کونواقوامین للہ'' اے ایمان والو! ہو جاؤ تم اللہ کے لئے قوام وہی قام یقوم سے لیا گیا ہے قوام اصل میں سنبھالنے والے کو کہتے ہیں جیسے قیام آتا ہے قوام حاکم کے معنی میں بھی ہوتا ہے ''الرجال قوامون علی النساء'' مرد عورتوں پر کنٹرول کرنے والے ہیں، مرد عورتوں کو سنبھالنے والے ہیں تو تم بھی اللہ کے لئے کھڑے ہونے والے ہو جاؤ اللہ کے لئے اللہ کے احکام کو قائم کرنے والے سنبھالنے والے ہو جاؤ''شھداء بالقسط'' انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے ہو جاؤ۔

''ولا یجرمنکم'' نہ برانگیختہ کرے تم کو ''شنان قوم'' شنان کا لفظ اسی سورۃ میں پہلے گزرا ہے عداوت کے معنی میں، شناء دشمنی کرنے کے معنی میں ہوتا ہے جیسے ''ان شانئک ھوالابتر'' وہاں شانئک میں شان اسم فاعل کا صیغہ ہے تجھ سے عداوت رکھنے والا وہی ابتر ہے تو شنان عداوت ہوگئی، کسی قوم کی عداوت تمہیں برانگیختہ نہ کرے، اس بات پر کہ تم انصاف نہ کرو، عدم عدالت پر، انصاف نہ کرنے پر کسی قوم کی عداوت تمہیں برانگیختہ نہ کرے، باعث نہ بن جائے تمہارے لئے کسی قوم کی عداوت کہ تم انصاف نہ کرو ''اعدلوا'' انصاف کیا کرو''ھواقرب للتقویٰ'' یہ عدل کرنا انصاف کرنا یہ تقویٰ کی طرف زیادہ قریب ہے''واتقوااللہ'' اللہ سے ڈرتے رہو ''ان اللہ خبیر بماتعملون'' بے شک اللہ تعالیٰ خبر رکھنے والے ہیں ان کاموں کی جو تم کرتے ہو ''وعداللہ الذین آمنوا وعملواالصالحات'' وعدہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل کرتے ہیں''لھم مغفرۃ'' ان کے لئے مغفرت ہے''واجر عظیم'' اور بڑا اجر ہے''والذین کفروا'' اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ''وکذبوا بآیاتنا'' اور ہماری آیات کو جھٹلایا ''اولئک اصحاب الجحیم'' یہی جہنم والے ہیں ''یاایھاالذین امنوااذکروانعمۃ اللہ علیکم'' اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کے احسان کو جو تم پر ہے''اذ ھم قوم ان یبسطوا الیکم ایدیھم'' جب قصد کیا تھا ایک قوم نے کہ تمہاری طرف وہ دست درازی کریں پھیلائیں وہ تمہاری طرف اپنے ہاتھوں کو، تمہاری طرف دست درازی کرنے کا قصد کیا تھا''فکف ایدیھم عنکم'' پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں کو تم سے روک لیا ''واتقوااللہ'' اور اللہ سے ڈرتے رہو''وعلی اللہ فلیتوکل المؤمنون'' اور مؤمنوں کو اللہ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیئے۔

تفسیر:

رکوع کا خلاصہ:

ابتداء سورۃ سے ہی احکام کا سلسلہ شروع ہوا اور یہ جتنے بھی احکام ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ بندے کے عہد کے تحت آتے ہیں جیسے اس رکوع میں بھی ذکر کیا جائے گا کہ جب تم نے "سمعنا واطعنا" کہہ دیا تو اللہ کے ساتھ ایک عہد میثاق کرلیا اور اسی ایفاء کی تاکید اس سورۃ کی ابتداء میں کی گئی تھی جس کی تفصیل آپ کی خدمت میں کردی گئی تھی کہ "لا اله الا الله محمد رسول الله" جو بنیادی کلمہ ہے جس کو پڑھ کر انسان مؤمن بنتا ہے اور مؤمنین کی صف میں شامل ہوتا ہے یہ حقیقت کے اعتبار سے "سمعنا واطعنا" کا عنوان ہے جس کا مطلب یہی ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اس کی حکومت کو تسلیم کرلیا ہے الٰہ اور حاکم اللہ ہے، میں اس کی باتوں کو سنوں گا اور ان کو مانوں گا اور اللہ تعالیٰ کی باتوں کو سننا اس کا ذریعہ رسول ہے "محمد رسول الله" وہ ترجمان ہیں اللہ تعالیٰ کے اس لئے حضور ﷺ کی اطاعت اصل کے اعتبار سے اللہ ہی کی اطاعت ہے تو جب تم نے "سمعنا واطعنا" کہہ لیا احکام ماننے کا میثاق اور عہد کرلیا تو تم اس کو پورا کرو جب تم پورا کرو گے تو پھر مقابلے میں دوسری شق اس عہد کی کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ دنیا اور آخرت میں یہ معاملہ کریں گے اس کو بھی یہاں ذکر کیا جارہا ہے کہ اگر تم اس عہد کی پابندی کرو گے جو اطاعت کا عہد تم نے کیا ہے احکام کو سنو گے اور مانو گے پھر میری طرف سے بھی وعدہ ہے کہ میں تمہیں دنیا اور آخرت کے اندر کامیابی دوں گا اسی عنوان کے تحت مختلف قسم کے احکام آپ کے سامنے ذکر کئے جارہے ہیں۔

تو پہلے رکوع کے اندر جن چیزوں کا ذکر آیا ہے وہ زیادہ تر تعلق رکھتی ہیں ازدواجی زندگی کے ساتھ، اور بطنی زندگی کے ساتھ یہ کھانے پینے کے معاملے میں پیٹ کا معاملہ اور خرچ کا معاملہ اس کے بارے میں کچھ ہدایات دی گئی تھیں جس میں کھانا پینا بھی آگیا اور ازواج کے ساتھ تعلق کا بھی کچھ ذکر آگیا اب یہ جو احکام اس رکوع کی ابتداء میں دیے جارہے ہیں ان کا تعلق ہے براہ راست اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ اس میں معاملات کا پہلو نہیں ہے، پہلی جو باتیں تھیں اس کے اندر ایک مقابلہ بھی تھا جیسے ازدواجی زندگی ہوگئی اور یہ خاص طور پر خالص عبادت کے احکام ہیں جو یہاں ذکر کیے جارہے ہیں اور ویسے بھی انسان جب کھانے پینے میں مشغول ہوتا ہے یا ازواج کے ساتھ تعلق رکھتا ہے تو یہ دونوں صورتیں ایسی ہیں جو انسان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت سے نفسانی تقاضوں کی طرف قریب کردیتی ہیں اور انسان شیطنت کے قریب ہوجاتا ہے۔

احداث دو کاموں کا نتیجہ ہے:

اور احداث جتنے بھی ہیں جن کے نتیجے میں انسان میں کسی قسم کی ناپاکی آتی ہے وہ انہی دو کاموں کا نتیجہ ہے یا کھانے پینے کا نتیجہ ہے یا ازواج کے ساتھ تعلقات کا نتیجہ ہے، تو یہ کھانے پینے میں جس طرح سے یہ نفس پروری ہو جاتی ہے بیویوں کے ساتھ تعلقات میں ایک نفسانی شہوت کا پورا کرنا ہے تو اس کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بوجھ کا ذریعہ نہ بنایا جائے بلکہ ان میں بھی اللہ کے احکام کی پابندی کی جائے تو عبادت کا معنی ان میں بھی پیدا ہو جائے گا اور پھر جو اثرات انسان کے اوپر پیدا ہوتے ہیں کھانے پینے کے ساتھ اور ازواج کے ساتھ تعلقات قائم کرنے سے احداث وغیرہ کے ان کو زائل کرنے کا طریقہ بتا دیا، اور زائل کرنے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف انسان کو متوجہ کر دیا۔

طہارت سے دوری جو ہوتی ہے وہ انہی دو راستوں سے ہوتی ہے یا کھانے پینے کے راستے سے یا ازواج کے ساتھ تعلقات کے راستے سے مثلاً آپ کے سامنے نواقض وضو میں کیا ہے؟ پیشاب پاخانہ ہے، خروج ریح ہے اس قسم کی نجاسات کا خارج ہونا بدن سے یہ سارا کھانے پینے کا نتیجہ ہے اور مذی ہو گئی نزول منی ہو گیا اور اس طرح مباشرت فاحشہ سے جو وضو ٹوٹتے ہیں تو یہ احداث سارے کے سارے ایسے ہیں کہ جن کا تعلق کسی شہوانی جذبے سے ہے، جس کا رخ عورتوں کی طرف ہوا کرتا ہے تو یہ چیزیں انسان کو جو طہارت سے دور لے جاتی ہیں اس طہارت کے حاصل کرنے کے لئے اور اس حدث کو زائل کرنے کے طریقے کی اب تعلیم دی جارہی ہے، کس طرح سے طہارت حاصل کر کے تم ملکیت کے قریب ہو جاؤ اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ تمہارا معاملہ جو ہے وہ صفائی اور ستھرائی کے ساتھ ہونا چاہیئے تو یہ آیات طہارت کے مسئلے پر مشتمل ہیں۔

حدث اصغر سے طہارت حاصل کرنے کا طریقہ:

خطاب اس طرح سے کیوں کیا گیا جیسے آپ کے سامنے وضاحت کر دی تھی "یا یھاالذین امنوا" کی کہ یہ بڑی محبت کا خطاب بھی ہے اور عہد کی یاد دہانی کا خطاب بھی ہے تفصیل آپ کے سامنے بار بار کی جا چکی، جب تم نماز کی طرف اٹھو، اٹھنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کو ادا کرنے کا قصد کرو، وقت آ گیا ہے نماز کا اور تم نماز پڑھنا چاہتے ہو تو دیکھا کرو کہ نماز میں حاضر ہونے کے لئے جس قسم کی طہارت مطلوب ہے کیا وہ تمہیں حاصل ہے اگر طہارت حاصل ہو تو نئے سرے سے حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ انسان اگر پہلے باوضو ہے ایک نماز پڑھ چکا ہے وضو ٹوٹا نہیں دوسری نماز کا وقت آ گیا تو پھر دوبارہ وضو کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ اسی

طہارت کی حالت میں انسان نماز پڑھ سکتا ہے جو اس کو پہلے سے حاصل ہے لیکن اگر وضو کرے گا تو یہ زیادتی نور کا ذریعہ ہے باعث ثواب ہے لیکن ضروری نہیں تحصیل حاصل ہے اگر حکم دیا جائے وضو پر وضو کرنے کا تو یہ تحصیل حاصل ہے، اس لئے یہ حکم کے درجے میں تو نہیں ہے لیکن جس طرح سے ظاہری سطح عموم کو چاہتی ہے کہ جب تم نماز کی طرف متوجہ ہو اس طرح سے اگر وضو پر وضو کر لیا جائے، یہ زیادتی نور کا باعث ہے فضیلت ہے اس میں جس طرح سے حدیث کی کتابوں میں آپ پڑھیں گے اگرچہ فرض نہیں ہے۔

آگے اس کی حکمت "ولکن یرید لیطھر کم" کہ جس سے معلوم ہوگا کہ یہ حکم دیا جا رہا ہے تطہیر کے لئے اور اگر طہارت پہلے حاصل ہو تو پھر تطہیر کی ضرورت نہیں جس کی بناء پر اس آیت کے مفہوم میں یہ بات ہوگی "اذاقمتم الی الصلوۃ وانتم محدثون" یہ سیاق وسباق کے قرینے سے قید لگائی جائے گی کہ اگر تمہیں کسی قسم کا حدث ہو اور تم نماز پڑھنے کا قصد کرو تو ایسی صورت میں تم وضو کر لیا کرو یہ "فاغسلوا وجوھکم" کے بعد جو کچھ ذکر کیا گیا ہے حدیث شریف میں اس کے لئے عنوان وضو کا اختیار کیا گیا ہے یہ حدث اصغر کے زائل کرنے کا طریقہ ہے، دھو لیا کرو تم اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک اور مل لیا کرو تم اپنے سروں کو، سروں کے اوپر مسح کر لیا کرو اور دھو لیا کرو تم اپنے پاؤں کو ٹخنوں تک۔

فقہ اور حدیث کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ قرآن کریم میں جو ان چار چیزوں کا ذکر کیا گیا تو احناف کے نزدیک فرض یہی چار ہیں باقی ان کے اندر دھونے کا تکرار اور کہاں تک ان کو استیعاب کرنا ہے اور ان کے اندر ترتیب کیا ہے یہ ساری کی ساری چیزیں ایسی ہوں گی جو کہ سنن سے معلوم ہوں گی، سرور کائنات ﷺ کے بیان کردہ طریقوں سے معلوم ہوں گی اُن کا درجہ اِن سے اسفل ہوگا، جو کتاب اللہ سے ثابت ہے وہ فرض کے درجے میں آئیں گی، اور جو حدیث سے ثابت ہوں گی درجہ بدرجہ سنت، مستحب اور آداب کے درجے کے اندر ہم ان کو شمار کرتے چلے جائیں گے، ان چاروں پر عمل کر لینے کے ساتھ کہ چہرہ دھو لیا جہاں تک چہرے کا اطلاق لغوی طور پر آتا ہے پیشانی کے بالوں سے لے کر ٹھوڑی تک اس کو دھو لیا جائے اور ہاتھوں کو کہنیوں تک دھو لیا جائے سر کے اوپر ہاتھ پھیر لیا جائے اور ٹخنوں تک پاؤں کو دھو لیا جائے تو فرض ادا ہو گیا طہارت حاصل ہو گئی نماز پڑھنی جائز ہو گئی باقی اس کے اوپر اضافے جو سرور کائنات ﷺ کے عمل سے آپ کے اقوال سے روایات سے ثابت ہوں گے ان کا درجہ ان سے نیچے رکھا جائے گا وہ فرض کے درجے میں نہیں ہوں گے سنن مستحب اور آداب کے اندر ان کو شامل کیا جائے گا۔

حدث اکبر سے طہارت حاصل کرنے کا طریقہ:

"وان کنتم جنبا" یہ دوسری صورت آگئی کہ حدث اکبر تمہیں لاحق ہے، جنابت کا حدث تمہیں لاحق ہے احتلام ہوا ہے یا بیداری میں کسی وجہ سے انزال ہوا ہے تو اگر تم جنبی ہو تو پھران چار اعضاء کا دھولینا کافی نہیں بلکہ "فاطھروا" مبالغے کے ساتھ طہارت حاصل کیا کرو اور مبالغے کے ساتھ طہارت حاصل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنے بدن کے جس حصے تک تم پانی پہنچا سکتے ہو وہاں تک پانی پہنچا کر اس کو دھولو، اس لئے ظاہری بدن سارا دھونا ضروری ہوتا ہے، جنابت کی حالت میں کوئی حصہ خالی نہیں ہونا چاہیئے، ناف اگر گہری ہے تو اس میں بھی انگلی ڈال کر پانی پھیرلو، کان کے سوراخوں کے اندر بھی اچھی طرح سے انگلی پھیرو اور جہاں بھی سوکھے رہنے کا امکان ہو وہاں تک اچھی طرح پانی پہنچاؤ، ناک کے جس حصے تک بغیر تکلف کے پانی پہنچایا جا سکتا ہے وہاں تک پانی پہنچاؤ، منہ کے اندر جہاں تک پہنچایا جا سکتا ہے آسانی کے ساتھ وہاں تک پانی پہنچاؤ اور جہاں پانی پہنچانے کا نقصان ہے مثلاً آنکھوں کو اندر سے دھونا یہ نقصان دہ ہے اس لئے اس کو مستثنیٰ کر دیا آنکھوں کو اندر سے دھونا ضروری نہیں ہے چہرے کو اوپر اوپر سے دھولیں ناک میں بھی وہاں تک پانی چڑھائیں جہاں تک آسانی سے چڑھایا جا سکتا ہے اور منہ کو بھی اس طرح مبالغے کے ساتھ دھوئیں کہ جہاں تک آسانی کے ساتھ دھویا جا سکتا ہے۔

اس لئے جنابت کے غسل کے اندر کلی کرنا بھی فرض ہے اور ناک میں پانی ڈالنا بھی فرض ہے کیوں کہ "فاطھروا" جس مبالغے کو چاہتا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ بدن کا کوئی حصہ بھی نہ بچے، جس کو تم دھو سکتے ہو بغیر کسی قسم کے نقصان پہنچانے کے اس کو دھونا ضروری ہے کانوں کے حصے تک جہاں تک انگلی پھر سکتی ہے اس کا دھونا اور ایسے ہی باقی اعضاء کے جوڑوں کے اندر جس طرح کئی مخفی جگہیں ہوتی ہیں سب کا دھونا فرض ہے اگر تھوڑی سی چیز بھی باقی رہ جائے گی تو اس کا غسل ادا نہیں ہوا، یہ سارے کا سارا مسئلہ "فاطھروا" سے نکلے گا کہ زور لگا کر جتنی تم طہارت حاصل کر سکتے ہو اتنی تم طہارت حاصل کرو جہاں جہاں پانی پہنچا سکتے ہو پانی پہنچاؤ، یہ دونوں صورتیں جو تھیں حدث اصغر اور حدث اکبر زائل کرنے کی یہ اس وقت ہیں جس وقت کہ پانی موجود ہو پہلے کا عنوان ہے وضو اور دوسرے کا عنوان ہے غسل اور اس کا ذکر پہلے "فاغتسلوا" کے لفظ کے ساتھ بھی آچکا ہے۔

پانی پر قدرت نہ ہونے کی صورت میں طہارت حاصل کرنے کا طریقہ:

اب آگے کبھی ایسی صورت بھی پیش آسکتی ہے کہ آپ کو طہارت حاصل کرنے کی تو ضرورت پیش آگئی مثلاً

وضوٹوٹ گیا اب نماز پڑھنے کا ارادہ کرلیا یا غسل واجب ہو گیا او ہر نماز پڑھنے کا ارادہ کرلیا نماز کا وقت آگیا اب پانی یا تو موجود نہیں آپ سفر میں ہیں آبادی سے باہر ہیں لیکن اس میں یاد رکھیے کہ تیمّم میں سفر شرعی ہونا ضروری نہیں، اگر انسان گھر سے باہر ہے جنگل میں باہر علاقے میں اور میل میل تک پانی نہیں ہے تو ایسی صورت میں شریعت اجازت دیتی ہے کہ تم تیمّم کرلو اس میں سفر اصطلاحی ضروری نہیں، سفر پر ہے یا کسی ایسے حال میں ہے کہ وہاں پانی موجود نہیں ہے، چاہے شرعی طور پر وہ مسافر نہیں مقیم کے لئے بھی تیمّم جائز ہے اگر کوئی ایسی جگہ ہے جہاں میل میل کے اندر پانی موجود نہیں ہے ایسے وقت میں انسان مٹی کے ساتھ تیمّم کرسکتا ہے فقہ کے اندر آپ نے اس مسئلے کی تفصیل پڑھی ہوئی ہے وضو کی ضرورت پیش آگئی یا غسل کی، پانی موجود نہیں یا موجود تو ہے لیکن بدن میں ایسی کوئی بیماری ہے کہ جس میں پانی کے استعمال کرنے کے ساتھ ہلاکت کا اندیشہ ہے یا مرض کے اضافے کا اندیشہ ہے ایسی صورت میں طہارت حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک آسان سا طریقہ بتادیا تا کہ تم اپنی اس نجاست سے حدث سے جان چھڑالو، اور اللہ تعالیٰ کی عبادت وقت پر ادا کرلو اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہ ہونے پائے۔

صعید کہتے ہیں وجہ الارض یہ زمین کی سطح پاک جگہ دیکھ کر اس کے اوپر ہاتھ مار کر اسی کے ساتھ ہی اپنے چہرے اور ہاتھوں کو مل لیا جائے، تو چونکہ اس طریقہ طہارت کو اللہ تعالیٰ نے "تیمموا" کے لفظ کے ساتھ ادا کیا ہے تو فقہاء نے اس طریقہ طہارت کا نام بھی تیمّم رکھ دیا ورنہ تیمّم کا لفظی معنی ہوتا ہے قصد کرنا اور اس طریقہ تطہیر کو چونکہ اللہ تعالیٰ نے تیمّم کے لفظ کے ساتھ ذکر کیا کہ قصد کرلیا کرو پاک مٹی کا تو اصطلاحی طور پر اس کے لئے لفظ تیمّم اختیار کرلیا گیا، تو اب آپ سے جس وقت فقہی طور پر پوچھا جائے گا کہ تیمّم کسے کہتے ہیں تو اس کا معنی ہوگا صعید طیب سے طہارت حاصل کرنا اور ویسے لفظی معنی تیمّم کا قصد کرنا باقی اس لفظ کو اس طریقہ تطہیر کے لئے کیوں اختیار کرلیا گیا اس لیے کہ قرآن کریم میں یہی لفظ استعمال ہوا ہے یہ اصطلاح یہیں سے لی گئی۔

"وان کنتم مرضیٰ" اگر تم بیمار ہو، مرضیٰ مریض کی جمع ہے اور مطلقاً بیماری مراد نہیں بلکہ ایسی بیماری مراد ہے کہ جس کے اندر پانی کا استعمال نقصان دیتا ہے نقصان کا مطلب یہ ہے کہ مرض بڑھتی ہے یا اگر پانی استعمال کریں گے تو مریض کے تندرست ہونے میں دیر لگ جائے گی یا پانی کے استعمال کرنے میں ہلاکت کا اندیشہ ہے جس طرح سے کوئی سر میں زخم وغیرہ ہوگئے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک صحابی زخمی ہوگئے سر میں زخم ہو گیا تھا تو پانی سر پر ڈالا تو وہ وفات پاگئے تو ایسا بھی ہوتا ہے تو مرض سے ایسی مرض مراد ہے جس میں پانی کا استعمال کرنا زیادتی مرض کا باعث ہو یا ہلاکت کا باعث ہو جائے یا مرض کے ٹھیک ہونے میں دیر کا باعث ہو جائے کہ اگر ہم پانی

استعمال نہیں کریں گے تو مرض جلدی ٹھیک ہو جائے گا، پانی استعمال کریں تو دیر لگ جائے گی یہ بھی ایک نقصان ہے جس سے بچنے کے لئے شریعت نے اجازت دے دی ہے کہ پانی استعمال نہ کرو۔

اگر تم جنگل میں ہو اور پانی تمہیں میسر نہیں بیابان میں کہیں جا رہے ہو یا نہ مرض ہے نہ سفر ہے لیکن صورت پیش آ گئی حدث کی اور حدث اصغر جیسے غائط سے آئے پیشاب پاخانے سے کوئی اس قسم کی ضرورت پوری کر کے آئے ہو اس سے حدث اصغر کی طرف اشارہ ہے کہ پیشاب پاخانے سے حدث اصغر لاحق ہوتا ہے یا تم نے عورتوں سے ملامست کر لی اور احناف کے نزدیک ملامست سے مراد جماع ہے یعنی عورتوں سے جماع کیا اور حدث اکبر لاحق ہو گیا پھر اگر ان تمام صورتوں میں پانی موجود نہیں تو تم پاک مٹی کا قصد کر لیا کرو اور اسی کے ساتھ ہی اپنے چہروں کو اور اپنے ہاتھوں کو مل لیا کرو تو حدث اصغر پانی کی موجودگی میں وضو کا ذکر آ گیا اور حدث اکبر پانی کی موجودگی میں "فاطھروا" اس کا ذکر آ گیا اور حدث اصغر اور پانی کے نہ ہونے کی صورت میں اس میں بھی تیمم آ گیا اور "لمستم النساء" میں حدث اکبر پانی کے نہ ہونے کی صورت میں اس میں بھی تیمّم آ گیا جو چاروں طریقے تھے تطہیر کے وہ سارے کے سارے اس آیت کے اندر آ گئے یہ آیت اپنے مفہوم کے اندر جامع ہو گی۔

اور بعض دوسرے حضرات کے نزدیک "لمستم النساء" سے عورتوں کو چھونا مراد ہے اس لئے ان کے ہاں اگر عورت کے وجود کو مس کر لیا جائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے تو جس طرح غائط سے آنا طہارت حاصل کرنے کا باعث ہے اسی طرح سے عورتوں کو مس کرنا بھی طہارت کا باعث ہے پھر ان کے نزدیک جنبی کے لئے تیمّم قرآن کریم سے ثابت نہیں ہو گا بلکہ روایات سے ثابت ہو گا جنبی کے لئے تیمّم ہے متفق علیہ اس میں کسی فقیہ کا اختلاف نہیں ہے، ہمارے نزدیک یہ مسئلہ قرآن کریم سے ثابت ہے "لمستم النساء" سے۔

اور جنہوں نے اس کو مس بالید پر محمول کیا ہے جس طرح سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ ان کے نزدیک بھی جنبی کے لئے تیمّم جائز ہے لیکن جنبی کے لئے تیمّم قرآن کریم سے ثابت نہیں ہو گا ان کے نزدیک احادیث سے ثابت ہو گا تو ہمارے ہاں اولیٰ یہی ہے کہ "لمستم النساء" کو مجامعت پر محمول کیا جائے مس بالید عورت کو چھو لینا ہاتھ لگا لینا اس سے ہمارے ہاں وضو نہیں ٹوٹتا، روایات میں بھی اس کی تفصیل موجود ہے اس لئے جنبی کے لئے بھی تیمّم قرآن کریم سے ثابت ہو جاتا ہے۔

احکام طہارت واضح کرنے کا مقصد:

"مایرید اللہ لیجعل علیکم من حرج" اللہ تعالیٰ تم پر تنگی نہیں ڈالنا چاہتا اس لئے اگر تو پانی موجود

ہوتو استعمال کرو، پانی استعمال کرنے کی قدرت ہے اور پانی سے کوئی نقصان نہیں تو پانی استعمال کرواور اگر پانی موجود نہ ہوتو کوئی پابندی نہیں ہے کہ جہاں کہیں سے بھی ہو پانی لاؤ، جیسی تکلیف ہے پانی استعمال کرو اگر ایسا حکم ہوتا تو یہ تنگی ہوتی اللہ نے اس تنگی کو اٹھا دیا کہ ایسے موقع پر تمہیں ایک آسان سا طریقہ بتادیا ارادہ کرتا ہے تمہیں اللہ تعالیٰ صاف ستھرا رکھنے کا تاکہ کسی قسم کی ظاہری معنوی نجاست تمہارے اندر موجود نہ ہو، جس کو ہم نجاست سے تعبیر کرتے ہیں یا حدث سے تعبیر کرتے ہیں تاکہ تم اس کو زائل کرلو، ارادہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہیں صاف ستھرا رکھنے کا اور تاکہ تم پر اپنی نعمت تام کردے یہ نعمت تام اسی طرح سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے احکام آسان آسان دے دیے کہ ان پر عمل کرنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہمارے لئے ہر حال میں ممکن ہوگا اللہ تعالیٰ نے یہ دین والی نعمت ہمارے اوپر تام کردی۔

اور تاکہ تم احسان مانو احسان ماننا یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ان احکام کو سنو سمجھو اور ان کے مطابق عمل کرو ان کی شکر گزاری یہی ہے۔

طہارت کے بعد شکر گزاری حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے عمل سے:

یہ "لعلکم تشکرون" جو طہارت کے مسئلے کے بعد ذکر کیا گیا تاکہ تم شکر گزار ہوجاؤ تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اس سے ایک اشارہ سمجھا جس پر ان کا عمل تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو تطہیر کا طریقہ بتایا ہے یہ بہت بڑی نعمت ہے اس کا بہت بڑا احسان ہے تو حدث لاحق ہوجانے کے بعد جب بھی ہم اس طریقے سے فائدہ اٹھائیں گے کہ حدث کی صفت کو زائل کریں وضو کرلیں تو اللہ تعالیٰ کی شکر گزاری کے طور پر دو رکعت پڑھنی چاہئیں جس کو تحیۃ الوضوء کے عنوان کے ساتھ ادا کیا جاتا ہے، وہ گویا کہ اس نعمت کے حصول پر شکر گزاری کا ایک طریقہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ طریقہ بتایا تم نجس تھے ناپاک تھے حدث لاحق تھی جس کی بناء پر شیطان کی طرف انسان قریب ہوتا ہے، ملکیت اور قرب خداوندی سے ایک قسم کا بعد ہوتا ہے پھر اس طریقے سے پانی استعمال کرکے یا مٹی استعمال کرکے پھر ہم فرشتوں کی طرف زیادہ قریب ہوگئے، اللہ کا قرب ہمیں حاصل ہوگیا اور اس قابل ہوگئے کہ اللہ کے دربار میں حاضری دے سکیں، یہ طریقہ جو ہمیں بتایا گیا یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے، جس پر نقد شکر یہ ہے کہ دو رکعات پڑھ لی جائیں، تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے یہ عادت بنائی ہوئی تھی۔

حدیث شریف میں جس طرح سے آتا ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ جنت میں گیا معراج میں یا خواب میں کئی سارے اس قسم کے واقعات پیش آئے ہیں تو میں نے اپنے آگے کچھ آہٹ محسوس کی کہ

کوئی چلا جا رہا ہے جس وقت پتہ کیا تو معلوم ہوا کہ بلال رضی اللہ عنہ ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ مثال نمایاں کی کہ بلال رضی اللہ عنہ کا داخلہ جنت کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھا دیا گیا تو آپ نے پھر بلال رضی اللہ عنہ کو بلا کر پوچھا تھا کہ وہ کون سا عمل ایسا ہے جس کے متعلق تو امید رکھتا ہے کہ یہ چیز تجھے حاصل ہوئی ہے تو انہوں نے یہ ذکر کیا کہ میں جب بھی طہارت حاصل کرتا ہوں تو دو رکعات ضرور پڑھ لیتا ہوں، اللہ تعالیٰ کے شکر کے طور پر تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہی عمل ہے کہ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تجھے یہ شان دی ہے، تو "لعلکم تشکرون" کے اشارے سے یہ چیز اخذ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کہا میں نے یہ طریقہ تمہیں بتایا تا کہ تم شکر گزار ہو جاؤ اور شکر گزاری کا ایک طریقہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے یہ اخذ کیا کہ طہارت حاصل کرنے کے بعد دو رکعت ادا کر لی جائیں یہ گویا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف اس پانی کے استعمال کرنے اور طہارت حاصل ہو جانے پر شکر گزاری ہے۔

انعامات خداوندی کا استحضار:

"واذکروا نعمة الله علیکم" یہ احکام کی پابندی کے لئے ترغیب کا پہلو ہے کہ اللہ تعالیٰ کا احسان جو تم پر ہے اس کو یاد کرو، اللہ تعالیٰ کے احسانات کو یاد کیا جائے تو پھر اس کے ساتھ اطاعت کا جذبہ ابھرتا ہے اور اس عہد کو یاد رکھو جو اللہ کے ساتھ تم نے کیا "واثقکم به" جو اللہ نے تمہارے ساتھ باندھا ہے اور وہ عہد یہی ہے جس کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے "اذقلتم سمعنا واطعنا" جب تم نے "سمعنا واطعنا" کہا "سمعنا واطعنا" کب کہا کہ جب بھی کوئی شخص ایمان لاتا ہے تو یہی لفظ بولتا ہے کہ میں نے اللہ کے احکام کو تسلیم کیا جو بھی احکام آتے جائیں گے میں سنوں گا اور مانوں گا اور اگر یہ لفظ نہ بھی بولے جائیں تو یہ بنیادی کلمہ "لا الٰه الا الله محمد رسول الله" اسی "سمعنا واطعنا" کا عنوان ہے کہ اپنے آپ کو انسان اللہ تعالیٰ کی بندگی میں دے دیتا ہے تو ایمان لانے کا مطلب یہی ہے کہ اقرار کرتا ہے کہ میں سنوں گا اور مانوں گا جب تم نے "سمعنا واطعنا" کہا تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کو بھی جانتا ہے جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بندگی کے جذبے کے ساتھ، نیازمندی کے ساتھ ان احکام کو پورا کرو یعنی خلوص کے ساتھ اور دل کے حضور کے ساتھ ان چیزوں پر عمل کرو۔

صرف ظاہر داری نہ ہو ظاہر داری تو انسان ایسے حاکم کے سامنے کرتا ہے جو دلوں کی باتوں کو نہ جانتا ہو اور اللہ تعالیٰ تو دلوں کی باتوں کو جانتا ہے لہٰذا صرف ظاہری اطاعت اختیار نہ کرو بلکہ تمہارے دل بھی مطیع ہونے چاہئیں دل کے اندر خلوص کا جذبہ ہو یہ احکام تھے جن کا تعلق تھا عبادت کے ساتھ۔

دنیا میں امن وسکون عدل پر موقوف ہے:

اب آگے پھر معاملات کے بارے میں ایک ہدایت دی جارہی ہے اجتماعی نظم کے متعلق، پہلے یہ مضمون آپ کے سامنے سورۃ النساء میں آچکا ہے کہ جس وقت انسان مل جل کر زندگی گزارتا ہے تو یہ انتظام تب ٹھیک رہ سکتا ہے کہ جس وقت عدل اور انصاف کا دوردورہ ہو، عدل کا معنی ہوتا ہے برابری یعنی قاعدے طریقے اور قانون میں سب کے ساتھ برابری ہو، کسی کا حق تلف کرنے کی کسی کو اجازت نہ دی جائے، ایک آدمی دوسرے کے اوپر تعدی نہ کرسکے، برابری کے حقوق سب کو حاصل ہوں تو برابری کے حقوق حاصل ہونے کے لئے ایک تو دل کے اندر جذبہ ہو کہ کوئی شخص کسی دوسرے کی حق تلفی کی کوشش نہ کرے اور اگر کوئی شخص شرارت کرتا ہے نفسانیت کی بناء پر، شیطنت کی بناء پر تو اس اجتماعی زندگی کے اندر ایک حاکم ایسا موجود ہونا چاہیئے حکومت موجود ہونی چاہیئے جو مظلوم کو ظالم سے حق دلوائے اور ظالم سے مظلوم کا انتقام لے۔

حقوق کا تحفظ تبھی ہوتا ہے اجتماعی زندگی کے اندر کہ ایک قوت قاہرہ موجود ہوتی ہے جس کو ہم حکومت کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں وہ ان حالات کا جائزہ لے کر جو زیادتی کرنے والا ہے اس کو تنبیہ کرتے ہیں جس پر زیادتی کی گئی اس کی تلافی کرتے ہیں یہ معاملات کو درست رکھنے کے لئے دنیا کا نظم قائم رکھنے کے لئے قوت کا موجود ہونا ضروری ہے اور مسلمان اس بات کے مجموعی طور پر مکلف ہیں کہ اس طرح سے کنٹرول کر کے رکھیں ماحول پر کہ کوئی کسی کی حق تلفی نہ کرنے پائے۔

انصاف کا قیام صحیح شہادت پر موقوف ہے:

لیکن یہ نظم عدل والا قائم کس طرح سے رہے گا اس کی سب سے بڑی صورت یہ ہے کہ شہادت صحیح طور پر ادا کرنے کا جذبہ لوگوں کے اندر ہو اس کی تفصیل آپ کے سامنے اس آیت پر بھی کی تھی جو سورۃ النساء میں آئی تھی کہ انصاف کا مدار ہے شہادت پر جس قوم کے اندر سچی اور صحیح شہادت دینے کا جذبہ نہیں اس قوم کے اندر انصاف کسی صورت کے اندر قائم ہو ہی نہیں سکتا اور آج آپ کے سامنے ہے جھوٹی گواہیوں پر جب جھوٹے فیصلے ہوتے ہیں تو اس میں حاکم کا قصور کم ہوتا ہے اور گواہی دینے والوں کا قصور زیادہ ہوتا ہے۔

اگر صحیح گواہی دینے کا جذبہ قوم کے اندر موجود ہو تو واقعہ جب صحیح سامنے آئے گا تو فیصلہ دینے والا فیصلہ بھی صحیح کرے گا ورنہ حاکم فیصلہ تو سنے ہوئے حالات کے تحت دیتا ہے ان کو تو کسی خبر کی حقیقت معلوم ہونے کا کیا ہی

امکان ہے خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام میں اعلان کیا تھا کہ تم میرے پاس اپنے جھگڑے لے کر آتے ہو ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک آدمی میں قوت گویائی زیادہ ہے وہ اپنے مدعیٰ کو زیادہ اچھی طرح سے واضح کر سکتا ہے بمقابلہ دوسرے کے اور میں اس کی باتوں سے متاثر ہو کر اس کے حق میں فیصلہ دے دیتا ہوں لیکن وہ اگر جانتا ہے کہ اس نے میرے سامنے غلط بیانی کی ہے تو میرے فیصلے کے ساتھ وہ چیز اس کے لئے حلال نہیں ہو جائے گی میں اس کو ایک آگ کا انگارہ کاٹ کر دوں گا، یعنی میرے فیصلے کے تحت بھی وہ چیزیں حلال نہیں بلکہ حرام کی حرام ہیں اور جس کو وہ چیز دلاؤں گا تو یوں سمجھو کہ جہنم کی آگ دلاؤں گا۔

مطلب یہ ہے کہ میرے سامنے بھی صحیح بات کہو گے تو صحیح فیصلہ ہو گا اور اگر غلط بیانی کرو گے تو میرے سے بھی ایسا فیصلہ ہو سکتا ہے کہ میں کسی کا حق دوسرے کو دلا دوں لیکن اس کی ذمہ داری اس شخص پر ہو گی جس نے زبان درازی کر کے حق کو باطل کر کے دکھا دیا اور باطل کو حق کر کے دکھا دیا، تو جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ اعلان فرماتے ہیں کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ میں تمہاری باتوں سے متاثر ہو کر فیصلہ کر دوں باقی حکام کے متعلق کیا کہنا ان کے سامنے جس قسم کے حالات رکھے جائیں گے ویسے فیصلے کریں گے اس لئے معاشرے کے اندر عدل وانصاف کو قائم کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ سب سے پہلے نظام شہادت کو ٹھیک کیا جائے، لوگوں کے اندر یہ جذبات ابھارے جائیں کہ صحیح بات کہیں غلط بیانی نہ کریں۔

غلط شہادت محبت یا عداوت کی وجہ سے ہوتی ہے:

اب یہ غلط بیانی کرنا، حق فروشی کرنا اس کے اندر دو جذبے کام کرتے ہیں کبھی تو انسان کسی کی محبت میں آ کر غلط بیانی کرتا ہے اور شہادت کو چھپا جاتا ہے اور کبھی کسی کی عداوت میں آ کر غلط بیانی کرتا ہے اور صحیح علت کو چھپا جاتا ہے اس میں یہ ذکر کیا گیا تھا کہ کسی کی محبت میں آ کر غلط بیانی نہ کرو، وہاں تھا "ولو علیٰ انفسکم" اگرچہ تمہیں وہ گواہی اپنے خلاف دینی پڑے، والدین کے خلاف اور اقربین کے خلاف دینی پڑے تو بھی تم شہادت اللہ کے لیے قائم کیا کرو اور گواہی ٹھیک ٹھیک دیا کرو، اور یہاں ذکر کیا جا رہا ہے کہ اگر تمہیں دشمن قوم کے متعلق بھی گواہی دینی پڑے تو ٹھیک دیا کرو، یعنی نہ محبت سے متاثر ہو کر غلط بیانی کیا کرو اور نہ عداوت سے متاثر ہو کر غلط بیانی کیا کرو تو بات جب صحیح طور پر ادا کرو گے چاہے دوست ہے چاہے دشمن ہے تمہارے ہاں دونوں کے لئے ایک ہی ترازو اور ایک ہی بٹا ہے جس بٹے کے ساتھ دوست کے لئے تولنا ہے اسی بٹے کے ساتھ تم نے دشمن کے لئے تولنا ہے ترازو دونوں کے لئے صحیح ہو تو پھر انصاف بھی قائم ہو گا اور حقوق بھی ادا ہوں گے۔

اور اگر ایسا ہے کہ کسی کے لئے تو باٹ اور رکھے ہوئے ہیں اور کسی کے لئے باٹ اور رکھے ہوئے ہیں جب اپنے لئے تولنا ہو تو کسی اور حساب سے تولو کسی اور کے لئے تولنا ہو تو کسی اور حساب سے تولو تو پھر عدل وانصاف قائم ہی نہیں رہ سکتا اس لئے یہی ایمان والوں کو خطاب کر کے ذمہ داری ان کو یاد دلائی جارہی ہے کہ اب آنے والے وقت میں اس نظام عالم میں عدل وانصاف کا قائم رکھنا تمہارے ذمہ ہے تم یہ جذبہ لے کر اٹھو کہ اللہ تعالیٰ کے لئے تم نے احکام کو سنبھالنا ہے۔

اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ شہادت کا نظام ٹھیک کرو کہ جو واقعہ تمہیں صحیح طور پر معلوم ہے اس کو صحیح ادا کرو نہ کسی کی دشمنی سے متاثر ہو کر اس میں غلط بیانی کرو نہ کسی کی دوستی سے متاثر ہو کر غلط بیانی کرو، اگر یہ جذبہ اپناؤ گے تو یہ ہے عدل اور اس عدل کا اختیار کرنا تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اس عدل وانصاف کے ساتھ ہی تم صحیح تقویٰ حاصل کر سکتے ہو اور اگر ویسے کہتے رہو کہ ہم متقی ہیں لیکن لوگوں کے حقوق غصب کرو، اور شہادتیں غلط دو، اور جھوٹ بولو، غلط بیانی کرو تو یہ کوئی تقویٰ نہیں ہے تو گویا کہ پورے تمدن کے اندر عدل وانصاف کے قائم کرنے کے لئے یہ تاکید کی جارہی ہے کہ اسی سے معاشرے میں خوشحالی آئے گی، اسی سے امن وعافیت قائم ہوگی اور لوگ امن وعافیت کے ساتھ رہیں گے کسی کو یہ ڈر نہیں ہوگا کہ ہمارے حقوق کوئی تلف کر لے گا، انصاف ہوگا تو امن وچین ہوگا اور امن وچین کے ساتھ دل جمعی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں انسان لگ جائے گا۔

اے ایمان والو! اللہ کے لئے کھڑے ہونے والے ہو جاؤ یعنی اللہ کے احکام پورے کرنے کے لئے کمر کس لو، تیار ہو جاؤ، اللہ کے احکام کو سنبھالنے والے بن جاؤ اور عدل وانصاف کے ساتھ گواہی دینے والے ہو جاؤ، نہ برانگیختہ کرے تمہیں کسی قوم کی عداوت اس بات پر کہ تم انصاف نہ کرو، عدم انصاف پر تمہیں کسی قوم کی عداوت برانگیختہ نہ کرے، انصاف کیا کرو یہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ تعالیٰ خبر رکھنے والا ہے ان کاموں کی جو تم کرتے ہو۔

مؤمنین اور کافروں کا انجام:

"وعداللہ الذین اٰمنوا وعملوا الصالحات" وعدہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں اور نیک عمل میں یہی "شہادت للہ، قوامین للہ" جس کا ذکر پیچھے آ گیا عدل وانصاف کرنا یہ سب اس میں شامل ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ ہے کہ ان کے گناہ بخشے جائیں گے کوئی لغزش ہوگی تو اللہ تعالیٰ درگزر فرمائیں گے اور اجر عظیم دیں گے اور جو کفر کرتے ہیں اور ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں یہی جہنم والے ہیں۔

مؤمنین پر احسان عظیم:

آگے پھر تذکیر ہے دنیاوی نعمت کی کہ تم دیکھو جس وقت تمہاری جماعت کی ابتداء ہوئی تھی تو تم کتنے کمزور تھے اور ارد گرد تمہارے دشمن کتنے مضبوط تھے اور انہوں نے بڑی قوت اور شدت کے ساتھ ہاتھ تمہاری طرف پھیلانے چاہے تاکہ تمہیں پکڑ کر اس دنیا سے نیست و نابود کر دیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ روک لئے اور انہیں قدرت نہیں دی، تو جب اس کمزوری کے زمانہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے تمہاری حفاظت کی ہے تو اب تو "ماشاء اللہ" تم قوت والے ہو گئے تمہیں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھنا چاہیئے دشمن ہو دوست ہو ہر ایک کے ساتھ انصاف کا معاملہ رکھنا چاہیئے۔ تو اللہ تعالیٰ دنیا کے اندر اس طرح سے تمہیں روز بروز ترقی دے گا اور تمہاری حفاظت بھی کرے گا، یہ خیال نہ کرنا کہ اگر دشمن کے متعلق ہم نے صحیح بات کہہ دی قصور دشمن کا ثابت ہو گیا تو ہمیں کوئی نقصان پہنچے گا ایسی چیزوں سے نقصان نہیں ہوا کرتا عدل و انصاف قائم کرنے سے بہر حال دنیا کے اندر سرسبز و شادابی حاصل ہوتی ہے اور دنیا کے اندر کامیابی کا ذریعہ بھی یہی ہے۔

اس میں اس ساری تاریخ کی طرف متوجہ کر دیا گیا مکہ معظمہ کے اندر قریش کے ہاتھوں جو مظالم ہوئے اور اس اسلام کو مٹانے کے لئے اور مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے جس طرح سے انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور پھر مدینہ منورہ میں آنے کے بعد جنگیں ہوئیں، بدر کے میدان میں، احد کے میدان میں، غزوہ احزاب میں وہ اسی جذبے کے تحت ہی آئے تھے تاکہ اس جماعت کو ختم کر دیا جائے، لیکن ہر جگہ ان کے اللہ تعالیٰ نے ہاتھ باندھ دیئے تاکہ وہ اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکیں، نہ مکہ معظمہ میں حضور ﷺ کے قتل کرنے پر اور جماعت صحابہ کو ختم کرنے پر قادر ہوئے اور نہ مدینہ منورہ میں بھرپور جنگوں کے ذریعے اس جماعت کو مٹانے پر وہ کامیاب ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے جب تمہاری اس طرح سے حفاظت کی ہے تو آئندہ بھی اللہ کے احکام کی اتباع کرو گے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی رعایت رکھو گے تو اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہیں ہر شر سے محفوظ رکھتا چلا جائے گا۔

اے ایمان والو! یاد کرو اللہ کے احسان کو جو تم پر ہے جب قصد کیا تھا اس قوم نے اس قوم سے قریش مراد ہیں چونکہ براہ راست ابتداء میں مقابلہ اسی قوم کے ساتھ تھا جب کہ قصد کیا تھا ایک قوم نے کہ وہ پھیلائیں تمہاری طرف اپنے ہاتھوں کو ہاتھ پھیلانا یہ پکڑ دھکڑ کرنے سے کنایہ ہے تمہیں پکڑنے کے لئے تمہیں

قتل کرنے کے لئے وہ تمہاری طرف دست درازی کرنا چاہتے تھے "فکف ایدیھم عنکم" اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا "واتقوا الله" اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو "وعلی الله فلیتوکل المؤمنون" اللہ پر ہی مؤمنوں کو توکل کرنا چاہیے۔
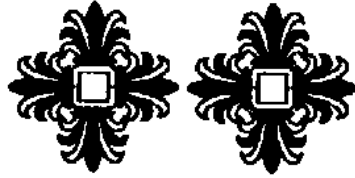
وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَ بَعَثْنَا مِنْهُمُ

البتہ تحقیق لیا اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کا میثاق ، اور متعین کیے ہم نے ان میں سے

اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ

بارہ سردار ، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں ، اگر تم نے نماز کو قائم رکھا

وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ

اور تم زکوۃ دیتے رہے اور میرے رسولوں پر ایمان لاتے رہے اور ان کو قوت پہنچاتے رہے اور قرض دیتے رہے

اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ

اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض تو البتہ میں ضرور دور کر دوں گا تم سے تمہاری کوتاہیاں اور البتہ میں ضرور داخل کروں گا تمہیں

جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ

ایسے باغات میں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں ، پھر جو اس کے بعد تم میں سے کافر ہوا

فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۲﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ

پس تحقیق وہ بھٹک گیا سیدھے راستے سے ﴿۱۲﴾ پھر ان کے اپنے میثاق کو توڑ دینے کی وجہ سے

لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ

ہم نے ان پر لعنت کی اور ہم نے ان کے دلوں کو سخت بنا دیا ، ہٹاتے ہیں کلمات کو

مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ

ان کی جگہ سے ، بھول گئے وہ فائدہ اٹھانا اس چیز کے ساتھ جس کے ساتھ وہ نصیحت کیے گئے تھے ، ہمیشہ اطلاع پاتا رہے گا تو

عَلٰي خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ

ان کی طرف سے ایسی خیانت پر جو ان کی طرف سے صادر ہونے والی ہے مگر ان میں سے کچھ لوگ آپ انہیں معاف کردیں اور درگزر کر جائیں ،

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى

بے شک اللہ تعالیٰ اچھا برتاؤ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے ﴿۱۳﴾ اور ان لوگوں سے جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں

اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ

ہم نے ان کا میثاق لیا پھر وہ بھول گئے فائدہ اٹھانا اس چیز سے جس کے ساتھ وہ نصیحت کیے گئے تھے ، پس ہم نے ڈال دی ان کے درمیان

الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ

عداوت اور بغض قیامت کے دن تک ، اور عنقریب انہیں خبر دے گا

اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۴﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ

اللہ تعالیٰ ان کاموں کی جو یہ کرتے تھے ﴿۱۴﴾ اے کتاب والو! تحقیق تمہارے پاس آ گیا

رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ الْكِتٰبِ

ہمارا رسول وہ بیان کرتا ہے تمہارے لیے بہت ساری چیزیں جن کو تم کتاب میں سے چھپاتے تھے

وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ڛ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ۙ

اور بہت ساری باتوں سے درگزر کرتا ہے ، تحقیق آ گیا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور واضح کتاب ﴿۱۵﴾

يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ

اس کے ذریعے سے اللہ ہدایت دیتا ہے ان لوگوں کو جو اللہ کی رضا کا اتباع کرنا چاہتے ہیں سلامتی کے راستوں پر اور انہیں نکالتا ہے

مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ

تاریکیوں سے نور کی طرف اپنی توفیق کے ساتھ اور ان کو ہدایت دیتا ہے صراط

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ

مستقیم کی ﴿۱۶﴾ البتہ تحقیق کافر ہو گئے وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ اللہ وہ مسیح ابن

مَرْيَمَ ۭ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ

مریم ہی ہے ، آپ فرما دیجئے کون اختیار رکھتا ہے اللہ کے مقابلے میں کسی چیز کا اگر اللہ تعالیٰ ارادہ کر لے ہلاک کرنے کا

الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۭ وَلِلّٰهِ

مسیح ابن مریم کو اور اس کی ماں کو اور ان سب لوگوں کو جو زمین میں ہیں ، اور اللہ ہی کے لیے ہے

مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ

جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے ، وہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے ، اور اللہ تعالیٰ

عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ

ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ﴿۱۷﴾ یہود اور نصاریٰ نے کہا ہم

اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ

اللہ کے بیٹے ہیں اور اللہ کے محبوب ہیں ، آپ کہہ دیجئے پھر تمہیں کیوں عذاب دیتا ہے تمہارے گناہوں کی وجہ سے ، بلکہ تم

بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ

انسان ہو ان میں سے جن کو اللہ نے پیدا کیا ، بخشے گا اللہ جس کو چاہے گا اور عذاب دے گا جس کو چاہے گا ، اللہ کے لیے ہی ہے

مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؗ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾

سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی اور ان چیزوں کی جو ان کے درمیان میں ہیں ، اور اللہ کی طرف ہی لوٹنا ہے ﴿۱۸﴾

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ

اے کتاب والو! بے شک تمہارے پاس ہمارا رسول آ گیا وہ واضح کرتا ہے تمہارے لیے وقفہ کے بعد

مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ؗ

رسولوں کی طرف سے تاکہ تم یہ نہ کہو کہ نہیں آیا ہمارے پاس کوئی بشارت دینے والا اور نہ کوئی ڈرانے والا ،

فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۹﴾ ع

پس تحقیق تمہیں بشارت دینے والا اور ڈرانے والا آ گیا ، اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ﴿۱۹﴾

تفسیر:

لغوی، صرفی ونحوی تحقیق:

"ولقد اخذ اللہ میثاق بنی اسرائیل" البتہ تحقیق، لام بھی تحقیق کا اور قد بھی تحقیق کے لیے اس لئے

البتہ اور تحقیق یہ دولفظ بول دیئے جاتے ہیں یعنی یہ ضروری اور پکی بات ہے اس میں کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں اس قسم کے مؤکد کلام کے شروع میں یہ لفظ آجاتا ہے، لیا اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کا میثاق، میثاق پختہ عہد، وثوق سے یہ لفظ لیا گیا ہے "وبعثنامنھم" اور اٹھائے ہم نے ان میں سے، متعین کیے، مبعوث کیے، متعین کیے ہم نے ان میں سے " اثنی عشر نقیبا" نقب سے یہ لفظ لیا گیا ہے، عام طور پر اردو میں مشہور ہے نقب لگانا، کسی چیز کی کھوج لگانے کے لئے، تحقیق کرنے کے لئے، احوال سے واقف رہنے کے لئے یہ لفظ بولا جاتا ہے تو نقیب کہیں گے اس شخص کو جو حالات کی کھوج لگانے والا ہے، احوال کی نگہبانی کرنے والا ہے، اور قوم کے سردار کی چونکہ یہی پوزیشن ہوا کرتی ہے کہ قوم کے حالات سے آگاہ رہے اور ان کو نقصان سے بچانے کی کوشش کرے، ان کی حفاظت کرے اس لئے لفظ نقیب سردار کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے تو یہاں نقیب کا معنی سردار کے ساتھ ہی کیا جاتا ہے، متعین کیے ہم نے ان میں سے بارہ سردار۔

"وقال اللہ انی معکم" اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک میں تمہارے ساتھ ہوں "لئن اقمتم الصلوۃ واٰتیتم الزکوۃ" اگر تم نے نماز کو قائم رکھا اور تم زکوۃ دیتے رہے "واٰمنتم برسلی" اور میرے رسولوں پر ایمان لاتے رہے "وعزرتموھم" اور ان کو قوت پہنچاتے رہے، ان کی مدد کرتے رہے "واقرضتم اللہ قرضا حسنا" اور اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دیتے رہے "لاکفرن عنکم سیاٰتکم" البتہ ضرور دور کروں گا میں تم سے تمہاری کوتاہیاں اور تمہارے گناہ "ولادخلنکم جنٰت تجری من تحتھا الانھٰر" اور البتہ میں ضرور داخل کروں گا تمہیں ایسے باغات میں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہیں "فمن کفر بعد ذلک منکم" اور جو اس اخذ میثاق کے بعد کافر ہوا تم میں سے "فقد ضل سواء السبیل" پس تحقیق وہ بھٹک گیا سیدھے راستے سے، کفر حقیقی بھی ہوسکتا ہے کہ سرے سے میثاق کا منکر ہی ہو جائے اور کفر عملی بھی ہوسکتا ہے کہ میثاق کا قائل تو ہے لیکن اس کے مطابق عمل نہیں کرتا تو میثاق کی عملی مخالفت کو بھی کفر سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

"فبما نقضھم میثاقھم" ما زائدہ ہے اس لئے باء کی وجہ سے نقض مجرور آ گیا، پھر ان کے اپنے میثاق کو توڑ دینے کی وجہ سے، با سببیہ آ گیا نقض مصدر ہے مصدر کے ساتھ ہی ترجمہ کیا جارہا ہے پھر بس توڑ دینے ان کے اپنے میثاق کو "لعنٰھم" ہم نے ان کو پھٹکار دیا دھتکار دیا ہم نے ان پر لعنت کی اپنی رحمت سے انہیں دور کر دیا "وجعلنا قلوبھم" اور ہم نے کر دیا ان کے دلوں کو "قٰسیۃ" یہ قسو سے لیا گیا ہے "اشد قسوۃ" سورۃ البقرۃ کے اندر یہ لفظ آیا تھا "قسوۃ القلب" دل کی سختی، ہم نے ان کے دلوں کو سخت بنا دیا "یحرفون الکلم" باتوں کی تحریف کرتے ہیں، چھیڑتے ہیں کلمات کو "عن مواضعہ" کلمہ چونکہ اسم جمع کے طور پر آیا ہوا ہے اس لئے مواضع کے اندر ضمیر مفرد لوٹ رہی ہے ان کے مواضع سے، ان کے مواقع سے، لفظ کی جگہ لفظ بدل دیتے ہیں، یہ لفظ کے مفہوم کو صحیح بیان

نہیں کرتے اس کو کسی اور کے مفہوم پر بدل دیتے ہیں، ہٹاتے ہیں کلمات کو ان کی جگہ سے، چھیڑتے ہیں کلمات کو ان کی جگہوں سے "ونسوا حظا مما ذکروا بہ" جس کے ساتھ ان کو نصیحت کی گئی تھی، حظ حصے کو بھی کہتے ہیں اور حظ مصدر کے معنی میں بھی آتا ہے فائدہ اٹھانا، بھول گئے وہ فائدہ اٹھانا اس چیز کے ساتھ جس کے ساتھ وہ نصیحت کیے گئے تھے جس چیز کے ساتھ ان کو نصیحت کی گئی تھی اس چیز کے ساتھ وہ فائدہ اٹھانا بھول گئے یا "ماذکروا بہ" جس کے ساتھ ان کو نصیحت کی گئی تھی اس میں سے ایک حصے کو انہوں نے فراموش کر دیا، احکام کا ایک حصہ فراموش ہی کر گئے حظ کے معنی میں بھی آ سکتا ہے تو "ماذکروا بہ" سے توراۃ مراد ہو جائے گی اور اس کے جو احکام انہوں نے چھوڑ دیے، ترک کر دیے، چھپا دیے وہی احکام کا مجموعہ حظ کا مصداق ہوگا "ماذکروا بہ" سے ایک حصے کو بھول گئے یا اس سے فائدہ اٹھانا بھول گئے۔

"ولا تزال تطلع علیٰ خائنة منهم" خائنة خیانت کے معنی میں ہے اور منهم یہ صادرۃ (جو کہ محذوف ہے) کے متعلق ہو کر خائنة کی صفت ہے "لاتزال" افعال ناقصہ میں سے ہوگا ہمیشہ مطلع ہوتا رہے گا تو، اطلاع پاتا رہے گا تو، ہمیشہ اطلاع پاتا رہے گا تو ان کی طرف سے خیانت پر ایسی خیانت پر جو کہ ان کی طرف سے صادر ہونے والی ہے "الا قلیلا منهم" مگر ان میں سے کچھ لوگ اور وہ وہی لوگ ہیں جو دیانت دار ہیں پھر اسلام سامنے آیا تو انہوں نے اسلام کو قبول کر لیا، ان میں سے کچھ لوگوں کے علاوہ باقی لوگوں کی طرف سے صادر ہونے والی خیانت پر آپ مطلع ہوتے رہیں گے "فاعف عنهم واصفح" آپ انہیں معاف کر دیں درگزر کر دیں "ان اللہ یحب المحسنین" بے شک اللہ تعالیٰ اچھا برتاؤ کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں "ومن الذین قالوا انا نصاریٰ اخذنا میثاقهم" اور ان لوگوں سے جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں، نصاریٰ نصرانی کی جمع ہے اور ان لوگوں میں سے جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں ہم نے ان کا میثاق لیا "فنسوا حظا مما ذکروا بہ" پس بھول گئے وہ فائدہ اٹھانا اس چیز سے جس کے ساتھ وہ نصیحت کیے گئے تھے یا "مما ذکروا بہ" کا ایک حصہ انہوں نے فراموش ہی کر دیا، بھلا ہی دیا "فاغرینا بینهم العداوة" پس ہم نے ڈال دی ان کے درمیان عداوت اور بغض قیامت کے دن تک "وسوف ینبئهم اللہ بما کانوا یصنعون" اور عنقریب اللہ تعالیٰ انہیں خبر دے گا ان کاموں کی جو یہ کیا کرتے تھے۔

"یاهل الکتاب قد جاء کم رسولنا" اے کتاب والو! اس کا مصداق یہود و نصاریٰ دونوں ہیں تحقیق تمہارے پاس ہمارا رسول آ گیا "یبین لک" واضح کرتا ہے تمہارے لئے "کثیرا مما کنتم تخفون من الکتاب" کتاب میں سے جن چیزوں کو تم چھپاتے تھے ان میں سے بہت سی باتوں کو وہ تمہارے سامنے واضح

کرتا ہے "ویعفوا عن کثیر" اور بہت ساری باتوں سے درگزر کرتا ہے "قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین" تحقیق آ گیا تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے نور اور واضح کتاب، اکثر مفسرین نے "و کتاب مبین" کے اندر واؤ کو عطف تفسیر کے لئے لیا ہے تو نور اور کتاب مبین کا مصداق ایک ہی ہے جیسے "یھدی بہ" کی ضمیر آگے مفرد ہی لوٹے گی اس سے بھی راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ دونوں لفظوں کا مصداق ایک ہی ہے، تو گویا کہ کتاب مبین کی ایک صفت جو نور والی ہے جو جہالت کی ظلمتوں کو دور ہٹاتی ہے اس کو مستقل طور پر ذکر کر دیا اللہ کی طرف سے تمہارے پاس روشنی آ گئی اور وہ روشنی وہ واضح کتاب ہے ایسی کتاب ہے جو کہ احکام کو واضح کرنے والی ہے۔

''یھدی بہ اللہ من اتبع رضوانہ سبل السلام'' اس نور کے ذریعے سے یا اس کتاب کے ذریعے سے دونوں کا مصداق چونکہ ایک ہی ہے اس لئے مفرد ضمیر لوٹ گئی اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے، راہنمائی کرتا ہے ان لوگوں کی جو کہ اللہ کی رضا کی اتباع کرنا چاہتے ہیں، جو اللہ کی رضا کے متبع ہونا چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعہ سے ان کی راہنمائی کرتا ہے سلامتی کے راستوں پر، سبل یہ سبیل کی جمع ہے اللہ تعالیٰ ان کو سلامتی کے راستے دکھاتا ہے جو اللہ کی رضا کی اتباع کرنا چاہتے ہیں ''ویخرجھم من الظلمات الی النور'' اور انہیں نکالتا ہے تاریکیوں سے نور کی طرف، تاریکیوں سے مراد جہالت ہے، شرک اور گندے عقائد کی تاریکیوں سے ان کو نور کی طرف نکالتا ہے اپنی توفیق کے ساتھ "ویھدیھم الیٰ صراط مستقیم" اور ان کو ہدایت دیتا ہے صراط مستقیم کی، چلاتا ہے ان کو صراط مستقیم پر۔

''لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم'' بے شک کافر ہو گئے وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ اللہ وہ مسیح ابن مریم ہی ہے یعنی اللہ مسیح ابن مریم کی شکل میں ہی آ گیا مسیح ابن مریم اللہ ہی ہے "قل فمن یملك لکم من اللہ شیئا" آپ فرما دیجئے کون اختیار رکھتا ہے اللہ کے مقابلہ میں کسی چیز کا "ان اراد ان یھلك المسیح ابن مریم" اگر اللہ تعالیٰ ارادہ کر لے ہلاک کرنے کا مسیح ابن مریم کو "وامہ ومن فی الارض جمیعا" اور اس کی ماں کو اور ان سب لوگوں کو جو زمین میں ہیں، اگر اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم کو اور اس کی ماں کو اور زمین کے اندر تمام بسنے والوں کو ہلاک کرنا چاہے تو کوئی ہے جو اس کے سامنے اختیار رکھتا ہو ان کو بچانے کا ''وللہ ملك السمٰوات والارض ومابینھما'' اور اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے "یخلق مایشاء" پیدا کرتا ہے جو کچھ چاہتا ہے ''واللہ علیٰ کل شیء قدیر'' اللہ تعالیٰ ہر چیز کے اوپر قدرت رکھنے والا ہے۔

"وقالت الیهود والنصاری نحن ابناء الله واحباؤه" یہود اور نصاریٰ نے کہا یعنی دونوں کا یہ نعرہ ہے یہود بھی کہتے ہیں اور نصاریٰ بھی ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اللہ کے محبوب ہیں، بیٹا کہنا یہ مجاز ہے وہی محبوب ہو گئے یعنی ہمارا مقام اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا ہے جیسے کسی شخص کے نزدیک اس کے بیٹوں کا ہوتا ہے یہاں بیٹا حقیقی معنی میں نہیں جس طرح سے ہم باپ بیٹا کا لفظ استعمال کرتے ہیں یہاں بیٹے سے مجازی مراد ہے "قل فلم یعذبکم بذنوبکم" آپ کہہ دیجئے پھر تمہیں کیوں عذاب دیتا ہے اللہ تمہارے گناہوں کی وجہ سے "بل انتم بشر ممن خلق" تم نہ بیٹے نہ محبوب ہو بلکہ تم انسان ہو اللہ کی مخلوق میں سے جن کو اللہ نے پیدا کیا تم بھی ان میں سے انسان ہو "یغفر لمن یشاء ویعذب من یشاء" بخشے گا اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا اور عذاب دے گا جس کو چاہے گا" "ولله ملك السموات والارض ومابینهما" اللہ کے لئے ہی ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی اور ان چیزوں کی جو کہ ان دونوں کے درمیان میں ہیں "والیه المصیر" اور اللہ کی طرف ہی لوٹنا ہے۔

"یا هل الکتاب قد جاء کم رسولنا" اے کتاب والو! بے شک تمہارے پاس ہمارا رسول آ گیا "یبین لکم علیٰ فترة من الرسل ان تقولوا ماجاء نا من بشیر ولا نذیر" واضح کرتا ہے تمہارے لئے فترۃ سستی کسی کام کرنے میں انقطاع آ جاتا ہے اس کو لفظ فترت سے تعبیر کیا جاتا ہے جیسے یہ باری کا بخار ہے ایک دن یہ باری کا بخار آ گیا ایک دن نہ آیا پھر اگلے دن آ گیا تو جس دن بخار نہیں آتا اس دن کو بھی فترۃ کا دن قرار دیا جاتا ہے بخار کے درمیان میں یہ انقطاع کا دن ہے تو یہاں بھی فترۃ سے یہی مراد ہے رسولوں کی طرف سے انقطاع پر کہ رسول منقطع ہو چکے تھے اور اس کے بعد پھر ہمارا رسول تمہارے پاس آیا یعنی دو رسولوں کے آنے کے درمیان میں وقفہ آ گیا بہترین مفہوم اس کا وقفہ ہے دو کاموں کے درمیان جو وقفہ ہوتا ہے اس کو فترۃ سے تعبیر کرتے ہیں، رسولوں کی طرف سے وقفہ کے بعد تاکہ تم یہ نہ کہو کہ نہیں آیا کوئی ہمارے پاس بشارت دینے والا اور نہ کوئی ڈرانے والا پس تحقیق تمہارے پاس بشارت دینے والا اور ڈرانے والا آ گیا اللہ تعالیٰ ہر چیز کے اوپر قدرت رکھنے والا ہے۔

ماقبل سے ربط:

سورۃ المائدۃ کی ابتداء ایفاء عقود کے ساتھ کی گئی تھی "اوفوابالعقود" اور عقود کا ترجمہ آپ کے سامنے عہود کے ساتھ کیا گیا تھا کہ اپنے عہدوں کو پورا کرو اور اس عہد کے تحت تفصیل عرض کر دی گئی تھی کہ چاہے عہد اللہ کے ساتھ بندے کا ہو یا بندوں کا آپس میں ہو اس لئے احکام خداوندی اور معاملات میں جو ہم ایک دوسرے کے ساتھ عہد کر لیتے ہیں عقود کے تحت وہ سارے کے سارے داخل ہیں اور ان کے ایفاء کی تاکید کی گئی ہے اور جب ایک شخص

"لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" پڑھ کر ایمان قبول کر لیتا ہے تو یہ اس عہد کو قبول کرنے کا عنوان ہے گویا کہ کلمہ پڑھنے کے بعد اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد کر لیا کہ میں تیرے سارے کے سارے احکام مانوں گا اس سورۃ کی ابتداء جو تھی وہ اسی عنوان کے ساتھ ہی کی گئی تھی۔

اور آگے پھر صراحت کے ساتھ ذکر آیا تھا "واذکروا نعمۃ اللہ علیکم ومیثاقہ الذی واثقکم بہ" اس میں میثاق کا ذکر آیا ہوا ہے کہ اللہ کے احسان کو یاد کرو اور اللہ کے ساتھ جو تم نے عہد کیا ہے، جو اللہ کا پختہ عہد تمہارے ساتھ ہے، جو تم نے اس کے ساتھ پختہ عہد کیا ہے کیونکہ واثق مشارکت کو چاہتا ہے اس میں دونوں کی طرف سے ایک دوسرے کے ساتھ عہد ہوتا ہے تو جو عہد ہوا ہے اس کو یاد رکھیے اور جو "سمعنا واطعنا" تم نے کہا تھا یہ اس عہد کو قبول کرنے کی بات ہے اور اس کی مخالفت میں اللہ سے ڈرتے رہو، پھر اس میثاق کا ذکر آیا تھا اور اس میثاق کے ذکر کرنے کے بعد خصوصیت کے ساتھ عدل وانصاف کا حکم دیا گیا تھا شہادت للہ کا حکم دیا گیا تھا کہ گواہی دینے کی نوبت آجائے تو صحیح صحیح دیا کرو، دوست دشمن کے درمیان فیصلے ٹھیک ٹھیک کیا کرو نہ کسی کی دوستی سے متاثر ہو کر غلط بیانی کرو اور فیصلہ غلط کرو اور نہ کسی کی دشمنی سے متاثر ہو کر اقتدار پر آجانے کے بعد کسی سے انتقام لینے کی کوشش کرو اس قسم کی ہدایات دی گئی تھیں تقویٰ اختیار کرنے کے لئے کہا گیا۔

اب اس رکوع میں اسی بات کو پختہ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ ایک دوسرے پہلو سے ذکر فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ اس قسم کا میثاق جو تم سے لیا گیا ہے یہ کوئی تمہاری خصوصیت نہیں اللہ تعالیٰ نے تمام امتوں سے اس قسم کا میثاق لیا ہے اپنے پیغمبروں کی وساطت سے اپنی کتابوں کی وساطت سے تو جن لوگوں نے اس میثاق کو قبول کیا تھا اور اللہ کے ساتھ عہد کر لیا تھا پھر اس عہد کو نبھایا تو دنیا اور آخرت میں سرخرو ہوئے اور جنہوں نے اس عہد کو نہیں نبھایا اور توڑ دیا مان لینے کے بعد پھر اللہ کے احکام کی مخالفت کی تو دنیا اور آخرت میں معذب ہوئے تو خصوصیت کے ساتھ بنی اسرائیل کی تاریخ دہرائی جارہی ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے میثاق کو پس پشت ڈالا، تو پھر ان کے ساتھ کیا ہوا؟ یہود کا ذکر بھی کیا اور نصاریٰ کا بھی اور ان دونوں کا ذکر کرنے کے بعد پھر ان کو ایمان لانے کی دعوت دی۔

واقعات ذکر کرنے سے مقصود:

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کر کے جو یہ تاریخ دہرائی جارہی ہے یہ محض ایک واقعہ کی صورت میں قصہ کہانی سنانی مقصود نہیں ہے بلکہ جہاں جہاں بھی قرآن کریم کے اندر واقعات ذکر کئے جایا کرتے ہیں وہاں یہی نصیحت کرنا مقصود ہوتی ہے کہ دیکھو انہوں نے ایسا کیا تھا اس کا نتیجہ یہ نکلا تم بھی اگر ایسا کرو گے تو نتیجہ یہی نکلے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ

کو اشخاص کے ساتھ ذاتی طور پر تعلق نہیں ہے لوگوں کی ذات کی طرف دیکھتے ہوئے کہ چونکہ یہ فلاں ہے اس لئے بہر حال اللہ کا محبوب ہے ایسی بات نہیں ہے جس نے بھی یہ عقیدہ بنایا اس نے غلطی کی اللہ تعالیٰ کے ہاں تقویٰ کی، اعمال کی، عہد کی پابندی کی قدر ہے جو قوم، جو جماعت، جو فرد اس عہد کی پابندی کرے گا اور اللہ کے احکام کو مانے گا وہ اللہ کا محبوب ہے اور آخرت میں نجات پائے گا اور اگر کوئی شخص عہد کی پابندی نہیں کرتا، اللہ کے احکام کے مطابق عمل نہیں کرتا کسی کا بیٹا ہو کسی کا پوتا ہو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے اس رکوع کے اندر یہی مضمون بیان ہوا ہے خلاصہ اس کا یہی ہے۔

بنی اسرائیل سے لیا ہوا عہد:

"لقد اخذ اللہ میثاق بنی اسرائیل" بے شک ہم نے بنی اسرائیل سے میثاق لیا، اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے میثاق لیا اور بارہ سرداران میں سے متعین کیے، بارہ کے عدد میں حکمت یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے بارہ ہی قبیلے تھے، حضرت یعقوب کے بارہ بیٹے تھے اور ان بارہ بیٹوں کی جو اولاد پھیلی تو ہر ایک قبیلہ علیحدہ علیحدہ تھا، انتظامی امور میں ہمیشہ ان کی انفرادیت کی رعایت رکھی جاتی تھی جہاں بھی کوئی نوبت آتی تو قبیلے کے انتظام کے لئے انہیں میں سے کوئی نہ کوئی منتظم متعین کر دیا جاتا تھا تو بارہ قبیلے تھے اور بارہ قبیلوں کے بارہ سردار متعین کر دیئے اور ان بارہ سرداروں کی وساطت سے عہد لیا گیا اور ان سرداروں نے عہد کیا کہ ہم خود بھی اللہ کے احکام کی پابندی کریں گے اور اپنے قبیلے اور اپنی جماعت کو بھی اس پر پابند رکھیں گے اس طرح سے نگران بنا کر یہ بارہ آدمی متعین کر دیئے گئے۔

"بعثنا" ہم نے مبعوث کیے یعنی متعین کیے انہیں میں سے بارہ سردار، میثاق کا مضمون کیا تھا؟ میثاق کا مضمون یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، میری معیت، میری نصرت تمہارے ساتھ ہے اگر تم نماز قائم کرتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو اس سے معلوم ہو گیا کہ اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ یہ پہلی امتوں کے اندر بھی بنیادی حیثیت رکھتے تھے جس طرح حضور ﷺ کی امت کے ساتھ جو اللہ کا عہد ہے اس میں بھی اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ کو مرکزی حیثیت حاصل ہے اگر تم نماز قائم کرتے رہے اور زکوٰۃ دیتے رہے "وامنتم برسلی" اور جو رسول میرے آئیں ان پر ایمان لاتے رہے "وعزرتموھم" اور مخالفین کے مقابلہ میں ان کو قوت پہنچاتے رہے "واقرضتم اللہ قرضا حسنا" اور اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دیتے رہے اچھے قرض کا کیا مطلب؟ کہ زکوٰۃ تو ہے فرض کے درجے میں وہ تو بہر حال دینی ہے لیکن اس فرض سے زائد مال اللہ کی رضا جوئی کے لئے دینی کاموں میں قومی

خدمت میں صرف کیا جائے اور خلوص کے ساتھ کیا جائے، حلال مال خرچ کیا جائے، اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے کیا جائے تو اللہ تعالیٰ اس قسم کے صدقات کو خیرات کو قرض کے ساتھ تعبیر کرتا ہے۔

اور قرض کے ساتھ تعبیر کرنے کی حکمت آپ کے سامنے پہلے ذکر کردی گئی تھی کہ قرض کی یہ خاصیت ہے کہ جو شخص قرض لیا کرتا ہے بشرطیکہ وہ مفلس نہ ہو کسی کا حق مارنے کا جذبہ اس میں نہ ہو عدوم اور ظلوم نہ ہو تو وہ قرض لینے والا قرض کو واپس یقیناً کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس قسم کے مال کا اجر چونکہ یقیناً دے گا، دنیا اور آخرت میں اس کی برکات کو واپس لوٹائے گا اس لئے ترغیب کے پہلو کے ساتھ اس کو قرض حسن کے لفظ کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے۔

ترغیب کا پہلو اس میں یہ ہے کہ دیا کرو تو اسی جذبے سے دیا کرو، اسی خیال کے تحت دیا کرو کہ آخر لوٹ کر آنے والا ہے اور مزید فوائد کے ساتھ واپس لوٹے گا تو معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبولیت حاصل کرنے کے لئے صرف فرض مقدار کا ادا کر دینا کافی نہیں ہوتا بلکہ قومی ضرورتوں میں، خدمت خلق میں، دینی خدمات میں فرض سے کچھ زائد مال بھی خرچ کرنا چاہیئے تب جا کر "اقرضتم اللہ قرضاحسنا" کا مصداق بنے گا، کسی دینی تعلیم کی اشاعت کے لئے خرچ کیا جائے، کسی غریب مسکین کی امداد کر دی، کسی کو کپڑا دے دیا، کسی کو جوتا پہنا دیا جیسے یہ خدمات ہوا کرتی ہیں وہ سب "اقرضتم اللہ قرضاحسنا" کے تحت داخل ہے۔

عہد کی پابندی پر انعام:

یہ تو ہو گا کہ اگر تم نے یہ کام کیا تو اللہ کی طرف سے اس عہد میں کیا بات ہے البتہ ضرور دور ہٹا دیں گے ہم تم سے تمہارے گناہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی شخص اگر اپنے مذہب کے بنیادی مطالبے پورے کرتا ہے اللہ کی طرف سے جو فرائض عائد ہیں جو شخص ان فرائض کو پورا کرتا ہے اور جن محرمات سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے ان محرمات سے وہ بچتا ہے بنیادی مطالبوں کا یہی معنی ہے چاہے وہ مثبت پہلو کے ہیں چاہے وہ منفی پہلو کے ہیں جو بنیادی مطالبوں کو پورا کرتا ہے پھر اس سے زندگی میں لغزشیں ہو جاتی ہیں، کچھ کوتاہیاں ہو جاتی ہیں، کوئی کمی بیشی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ وہ اپنی طرف سے فضل فرما کر معاف فرما دیتے ہیں بشرطیکہ بنیادی تقاضوں کو تم پورا کرتے رہو۔

جیسا کہ سورۃ النساء کے اندر یہی لفظ آئے تھے "ان تجتنبوا کبائر ماتنھون عنہ نکفرعنکم سیئاتکم" جن چیزوں سے تم کو روکا گیا ہے اگر ان میں سے بڑی بڑی باتیں بنیادی باتوں سے تم رکتے رہے تو چھوٹی موٹی باتوں کو معاف کر دیا کریں گے تو یہاں بھی یہی بات ہے کہ اگر تم ان بنیادی باتوں پر پابند رہے تو تمہاری کوتاہیاں جو ہوں گی ہم انہیں دور ہٹا دیں گے "ولادخلنکم جنٰت تجری من تحتھاالانھٰر"

البتہ ضرور داخل کریں گے ہم تمہیں باغات میں جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وعدہ ہوا کہ چھوٹی موٹی لغزشیں معاف کردیں گے اور تمہیں باغات میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ''جنٰت تجری من تحتھا الانھٰر'' یہی عنوان آخرت کی نعمتوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔

بدعہدی کی سزا:

''فمن کفر بعد ذلك'' جو اس اخذ میثاق کے بعد، اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد کرنے کے بعد کافر ہوگیا، جس نے کفر کیا، کفر کے دو درجے ہیں ایک کفر حقیقی کہ سرے سے انکار ہی کردے کہ کوئی عہد ہم نے کیا ہی نہیں اللہ تعالیٰ کے منکر ہی ہوگئے یہ تو کفر حقیقی ہے اور ایک ہے کہ اقرار تو کرتے ہیں جیسے ''لا الٰه الا الله محمد رسول الله'' پڑھتے ہیں یا وہ بنی اسرائیل ''لا الٰه الا الله موسیٰ کلیم الله، عیسیٰ روح الله'' اس قسم کا کلمہ پڑھتے ہیں لیکن ان ہدایات پر عمل نہیں کرتے تو اس کو کفر عملی کے ساتھ تعبیر کیا جاسکتا ہے دونوں کو یہ شامل ہے پس جو شخص کافر ہوگیا اس کے بعد تم میں سے پس وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا جب سیدھے راستے سے بھٹک گیا تو سیدھا راستہ تو اللہ کی رضا کے حاصل کرنے کا یہی احکام پر عمل کرنا تھا، اور جنت کے حاصل کرنے کا یہی سیدھا راستہ تھا کہ ان احکام پر عمل کرو جب وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا نہ تو اللہ کی رضا حاصل ہوگی اور نہ وہ جنت میں جائے گا، جو راستے سے بھٹک جائے وہ کبھی منزل پر نہیں پہنچا کرتا تو پھر اس نتیجے پر نہیں پہنچ سکتا جہاں پہنچنے کے لئے تمہیں یہ راستہ دکھایا گیا ہے۔

انہوں نے عہد کیا اللہ کے ساتھ لیکن اس عہد کا نتیجہ کیا نکلا کہ وہ اس پر پابند نہ رہ سکے جب پابند نہ رہے تو انہوں نے اس عہد کو توڑا تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد کرنا اللہ کا ایک بہت بڑا احسان ہے کہ وہ تمہارے ساتھ ایک معاہدہ کرتا ہے کہ تم یہ کرو میں یہ کروں گا اللہ کی نعمت ہے جو اپنے بندے کے ساتھ اس قسم کی بات کرلیتا ہے لیکن جب بندہ استغنیٰ برتے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ عہد کرنے کے بعد اس کو توڑ دے تو پھر وہ شخص ملعون ہوجاتا ہے پھٹکارا جاتا ہے، دھتکارا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کی درگاہ سے پھر اس کا کوئی تعلق نہیں رہتا، اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت سے محروم کردیتے ہیں۔

پھر ان کے اپنے میثاق کو توڑ دینے کی وجہ سے ہم نے ان پر لعنت کردی، لعنت کا یہی معنی ہے کہ ہم نے اس کو پھٹکار دیا، دھتکار دیا ہماری رضا ان کے ساتھ شامل نہ رہی، ہم نے ان کو اپنی خصوصی رحمت سے محروم کردیا، نقض میثاق کا اثر پڑا کہ ان پر لعنت ہوگئی۔

لعنت کا اثر اور رقت کا مفہوم:

اب اللہ تعالیٰ کی لعنت جب کسی کے اوپر ہوتی ہے تو پھر اس کا اگلا نتیجہ کیا نکلتا ہے "وجعلنا قلوبهم قاسية" ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا، تو قساوت قلبی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت اور پھٹکار کا اثر ہے قساوت قلبی کا مفہوم ہے دل کی سختی یعنی دل سے رقت ختم ہوگئی رقت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی باتوں کو سن کر متاثر ہوتا ہے، نیکی کی ترغیب سامنے آتی ہے تو نیکی کا شوق پیدا ہوتا ہے، گناہ سے ڈرنا سامنے آتا ہے، ترغیب کی آیات سامنے آنے کے بعد نیکی کا شوق ابھرے انسان میں اور نیکی کرنے کی طرف رغبت ہو اور آیات ترہیب سامنے آنے کے بعد گناہ چھوڑنے کی دل میں رغبت پیدا ہو جائے قلب جو ہے وہ متاثر ہو جائے ڈرنے لگ جائے اللہ تعالیٰ سے۔

تو مفہوم اس کا یہ ہے کہ اس کے دل کے اندر رقت ہے اور اس کا قلب جو ہے وہ وعظ، نصیحت، ترہیب، ترغیب کو قبول کرتا ہے تو یہ رقت کی علامت ہے، دل کے اندر رقت کی علامت ہے، رقت کا یہی معنی نہیں ہوتا کہ بات سنی اور فوراً رونے لگ جائے اور پاؤ پاؤ کے آنسو بہانے لگ جائے صرف رونے لگ جانا، آنسو بہانے لگ جانا کوئی شرعی رقت نہیں ہے کیونکہ یہ رونے کا آنا اور آنسو بہانا بسا اوقات یہ اختیاری نہیں ہوتا کہ آدمی کی طبعیت ایسی ہے کہ اسے رونا نہیں آتا، رقت جو مطلوب ہے وہ قلب کی رقت ہے جس کا معنی یہ ہے کہ وہ ترغیب و ترہیب سے متاثر ہوتا ہے، جب اس کے سامنے نیکی کا شوق دلانے والی باتیں آتی ہیں تو اس کے دل میں نیکی کا شوق پیدا ہوتا ہے اور جب اس کے سامنے گناہ سے ڈرانے والی بات آتی ہے تو اس کے دل میں خوف پیدا ہوتا ہے اور وہ ڈرنے لگ جاتا ہے تو جس کا نتیجہ یہ ہے کہ گناہ سے بچتا ہے نیکی کرتا ہے تو یہ انسان کے دل میں رقت ہے اور یہ رقت جو بہت بڑی اللہ کی نعمت ہے اور جو شخص شوق دلانے کے وقت میں نیکی کی طرف راغب نہ ہو اس کو نیکی کی طرف رغبت نہیں ہوتی، ترغیب سے اس کے دل میں کوئی شوق پیدا نہیں ہوتا، نیکی کی طرف رغبت نہیں ہوتی۔

اور آیات ترہیب، ڈارانے کی آیات، عذاب کی آیتیں، اللہ تعالیٰ کی گرفت کی آیتیں آتی ہیں تو اس کا دل دھڑکتا نہیں ہے اس پر کپکپی طاری نہیں ہوتی یہ ہے قساوت تو جس شخص کا دل متاثر نہ ہو سمجھو کہ یہ "قسية القلب" ہے اور سعادت سے محرومی کی علامت یہی ہے کہ کسی کے قلب کے اندر قساوت آجائے اور ہر سعادت کی بنیاد یہ ہے کہ کسی کے قلب میں رقت ہو کہ اس کو اچھی بات سمجھائی جائے تو وہ سمجھے اور اس سے متاثر ہو، بری بات سے روکنے کے لئے اس کے سامنے کوئی تفہیم کی جائے تو بری بات سے رکنے کا جذبہ اس کے دل میں پیدا ہو جائے یہ ہر سعادت

کی بنیاد ہے اور قساوت جو ہے یہ ہر خیر سے محرومی کی علامت ہے تو پھر انسان حیوانوں کی طرح گناہ کرنا چاہے گا تو گناہ کرتا چلا جائے گا اس کے دل میں کوئی دھڑ کا پیدا نہیں ہوگا اور نیکی چھوٹے گی تو چھوٹتی چلی جائے گی اس کو کوئی نقصان کا احساس نہیں ہوگا۔

''لایعرف معروفا ولاینکر منکرا'' والی کیفیت ہوگی تو نہ وہ کسی نیکی کو پہچانتا ہے نہ کسی برے کام کا انکاری ہے جو دل میں آئے گا وہی کرے گا چاہے وہ اچھا ہے چاہے وہ برا ہے اچھائی برائی کا فرق اٹھ جاتا ہے، انسان کے دل میں قساوت کا مطلب یہ ہوتا ہے۔تو جب کسی شخص کے اوپر یہ کیفیت طاری ہو کہ وہ اچھائی برائی سے متاثر نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنی خواہشات پر چلتا ہے تو سمجھ لو کہ اللہ کی دربار سے یہ شخص ملعون ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت کا اثر ہے کہ اس کا قلب جو ہے یہ متاثر نہیں، تو تاثر قلب کے اندر نہ ہونا یہ قساوت قلبی ہے ہم نے ان کے دلوں کو سخت کر دیا یعنی ان کے دلوں میں یہ تاثر نہیں رہا کہ اچھی باتوں سے متاثر ہو کر اچھائی اختیار کریں بری باتوں کی وعید سے متاثر ہو کر بری باتوں کو چھوڑ دیں خیر وشر کی تمیز ان کے اندر رہے ایسی بات نہیں یہ اس نعمت سے محروم ہو گئے۔

قساوت کا اثر:

تو جب دلوں میں قساوت ہی آ گئی تو پھر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی باتوں کو بگاڑ بگاڑ کر اپنی مرضی کے مطابق بنانے لگ گئے، آج بھی جو اپنی خواہشات کے پابند ہیں وہ کوشش یہی کرتے ہیں کہ قرآن وحدیث کی تعبیر ایسی کریں جو اپنی خواہشات کے مطابق ہو یہ معنوی تحریف ہے، روایات کا مطلب اس طرح سے ذکر کریں جس کے ساتھ اپنی خواہش کی تائید ہو یہ نہیں دیکھنا کہ امت کے اندر کیا بات چلی آ رہی ہے، اسلاف نے اس کا کیا معنیٰ لیا، امت میں کیا معمول ہے، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا بیان کیا؟ کیا عمل کر کے دکھایا؟ صحابہ نے کیا سمجھا؟ کیا کیا؟ یہ نہیں مقصد الفاظ کی توڑ پھوڑ کر کے اس طرح سے اس کے مطلب نکالنے کی کوشش کرنا کہ اپنی خواہش کی تائید اس میں ہو جائے یہ تحریف کلمہ ہے۔

اور یہ قساوت قلبی آخر انسان کو یہیں پہنچایا کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب، اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی باتیں جب وہ اپنی خواہشات کے درمیان رکاوٹ بنتی ہیں تو انسان ان کو بھی بدل کر اپنی خواہش کے مطابق کرنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ بدبختی کے اوپر آخری مہر ہے کیوں؟ ایک اللہ کی کتاب ہی تو ہے جس کو آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ گھر کا چراغ ہے جس سے روشنی ہوتی ہے تو انسان اس میں نفع ونقصان کی چیزوں کو مفید اور مضر چیزوں

کو پہچانتا ہے، اور اگر یہ گھر کا چراغ ہی گل کر دیا گیا یا اس کو کسی پردے میں رکھ دیا گیا اور اس کی روشنی سے بھی محروم ہو گئے تو اس تاریک گھر میں پھر انسان کو کیا نظر آئے گا، کچھ بھی نہیں ایک یہی تو ہے کہ آپ نے آنکھیں بند کر لیں اور چراغ جل رہا ہے، آنکھیں بند کر لیں تو بھی توقع ہے کہ کبھی آنکھیں کھل جائیں گی تو آپ کو کچھ نظر آ جائے گا، لیکن اگر آنکھیں بھی بند کی تھیں اور ساتھ پھونک مار کر چراغ بھی بجھا دیا تب روشنی کی کیا توقع رہی۔

یہ قساوت قلبی تو ایسے ہے جیسے آنکھیں بند کر لیں اور تحریف کلمات اللہ کی کتاب کے مضمونوں کو بگاڑ کے رکھ دیا، آیات کو چھپا دیا اور جو اپنی خواہشات کے خلاف تھیں ان کو حذف کر دیا یا ان کے مطلب کو بگاڑ دیا یہ ایسے تھا جیسے گھر کے چراغ کو گل کر دیا اب ہدایت پانے کی کونسی صورت رہ گئی یہ سب چیزیں لعنت کے بعد بالترتیب ہوتی ہیں یہ قصے جو آپ کو سنائے جا رہے ہیں اپنے اوپر بھی ان کو منطبق کر کے دیکھ لو یہ حقیقت اسی طرح سے ہے،

خفت رابا شد کہ سر دلبراں

گفت آید در حدیث دیگراں

کہ واقعات دوسروں کے ہیں لیکن اپنے اوپر بھی اس کو منطبق کر کے دیکھ لو کہ اپنا کیا حال ہے، اگر قلب کے اندر قساوت ہے تو یقیناً وہ اللہ کی باتوں میں تاویلیں کریں گے، رسول اللہ ﷺ کی ہدایات سامنے آئیں گی تو یقیناً تاویلیں کریں گے یہ اسی قساوت کا اثر ہوتا ہے اور پھر آخری بات یہ ہوئی کہ جو کچھ ان کو نصیحت کی گئی تھی اس سے فائدہ اٹھانا بھول گئے، وہ نصیحتیں جتنی تھیں وہ سب فراموش ہو گئیں اس کے ایک حصے کو بھلا دیا اس حصے سے مراد وہی احکام ہیں جو ان کی خواہشات کے خلاف تھے بھلا دینے سے وہی ترک کرنا مراد ہے فائدہ اٹھانا بھول گئے۔

کفار کی خیانت ہمیشہ جاری رہے گی:

"لاتزال تطلع علیٰ خائنة منهم" یہ نہیں کہ یہ ایک دفعہ کوئی گڑبڑ کر کے بس ہو گئے، نہیں، جب انسان خواہشات کے پیچھے چلتا ہے تو نت نئی خواہشات ابھرتی ہیں اور نئی نئی انسان خباثتیں کرتا ہے آپ جب چاہیں اپنے ماحول کے اندر تجربہ کر کے دیکھ لیں کہ ایک آدمی جب غلط راستے پر چل پڑتا ہے تو ہر روز اس کو کوئی نہ کوئی شرارت سوجھتی ہے پھر وہ اپنے اس کام کو پورا کرنے کے لئے اپنی خواہش کو پورا کرنے کے لئے نئی نئی تدبیریں اختیار کرے گا یہ نہیں کہ ایک دفعہ بدعملی کی راہ متعین کر کے پھر انسان بس ہو جائے نہیں آئے دن بدعملی میں ترقی ہو گی آئے دن اس کے جواز پیدا کرنے کے لئے نئی نئی تاویلیں ہوں گی۔

یہی مطلب ہے ان الفاظ کا کہ آئے دن آپ ان کی طرف سے کسی نہ کسی خیانت پر مطلع ہوتے رہیں گے

یہ کوئی نہ کوئی حرکت کریں گے پھر اس کے جواز کے لئے اللہ کی کتاب کے اندر خیانت کریں گے بد دیانتی خباثت ان کی طرف سے صادر ہوتی رہے گی، ہاں البتہ ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو خائن نہیں اور بد دیانت نہیں بلکہ جو اللہ نے نصیحت کی تھی وہ انہوں نے یاد رکھی اور اپنے زمانے میں بھی حتیٰ الوسع جو ان کے پاس اللہ کے احکام تھے ان کے اوپر عمل کرتے رہے اور جب ان کے سامنے اسلام ایک حقیقت کے طور پر آیا تو انہوں نے اس کو بھی قبول کر لیا تو یہود میں بھی ایسے لوگ تھے، عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی کہ جو اپنے زمانے میں نیک لوگ سمجھے جاتے تھے حتیٰ الوسع وہ اللہ کے احکام پر عمل کرتے تھے اور جب اسلام ان کے سامنے آیا تو اس حقیقت کو انہوں نے فوراً قبول کر لیا تو جب یہ ایسے خائن ہیں یہ ملعون ہیں یہ "قٰسیۃ القلب" ہیں یہ محرف کتاب ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بھلائے بیٹھے ہیں آئے دن ان کی خیانتیں جاری رہتی ہیں۔

معافی اور درگزر کا حکم:

ان باتوں کو سننے کے بعد لازماً دل کے اندر نفرت کے جذبات ابھریں گے تو "فاعفوا واصفحوا" کا مطلب یہ ہے کہ آپ ان کے اس قسم کے کردار پر نظر نہ رکھیے ان سے درگزر کیجئے اور معاملہ ان کے ساتھ ٹھیک ٹھیک رکھیے، احسان کا، بھلائی کا، خوش اخلاقی کا، کیونکہ خوش اخلاقی اور بھلائی ایسی چیز ہے کہ بسا اوقات دوسرا شخص چاہے وہ کتنا ہی "قٰسیۃ القلب" کیوں نہ ہو دلائل کے ساتھ وہ متاثر نہیں ہوتا تو کبھی احسان کے ساتھ اور خوش اخلاقی کے ساتھ متاثر ہو جاتا ہے، ان کی اس بد کرداری کو دیکھ کر آپ ان کے ساتھ معاملہ اس قسم کا نہ کریں درگزر کرو وہ وقت آجائے گا جب ان کو سمیٹ لیا جائے گا بہر حال آپ ان کے ساتھ معاملہ احسان کا رکھیں کہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں تو کوئی شخص کتنا ہی برا ہو اگر اس سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ کسی وقت بھی سمجھ سکتا ہے تو اس کی برائی سے درگزر کرتے ہوئے اس کے ساتھ معاملہ اچھائی کا، بھلائی کا، اچھے برتاؤ کا رکھنا چاہیئے، ہو سکتا ہے کہ وہ کسی وقت بھی متوجہ ہو جائے، ان سے درگزر کر جایئے، معاف کر دیجئے بے شک اللہ تعالیٰ اچھا برتاؤ کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں یہ حضور ﷺ کو حسن اخلاق سکھا دیا کہ ان بد کرداروں کے ساتھ بھی معاملہ آپ نے احسان کا رکھنا ہے ہر وقت ان کے اوپر پکڑ دھکڑ، ہر وقت ان کے اوپر تنقید، ہر وقت ان کی خیانتوں کا ظاہر کرنا اس کی کوئی ضرورت نہیں دفع کرو چھوڑو انہیں، آپ اپنی طرف سے معاملہ ان کے ساتھ خوش اخلاقی کا رکھیں۔

"ومن الذین قالوا انا نصٰرٰی" تو جب نصاریٰ کا تذکرہ بعد میں آیا تو یہ دلیل ہے اس بات کی کہ یہ میثاق بنی اسرائیل جو ذکر کیا گیا تھا اس سے مراد یہودی ہیں تو پہلا کردار یہودیوں کا تھا تحریف کلمات، قساوت قلبی یہ

ساری کی ساری چیزیں یہود کے متعلق ذکر کی گئی تھیں اب ان کے چھوٹے بھائی نصرانیوں کا ذکر آ گیا، وہ کہا کرتے ہیں ''بڑے میاں تو بڑے میاں چھوٹے میاں سبحان اللہ'' اوران کا حال بھی کوئی ان سے مختلف نہیں ہے بلکہ ان سے بڑھ کر ہے تو اس معاہدے کے اندر سب سے بنیادی حیثیت توحید کو حاصل تھی اور یہ بدبخت ایسے آئے کہ انہوں نے اسی کی بنیاد پر ہی کلہاڑا چلا دیا اور اس طرح سے انہوں نے اللہ کے اس میثاق کا یہ حال کیا۔

نصاریٰ کی بدعہدی کی سزا:

خصوصیت کے ساتھ یہاں نصاریٰ کے شرک کو واضح کیا جارہا ہے ''ومن الذین قالوا انانصاریٰ'' ان لوگوں میں سے جو کہتے ہیں کہ ہم نصرانی ہیں ان سے بھی ہم نے میثاق لیا نتیجہ وہی نکلا کہ وہ بھول گئے اس چیز کے ساتھ فائدہ اٹھانا جس چیز کے ساتھ بھول گئے تھے وہ تو ان کو پھر اللہ نے دنیا میں یہ سزا دی ''فاغرینا بینھم العداوۃ والبغضاء'' ان کے درمیان میں ہم نے عداوت اور بغض ڈال دیا یہ تاریخ اس بات سے بھی بھری پڑی ہے کہ عیسائیت قبول کرنے والے لوگ مختلف فرقوں کے اندر بٹے اور مختلف فرقوں میں بٹنے کے بعد ان کی آپس میں مذہبی عداوت ہوئی اور اسی مذہبی عداوت کی بناء پر ان کی آپس میں لڑائیاں ہوئیں ایک دوسرے کو زندہ جلا دینا، بچوں تک کو قتل کر دینا، یہ واقعات تاریخ میں بھرے پڑے ہیں، مذہبی لڑائیاں جتنی آپس میں نصرانیوں میں ہوئی ہیں شاید مذہبی لڑائیاں اتنی گروہ بندی کے ساتھ یہود میں نہیں ہوئیں، یہود میں اتنی گروہ بندی نہیں ہوئی جتنی نصاریٰ میں ہوئی ہے نصاریٰ کے مختلف فرقے ہوئے، مختلف فرقے ہونے کے بعد مذہبی طور پر یہ آپس میں الجھے اور اس کے نتیجہ میں یہ دنیا کے اندر برباد ہوئے یہ دنیاوی سزا اللہ تعالیٰ نے ان کو احکام کو فراموش کرنے کی دی۔

امت محمدیہ میں انتشار نصاریٰ سے کم ہے:

اب ذرا یہاں بھی غور فرمالیجئے یہ جو نصاریٰ کا ذکر ہمارے سامنے کیا گیا تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہم نے بھی میثاق کیا اور اس میثاق کو فراموش کر دینے یا اس میں کوتاہی کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے بھی مختلف فرقے بنے اور مختلف فرقے بننے کے بعد ان کا آپس میں ٹکراؤ ہوا، اگرچہ یہ واقعہ ہے کہ ایسا ٹکراؤ نہیں ہوا جس طرح سے نصاریٰ میں تھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ چاہے ہمارے ہاں کتنے فرقے پیدا ہو گئے چاہے امت محمدیہ میں سے کتنے ہی لوگ اپنی خواہشات پر چلنے لگ گئے، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نصیحت کو فراموش کر دیا لیکن اس کے باوجود امت محمدیہ کے ہاتھ میں جو اللہ تعالیٰ کا نور تھا وہ گل نہیں ہوا یہ چراغ جل رہا ہے اور قرآن کریم اپنی صحیح پوزیشن میں محفوظ ہے، اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات صحیح طور پر ہمارے اندر باقی ہیں۔

اور ایک طائفہ ایسا ہے ایک گروہ ہمیشہ سے ایسا رہا کہ جس نے اس روشنی کی حفاظت کی تو جب یہ روشنی کا مینار ہمارے سامنے قائم ہے تو چاہے اختلافات کتنے بھی ہوجائیں لیکن یہ گل نہیں ہوا جس کی بناء پر اس میں اختلافات کی وہ شدت نہیں ہوئی جس قسم کی شدت ان لوگوں میں ہوئی کہ جو اپنے نور کو گم کر بیٹھے اور جہالت کی تاریکی میں وہ ٹامک ٹوئیاں مارتے پھر رہے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ الجھتے پھر رہے ہیں ہمارے ہاں وہ پوزیشن نہیں ہے لیکن اس میثاق میں کمی آجانے کی وجہ سے اور اللہ کی ہدایات کی پوری پابندی نہ رہنے کی وجہ سے گروپ بندی ہمارے ہاں بھی ہوئی اور اس گروپ بندی کے نتیجے میں آپس میں اختلافات ہوگئے اور لڑائیوں تک بھی نوبت آئی لیکن وہ کیفیت نہیں جو نصاریٰ پر گزری ہے۔

تاریخی طور پر اگر آپ اس کو دیکھو گے تو دونوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق نظر آئے گا اور اس فرق کی وجہ یہی ہے کہ ہمارے ہاں ہدایات محفوظ ہیں یہ سرے سے گم نہیں ہوئیں، اور وہ لوگ سرے سے صحیح راستے کو گم کر بیٹھے جس کی بناء پر کسی بات پر اتفاق کرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہی اور ہمارے ہاں جب حق ایک مینار کی شکل میں قائم ہے تو لوگ کتنے ہی اِدھر اُدھر بھٹکتے پھریں پھر بھی یہ حق کا مینار کسی نہ کسی درجے میں جوڑنے کے لئے ایک واضح دلیل ہے تو اختلافات میں وہ شدت نہیں ہے جس قسم کی شدت اس حق کو گم کرنے کے بعد، اور کتاب کی تحریف کرنے کے بعد، اور جہالت کی تاریکیوں میں بھٹکنے کے بعد جو اختلافات میں شدت ہوئی وہ اس امت کے اندر نہیں پائی گئی۔

بہرحال ڈال دی ہم نے ان کے درمیان عداوت اور بغض قیامت تک، قیامت تک کا معنی یہ ہے کہ جب تک یہ رہیں گے، اس سے یہ دلیل نہیں ملتی کہ قیامت تک عیسائی باقی رہیں گے کیونکہ روایات صحیح کے اندر آتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول سے عیسائیت باطل ہوجائے گی کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب آکر حق کو ظاہر کریں گے تو پھر ان کے نام پر جو انہوں نے ڈھونگ رچا رکھا تھا اپنے عقیدوں کا اور اپنے طرز عمل کا وہ سب ختم ہوجائے گا، قیامت سے پہلے پہلے یہ ختم ہوجائیں گے، یہ محاورہ ہے جیسے ہم کہتے ہیں کہ فلاں شخص قیامت تک اس بات کا ثبوت نہیں لاسکتا اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ قیامت تک زندہ رہا اور کوشش کرتا رہا تو بھی اس مقصد میں کامیاب نہیں ہوگا، اس محاورے کے تحت یہ بات ہے کہ اگر یہ قوم قیامت تک بھی زندہ رہی تو ان کا آپس میں کبھی اتفاق نہیں ہوگا، اور کبھی یہ اپنی عداوتوں سے باز نہیں آئیں گے تو یہ حقیقتاً مراد نہیں کہ یہ واقعۃً قیامت تک باقی رہیں گے مطلب یہ ہے کہ کبھی بھی ان میں اتفاق نہیں ہوگا جب تک یہ رہیں گے مذہبی عقیدت پر آپس میں لڑتے رہیں گے، ہاں البتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے پھر یہ عیسائی جو اس وقت موجود ہوں گے صحیح طور پر ایمان لائیں گے پھر

وہ عیسائی رہیں گے ہی نہیں پھر وہ مسلم ہو گئے اور وہ محمدی بن جائیں گے ایسے وقت میں پھر یہ بات ختم ہو جائے گی یہ دنیا میں ان کو سزا ملی۔

"وسوف ینبئھم اللہ بما کانوا یصنعون" اور عنقریب خبر دے گا اللہ ان کو ان کاموں کی جو یہ کیا کرتے تھے یہ آخرت کی دھمکی آ گئی ان دونوں گروہوں کے ذکر کرنے کے بعد کہ یہود نے بھی میثاق توڑا ملعون ہوئے اور عیسائیوں نے بھی میثاق توڑا تو دنیا کے اندر بھی عذاب میں مبتلا ہوئے۔

اہل کتاب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی دعوت:

اب ان دونوں کو دعوت دی جا رہی ہے کہ اے کتاب والو! چاہے تم تورات والے ہو چاہے تم انجیل والے یہودی ہو یا نصرانی ہو تمہارے پاس ہمارا رسول آ گیا، جو واضح کرتا ہے تمہارے لئے ان باتوں میں سے بہت سی باتیں جن کو تم کتاب سے چھپاتے ہو یہ آیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے کی نشاندہی کرتی ہے کہ تمہارے سامنے اس رسول کے برحق ہونے کی ایک یہی دلیل کافی ہے کہ تم اہل علم اور وہ امی وہ کہیں پڑھا نہیں اور اہل علم کی غلطیاں نکالنا کسی ان پڑھ کا کام نہیں ہوتا، اہل علم کی غلطیاں وہی نکال سکتا ہے جو علم کے اندر ان سے فوق ہو کہ تم اتنے چابک دست خاندانی مولوی ملاں اور ہوشیار قسم کے لوگ تم نے جو بھی گڑبڑ کر رکھی ہے یہ ہمارا رسول ان میں سے کتنی باتوں کو واضح کرتا ہے کہ تم نے یہ بات چھپالی، یہ بات چھپالی، یہ گڑبڑ کی، یہ گڑبڑ کی یہ علامت ہے اس بات کی کہ وہ علم کے اعتبار سے تم سب پر بھاری ہے اور بظاہر اس نے کہیں سے پڑھا نہیں مطالعہ کیا نہیں لائبریریوں میں بیٹھا نہیں تمہاری اس نے صحبت نہیں اختیار کی تو یہ سیدھی سی بات ہے کہ رسولنا وہ ہمارا رسول ہے وہ آ گیا تمہارے پاس جو واضح کرتا ہے تمہارے لئے ان باتوں میں سے بہت سی باتیں جو تم چھپاتے ہو کتاب سے اور بہت سی باتوں سے درگزر کر جاتا ہے، کیا مطلب؟ کہ گڑبڑ تو تم نے بہت کر رکھی ہے لیکن وہ محض تمہیں ذلیل کرنے کے لئے تمہاری مخفی باتیں نہیں ظاہر کرتا بلکہ تجدید شریعت کے لئے اللہ تعالیٰ کے احکام کو نمایاں کرنے کے لئے جن باتوں کو نمایاں کرنے کی ضرورت ہے صرف وہی بیان کرتا ہے۔

اور جس کا تعلق اس کے موضوع سے نہیں ہے تم آپس میں خیانتیں کرو، بددیانتی کرو ہر ہر بددیانتی کو واضح کرنا اس کا منصب نہیں ہے بہت ساری باتوں سے درگزر کر جاتے ہیں جن کا تعلق تجدید شریعت کے ساتھ ہے اور دین کے واضح کرنے کے ساتھ ہے وہ باتیں تمہارے سامنے واضح کرتے ہیں تو تمہارے پاس اللہ کا نور آ گیا اور واضح کتاب آ گئی اب اس سے فائدہ اٹھالو اگر تم نے اپنے گھر کا چراغ گل کر دیا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ایک

اور سورج چڑھا دیا اب اس میں آنکھیں کھولو اور اس روشنی سے فائدہ اٹھاؤ یہ نور بھی ہے جس سے ظلمت دور ہوتی ہے اب یہ کتاب مبین بھی ہے جس میں لکھے لکھائے احکام سامنے آگئے اور راستہ واضح ہوتا ہے چلنے کے لئے۔

ہدایت اللہ کی رضا چاہنے والوں کو ملتی ہے:

آگے چلنے کا طریقہ بتایا جارہا ہے ہدایت دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی اتباع کا ارادہ کرتے ہیں۔

"من اراداں یتبع رضوان الله" جو اللہ کی رضا کا متبع بننا چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے ان کو دکھاتا ہے سلامتی کے راستے کہ ان راستوں پر چلو گے تو سلامتی کو حاصل کرلو گے جنت کا حاصل ہوجانا یہی کامل درجے کی سلامتی ہے اور اللہ تعالیٰ نکالتا ہے اس نور کے ذریعے سے ان لوگوں کو جو اتباع رضا کا ارادہ کرتے ہیں نکالتا ہے تاریکیوں سے نور کی طرف اپنی توفیق سے اور انہیں صراط مستقیم کی راہنمائی کرتا ہے تو یہ نور اور کتاب مبین جو تمہارے سامنے آگیا اس سے فائدہ اٹھاؤ اپنا ارادہ بدل لو نیت اپنی تبدیل کرلو پہلے تمہاری نیت اور ارادہ سب خواہشات پورا کرنے کی طرف ہے تم وہی چاہتے ہو جو تمہارے لئے اس دنیا کے اندر مفید ہے اب اپنے ارادے اور نیت میں تبدیلی لاؤ دل سے ٹھان لو کہ ہم نے اللہ کی رضا کی اتباع کرنی ہے چاہے وہ ہماری خواہشات کے موافق ہو چاہے خواہشات کے خلاف ہو۔

اگر یہ جذبہ تمہارے اندر ابھر آیا کہ تم اللہ کی رضا کے متبع ہوگئے متبع شہوات نہ رہے دنیا کے مفاد کو تم نے چھوڑا آخرت کے مفاد کو تم نے مدنظر رکھا خواہشات کو کچل دیا اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کا ارادہ ہوگیا تو قرآن تمہاری راہنمائی کرے گا تمہیں راستہ دکھائے گا، صراط مستقیم پر چلائے گا، سلامتی کی جگہوں تک تمہیں پہنچائے گا لیکن اگر تم نے ارادہ ہی نہیں بدلا تمہاری نیت میں ہی تبدیلی نہیں آئی تو کبھی بھی سیدھے راستہ کی اتباع نہیں کرسکتے۔

انسان کے کردار کی بنیاد نیت اور ارادے پر ہے:

یہ تو آپ جانتے ہیں کہ نیت اور ارادہ یہ ایک بنیادی چیز ہے انسان کے کردار کا رخ متعین کرنے کے لئے یعنی انسان جب عملی زندگی اختیار کرتا ہے، یہ پھوٹتی ہے نیت اور ارادے سے اگر آپ نے ایک نیت کرلی تو آپ کے عمل کا رخ یہ ہوجائے گا اس قسم کی نیت کرلی تو آپ کے عمل کا رخ یہ ہوجائے گا۔

تو سب سے پہلے تبدیلی لانے کی ضرورت ہے اپنی نیت اور ارادے میں اگر تمہاری نیت دنیا کمانے کی ہے ارادہ دنیا کمانے کا ہے اگر لذات پرستی اور شہوات پرستی تمہارا مقصود ہے تو کسی طرح بھی تم اللہ کی ہدایت کو قبول

کر کے سیدھے راستے پر نہیں چل سکتے پھر تمہارے عمل کا رخ اور ہوگا، اور اگر تم نے ٹھان لی اور دل میں طے کر لیا کہ ہم نے تو اللہ کو راضی کرنا ہے ہم نے تو اس کے احکام کی پابندی کرنی ہے چاہے وہ ہماری خواہشات کے موافق ہو چاہے وہ ہماری خواہشات کے خلاف ہو اگر یہ جذبہ ابھر آیا تو عملی زندگی تمہاری ٹھیک ہو جائے گی، پھر یہ نور اور کتاب مبین تمہارے لئے ہدایت کا باعث بن جائے گی۔

اور انسان کو اللہ تعالیٰ نے ارادے کے اعتبار سے کتنی قوت دی ہے کہ اگر کوئی شخص ارادہ کرے برائی کرنے کا دنیا کی کوئی دلیل اس کو اچھائی کی طرف نہیں لاسکتی ارادہ نہ کسی دلیل سے بدلا جاسکتا ہے اور نہ ظاہر کی طاقت اور زور سے بدلا جاسکتا ہے اور اگر ایک شخص ارادہ کر لیتا ہے کہ میں نے حق پر قائم رہنا ہے اور نیکی کرنی ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اس کو برائی کی طرف نہیں لے جاسکتی تو قوت کا منبع جو ہے عملی زندگی کے لئے قوت جہاں سے مہیا ہوتی ہے وہ انسان کی نیت اور ارادہ ہے اس لئے اتباع رضوان کا ارادہ کر لو، جو شخص یہ ارادہ کرے گا کہ ہم اللہ کو راضی کرنا چاہتے ہیں تو یہ نور اور کتاب مبین اس کو سیدھے راستے پر چلا کر اس کو انتہاء پر پہنچادے گی، اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر تمہیں راستہ نہیں مل سکتا، ارادہ ہی تمہارا خراب ہے لذت پرستی اور شہوت پرستی کو ہی تم نے اپنا مقصود بنالیا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ہدایت کا سورج بھی سامنے آجائے روشنی کا مینارہ بھی سامنے آجائے تو تم کبھی سیدھے راستے پر نہیں چل سکتے یہ بنیادی چیز ہے کہ تم اپنے ارادے کو تبدیل کر لو۔

نصاریٰ کے عقیدہ مسیح ابن اللہ کی تردید:

"لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم" تحقیق کافر ہو گئے وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ اللہ مسیح ابن مریم ہی ہے، یہ نصرانیوں کے ایک گروہ کا عقیدہ تھا وہ حلول کے قائل تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے اندر اللہ تعالیٰ حلول کئے ہوئے ہے لہٰذا اللہ اور عیسیٰ علیہ السلام میں کوئی فرق نہیں ہے، آپ کہہ دیجئے کہ اگر یہ مسیح ابن مریم اللہ ہو تو سارے اختیارات اس کو ہونے چاہئیں اس پر موت نہ آئے اور کوئی اس کو موت نہ دے سکے لیکن اللہ تعالیٰ اگر اس کو ہلاک کرنا چاہے اور اس کی ماں کو ہلاک کرنا چاہے اور سارے زمین کے باشندوں کو ہلاک کرنا چاہے تو کون ہے جو اللہ کا ہاتھ پکڑ لے گا تو پھر یہ الٰہ کس طرح ہوا؟ اس کی الوہیت کو باطل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ بات کہی آپ کہہ دیجئے کون اختیار رکھتا ہے اللہ کے مقابلہ میں کسی چیز کا اگر ارادہ کرے اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم کو ہلاک کرنے کا اور اس کی ماں کو ہلاک کرنے کا اور ان سب لوگوں کو ہلاک کرنے کا جو کہ زمین میں ہیں۔

اس سے اس شبہ کا ازالہ کر دیا جس کی بناء پر عیسیٰ علیہ السلام کو عام انسانوں کی سطح سے اوپر اٹھاتے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام بن باپ کے جو پیدا ہوئے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ عام انسانوں کی طرح نہیں بلکہ یہ کوئی مافوق البشریت ہستی ہے، تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم اس شبہ کو ختم کر دو یہ میری قدرت ہے میں جو چاہتا ہوں پیدا کرتا ہوں "یخلق مایشاء" پیدا کرتا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔

یہود و نصاریٰ کے دعویٰ محبوبیت کی تردید:

آگے ان کے نظریہ کی بنیادی غلطی یہ بھی مشترک ہے عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کا عقیدہ یہ تو نصرانیوں کا تھا اور اس میں یہ دونوں شریک تھے یہود اور نصاریٰ دونوں ہی کہتے تھے کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اللہ کے محبوب ہیں چونکہ اللہ کے محبوبوں کی اولاد ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارا منصب ایسے ہے جیسے کسی شخص کے بیٹے ہوتے ہیں کسی کے محبوب ہوتے ہیں مطلب ان کا یہ تھا کہ جیسے انسان اپنے بیٹوں کی بیسیوں غلطیوں کو درگزر کرتا ہے ہم کتنے ہی گناہ کرتے رہیں آخرت میں ہمیں اللہ تعالیٰ پکڑے گا نہیں، محبوب جو ہوا کرتے ہیں اس کی لغزشیں انسان کو نظر ہی نہیں آیا کرتیں۔

جیسے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ ایک لطیفہ ذکر کرتے ہیں الفاظ تو ذہن میں نہیں ہیں لیکن اس کا مفہوم یہی ہے کہ ایک محبوب نے اپنے محبّ سے کہا تھا کہ جی آپ میرے اوپر نظر رکھا کیجئے جو کوئی میں غلطی کروں مجھے اس کی اطلاع دے دیا کریں، اور آپ میری اصلاح کیا کریں وہ محبّ کہنے لگا یہ بات کسی اور سے جا کر کہو کہ میں جو آپ پر نظر رکھتا ہوں مجھے تو سوائے خوبیوں کے اور کچھ نظر آتا ہی نہیں ہے، محبت چیز ہی ایسی ہے کہ جب انسان کے دل میں آجاتی ہے تو زاویہ نگاہ ایسا بدل جاتا ہے کہ محبوب کی خوبیاں ہی خوبیاں نظر آتی ہیں اور اس میں کوئی عیب نظر ہی نہیں آتا۔

اور اس کے مقابلہ میں بغض ایک ایسا جذبہ ہے اگر کسی کے متعلق پیدا ہو جائے تو خوبی کوئی نظر ہی نہیں آتی سارے عیب ہی عیب نظر آتے ہیں تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کے اندر خوبیوں کا نظر آنا یا کسی کے اندر عیبوں کا نظر آنا اس میں بہت حد تک اپنے زاویہ نگاہ کا فرق ہوتا ہے محبت کی نگاہ سے دیکھو گے تو تمہیں ایک شخص اور نظر آئے گا، بغض کی نگاہ سے دیکھو گے تو تمہیں وہی شخص اور نظر آئے گا فرق آپ میں پڑا ہے وہ تو وہی ہے جیسا تھا، دیکھنے والے کی نگاہ میں فرق پڑا ہے۔

تو ان کا دعویٰ یہی تھا کہ ہم اللہ کے لئے محبوبوں کی طرح ہیں اس لئے وہ ہماری خوبیوں کو دیکھے گا ہم میں عیب کوئی نہیں نظر آئے گا اس لئے ہمیں سزا بھی نہیں ہوگی تو اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ تم کیوں جھوٹ بولتے ہو اور اپنی تاریخ کی تم کس طرح سے تکذیب کر سکتے ہو تمہیں تو بار بار مارا گیا پیٹا گیا، تمہارے حلیے بگاڑ دیے گئے تمہیں مختلف قسم کے عذابوں میں مبتلاء کر دیا گیا محبوبوں کا کوئی یہ حال کیا کرتا ہے جو تمہارا ہوتا ہے "لم یعذبکم بذنوبکم" یہ ان کو ان کی تاریخ کی طرف متوجہ کیا ہے، اللہ تعالیٰ کے محبوب ذرا دیکھو تو سہی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا کیا کیا ہے، اور جہاں تم نے گڑبڑ کی کس طرح سے تمہارے اوپر لعنت ہوئی، تمہیں بندروں کی شکل میں بدلا، تمہیں خنزیروں کی شکل میں بدلا، اور کس طرح سے تم کو وادی تیہ میں دھکے دیے اور تم چالیس سال تک بھٹکتے پھرتے رہے، کبھی طور پہاڑ اٹھا کر تمہارے سر پر کھڑا کر دیا کیسے کیسے واقعات پیش آئے ہیں تو محبوب ایسے ہوا کرتے ہیں؟ محبوبوں کو انسان سزا نہیں دیا کرتا تو تمہیں اللہ عذاب کیوں دیتا ہے تمہارے گناہوں کی وجہ سے جیسے دنیا میں پٹے ہو اسی طرح سے اپنی غلطیوں کی بناء پر آخرت میں بھی پٹو گے۔

اور اس ذہن کو بدل دو کہ تم محبوب ہو ایسی بات نہیں باقی مخلوق کی طرح تم بھی انسان ہو جیسا برتاؤ باقی انسانوں سے ہوگا ویسے تم سے ہوگا تو گویا کہ اس عقیدے کی بناء پر وہ بدعملی کا شکار ہو رہے تھے کہ ہم چونکہ اللہ کے محبوب ہیں ہمیں پکڑے گا نہیں، ہمیں کچھ کہے گا نہیں، پھر انسان شرارتوں پر تل جاتا ہے جب پتہ ہو کہ فلاں شخص مجھ سے محبت رکھتا ہے میرے اوپر کوئی کسی قسم کی گرفت نہیں کرے گا تو وہ آئین کی، قانون کی، کسی چیز کی پابندی نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ بات غلط ہے جیسے دنیا میں سزا تمہیں تمہاری غلطیوں کی وجہ سے ملتی رہی اسی طرح سے آخرت میں بھی وہ تمہیں پکڑ لے گا۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ:

"بل انتم بشر ممن خلق" اللہ کی مخلوق میں سے تم بھی بشر ہو۔ بخشے گا اللہ جسے چاہے گا عذاب دے گا جسے چاہے گا، اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کی نسبت کسی کا نسب کہ فلاں کا بیٹا ہونا یہ کوئی مانع نہیں اللہ اپنی مرضی کے ساتھ، اپنے آئین کے تحت، اپنی حکمت کے تحت جسے چاہے گا پکڑے گا جسے چاہے گا چھوڑے گا اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی اور کا دخل نہیں ہوگا ورنہ یہ نہیں کہ اللہ کے ہاں پکڑنے چھوڑنے کا کوئی ضابطہ ہی نہیں جسے چاہے پکڑے چاہے نیکوں کو پکڑ لے اور پکڑ کر جہنم میں پھینک دے چاہے بروں کو پکڑ کر جنت میں پھینک دے یہ مطلب نہیں ہے پکڑے گا اللہ تعالیٰ اپنے آئین کے ساتھ لیکن جب پکڑنا چاہے گا تو کوئی رکاوٹ نہیں پیدا کر سکتا جس کو چاہے گا

پکڑے گا لیکن پکڑے گا کس کو جو اس کے آئین کی زد میں آ جائے گا جس کو چاہے گا بخشے گا کس کو جہاں اس کی حکمت کا تقاضا ہو گا لیکن کوئی دوسرا آدمی دخل نہیں دے سکے گا۔

"وللہ ملک السموات والارض" اللہ ہی کے لئے سلطنت ہے آسمانوں کی اور زمین کی اور ان چیزوں کی جو دونوں کے درمیان میں ہے اور اللہ کی طرف ہی لوٹنا ہے ہر چیز کا مرجع اللہ تعالیٰ کی طرف ہی ہے۔

اتمام حجت:

اے کتاب والو! تمہارے پاس تمہارا رسول آ گیا جو احکام واضح کرتا ہے تمہارے لئے اور آیا بھی رسولوں کے درمیان وقفہ ہو جانے کے بعد کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک بعض روایات میں پانچ سو سال کا فاصلہ ہے اور بعض میں چھ سو سال کا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ پانچ اور چھ کے درمیان درمیان ہے اس لئے کسی نے نسبت اوپر کر دی اور کسی نے نیچے کا عدد تام کر دیا، اور حقیقت کے اعتبار سے تاریخی روایات کی طرف دیکھتے ہوئے تقریباً پانچ سو ساٹھ سال کا وقفہ معلوم ہوتا ہے اس عرصہ میں کوئی پیغمبر نہیں آیا۔

اور اتنا وقفہ پہلے رسولوں میں کبھی نہیں ہوا پہلے ہر دور کے اندر کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی پیغمبر موجود ہوتا تھا تو اب اتنی دیر وقفے کے بعد جب کہ تم اپنی ہدایت کو گم بھی کر چکے اللہ کی طرف سے ایک رسول آیا تو اس کو تو نعمت سمجھنا چاہیئے تھا اور اس کی قدر کرنی چاہیئے تھی رسولوں کے انقطاع پر رسولوں کے وقفے پر آیا واضح کرتا ہے تمہارے لئے اور یہ اللہ نے کیوں بھیجا "ان تقولوا" تا کہ تم یہ نہ کہنے لگ جاؤ کہ ہمارے پاس کوئی بشارت دینے والا ڈرانے والا آیا ہی نہیں اس لئے اگر ہم سے غلطیاں ہوئیں تو وجہ یہ ہوئی کہ ہمیں کوئی سمجھانے والا نہیں آیا "فقد جاء کم بشیر ونذیر" بشیر نذیر آ گیا اب یہ تمہارا عذر بھی ختم ہو گیا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کے اوپر قدرت رکھنے والا ہے۔
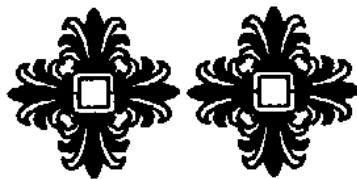
وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ

قابل ذکر ہے وہ وقت جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! یاد کرو اللہ کے احسان کو

عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّاٰتٰىكُمْ

جو تم پر ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اندر انبیاء بنائے اور تمہیں بادشاہ بنایا ، اور دی تمہیں

مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝۲۰ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ

وہ چیز جو عالمین میں سے کسی کو نہیں دی (۲۰) اے میری قوم! داخل ہو جاؤ پاکیزہ زمین میں

الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ

ایسی پاکیزہ زمین جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دی اور نہ لوٹو اپنی پشتوں کے بل

فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ۝۲۱ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖۗ

پھر تم پھر و گے اس حال میں کہ خسارہ پانے والے ہوئے (۲۱) انہوں نے کہا اے موسیٰ! بے شک اس ارض مقدسہ میں زور آور لوگ ہیں ،

وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا

اور بے شک ہم ہرگز نہیں داخل ہوں گے اس زمین میں جب تک کہ وہ اس علاقے سے نکل نہ جائیں ، پھر اگر وہ اس علاقے سے نکل جائیں

فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ۝۲۲ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ

پھر بے شک ہم داخل ہونے والے ہیں (۲۲) کہا دو آدمیوں نے ان لوگوں میں سے تھے جو ڈرتے ہیں اللہ نے انعام کیا

عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ

ان دونوں پر داخل ہو جاؤ ان پر دروازے میں ، جس وقت تم اس دروازے میں داخل ہو و گے پس بے شک تم ہی

غٰلِبُوْنَ ۚ۬ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۲۳ قَالُوْا

غلبہ پانے والے ہو، اور اللہ پر ہی بھروسہ کرو اگر تم ایمان والے ہو (۲۳) وہ کہنے لگے کہ

يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ

اے موسیٰ! بے شک ہم ہرگز نہیں داخل ہوں گے اس علاقے میں کبھی بھی جب تک وہ لوگ اس علاقے میں ہیں جا تو

وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَآ اَمْلِكُ

اور تیرا رب پس تم دونوں لڑائی کرو بے شک ہم یہاں بیٹھنے والے ہیں ﴿۲۴﴾ موسیٰ نے کہا کہ اے میرے رب! بے شک میں نہیں اختیار رکھتا

اِلَّا نَفْسِیْ وَ اَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۵﴾

مگر اپنی جان کا اور اپنے بھائی کا پس تو فرق ڈال دے ہمارے درمیان اور فاسق لوگوں کے درمیان ﴿۲۵﴾

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً یَتِیْهُوْنَ فِی

اللہ تعالیٰ نے فرمایا پس بے شک یہ زمین حرام ٹھہرادی گئی ان لوگوں پر چالیس سال ، حیران سرگردان پھریں گے

الْاَرْضِ فَلَا تَاْسَ عَلَی الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۶﴾

زمین میں ، پس تو غم نہ کر ان بدمعاش لوگوں پر ﴿۲۶﴾

تفسیر:

نبیوں کو تادیب کی جاتی ہے اور یہود و نصاریٰ کو تعذیب ہوئی:

پچھلے رکوع میں آپ کے سامنے آچکا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب سے اپنے عہد اور میثاق کا ذکر کیا تھا اور ان کی نافرمانی کرنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس قوم پر جو پھٹکار پڑی تھی اس کی تفصیل آئی تھی اور پھر اس رکوع سے قریبی آیات میں یہود و نصاریٰ کا یہ دعویٰ نقل کیا گیا کہ "نحن ابناء الله واحباء ه" کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بڑے چہیتے بڑے لاڈلے ہیں "نحن ابناء الله واحباء ه" اس لئے ہم جو کچھ بھی کرتے رہیں ہم پر گرفت کسی قسم کی نہیں آئے گی، اور آپ یہ جو اشکال پیش کر رہے ہیں کہ جو چہیتے ہوتے ہیں ان کے اوپر گرفت زیادہ ہوا کرتی ہے یہ گرفت ہوا کرتی ہے بطور تربیت کے اور بطور تادیب نفس کے، اور تادیب نفس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان کو جھڑک کر تنبیہ کر کے ان کی بری عادتیں چھڑوائی جاتی ہیں اور اچھی عادتیں ان کو اختیار کرنے کے لئے کسی درجہ میں مجبور کیا جاتا ہے۔

لیکن بنی اسرائیل کا جو دعویٰ تھا وہ دنیا اور آخرت دونوں کے متعلق ہی تھا آپ جانتے ہیں کہ آخرت میں جس قسم کی بھی سزا دی جائے اس کا تعلق تادیب کے ساتھ نہیں ہے، تادیب اس سزا کو کہتے ہیں کہ جس سے اس آدمی سے عادت چھڑانا مقصود ہو وہاں سزا مقصود نہیں ہوتی، عادت چھڑوانی مقصود ہوتی ہے، اور آخرت میں جب ان کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا تو وہاں تو کوئی تادیب کا سوال نہیں وہ تعذیب ہے تادیب نہیں ہے اسی طرح سے دنیا کے اندر

جن سزاؤں کے ساتھ ان کو برباد کر دیا گیا مثلاً بندر بنا دیا گیا تو اس کے بعد ان کے سنبھلنے کی کیا صورت رہی، یا بعض روایات میں بعض واقعات کے اندر ان کو خنزیر کی شکل میں مسخ کیا گیا اس کے بعد وہ تباہ ہو گئے تو ان کے سنبھلنے کی کیا صورت رہی۔

تو یہ چیزیں جو ہیں یہ تعذیب ہیں تادیب نہیں اور پیاروں اور لاڈلوں کو تادیب تو ہوا کرتی ہے تعذیب نہیں ہوا کرتی تو تادیب کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس طور پر تنبیہ کی جائے تاکہ یہ بری عادت کو چھوڑ کر اچھی عادت اختیار کر لیں اور ان کو ایسی بھی تادیب کی گئی ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے مؤمن بندوں کو تادیب کرتا ہے جیسا کہ مؤمنین کی جماعت پر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر بھی ایسے واقعات پیش آتے ہیں ہم ان کو تادیب قرار دیتے ہیں اور ان کے اندر ان کو ایک بالکل مجرم قرار دے کر مجرمانہ حالت میں ان کو فنا ہی کر دیا جائے اور اس دنیاوی عذاب کو پیش خیمہ بنا لیا جائے اخروی عذاب کا یہ چیز تعذیب کہلاتی ہے تادیب نہیں کہلاتی۔

بنی اسرائیل کے اوپر جو واقعات پیش آئے ہیں ان کے اندر اکثر و بیشتر تعذیب کا پہلو ہے اس لئے ان کا یہ جو خیال تھا کہ ہم اللہ کے محبوب ہیں اللہ کے لاڈلے ہیں اللہ ہمیں کسی قسم کا عذاب نہیں دے گا یہ بات ان کی غلط ہے، اور آخرت میں جب ان کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا جیسے کہ آیات کے اندر واضح کر دیا گیا وہ تو سراسر تعذیب ہی تعذیب ہے اس میں تو تادیب کا پہلو ہے ہی نہیں، تو اللہ تعالیٰ نے پچھلی آیت میں اس کی بھی تردید کی اس طرح سے کہ "فلم یعذبکم بذنوبکم" یہاں دیکھو تعذیب کا لفظ آیا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کی وجہ سے تمہاری کوتاہیوں کی وجہ سے تمہیں عذاب کیوں دیتا ہے، لاڈلوں کو عذاب نہیں دیا جاتا، ادب سکھانے کے لئے کچھ نہ کچھ تنبیہ ہوتی ہے اور عذاب میں تو بالکل فنائیت ہے تو اس قوم کو فنا کر کے رکھ دیا گیا پھر سنبھلنے کا موقع ہی نہیں دیا گیا یہ صورت عذاب کی ہوتی ہے۔

بنی اسرائیل کا شام سے مصر منتقل ہونا:

اب یہ رکوع آپ کے سامنے پڑھا گیا اس میں بھی ان لاڈلوں اور چہیتوں کا وہی حال واضح کیا گیا ہے جس کے نتیجے میں یہ اللہ کی گرفت میں آئے، تو جس واقعہ کے تحت یہ بتایا جا رہا ہے کہ دیکھو جس وقت بھی عہد کی خلاف ورزی کی گئی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کس طرح سے گرفت ہوئی اور اس قوم کا مزاج جو ہے وہ ان آیتوں کے اندر نمایاں کیا گیا۔

واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اصل کے اعتبار سے تو عراق کے علاقے کے رہنے والے تھے اور جب عراق کے علاقے میں آپ کی دعوت نہ پھیل سکی گھر کے افراد، ملک کے باشندے، وقت کی بادشاہت،

وقت کی حکومت سب خلاف ہو گئے تو ایسے وقت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے علاقے کو چھوڑا اور ہجرت کی اور ہجرت کر کے شام کے علاقہ میں آ کر آباد ہو گئے یہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی زندگی کا آخری حصہ گزارا ہے، حضرت اسحاق علیہ السلام کو یہیں مرکز بنا کر دیا گیا جس کو بیت المقدس کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور اپنے پہلے صاحبزادے اسماعیل علیہ السلام کو حجاز میں مرکز بنا کر دیا گیا جس کو بیت اللہ کے عنوان سے ذکر کیا جاتا ہے، یہ دونوں مرکز حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قائم کئے تھے، مکہ معظمہ کے اندر حضرت اسماعیل علیہ السلام کو بٹھا دیا شام کے علاقہ میں بیت المقدس کے مقام پر حضرت اسحاق علیہ السلام کو متعین کر دیا تو حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد اسی علاقے میں پھیلی حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں حضرت یعقوب علیہ السلام پیغمبر ہوئے اور پھر حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے ہوئے جن میں حضرت یوسف علیہ السلام پیغمبر ہوئے تو یعقوب علیہ السلام کی اولاد جو یہاں آباد ہوئی تھی حضرت یوسف علیہ السلام کی وساطت سے پھر یہ سارے کے سارے بارہ کے بارہ خاندان مصر کے اندر منتقل ہو گئے تھے یوسف علیہ السلام کی وساطت سے جس کی تفصیل آپ کے سامنے سورۃ یوسف میں آئے گی، تو پھر یہ علاقہ جو شام کا تھا یہ ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت کا ہے پیغمبروں کی جگہ تھی یہ علاقہ بنی اسرائیل سے خالی ہو گیا اور مصر کے اندر جا کر یہ سارے کے سارے آباد ہو گئے۔

مصر میں بنی اسرائیل پر ظلم اور فرعون سے نجات:

اور مصر کے اندر یوسف علیہ السلام کی وفات کے بعد ان خاندانوں نے بددینی والی زندگی اختیار کی اور جو وقت کی حکومت تھی اس کے اندر ان کی کوئی مداخلت نہ رہی تو اس حکومت نے ان کے ساتھ غلاموں والا برتاؤ کیا اور بہت ذلت آمیز حالات کے اندر ان کو رکھا جس طرح سے غلاموں کو رکھا جاتا ہے ہر قسم کے سخت سے سخت کاموں میں ان کو استعمال کیا جاتا تھا ان کی زندگی مصر میں "یسومونکم سوء العذاب یذبحون ابناء کم" کے اندر جیسے ان کی زندگی کا نقشہ کھینچا جاتا ہے اور شام کے علاقے میں ایک قوم آباد ہو گئی جس کو عمالقہ کہتے ہیں اور یہ قوم عاد کی کوئی شاخ ہے اس لئے ان کے قد وقامت بظاہر دیکھنے میں انسانوں کے مقابلہ میں زیادہ تھے ڈیل ڈول والے تھے جسمانی قوت ان میں کافی تھی کیونکہ قوم عاد کا تعارف جو قرآن کریم میں کرایا گیا ہے اس سے معلوم یہی ہوتا ہے کہ قد وقامت میں یہ لوگ عام مخلوق کے مقابلہ میں ممتاز تھے اس لئے وہ نعرہ لگاتے تھے "من اشد منا قوۃ" ہم سے قوت میں کون زیادہ ہے؟ قوت میں ہم ہی سب سے زیادہ ہیں ان کو اپنی قوت کے اوپر بڑا ناز تھا تو یہ لوگ عذاب سے تباہ کر دیے گئے جو ہود علیہ السلام کے زمانے میں تھے۔

انہی کی کوئی شاخ بچی بچائی تھی جو قوم عمالقہ یہ شام کے علاقہ میں آباد تھی اس علاقے کے اوپر وہ قابض تھے یہاں ان کی بادشاہت تھی حکومت تھی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام جس وقت تشریف لائے ہیں تو موسیٰ علیہ السلام کے تشریف لانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان اسرائیلیوں کو اس ذلت سے اس رسوائی سے نجات دی فرعون کی غلامی سے یہ چھوٹے اور ہر قسم کی تکلیفیں جو تھیں وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وساطت سے دور ہوئیں سمندر کو عبور کر کے یہ دوسرے علاقے میں پہنچے فرعون ان کا دشمن جو تھا وہ بمع لاؤلشکر کے ڈبو دیا گیا گویا کہ مصر کا علاقہ جو تھا وہ بھی ایک وجہ سے بالقوۃ اسرائیلیوں کے قبضے میں آگیا کیونکہ ان کا دشمن جو تھا وہ بمع اپنی کابینہ کے بمع اپنی فوج کے جب غرق ہو گیا تو ایک قسم کا وہ علاقہ ان کا اپنا ہو گیا، جیسے قرآن کریم میں اشارہ ہے کہ ہم نے ان کا وارث بنا دیا "اورثناھابنی اسرائیل" ہم نے ساری کی ساری نعمتیں جن کو فرعونیوں نے چھوڑا تھا ان کا وارث بنی اسرائیل کو بنا دیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملک شام کو واپس لینے کی کوشش:

اب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ وعدہ ہوا کہ شام کا علاقہ جو اصل کے اعتبار سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کا علاقہ تھا اب اس کے اندر قوم عمالقہ کافر مشرک آباد ہیں تو ان اسرائیلیوں کو ساتھ لے کر جہاد کرو اور وہ علاقہ میں تمہیں دے دوں گا جہاد کے نتیجے میں وہ علاقہ فتح ہو جائے گا تم اپنے اس وطن کو جو ہے حاصل کر لو یہی فلسطین کا علاقہ اردن کا علاقہ جو آج شام کہلاتا ہے یہ سارے کا سارا اس وقت شام ہی کہلاتا تھا اردن بھی اسی میں تھا فلسطین بھی اسی میں تھا بیت المقدس کا علاقہ پرانی تاریخ کے اندر سب یہ شام ہی ہے تو یہ علاقہ دینے کا وعدہ کیا، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے اس علاقہ کو فتح کرنے کے لئے ترغیب دیتے ہوئے تقریر کی ساری قوم کو وہاں مصر سے جو نکال کر لا رہے تھے اب وہ قریب آگئے شام کے علاقے کے تو جہاد کی ترغیب دی اور جس طرح سے قاعدہ ہے کہ جب کسی قوم کے خلاف لڑائی لڑنی ہوتی ہے اس علاقے کے حالات معلوم کیے جاتے ہیں قوم کے حالات معلوم کیے جاتے تاکہ محاذ کی تعیین ہو سکے کہ محاذ جنگ کہاں بنانا ہے اور ان لوگوں کا طرز، طریقہ کیا ہے ہم نے ان کے ساتھ کس طرح سے مقابلہ کرنا ہے ان حالات کو جاننے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارہ قبیلوں میں سے بارہ سردار متعین کر کے بطور جاسوسی کے اس علاقے میں بھیجے جس علاقے کے اوپر جہاد کرنا تھا۔

کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تو شام میں نہیں گئے تھے اور باقی قوم بھی بہت پہلے سے مصر میں آئی ہوئی تھی تو وہاں کے لوگوں کے حالات دیکھنے کے لئے علاقے کے حالات معلوم کرنے کے لئے تاکہ محاذ جنگ کی تعیین ہو سکے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارہ آدمی ادھر بھیج دیے تو بارہ آدمی اس علاقے میں گئے جا کے انہوں نے اس علاقے

کی سرسبزی شادابی آبادی سب کچھ دیکھی اس سے تو بڑے خوش ہوئے کہ یہ علاقہ تو واقعی حاصل کرنے کے قابل ہے یہاں کی فصلیں یہاں کے باغات دل کشی کا باعث ہیں لیکن جو لوگ وہاں آباد تھے جب ان کو دیکھا تو بڑے پہلوان قسم کے بڑے مضبوط بڑے طاقتور لوگ ہیں۔

بلکہ بعض اسرائیلی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بارہ شخص جب اس علاقے کے اندر چکر کاٹتے پھر رہے تھے تو اس قوم کے بعض افراد کو شبہ پڑ گیا کہ یہ کوئی جاسوس ہیں دوسرے ملک کے تو ایک آدمی ان بارہ کو پکڑ کر لے گیا اور اپنے سردار کے سامنے جا کر پیش کر دیا اور کہا کہ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ جگہیں تاڑتے پھر رہے ہیں جاسوسی کرتے پھر رہے ہیں یہ کوئی ہمارے ساتھ لڑائی کا ارادہ رکھتے ہیں اس لئے ان کو قتل کر دیا جائے لیکن اس وقت کے بادشاہ نے ان کو قتل نہ کیا بلکہ اس خیال سے چھوڑ دیا کہ انہوں نے ہماری قوت اور طاقت تو دیکھ ہی لی کہ یہ بارہ تھے اور ہمارا ایک آدمی تھا ان کو پکڑ کر لے آیا اب یہ جائیں گے اور جا کر اپنی قوم میں ہمارا حال بیان کریں گے تو قوم جرأت ہی نہیں کرے گی کہ ہمارے مقابلہ میں آئے اس خیال سے انہوں نے ان بارہ آدمیوں کو چھوڑ دیا، اور یہ بارہ کے بارہ اس علاقے سے واپس آ گئے۔

آ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو انہوں نے رپورٹ دی گویا کہ یہ تفتیشی مہم تھی جو موسیٰ علیہ السلام نے بھیجی تھی تفتیشی احوال کے لئے انہوں نے آ کر اپنی تفتیش کے دوران جو کچھ ذہنی طور پر اخذ کیا تھا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے بیان کیا علاقے کی خوبیاں بیان کیں وہاں کے چشموں کا باغات کا ذکر کیا کہ وہاں بڑے پھل فروٹ ہیں اور بڑی سبزی ہے یہ ساری چیزیں ہیں لیکن وہاں جو لوگ قابض ہیں وہ ہمارے بس میں نہیں ہیں وہ بڑے طاقت ور ہیں اور ان کا مقابلہ کرنا اپنے بس کی بات نہیں ہے بڑے ڈیل ڈول والے قوت والے طاقت والے ہیں، بلکہ ایک روایت میں تو لفظ یہ ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم اس قوم کے مقابلہ میں ایسے معلوم ہوتے تھے اپنے آپ کو ہم یوں سمجھتے تھے کہ جس طرح سے ٹڈیاں ہوتی ہیں ان کے مقابلہ میں ہماری حیثیت ٹڈیوں جیسی ہے۔

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ باتیں سنی تو ان بارہ کے بارہ آدمیوں کو سمجھا دیا کہ یہ تمہاری قوم جو ہے یہ بڑی عجیب قسم کی قوم ہے اس لئے ان کے سامنے اس علاقے کی خوبیاں تو بیان کرنا تا کہ ان کے دل کے اندر اشتیاق پیدا ہو لیکن یہ جو تم اس قوم کا حال ذکر کر رہے ہو تو جب اللہ نے وعدہ کر لیا ہمارے ساتھ کہ یہ علاقہ میں تمہیں دوں گا تو فتح یقیناً ہماری ہوگی اس لئے تم اس قوم کی قوت طاقت سرکشی ان کا جبر یہ چیزیں بیان نہ کرنا ورنہ تمہاری قوم کا دل بیٹھ جائے گا وہ بزدل ہو جائیں گے اور پھر جہاد کے لئے تیار نہیں ہوں گے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان آدمیوں کو یہ

تاکید کردی کہ قوم کے سامنے اس علاقے کی تعریف کرو باقی ان آدمیوں کی طاقت اور قوت کا ذکر نہ کرنا تاکہ قوم بزدل نہ ہوجائے۔

تو جب وہ اپنی قوم میں خلط ملط ہوگئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہدایات پر صرف دو آدمی پابندر ہے ایک کا نام یوشع بن نون اور ایک کا نام قالب بن یوحن یا یوقن، اور توراۃ کی روایت کے مطابق لفظ ہے یفنہ اور ہمارے مفسرین نے یوقن نقل کیا ہے قالب بن یوقن، یہ دونوں بھی انہی بارہ میں سے تھے جن کے اوپر اس قوم کی ہیبت اثر انداز ہوئی تھی، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیغام کے مطابق فرمان کے مطابق یہ پابندر ہے اور اپنی قوم کے سامنے بزدلی کی باتیں نہیں کیں یہ اللہ تعالیٰ کا انعام تھا ان پر، اللہ تعالیٰ کا احسان تھا ان پر کہ وہ ثابت قدم رہ گئے ورنہ یہ تھے انہی میں سے جو ان کی ہیبت اور دبدبہ دیکھ کر آئے تھے، لیکن وہ باقی دس جو تھے انہوں نے کھسر پھسر کرتے ہوئے اپنے خاص خاص آدمیوں کو اس قسم کے حالات جو بیان کرنا شروع کیے تو یاروں دوستوں کی وساطت سے یہ بات ساری قوم کے اندر مشہور ہوگئی۔

راز کی اہمیت:

کیونکہ انسان جس وقت کسی راز کو افشاں کیا کرتا ہے تو بظاہر تو ایسے لوگوں کے سامنے کرتا ہے کہ جن پر اعتماد ہوتا ہے کہ یہ آگے نہیں بتائیں گے، میرے یہ معتمد علیہ ہیں اس نے ان کو کہہ دیا بتادیا اور ساتھ یہ کہہ دیا کہ کسی اور کو نہ بتانا اور انہوں نے سن لی ان کا آگے معتمد علیہ ہے ان کو کہہ دیتے ہیں کہ بھائی دیکھنا میں آپ کو ایک راز کی بات بتارہا ہوں لیکن آگے نہ بتانا، ہر کوئی آگے کہتا بھی جائے گا اور آگے نہ بتانا کی تلقین بھی کرتا جائے گا اور بنیاد غلط اٹھتی ہے پہلے شخص سے کہ آگے نہ بتانا یہ بات ایسی ہے کہ ظاہر کرنے کی نہیں تو تم بھی آگے اس کو چلتی نہ کرو اگر تم نے آگے چلتی کردی پھر تو یہ دھکا لگے گا اور آگے چلتی چلی جائے گی، اور اس لفظ کے ساتھ ہی چلتی چلی جائے گی کہ کسی اور کو نہ بتانا اور وہ سارے علاقے میں پھیل جائے گی۔

اسی لئے عقلاء کہا کرتے ہیں کہ "السر اذا جاوز الاثنین شاع" روضۃ الادب کے اندر یہ محاورہ آپ نے پڑھا ہوگا بھید جب دو سے تجاوز کر جاتا ہے تو پھر یہ شائع ہوجایا کرتا ہے اور دو سے تجاوز کا کیا مطلب؟ دو سے یہاں کیا مراد ہے؟ اس اثنین سے مراد یہ دو ہونٹ ہیں کہ دل کی بات جب ان دونوں ہونٹوں سے باہر آگئی اور اس کے بعد پھر یہ سنبھالنے کی نہیں ہے پھر تم اس کے اوپر کیسی ہی پابندیاں کیوں نہ لگالو پھر یہ چلتی چلتی آخر پھیل ہی جاتی ہے اس لئے اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ یہ راز کی بات اور بھید کی بات دنیا کے اندر شائع نہ ہو تو ان دو ہونٹوں سے ان کو

نکلنے نہ دو، یہ بند ہیں کسی راز کو محفوظ رکھنے کے لئے اور جس وقت یہ بند کھل جاتا ہے اور راز کی بات منہ سے باہر آجاتی ہے پھر وہ چھپی نہیں رہتی ہزار پابندیاں لگاؤ وہ پھر خصوصیت کی بناء پر ایک دوسرے کے سامنے منتقل ہوتی چلی جاتی ہے۔

اسی طرح سے ان لوگوں نے اپنے خصوصی لوگوں کے سامنے باتیں کی انہوں نے اپنے خصوصیوں کے سامنے کی، بات ساری کی ساری قوم کے اندر پھیل گئی جب قوم کے اندر پھیل گئی تو قوم جو ساری زندگی فرعونیوں کے جوتے کھاتی رہی ہمت ان میں نہیں تھی اولوالعزمی ان میں نہیں تھی تو ان کے دل بیٹھ گئے وہ بزدل ہوگئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اب قوم کے سامنے تقریر کی ان کو جہاد پر آمادہ کرنے کے لئے اس تقریر کو چند الفاظ میں قرآن کریم میں نقل کیا گیا ہے مضمون کچھ اس قسم کا ہے۔

بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خطاب:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تقریر میں سب سے پہلے تو اللہ تعالیٰ کے انعامات یاد دلائے کہ دیکھو اللہ نے تم پر کیسے کیسے انعامات کیے، روحانی اور دینی انعام، انبیاء بھیجے اور کسی قوم کے اندر نبی کا آجانا یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی عنایت ہے ایک روشنی مہیا ہوگئی، جس کے ساتھ ظلم اور جہالت دور ہوتی ہے، نبی بھیجے تمہارے اندر اللہ تعالیٰ کا کتنا انعام ہے تمہاری راہنمائی اللہ نے کی ہے اور پھر دنیاوی انعام ظاہری انعام اللہ تعالیٰ نے تم پر یہ کیا کہ تمہیں بادشاہ بنادیا غلامی سے نکالا خود مختار ہوگئے اب تم بادشاہ ہو۔

دیکھو انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ کہا کہ تمہارے اندر نبی بھیجے معلوم ہوگیا کہ نبی تو وہی چند اشخاص ہیں جو اللہ نے بنائے ہیں، کسی قوم کا ایک فرد اگر نبی بن جائے تو نبوت کی نسبت ساری قوم کی طرف نہیں ہوتی کہ یہ قوم ہی نبی ہے نبوت کی نسبت صرف اس فرد کی طرف ہوتی ہے جس کو نبی بنایا گیا ہے، ہاں البتہ یہ کہیں گے کہ فلانی قوم میں فلاں شخص نبی آیا، نبوت کی نسبت اس ایک کی طرف ہوگی ایک نبی کے آنے کے ساتھ ساری قوم نبی نہیں بن جایا کرتی، لیکن بادشاہت کی نسبت جو ہے وہ ساری قوم کی طرف کی کیونکہ محاورہ یہی ہے کہ جس خاندان کا فرد بادشاہ ہو تو کہتے ہیں کہ فلاں خاندان کی حکومت ہے مغلیہ خاندان کی حکومت ہے، بنی تغلق کی حکومت ہے، بنوامیہ کی حکومت ہے، بنوعباس کی حکومت ہے تو گویا کہ جس قوم کا خلیفہ ہوا کرتا ہے بادشاہ ہوا کرتا ہے اسی قوم کی حکومت ہوتی ہے، جیسے آج کل لوگ ہمیں کہتے ہیں کہ پاکستان پر آرائیوں کا قبضہ ہے چونکہ آپ کا صدر مملکت جو ہے وہ خوش قسمتی سے کہہ لو کہ وہ آرائیں قوم سے تعلق رکھتا ہے۔

تو یہ قاعدہ ہے کہ جس قوم کا فرد صاحب اقتدار ہوتا ہے تو اقتدار کی نسبت ساری قوم کی طرف ہو جاتی ہے اس لئے فرمایا کہ اللہ نے تجھے بادشاہ بنایا ہے یہ تو تقریر تب کرنی پڑے گی کہ جب " ملوکاً " سے حقیقی بادشاہی مراد لی جائے، تو گویا کہ اقتدار کے اندر قوم بھی شریک ہوتی ہے خاص طور پر آج کل تو آپ جانتے ہی ہیں کہ جب بھی کوئی نمائندہ آتا ہے تو عوام کی حکومت ہوتی ہے کہ ایک اکیلے نمائندے کی حکومت تو ہوتی نہیں بھٹو صاحب کی حکومت جو تھی وہ عوام کی حکومت تھی، اس وقت سارے عوامی تھے صدر مملکت اور سارے وزیر عوامی تھے، جو کچھ ہوتا تھا عوام کی ذمہ داری پر ہوتا تھا عوام کی بادشاہت آگئی عوام کا اقتدار آگیا تو نسبت اس طرح سے سب کی طرف کر دی جاتی ہے۔

لیکن ملک کا معنی ایک اور بھی ہوتا ہے ملک کہتے ہیں خوشحال کو با اختیار جو خوشحال ہو اور کسی کا غلام نہ ہو اس کو بھی کہہ دیا جاتا ہے کہ بھائی ہم تو بادشاہ ہیں فلاں شخص تو بادشاہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ خوشحال ہے کسی کا غلام نہیں بادشاہوں کی طرح زندگی گزار رہا ہے چنانچہ اس معنی کے اعتبار سے یہ لفظ ایک روایت میں آیا ہوا ہے مشکوٰۃ شریف میں ایک روایت موجود ہے کہ حضرت عبداللہ عمر رضی اللہ عنہ سے ایک آدمی نے آکر پوچھا کہ "السنا من الفقراء" کیا ہم فقراء میں شامل نہیں کہ جو فضیلتیں فقراء کی آتی ہیں وہ ہمیں حاصل نہیں ہوں گی تو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ پوچھتے ہیں کہ کیا تیری بیوی ہے جس کے پاس تو ٹھکانہ لیتا ہے وہ کہنے لگا ہاں جی بیوی تو ہے، کیا تیرے پاس کوئی گھر بھی ہے جس میں جا کر تو رہتا ہے وہ کہنے لگا ہاں جی ایک مکان بھی ہے جس میں جا کر رہتا ہوں تو فرمانے لگے تو اغنیاء میں سے ہے فقراء میں سے نہیں۔

جن فقراء کی فضیلتیں حدیث میں آتی ہیں وہ تو اصحاب صفہ تھے بیچارے نہ بیوی نہ مکان کچھ بھی نہیں، مدرسہ تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چھپر ڈال کر دیا ہوا تھا، وہیں پڑے رہتے تھے صدقہ خیرات میں جو کچھ مل جاتا تھا کھا لیتے تھے یہ ہیں فقراء اور جن کے پاس بیویاں ہیں اور ان کے پاس رہنے کے لئے مکان ہے وہ تو اغنیاء میں سے ہیں وہ کہتا ہے کہ حضرت میرے پاس تو ایک خادم بھی ہے کام کرنے کے لئے تو آپ نے فرمایا "انت من الملوك" پھر تو تم بادشاہوں میں سے ہو بیوی ہے، رہنے کے لئے مکان ہے، کام کرنے کے لئے خادم ہے تم تو بادشاہ ہو، تو وہاں جو "انت من الملوك" کہا گیا تو وہاں ملک سے یہ صاحب اقتدار مراد نہیں خوشحال لوگ مراد ہیں کہ پھر تو تمہاری زندگی بادشاہوں جیسی ہے۔

تو اسی طرح سے اس بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے نجات دلائی گئی اور ان کو آزاد کر دیا گیا وہ اپنی مرضی

کے ساتھ اپنی زندگی گزاریں کسی کے غلام نہیں ہیں اس طرح ان کو ملوک کے لفظ سے تعبیر کر دیا گیا کہ اللہ نے تم کو خوشحال کر دیا جس طرح سے بادشاہ ہوتے ہیں اب تم کسی کے غلام نہیں ہو خود مختار ہو، عوامی حکومت ہے یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے یہ تقریر کی اور اس کے بعد یاد دلایا کہ جیسے فرعون کی غلامی سے نجات پانے میں تم نے وقتاً فوقتاً اللہ کے ساتھ اپنی معیت دیکھی ہے "ان معی ربی سیھدین" کا نعرہ جس طرح سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک جگہ لگایا تھا جب قوم کہتی تھی کہ آگے سمندر کی موجیں اور پیچھے فرعون کی فوجیں ہیں تو اب ہم کس طرح سے بچیں گے موسیٰ علیہ السلام نے اس وقت کہا تھا "ان معی ربی سیھدین" میرے ساتھ میرا رب ہے مجھے وہ راستہ دے گا تو رب کی معیت کا ذکر موسیٰ علیہ السلام نے کیا تو یہ بتایا ہوگا کہ دیکھو ایسے ایسے واقعات سے ہم نکلے، ایسے ایسے وقت میں یہ اللہ کی معیت ہمیں نصیب ہوئی تو اب بھی میرے ساتھ میرا رب ہے تو ہم اگر جہاد کریں گے اور اس علاقے کے اوپر حملہ کریں گے تو اللہ کی معیت کے ساتھ ہم اس علاقے کو فتح کر لیں گے، تم اللہ کی نصرت پر اعتماد رکھو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو اور اللہ نے یہ وعدہ کر لیا ہے کہ یہ علاقہ میں نے تمہیں دے دیا، بس تھوڑی سی ہمت کی ضرورت ہے کہ جہاد کرو جہاد کرنے کے ساتھ یہ علاقہ فتح ہو جائے گا سرسبز علاقہ ہے شاداب علاقہ ہے تمہاری مملکت وسیع ہو جائے گی، مصر تمہارے قبضے میں شام تمہارے قبضے میں۔

اسی طرح موسیٰ علیہ السلام نے وعظ کیا اور تقریر کی اور ترغیب دلائی ان کو جہاد کی اور وہ سن چکے تھے ان نمائندوں سے اس قوم کا حال اور جو شخص بہت مدت تک کسی کا محکوم رہ چکا ہو اور ہر وقت جوتے کے نیچے ہو صبح وشام بے عزت ہوتا ہو، ڈنڈے کے ساتھ ہی کام کرنے کا عادی ہو گیا ہو یہ قدرتی بات ہے نفسیاتی طور پر اس شخص میں ہمت اور حوصلہ نہیں رہتا ہمت اور حوصلہ اس کا ٹوٹ جاتا ہے اسرائیلیوں کی بھی اسی طرح سے مسکنت طبعیت میں آئی ہوئی تھی کہ رگڑے دے دے کر فرعونیوں نے ان کی جڑوں کے اندر یہ بات رچا دی تھی کہ تم کسی کام کے نہیں ہو ہمت اور حوصلہ جو ہے وہ ان کا چھوٹ گیا تھا اب ان کے ساتھ کتنے ہی وعدے کئے جائیں اور اللہ تعالیٰ کی نصرت ان کو یاد دلائی جائے لیکن اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

مفسرین نے روایات توراۃ کے تحت نقل کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے سامنے وہ قوم جو تھی واویلا کرنے لگ گئی وہ کہنے لگے کہ تو ہمیں مصر سے نکال کر لے آیا وہاں کم از کم ہم امن سے بیٹھے تھے وہاں ہماری جان کو کسی قسم کا خطرہ نہیں تھا ان کی تلواروں کا لقمہ بنانے کے لئے ہمیں تم لے آئے ہو وہ تو بہت زبردست لوگ ہیں ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے ہم اس علاقے میں جاتے ہی نہیں جب تک وہ وہاں ہیں، ہاں وہاں ہمارے تشریف لے جانے کی ایک ہی صورت ہے کہ وہ وہاں سے نکل کر چلے جائیں جب وہ چلے جائیں گے علاقہ خالی کر دیں گے تو ہم وہاں براجمان

ہو جائیں گے ایسے تو ہم نہیں جاتے بالکل نہیں جائیں گے ''لن ندخلھا ابدا'' ہرگز کبھی بھی داخل نہیں ہوں گے جب تک وہ وہاں ہیں ہاں وہ نکل جائیں نکل جانے کے بعد پھر ہم آ جائیں گے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر ان کو نصرت یاد دلائی اپنے ساتھ اللہ کی معیت کا تذکرہ کیا ہوگا جس طرح سے ایک عادت ہے کہ ایسے وقت میں انسان کہتا ہے کہ تم ڈرو نہیں وہ کتنے طاقتور صحیح لیکن اللہ کے مقابلہ میں تو طاقتور نہیں ہیں۔

اللہ نے وعدہ کرلیا ہے کہ وہ علاقہ ہمیں دے گا اور ان کے ساتھ وہ دو جو تھے انہوں نے بھی تائید کی کہ بھائی تم شہر کے پھاٹک میں تو چلو فصیل تک تو چلو ایک دفعہ جا کر تم ہلا بولو تو سہی دروازے تک تم پہنچو دیکھو تم سے ڈر کر ان کے دل بیٹھ جائیں گے، اور وہ مرعوب ہو جائیں گے، اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ساتھ وہ زیر ہو جائیں گے، علاقہ تمہارا ہے تم چلو تو سہی شہر کے دروازے تک، شہر کے دروازے سے مراد وہی ہے جو پرانے زمانے میں فصیلیں بن جاتی تھیں اور اس کے بڑے بڑے دروازے ہوتے تھے تو وہ قوم آگے سے کہتی ہے کہ موسیٰ تیرے ساتھ تو تیرا خدا ہے ہمیں اس سے انکار نہیں اس لئے مہربانی کر کے تو جا اور اپنے رب کو ساتھ لے جا اور جا کے تم لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں ہم تو یہاں سے سرکنے والے نہیں ہیں اب یہ لفظ جو انہوں نے کہا کہ تو جا اور تیرا رب جائے اور جا کر لڑ بھڑ لو جو کچھ کرنا ہے تم دونوں جا کر کرلو۔

اب یہ جملہ جو ہے یہ کفریہ ہے یا نہیں، اس پر بھی مفسرین نے تذکرہ کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے اللہ کی معیت کا تذکرہ سن کر مذاق اڑایا ہے کہ تو کہتا ہے کہ میرے ساتھ میرا رب ہے تو پھر جا ہماری کیا ضرورت ہے جاؤ جا کے دونوں لڑو اور علاقہ خالی کروالو پھر ہم آ جائیں گے بطور استہزاء کے کہا تو یہ جملہ کفریہ ہے اور اگر انہوں نے اپنی بزدلی کے اظہار کے لئے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام ہمیں تو لگتا ہے ڈر ہم تو نہیں جاتے تو جا اور تیرا اللہ تیرے ساتھ ہو جائے تم جا کر مقابلہ کرو اور جس وقت وہ علاقہ فتح ہو جائے گا اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے قہر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے ساتھ ہلاک ہو جائیں گے تو اس وقت ہم آ جائیں گے تو ایسی صورت میں یہ گستاخی تو کہی جاسکتی ہے لیکن یہ کفر نہیں ہے لیکن یہ اس قوم کے لئے ایک بزدلی کا نشان بن گیا۔

بنی اسرائیل کی بزدلی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جواں مردی:

اس لئے پرانی تاریخ میں جہاں بھی کہیں بزدلی کا تذکرہ آتا تھا تو اسرائیلیوں کا یہی جملہ نقل کرتے تھے حدیث شریف میں آتا ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت مشرکین کے مقابلہ میں مدینہ منورہ سے نکلے تھے اس قافلے کا راستہ روکنے کے لئے جس کے نتیجہ میں غزوہ بدر پیش آیا مکہ معظمہ کی طرف سے لشکر آ گیا تھا ایک ہزار آدمی

مسلح اور آپ کوئی تیاری سے نہیں نکلے تھے تو اللہ تعالیٰ نے اختیار دے دیا کہ چاہے تو قافلے سے ٹکرا جاؤ چاہے اس لشکر سے ٹکرا جاؤ جس سے ٹکراؤ گے اللہ تمہیں فتح دے گا، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کا اقتضاء یہ تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے فتح کا وعدہ کرلیا ہے پھر تو طاقت ور لشکر سے ٹکرانا چاہیئے مزہ بھی آئے لڑنے کا، اور اس کے اوپر جب غلبہ حاصل ہو جائے گا تو قوت کا مظاہرہ بھی ہو جائے گا۔

اور قافلے میں ساٹھ آدمی ہیں ان کے پاس بھی پتہ نہیں کیا ہے کیا نہیں تو اگر تین سو تیرہ ان پر جا کر غلبہ پالیں گے تو یہ کوئی ایسی بہادری کا نشان نہیں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رجحان ادھر تھا، لیکن جو قوم ساتھ تھی مہاجرین اور انصار کی آپ ان کی رضا معلوم کرنا چاہتے تھے کہ ان کا ارادہ کیا ہے کیونکہ انصار کے ساتھ جو معاہدہ تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ یہ تھا کہ انصار نے کہا تھا کہ اگر مدینہ منورہ میں رہتے ہوئے آپ پر کوئی حملہ کرے گا تو ہم مداخلت کریں گے باہر نکل کر لڑنے کا معاہدہ ان کے ساتھ نہیں تھا اس لئے آپ ان کی رضا معلوم کرنا چاہتے تھے تو سب کو بٹھا دیا اور آپ نے صورت حال واضح کی کہ مکہ معظمہ سے بھی ایک ایسا لشکر آ گیا ہے تو کیا خیال ہے تمہارا ان سے ٹکرانا چاہیئے یا ان سے ٹکرانا چاہیئے، جس سے بھی ٹکراؤ گے اللہ تمہیں فتح دے گا اس طرح سے آپ نے ان کے سامنے تقریر کی مہاجرین میں سے اکثر حضرات نے تائید کی کہ ٹھیک ہے جس طرح سے آپ کا خیال ہو یہ مشرکین کی طرف سے جو لشکر آیا ہے مکہ معظمہ سے ہم اس سے ٹکرائیں گے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم مطمئن نہیں ہوئے بارہا آپ جھانک رہے تھے انصاریوں کی طرف کہ انصار کیا جواب دیتے ہیں مہاجرین کے جواب سے آپ کی طبیعت میں وہ بشاشت نہیں آئی۔

تو پھر انصار میں سے غالباً مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ اٹھ کر کھڑے ہوئے ان کی زبان سے یہ لفظ ادا ہوئے کہنے لگے یا رسول اللہ! ہمیں آپ موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے افراد نہ سمجھ لیجئے جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہہ دیا تھا ''اذھب انت وربك فقاتلا'' ہمیں ان جیسا نہ سمجھ لیجئے ہم تو آپ کے دائیں لڑیں گے بائیں لڑیں گے، آگے لڑیں گے پیچھے لڑیں گے اگر آپ ہمیں حکم دیں گے سمندروں میں گھوڑے ڈال دینے کا تو ہم سمندروں میں بھی گھوڑے ڈال دیں گے ہمیں آپ قوم موسیٰ علیہ السلام نہ سمجھ لیجئے تو جب یہ مقداد رضی اللہ عنہ نے بات کہی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ جو تھا خوشی کے ساتھ کھل گیا، چنانچہ بخاری شریف میں آتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مقداد رضی اللہ عنہ کی ایک بات جس کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پر اتنا سرور طاری ہوا میرے لئے قابل رشک ہے کہ ہائے کاش یہ سعادت مجھے نصیب ہوتی یعنی میں ایسی کوئی بات کہتا جس کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پر اتنا سرور آجاتا مقداد رضی اللہ عنہ کی بات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اتنا خوش ہوئے تھے، چنانچہ پھر ایسے ہی ہوا کہ جب جہاد کا موقع آیا تو اس قوم نے بہادری دکھائی

اور حضور ﷺ کے آگے پیچھے اپنی جانیں نچھاور کیں، اور کوئی ایک موقع بھی ایسا نہیں آیا کہ کہہ دیا ہو نہیں جی ہماری ہمت نہیں ہے آپ جائیں ایک موقع بھی ایسا نہیں آیا۔

اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ قوم موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں جنہوں نے اس قسم کی گستاخی کی تھی چالیس سال کے لئے وہ ریگستان میں اور ایک بنجر علاقے میں ان کو مقید کر دیا گیا اور وہ پریشان پھرتے رہے چالیس سال تک اور صحابہ کرام نے چالیس سال سے بھی کم مدت میں ساری دنیا کو فتح کر لیا، چالیس سال بھی نہیں لگے دنیا کے سمندروں کے کناروں تک پہنچ گئے جہاں تک رسائی ہو سکتی تھی وہاں تک پہنچ گئے اور علاقوں کے علاقے کھینچ لئے اس جذبے کا یہ نتیجہ نکلا اور اُس جذبے کا یہ نتیجہ نکلا کہ چالیس سال کے لیے محصور کر دیے گئے تو جب اسرائیلیوں کی طرف سے ایسا گستاخی کا جواب ملا تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور یہ وقت ہوتا ہے کہ دیکھو ایک شخص اپنی قوم پر محنت کرتا ہے کیسی کیسی مصیبتوں سے ان کو نکال کر لاتا ہے اپنے خیال کے مطابق ان کی تربیت پوری کرتا ہے پھر ان کو وعدہ خداوندی یاد دلاتا ہے لیکن پھر قوم اس کا ساتھ دینے سے انکار کر دے کہ نہیں ہم تو جاتے نہیں تو جا اور تیرا رب جائے تو ایسے وقت میں اندازہ کیجئے کہ اس قائد پر اس راہنما پر اس ہادی پر کیا گزرے گی۔

بنی اسرائیل کے جواب پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صدمہ:

تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طبعیت کے اندر بھی یہی دکھ اور صدمہ آیا تو اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ یا اللہ مجھے تو اپنی جان کا اختیار ہے یا بھائی کا کیونکہ بھائی ہارون وہ بھی نبی تھے ان سے کوئی توقع نہیں تھی کہ کوئی ایسی بات کر گزریں جو اللہ کی مرضی کے خلاف ہو وہ دو بھی اگرچہ فرمانبردار تھے لیکن چونکہ وہ نبی نہیں تھے تو اس لئے ان کے معصوم ہونے کا یقین نہیں کیا جا سکتا تھا تو ان پر بھی اعتماد نہیں کیا کہ یہ بھی اسی قوم کے فرد ہیں کیا معلوم بس میں اپنی جان کا اختیار رکھتا ہوں اور اپنے بھائی کا باقی کسی پر میرا زور نہیں چلتا، ہمارے اور ان کے درمیان فرق کر دے فرق کرنے کا مطلب ہم میں جدائی ڈال دے یا یہ ہے کہ جس برتاؤ کے مستحق ہم ہیں ہمارے ساتھ وہ برتاؤ کر اور جس برتاؤ کے وہ مستحق ہیں ان کے ساتھ وہ برتاؤ کر ہمارے درمیان فاصلہ کر دے۔

جہاد سے انکار کی سزا:

تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پھر پیغام آیا کہ اس کوتاہی کے نتیجے میں یہ علاقہ جو ہم نے ان کو دینے کا ارادہ کیا تھا جہاد کے نتیجہ میں وہ چالیس سال کے لئے ان پر حرام کر دیا گیا اب یہ اس علاقے کو حاصل نہیں کر سکیں گے اور یہ واپس بھی نہیں جا سکیں گے کہ گھر میں جا کر آرام سے وقت گزار لیں اسی علاقے کے اندر

حیران اور پریشان پھرتے رہیں گے چنانچہ وہ علاقہ جس کو صحرا سیناء کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں آج کل اخباروں میں آپ دیکھتے رہے ہوں گے جو پچھلے دنوں اسرائیل کے قبضے میں تھا اور آہستہ آہستہ انوار السعادت نے اس کو آزاد کروالیا ہے یہی علاقہ ہے جس کو آج صحرائے سیناء کہتے ہیں وادی تیہ یہی ہے، اس کے اندر پھر یہ چالیس سال تک حیران و پریشان پھرتے رہے۔

وادی تیہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہ السلام کے قیام کی نوعیت:

لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام بطور مصلح وہاں ٹھہرائے گئے تھے ان کے لئے سزا نہیں تھی اگرچہ جگہ وہی ہے جہاں وہ تھے وہیں یہ تھے لیکن یہ سزا یافتہ نہیں تھے باقی قوم سزا یافتہ ہے یہ مصلح ہونے کی حیثیت سے وہاں موجود تھے، بالکل آپ اس کی مثال اسی طرح سے سمجھ لیجئے کہ ہر ملک کے اندر ایک جیل ہوتی ہے جس میں مجرموں کو داخل کیا جاتا ہے لیکن اس جیل کے اندر حکومت کے کارندے بھی تو ہوتے ہیں جو ان کو کھانا پہنچاتے ہیں پانی دیتے ہیں ان کی نگرانی کرتے ہیں ان کو کھولتے ہیں باندھتے ہیں کام پر لگاتے ہیں وہ بھی تو اسی چاردیواری کے اندر ہوتے ہیں لیکن سارے جانتے ہیں کہ وہ سزا یافتہ ہیں اور یہ سزا یافتہ نہیں ہیں، جہنم کے اندر کافر جائیں گے تو وہاں فرشتے بھی تو ہوں گے عذاب دینے والے وہ بھی تو اس چاردیواری کے اندر ہوں گے لیکن کافروں کو کہیں گے جہنمی ہیں معذب ہیں، لیکن فرشتے جو وہاں کارندے ہیں وہ معذب نہیں ہیں، اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے ان بیماروں کے کیمپ میں یہ ڈاکٹر ہونے کی حیثیت سے گویا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اور ہارون علیہ السلام کو ٹھہرایا ہوا تھا پھر وہ بے چارے اس طرح سے محنت کرتے اور ان کے مشکل وقت میں اللہ تعالیٰ سے درخواستیں کر کے پھر ان کے لئے مراعات حاصل کرتے۔

حضرت یوشع علیہ السلام کی قیادت میں جہاد اور فتح شام:

بہرحال اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے اوپر وہ علاقہ حرام کر دیا گیا چالیس سال تک پھر یہ وہیں رہے اسی دوران میں حضرت ہارون علیہ السلام کا انتقال ہو گیا سب سے پہلے حضرت ہارون علیہ السلام کا انتقال ہوا ہے چھ مہینے کے بعد یا سال کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انتقال ہو گیا، اور پھر وہ پرانے پرانے اسرائیلی جن کا فرعون کے ساتھ زیادہ وقت گزرا تھا وہ مر مرا گئے چالیس سال کے اندر نئی نسل پیدا ہو گئی اور وہ جوان ہوئی اور ان کے اوپر وہ غلامی کے اثرات نہیں تھے جس طرح سے کہ بڑوں کے اوپر تھے تو پھر یوشع علیہ السلام کو نبوت ملی چالیس سال کے بعد پھر حضرت یوشع علیہ السلام کی قیادت میں پھر اس علاقے کے اندر جہاد ہوا اور اس جہاد کے نتیجے میں پھر یہ شام کا علاقہ جو تھا

اسرائیلیوں نے فتح کیا تو اللہ تعالیٰ نے جب یہ فیصلہ سنایا کہ اب یہ چالیس سال تک پریشان پھریں گے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر طبعی طور پر غم طاری ہوا ہوگا کہ ان نالائقوں کی اس نالائقی کی وجہ سے کتنی بڑی سعادت سے محروم ہو گئے کہ اب یہ علاقہ تو فتح نہیں ہوگا چالیس سال تک یہ دھکے کھاتے پھریں گے، اللہ تعالیٰ نے پھر کہا کہ یہ لوگ نافرمان ہیں یہ فاسق ہیں ان کے اوپر آپ غم نہ کریں ''فلاتأس علی القوم الفاسقین'' یہ بطور تسلی کے ہے۔

نتیجہ:

تو اس میں یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ لاڈلے چہیتے جو اپنے آپ کو سمجھتے ہیں کہ دیکھو جب انہوں نے اللہ کے احکام کے مقابلہ میں کوتاہی کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے یوں گرفت آئی تو جیسے دنیا کے اندر ان کے اوپر گرفت کی گئی ہے اسی طرح سے اگر یہ باز نہیں آئیں گے تو آخرت میں بھی ایسے معذب ہوں گے تو یہ باتیں اپنے دماغ سے نکال دیں، اور ان واقعات کو بیان کرکے ہمیں یہ تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ جب بھی اللہ تعالیٰ نے کسی قوم سے عہد و میثاق کیا وہ قوم اگر اس عہد و میثاق کی پابند ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کامیابی اور کامرانی ملتی ہے، اور اگر اس عہد و میثاق کو وہ توڑ بیٹھتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب میں مبتلاء ہوتے ہیں تو تمہیں بھی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے عہد و میثاق کی رعایت رکھو اور جو احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتے ہیں ان کی پابندی کرو تاکہ دنیا اور آخرت کی سعادت نصیب ہو اس واقعہ کو ذکر کر کے اہل ایمان کو یہ تنبیہ کرنا مقصود ہے۔

تفسیر باللفظ:

یاد کیجئے جب موسیٰ علیہ السلام نے کہا اپنی قوم کو اے قوم! یاد کرو اللہ کے احسان کو جو تم پر ہے اب اس میں سب کچھ آ گیا فرعون کے زمانے کے عذاب کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو ان کو نجات ملی اور جس طرح سے ان کو کامیابی ہوئی نعمت کے اندر سب کچھ ہے کیسے کیسے موقع پر اللہ نے ان کی دستگیری کی قرآن کریم کے اندر واقعات سارے کے سارے پھیلے ہوئے ہیں جب کہ اللہ نے تمہارے اندر انبیاء پیدا کیے اور تمہیں بادشاہ بنا دیا اس کی تفصیل آپ کے سامنے آ چکی اور تمہیں ایسی ایسی چیزیں دیں جو اللہ تعالیٰ نے عالمین میں سے کسی کو نہیں دیں، ایسا برتاؤ ہے اللہ تعالیٰ کا تمہارے ساتھ اس موجودہ دور میں ایسا برتاؤ کسی کے ساتھ نہیں ہے کیونکہ ''احد من العالمین'' سے اس زمانے کے لوگ مراد ہیں ورنہ تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی خیریت افضلیت قرآن کریم کے اندر دوسری آیات میں نمایاں ہے۔

لیکن اللہ تعالیٰ کا برتاؤ اسرائیلیوں کے ساتھ بعض جزئیات کے اندر جزوی جزوی واقعات ۔نا ر ریسا ہے

وہ کسی کے ساتھ نہیں اس طرح سے آپ عالمین سے عام بھی مراد لے سکتے ہیں جزوی فضیلت کے طور پر کہ دھوپ کے وقت میں بادل دیے گئے ہوں بھوک کے وقت میں من وسلویٰ دیا گیا ہو اور دشمن کو کسی ظاہری سبب کے بغیر دریا کے اندر غوطے دے دے کر مار دیا گیا ہو اس قسم کے برتاؤ اللہ تعالیٰ نے ان اسرائیلیوں کے ساتھ کیے ہیں وہ واقعی کسی دوسرے کے ساتھ نہیں کیے قومی سطح پر تو ایسے طور پر اگر عالمین کو عام لے لیا جائے تو بھی گنجائش ہے پھر یہ جزوی فضیلت ہوگی ان کی یا اس زمانے کے لوگ مراد ہیں گویا کہ جہاد کی ترغیب دینے کی تمہید ہے جو موسیٰ علیہ السلام نے باندھی ہے اے میری قوم! داخل ہو جاؤ ارض مقدسہ میں، شام کے علاقہ کو ارض مقدسہ کہا گیا ہے اس وجہ سے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جائے سکونت ہے تو اس کو ارض مقدسہ کہہ دیا توحید کی آواز پہلے یہاں سے ہی بلند ہوئی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے تو گویا کہ وہ علاقہ پاکیزہ علاقہ ہو گیا چاہے بعد میں وہاں مشرک آباد ہیں اور غیر اللہ کی پوجا کرنے والے آباد ہیں لیکن ایک دفعہ جب اس زمین کو تقدس حاصل ہو گیا تو بعد والا کفر اور شرک اس کو ختم نہیں کر سکا۔

تو بیت اللہ کعبۃ اللہ جس وقت مکرمہ بن گیا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے زمانہ میں اس کو بیت اللہ کا عنوان دے دیا گیا تو جب اس میں بت ہی بت رکھے ہوئے تھے پانچ سو بت تھے یا تین سو ساٹھ بت تھے جتنے بھی تھے جب اس کے ارد گرد بت ہی بت تھے تب بھی کعبۃ اللہ مکرم اور محترم تھا بعد میں آنے والی اس قسم کی نجاستیں جو ہیں وہ اس ارض مقدس کو نقصان نہیں پہنچاتیں تو یہاں وہی بات ہے کہ یہ زمین چونکہ نعرہ توحید کے ساتھ گونجی تھی حضرت ابراہیم علیہ السلام مدفون اور یہیں ان کی تبلیغ اور حضرت اسحاق علیہ السلام بھی یہیں مدفون یہی ان کا علاقہ حضرت یعقوب علیہ السلام ان سب کا علاقہ یہی تھا اس لئے اس کو ارض مقدس کہا گیا چاہے بعد میں وہ مشرکوں کے قبضے میں آ گئی جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا یعنی اس نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ تمہیں دے گا۔

"ولا ترتدوا علیٰ ادبارکم" اپنی پشتوں کے بل واپس نہ لوٹو، پیچھے کو نہ بھاگو یعنی مصر کی طرف لوٹ کر نہ جاؤ، جہاد کو چھوڑ کر واپس نہ آؤ "فتنقلبوا خاسرین" یہ تمہارا انقلاب خسارے کا انقلاب ہوگا آگے بڑھنے کی بجائے اگر تم پیچھے ہٹو گے تو یہ تمہارا انقلاب خسارے کا انقلاب ہے اور اگر آگے بڑھتے چلے جاؤ گے تو علاقہ جو ملے گا تمہیں وہ انقلاب نفع کا انقلاب ہے، پس لوٹو گے تم خسارہ پانے والے، کہنے لگے کہ اے موسیٰ علیہ السلام اس میں لوگ ہیں زبردست ان نمائندوں سے سن کر یہ باتیں انہوں نے معلوم کر لیں تھیں اور ہم ہرگز داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ وہاں سے نکل نہ جائیں اگر وہ نکل جائیں اس سے تو بے شک ہم داخل ہونے والے ہیں، کہاں ان دو آدمیوں نے جو ان میں سے ڈرتے ہیں "الذین یخافون" یخافون کا مفعول یہاں ظاہر نہیں کیا گیا کس سے ڈرتے ہیں عام

طور پر مفسرین نے یہاں یہ بات کہی کہ یخافون سے مراد ہے "یخافون اللہ" یعنی یہ دو جو تھے یہ اللہ سے ڈرنے والوں میں سے تھے اس لئے کسی غیر کا ڈر ان کے دل میں نہیں تھا، اور واقعہ بھی ہے کہ جو شخص صرف اللہ سے ڈرے باقی مخلوق کا ڈر اس سے نکل جاتا ہے چاہے خوف کی کیفیت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ سے لیکن باقی مخلوق کے مقابلہ میں اس کا دل مضبوط ہوتا ہے تو یہ خوف الٰہی رکھنے والوں میں سے تھے اس لئے دوسری قوم سے یہ ڈرے نہیں عام طور پر مفسرین نے یہی معنی بیان کیا ہے۔

لیکن بعض نے یوں بھی کہا کہ "الذین یخافون" سے مراد ہے کہ وہ لوگ جن کے اوپر اس قوم کی ہیبت طاری ہوگئی تھی اور وہ خوف زدہ ہوگئے تھے بارہ کے بارہ ان میں سے یہ دو تھے چاہے یہ بھی ڈرنے والوں میں سے تھے لیکن اللہ نے ان کے اوپر انعام کیا اور یہ اس خوف سے متاثر ہو کر قوم کے سامنے بزدلی کا اظہار نہیں کر پائے بلکہ موسیٰ علیہ السلام کی ہدایت پر پابند ہونے کی وجہ سے وہ دل سے ڈرے ہوئے تھے وہاں کے حالات کو دیکھ کر لیکن موسیٰ علیہ السلام کے حوصلہ دلانے سے انہوں نے حوصلہ پکڑا اور قوم کے سامنے بات اس قسم کی کہی جیسے موسیٰ علیہ السلام نے ان کو کہنے کے لئے مامور کیا تھا تو "یخافون" سے مراد ہو جائے گا ڈرنے والے لوگ یعنی ان عمالقہ کو دیکھ کر ان کے اوپر خوف اور ہیبت طاری ہوا تھا، یہ انہی میں سے تھے لیکن اللہ نے انعام کیا اور ان کو ثابت قدم رکھا۔

تو جیسے غزوہ احد کی آیات آپ کے سامنے گزریں تو اس میں یہ لفظ آیا تھا "اذھمت طائفتان منکم ان تفشلا واللہ ولیھما" کہ تم میں سے دو گروہوں نے بزدل بننے کا ارادہ کیا تھا ہمت چھوڑنے کا ارادہ کیا تھا لیکن اللہ ان کا دوست ہے اس لئے ان کو بزدل نہیں بننے دیا اسی طرح یہ تھے اگرچہ انہیں ڈرنے والوں میں تھے لیکن اللہ نے ان کے اوپر انعام کیا کہ خوف کے اثرات ظاہر نہ ہوئے بلکہ موسیٰ علیہ السلام کی ہدایت کے مطابق یہ ثابت قدم رہے، تو یہاں یہ مفہوم بھی ہو سکتا ہے جن پر اللہ نے انعام کیا انعام یہی تھا کہ وہ ثابت قدم رہے اور مخلوق سے ڈر کر انہوں نے حوصلہ نہیں چھوڑا کہ داخل ہو جاؤ ان پر دروازے میں سے، دروازے سے شہر کا پھاٹک مراد ہے اور جب تم اس میں داخل ہو جاؤ گے تو بے شک تم غلبہ پانے والے ہو، اور اللہ پر بھروسہ کرو اگر تم ایمان والے ہو جب تمہارا ایمان ہے تو تم ظاہری طور پر کیوں دیکھتے ہو کہ ہمارے وجود چھوٹے چھوٹے ہیں ان کے وجود بڑے ہیں ہم میں اتنی طاقت نہیں ان میں اتنی زیادہ طاقت ہے، اس چیز پر نظر نہ ڈالو اللہ پر بھروسہ کرو۔

تو کہنے لگے اے موسیٰ! ہم ہرگز اس علاقے میں داخل ہونے والے نہیں کبھی بھی "انا لن ندخلھا ابدا" یہ سب لفظ جو ہیں دیکھو کتنے زوردار ہیں بے شک ہم ہرگز داخل ہونے والے نہیں اس علاقے میں کبھی بھی جب تک

وہ اس علاقے میں ہیں فیصلہ سن لو ہماری طرف سے ہم نہیں جائیں گے "فاذھب انت وربك فقاتلا" تو اور تیرا رب جاؤ تم دونوں مل کر لڑو "انا ھٰھنا قاعدون" ہم تو یہاں سے سرکنے والے نہیں، ہم تو یہیں جم کر بیٹھیں گے اس سے آگے قدم نہیں اٹھائیں گے بالکل ہمارا آخری حتمی فیصلہ ہے موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اے میرے رب! بے شک میں نہیں اختیار رکھتا مگر اپنی جان کا اور اپنے بھائی کا پس تو جدائی ڈال ہمارے درمیان اور ان نافرمان لوگوں کے درمیان، فیصلہ کر دے ہمارے اور ان کے درمیان اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک یہ علاقہ حرام کر دیا گیا ہے چالیس سال تک۔

"یتیھون فی الارض" یہ جس علاقے میں ہیں اس وقت اس میں حیران پریشان سرگرداں پھریں گے اس لئے اس علاقے کو وادی تیہ کہا جاتا ہے حیرانی کا علاقہ اور وہ کتنا بڑا علاقہ ہے تفسیری روایات کے تحت زیادہ سے زیادہ اس کا طول وعرض جو ہے وہ نوے میل لمبا اور اٹھارہ میل چوڑا ہے اتنا سا علاقہ ہے جس کے اندر یہ چالیس سال گھومتے پھرتے رہے اور ان کو راہ نہیں ملا واپس آنے کا سارا دن چلتے جب شام ہوتی تو دیکھتے جہاں سے چلے تھے وہیں کے وہیں پہنچے ہوئے ہیں ایسا دماغ کو چکر ہوتا کہ وہاں سے نکلنے کے لئے ان کو راستہ نہیں ملا یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو جیل میں ڈال دیا لیکن اللہ کی جیل کے لئے ظاہری اسباب ضروری نہیں کہ اردگرد فصیل بنائی ہوئی ہو یا ان کو زنجیروں میں جکڑا ہوا ہو یا وہاں کوئی پہرے دار کھڑے کر دیے ہوں کہ اس علاقے سے نکلنا نہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے حواس ہی ایسے مختل کر دیے اور کائنات کے آثار ہی اس قسم کے بنا دیے کہ جدھر کو بھی نکلتے بھاگتے شام کو وہیں پہنچ جاتے تھے جہاں سے یہ چلے تھے چالیس سال ان کے اسی طرح سے حیرانی اور پریشانی میں گزر گئے گویا کہ یہ تکوینی جیل تھی جس کے اندر ان کو ڈال دیا گیا حیران پھریں گے علاقے میں "فلاتأس علی القوم الفاسقین" آپ نافرمان لوگوں پر غم نہ کریں۔
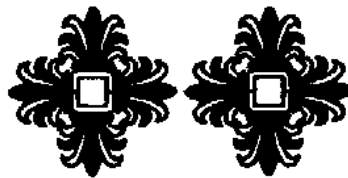
وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا

آدم کے دو بیٹوں کا واقعہ ان پر صحیح پڑھیے ، جب ان دونوں نے قربانی پیش کی ان دونوں میں سے ایک کی طرف سے وہ قربانی قبول کر لی گئی

وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ؕ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ؕ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ

اور دوسرے کی طرف سے قبول نہیں ہوئی ، اس نے کہا کہ میں تجھے البتہ ضرور قتل کردوں گا ، اس نے کہا سوائے اس کے نہیں کہ قبول کرتا ہے

اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَاۤ

اللہ تعالیٰ متقین کی طرف سے ﴿۲۷﴾ اگر تو نے پھیلایا میری طرف اپنا ہاتھ تاکہ تو مجھے قتل کردے تو نہیں ہوں

اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ

میں تیری طرف پھیلانے والا اپنے ہاتھ کو تاکہ میں تجھے قتل کردوں ، بے شک میں ڈرتا ہوں اللہ سے جو رب

الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ

العالمین ہے ﴿۲۸﴾ بے شک میں ارادہ کرتا ہوں کہ لوٹ جا تو میرے گناہ کے ساتھ اور اپنے گناہ کے ساتھ پھر تو ہو جائے

اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ

جہنمیوں میں سے ، اور ظالمین کا یہی بدلہ ہے ﴿۲۹﴾ پھر اچھا کر دکھایا اس شخص کے لئے اس کے نفس نے

قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۳۰﴾ فَبَعَثَ اللّٰهُ

اپنے بھائی کے قتل کرنے کو پھر اس نے اپنے بھائی کو قتل کردیا پھر ہو گیا وہ خسارہ پانے والوں میں سے ﴿۳۰﴾ پھر اللہ نے بھیجا

غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ؕ

کوے کو وہ کھود کرید کرتا تھا زمین میں تاکہ دکھائے اس قاتل کو کہ کیسے چھپائے وہ اپنے بھائی کی لاش ،

قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ

اس قاتل نے کہا کہ ہائے میری خرابی کیا میں عاجز ہو گیا کہ میں اس کوے جیسا ہوتا کہ میں چھپاتا

سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ۚۛ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۚۛ

اپنے بھائی کی لاش کو ، پس ہو گیا وہ شرمساروں میں سے ﴿۳۱﴾ اسی وجہ سے

كَتَبْنَا عَلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ

لکھ دیا ہم نے بنی اسرائیل پر کہ بے شک جو قتل کرے گا کسی جان کو بغیر کسی جان کے

اَوْ فَسَادٍ فِى الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَمَنْ اَحْيَاهَا

یا قتل کرے گا کسی نفس کو بغیر فساد فی الارض کے پس گویا کہ اس نے سب لوگوں کو قتل کر دیا، اور جو اس نفس کو زندہ رکھے

فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ

گویا کہ اس نے زندہ رکھا سب لوگوں کو ، البتہ تحقیق آ گئے ان کے پاس ہمارے رسول واضح دلائل لے کر

ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِى الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿۳۲﴾ اِنَّمَا

پھر بے شک ان میں سے بہت سے لوگ اس کے بعد زمین میں البتہ زیادتی کرنے والے ہیں (۳۲) اس کے سوا کچھ نہیں

جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ

بدلہ ان لوگوں کا جو اللہ اور اللہ کے رسول سے محاربہ کرتے ہیں اور مچاتے ہیں زمین میں

فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ

فساد کہ ان کو قتل کر دیا جائے یا ان کو سولی دے دی جائے یا کاٹ دیا جائے ان کے ہاتھوں کو اور پاؤں کو

مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ؕ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْىٌ فِى الدُّنْيَا

مختلف جانب سے یا ان کو نکال دیا جائے علاقے سے ، یہ ان کے لئے رسوائی ہے دنیا میں

وَلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۳۳﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ

اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے (۳۳) مگر وہ لوگ جو توبہ کر لیں قبل اس کے

اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۴﴾ ع

کہ تم ان پر قدرت پاؤ ، پس جان لو تم بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے رحم کرنے والا ہے (۳۴)

تفسیر:

ماقبل سے ربط:

پیچھے سے مضمون چلا آرہا ہے بنی اسرائیل کا اللہ تعالیٰ کے معاہدے کی پرواہ نہ کرنا اور اللہ تعالیٰ کے عہد کو خواہشات کے ساتھ توڑ دینا، اور عہد کو توڑنے اور نافرمانی کے ساتھ ساتھ آخرت کے عذاب سے اپنے آپ کو بے خوف قرار دینا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنے مرتبے اور مقام کی وجہ سے "نحن ابناء الله واحباء ه" کے تحت جس طرح سے ذکر کیا گیا تھا کہ انہوں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے لئے اس طرح قرار دے رکھا ہے جس طرح سے کسی کے محبوب ہوتے ہیں یا جس طرح سے کسی کے چہیتے بیٹے ہوتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ اول تو ہمیں عذاب ہوگا نہیں اور اگر سزا ہوئی بھی تو معمولی ہوگی جس کی وجہ سے وہ بے باک ہو گئے اور آخرت کے عذاب سے وہ ڈرتے نہیں ہیں اس کی تردید کے لئے کچھ باتیں پیچھے ذکر کی گئی تھیں اور اس مفصل رکوع میں جہاد کا ذکر آیا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان کو جہاد کی ترغیب دی اور انہوں نے جی چرایا اور جو معاہدہ انہوں نے کیا تھا اس کی خلاف ورزی کی کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے ان کو کس طرح کی سزا میں مبتلا کیا کہ چالیس سال تک وہ دھکے کھاتے پھرتے رہے اور ان کو کوئی عزت کا ٹھکانہ نہ ملا تو عہد کی خلاف ورزی کے نتیجہ میں یہ بھی ان کو سزا دنیا کے اندر ہوئی تھی۔

اور یہ آیات جو اس وقت آپ کے سامنے پڑھی گئی ہیں اس کے ابتدائی حصہ میں جیسا کہ آپ نے ترجمہ میں سن لیا آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا تذکرہ ہے جن میں سے ایک بچہ تقویٰ کا حامل تھا، اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کرنے والا تھا، اور ایک ایسا تھا جس نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کی اور اس نافرمانی کے نتیجہ میں اس نے اپنے بھائی کو ناحق قتل کر دیا تو جس کی وجہ سے دنیا کے اندر بھی اس نے خسارہ پایا اور پچھتانے والوں میں سے ہوا اور آخرت میں بھی وہ اللہ تعالیٰ کی سزا کا مستحق ہوگا جس طرح سے حدیث شریف میں ظاہر کیا گیا ہے، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہاں کہیں بھی کوئی شخص ظلماً قتل ہوتا ہے تو قاتل تو مجرم ہے ہی لیکن آدم علیہ السلام کا پہلا بیٹا قابیل جس نے اس قتل کے طریقے کو جاری کیا تھا جو بانی بنا اس طریقے کا وہ بھی اس گناہ کے اندر برابر کا شریک ہوتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آخرت کے اندر وہ مجرم ہی ہے اس کا گناہ جو تھا وہ معاف نہیں ہوا اور آئندہ ظلماً جو بھی قتل ہوگا اس سے بھی سبب بننے کے طور پر گناہ کا حصہ اس کو بھی ملتا ہے چونکہ یہ طریقہ جاری اس نے کیا ہے اچھا طریقہ جاری کرنے والے کو عمل کرنے والوں کے برابر ثواب ملا کرتا ہے اور برا طریقہ جاری کرنے والوں کو عمل کرنے والوں کے برابر وبال ہوتا ہے، وہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ آخرت میں بھی وہ شخص معذب ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی گرفت میں ہوگا تو دنیا کا نقصان بھی اٹھایا اور آخرت کا بھی۔

ہابیل اور قابیل کا قصہ:

”واتل علیھم نبا ابنی ادم بالحق“ سے حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں قابیل اور ہابیل کا قصہ بیان کیا گیا ہے تاریخی طور پر بہت مشہور واقعہ ہے روایات میں آتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے ہاں جو اولاد ہوتی تھی تو ایک ہی حمل سے لڑکا اور لڑکی پیدا ہوتے تھے دوسری بار دوسرے حمل سے پھر لڑکا لڑکی پیدا ہوتے تھے اب چونکہ حقیقت میں تو سب آپس میں بہن بھائی ہیں کیونکہ ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں اگرچہ پیدائش میں تاخیر و تقدیم ہے لیکن چونکہ نسل انسانی کی ابتداء تھی اور اس سلسلہ کو آگے بڑھانا مقصود تھا اس لیے اس حمل سے جو لڑکا پیدا ہوتا اس کا نکاح پہلے حمل سے پیدا ہونے والی لڑکی سے کر دیا جاتا۔

البتہ ایک ہی حمل سے پیدا ہونے والے لڑکے اور لڑکی کا نکاح آپس میں درست نہ تھا ہوا یہ کہ قابیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی وہ کچھ خوبصورت تھی اور ہابیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی وہ اتنی خوبصورت نہ تھی اب جب قانون شریعت کے مطابق قابیل کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی کا نکاح ہابیل سے ہونے لگا تو قابیل نے ضد کی اور انکار کر دیا اور کہا کہ اس کا نکاح میرے ساتھ ہی ہوگا۔

بات حضرت آدم علیہ السلام تک پہنچی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا دونوں قربانی کرو جس کی قربانی قبول ہوگئی وہ حق پر ہوگا اور آپ جانتے تھے کہ ہابیل چونکہ حق پر ہے اس لیے اسی کی قربانی قبول ہوگی، ہابیل کے پاس کچھ جانور تھے اس نے ان میں سے ایک عمدہ قسم کا دنبہ قربانی کے لیے پیش کر دیا اور قابیل کاشتکاری کرتا تھا اس نے غلہ میں سے کچھ چیزیں گندم وغیرہ قربانی کے لیے دی اور ان دونوں کو پہاڑ کی چوٹی پر رکھ دیا اس وقت طریقہ یہ ہوتا تھا کہ قربانی کی چیز پہاڑ پر رکھ دی جاتی تھی آسمان سے آگ آتی تھی جو قربانی قبول ہوتی اس کو کھا جاتی تھی اور جو قبول نہ ہوتی اس کو ویسے ہی چھوڑ جاتی تھی اور فوراً پتہ چل جاتا تھا کہ قربانی قبول ہے یا نہیں؟ اب دیکھو؟ کتنا عجیب معاملہ ہے دنیا میں ہی پتہ چل جاتا تھا اور جس کی قبول نہ ہوتی اس کے لیے رسوائی کا باعث ہے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر اللہ تعالیٰ کا یہ احسان ہے کہ اللہ نے ان کے معاملہ کو دنیا کے اندر ظاہر نہیں فرمایا بلکہ حکم ہے کہ قربانی کرو اور فقراء میں تقسیم کر دو قبول ہے یا نہیں؟ اس کا علم اللہ کو ہے تاکہ دنیا میں رسوائی نہ ہو یہ امت محمدیہ پر بہت بڑا احسان ہے، جب دونوں نے قربانی کی تو ہابیل کی قربانی قبول ہوگئی اور قابیل کی قربانی ویسے ہی پڑی رہی جس سے پتہ چل گیا کہ قابیل کی ضد ناحق ہے اور شریعت سے بغاوت ہے۔

اب اس کو غصہ آیا کہ ایک تو میری بات نہیں مانی گئی اور دوسرا میری رسوائی بھی ہوگئی تو اس نے ہابیل کو دھمکی دی کہ میں تجھے قتل کردوں گا ہابیل نے بڑے ہی صبر وتحمل سے جواب دیا ''انما یتقبل اللہ من المتقین'' قربانی متقی لوگوں کی طرف سے قبول ہوتی ہے اگر تو بھی متقی ہوتا تو تیری طرف سے بھی قبول ہوجاتی اور پھر کہا اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ بڑھائے گا تو میں جواباً تجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ نہیں بڑھاؤں گا میں تو اللہ سے ڈرتا ہوں جو رب العالمین ہے۔

روایات میں ہے کہ ہابیل قوت میں قابیل سے زیادہ تھا لیکن اس نے مظلوم بن کر قتل ہونا گوارہ کرلیا لیکن قاتل بننا پسند نہیں کیا اسی لیے سرور کائنات ﷺ کا فرمان ہے کہ قیامت کے قریب فتنے بہت ہوں گے انسان صبح مؤمن ہوگا اور شام کو کافر، شام کو مؤمن ہوگا تو صبح کو کافر اتنی کثرت کے ساتھ فتنے آئیں گے اس وقت آدم کے بیٹوں میں جو اچھا بیٹا تھا اس کی طرح ہوجانا کیا مطلب؟ مظلوم بن کر قتل بھی ہونا پڑے تو ہوجانا لیکن قاتل نہ بننا۔

''فطوعت لہ نفسہ قتل اخیہ'' پھر اچھا دکھایا اس کے لیے اس کے نفس نے اپنے بھائی کے قتل کرنے کو یعنی دل میں آیا کہ قتل ہی کردوں تو اچھا ہے فقتلہ پھر اس نے اپنے بھائی کو قتل کردیا اور پھر وہ خسارہ پانے والوں میں سے ہوگیا۔

قابیل کا اپنے بھائی ہابیل کو دفن کرنا:

''فبعث اللہ غرابایبحث فی الارض'' اب اس نے اپنے بھائی کو قتل تو کردیا لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب اس کے ساتھ کیا کرے کیونکہ اس سے پہلے اس نے کوئی میت دیکھی نہ تھی کہ جس کو دفن کیا جاتا ہو تو اللہ تعالیٰ نے راہنمائی کے لیے کوا بھیجا جو دوسرے کوے کے ساتھ لڑ رہا تھا اس نے لڑتے ہوئے دوسرے کو ماردیا اور پھر زمین کریدنے لگا زمین میں گڑھا بنا کے اس کوے نے دوسرے کو اس میں ڈال کے اوپر سے مٹی ڈال دی قابیل یہ سارا منظر دیکھ رہا تھا تو اس کو بھی پتہ چل گیا کہ ایسے کرنا ہے پھر حسرت اور افسوس کرتے ہوئے کہنے لگا ''یویلتیٰ اعجزت ان اکون مثل ھذا الغراب فاواری سوءۃ اخیہ'' افسوس میری حالت پر کیا میں اس سے بھی عاجز ہوگیا کہ اس کوے کی طرح ہوجاؤں اور پھر اپنے بھائی کی لاش کو چھپاؤں یعنی مجھ سے تو یہی اچھا ہے جس کو اس چیز کا پتہ ہے اور مجھے اتنا بھی پتہ نہیں کہ اپنے بھائی کی لاش کہاں چھپاؤں؟

ایک نفس کا قتل تمام انسانوں کے قتل کے برابر ہے:

''من اجل ذلک'' حضرت آدم علیہ السلام کے ایک بیٹے نے ظلم کرتے ہوئے چونکہ اپنے بھائی کو قتل کردیا اس

وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ بات لکھ دی یعنی ان کی شریعت کا قانون بنادیا ''انه من قتل نفساً بغير نفس'' جو شخص کسی دوسرے کو جان کے بدلے کے علاوہ قتل کرے ''او فسادٍ فی الارض'' یا وہ قتل زمین میں فساد کو روکنے کے لیے نہیں ہے یعنی شریعت جن صورتوں میں قتل کا حکم دیتی ہے ان کے علاوہ قتل کیا ہے ''فکانما قتل الناس جمیعاً'' تو یہ ایسے ہے جیسے اس نے سب لوگوں کو قتل کر دیا کیا مطلب؟ ایک شخص کو قتل کرنے کا گناہ ایسا ہے جیسا کہ سب لوگوں کو قتل کرنے کا گناہ ہے اور جس نے کسی ایک کو زندہ رکھا اس نے گویا کہ سب کو زندہ رکھا اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ ایک نے ظلماً ایک شخص کو قتل کر دیا جواب میں انہوں نے ان کا بندہ مار دیا یوں لڑائی شروع ہوگئی اور بہت سارے لوگ قتل ہوگئے تو پہلا شخص جس نے قتل کیا ہے وہ قاتل ہے ایک کا لیکن سبب بننے کی وجہ سے سب قتل اس کے ذمے ہوں گے کیونکہ ابتداء اسی سے ہوئی ہے اور دوسرے لوگوں کے قتل کا سبب وہ بنا ہے۔

جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو شخص بھی ظلماً قتل ہوگا حضرت آدم علیہ السلام کا بیٹا اس گناہ میں شریک ہوگا کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کی بنیاد ڈالی۔

'' لقد جاء تھم رسلنا بالبینت '' ان کے پاس ہمارے رسول واضح نشانیاں لے کر آئے پھر بھی ان میں سے بہت سارے لوگ زمین میں اسراف یعنی حد سے تجاوز کرنے والے ہیں یہ بنی اسرائیل کی نافرمانیوں اور ان کی حکم عدولیوں کا ذکر کر دیا۔

''انما جزاء الذین'' کا شان نزول:

اس آیت کے شان نزول میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ قبیلہ عرینہ کے چند لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر اسلام قبول کر لیا پھر مدینہ منورہ کی ہوا ان کے موافق نہ آئی تو وہ بیمار ہوگئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنگل میں چلے جاؤ اور وہاں جو ہمارے صدقے کے اونٹ چرتے ہیں وہاں رہو ان کا دودھ بھی پیو اور پیشاب بھی وہ جنگل میں چلے گئے انہوں نے اونٹوں کا دودھ اور پیشاب پیا تو وہ ٹھیک ہوگئے پھر انہوں نے چرواہے کو قتل کر دیا اور اونٹ بھگا کر لے گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ چلا تو آپ نے ان کے پیچھے آدمی بھیجے جب ان کو پکڑ کر لایا گیا تو ان کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیے گئے اور ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری گئیں اور ان کو دھوپ میں ڈال دیا گیا جس سے وہ مر گئے یہ آیت اسی واقعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

ڈاکوؤں کی سزا:

اس آیت میں ڈاکوؤں کی سزا بیان کی گئی ہے جو طاقت اور قوت کے ساتھ اللہ کی نافرمانی کرتے ہیں زمین

میں فساد پھیلاتے ہیں ان کے لیے چار قسم کی سزائیں بیان کی گئیں ہیں اور یہ سزائیں مختلف جرائم کے اعتبار سے ہیں جس قسم کا جرم ہوگا ویسی ہی سزا ہوگی اگر ڈاکوؤں نے قتل بھی کیا ہو اور مال بھی لوٹا ہو تو ان کو قتل بھی کیا جائے گا اور سولی پر بھی لٹکایا جائے گا اور اگر صرف قتل کیا ہے مال نہیں لوٹا تو بدلے میں صرف قتل کیا جائے گا اور اگر مال لوٹا ہے قتل نہیں کیا تو ہاتھ پاؤں مخالف سمت سے کاٹ دیے جائیں گے اور اگر نہ قتل کی نوبت آئی ہے اور نہ ابھی تک مال لوٹا ہے بلکہ صرف راہزنی کے لیے ابھی بیٹھے ہی تھے جس سے لوگوں میں خوف و ہراس پھیل گیا ہو تو ان کو زمین سے نکال دیا جائے یہ چار قسم کی سزائیں چار مختلف جرائم کی ہیں۔

اور پھر یہ جو آیا ہے کہ اس کو زمین سے نکال دیا جائے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے اس کو جیل میں ڈال دیا جائے جب تک توبہ نہ کرے جیل میں ہی رکھا جائے یہ تفسیر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے اور فقہ حنفی کی بنیاد اسی پر ہے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مسلک ہے جبکہ دوسرے بعض علماء کہتے ہیں کہ حاکم کو اختیار ہے چار سزاؤں میں جو سزا بھی اختیار کر لے کر سکتا ہے ان کے نزدیک یہ مختلف احوال پر محمول نہیں ہیں بلکہ حاکم وقت کی صوابدید پر محمول ہیں ''ذلك لهم خزىٌ في الدنيا'' یہ تو ان کی دنیا کی زندگی کی سزا اور رسوائی ہے اس سے گناہ معاف نہیں ہوا جب تک کہ توبہ نہ کریں ''ولهم في الآخرة عذاب عظيم'' اور آخرت میں ان کے لیے بڑا عذاب ہے یہی دلیل ہے ان حضرات کی جو کہتے ہیں کہ سزائیں کفارہ نہیں بنتیں سزا کی معافی کے لیے توبہ ضروری ہے اگر دنیا کی سزا سے ہی گناہ معاف ہو جائے تو آخرت کا عذاب کیوں ہو؟

استثنائی صورت:

''الا الذين تابوا من قبل ان تقدروا عليهم'' سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے توبہ کر لی قبل اس کے کہ تم ان پر قدرت پاؤ یہ پچھلے حکم کی ایک استثنائی صورت بیان کر دی کہ اگر کوئی ڈاکو حاکم کی گرفت میں آنے سے پہلے توبہ کر لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی توبہ قبول ہے توبہ کرنے سے شرعی حد معاف ہو جائے گی البتہ حق العبد معاف نہیں ہوگا اگر کسی کو قتل کیا ہے تو اولیاء کی رضا کے ساتھ قصاص یا دیت یا معافی ہو سکتی ہے اور جو مال لوٹا ہے اس کا واپس کرنا بھی ضروری ہوگا۔
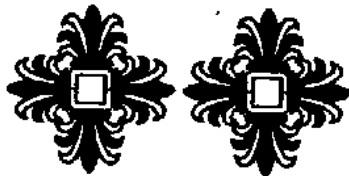
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور تلاش کرو اس کی طرف وسیلہ اور جہاد کرو اس کی راہ میں

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۳۵﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّ لَهُم مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا

تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ ﴿۳۵﴾ بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اگر ان کے پاس وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے

وَمِثْلَهُ مَعَهُ لِيَفْتَدُوا بِهِ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا تُقُبِّلَ

اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور تا کہ بدلہ میں دیں اپنے قیامت کے دن عذاب سے تو قبول نہیں کیا جائے گا

مِنْهُمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۳۶﴾ يُرِيدُونَ أَن يَخْرُجُوا مِنَ النَّارِ

ان سے ، اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے ﴿۳۶﴾ وہ ارادہ کریں گے کہ دوزخ سے نکلیں

وَمَا هُم بِخَارِجِينَ مِنْهَا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿۳۷﴾

حالانکہ وہ اس سے نکلنے والے نہیں ، اور ان کے لیے ہمیشہ باقی رہنے والا عذاب ہے ﴿۳۷﴾

تفسیر

ماقبل سے ربط:

گذشتہ آیات میں ڈاکوؤں کی سزا کا ذکر تھا آئندہ آیات میں چور کی سزا کا ذکر آرہا ہے درمیان میں اطاعت عبادت اور تقویٰ کی طرف متوجہ کر دیا تا کہ ان جرائم سے رکنا آسان ہو جائے۔

توسل کا مسئلہ:

بیان کیا جا رہا ہے'' یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ '' اس آیت میں تقویٰ کے ساتھ ساتھ وسیلہ کو توسل کے مسئلہ میں عام طور پر اس روایت کو بھی ذکر کیا کرتے ہیں جو مشکوٰۃ کے باب فضل الفقراء میں ہے یہ اصل کے اعتبار سے بخاری کی روایت ہے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے دل میں خیال آیا کہ مجھے دوسروں پر فوقیت حاصل ہے کیونکہ توسل کرتے تھے اور اچھے آدمی تھے ان کے دل میں خیال آیا کہ مجھے فوقیت حاصل ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں مدد کئے جاتے تم اور نہیں رزق دیئے جاتے تم مگر اپنے ضعفاء کی برکت سے (مشکوٰۃ ص ۴۴۶) گویا کہ تکوین میں

اللہ تعالیٰ نے ضعفاء کو ذریعہ اور سبب بنایا ہوا ہے رزق کے ملنے کا اور نصرت کے حاصل ہونے کا تو جب سرور کائنات ﷺ نے اس کا اظہار فرمادیا تو گویا کہ تشریعاً بھی اس کو گوارہ کرلیا گیا اب اس تکوینی واسطے کو اگر کوئی شخص اپنی دعا میں ذکر کرے اور کہے کہ اے اللہ ہمارے ضعفاء کی برکت سے ہمیں نصرت عطا فرمایا رزق عطا فرما تو یہ شریعت کے مزاج کے خلاف نہیں ہے۔

اور قرآن کریم میں اہل کتاب کا ذکر کرتے ہوئے سورۃ البقرۃ میں جو لفظ آئے ہیں "وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا" کہ یہ یہود اس سے قبل یعنی قرآن کریم نازل ہونے سے قبل یا سرور کائنات ﷺ کے تشریف لانے سے قبل فتح طلب کیا کرتے تھے ان لوگوں کے خلاف جنہوں نے کفر کیا، "استفتح" کے یہاں دو معنی ذکر کیے گئے ہیں بیان القرآن میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہ ذکر کیا ہے کہ کفار پر یہ کھول کھول کر بیان کیا کرتے تھے آنے والی کتاب کا بھی تذکرہ کیا کرتے تھے کھلے الفاظ میں، اور سرور کائنات ﷺ کا تذکرہ بھی کیا کرتے تھے کہ ایک ایسے پیغمبر آنے والے ہیں پھر ہم ان کے ساتھ مل کر تمہارے ساتھ قتال کریں گے اور فتح پائیں گے، لیکن دیگر مفسرین نے اور عربی مفسرین نے بھی اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہاں یہ مطلب ذکر کیا کہ چونکہ ان کی کتابوں میں نبی آخر الزمان کا ذکر تھا اور آنے والی کتاب کا ذکر تھا تو اپنی دعاؤں کے اندر وہ یوں کہا کرتے تھے کہ اے اللہ! نبی آخر الزمان کے طفیل فتح نصیب فرما کافروں کے خلاف۔

اس قسم کی روایت اس آیت کی تفسیر کے اندر بھی علماء نے نقل کی ہے اور ہمارے قریبی بزرگ علماء دیوبند کے سرخیل حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ان کا قصیدہ چھپا ہوا ہے اس کے اندر بھی اس قسم کے الفاظ آتے ہیں توسل مشائخ کے سلسلہ میں جو ان کا قصیدہ چھپا ہوا ہے اس میں بھی بحق کے ساتھ دعا کی گئی ہے اور بالکل اسی طرح سے مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بھی ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ شہاب ثاقب میں اس قسم کے الفاظ ہیں کہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ متوسلین کو ہمیشہ توسل اولیاء طریقت کا ارشاد فرماتے تھے، اور شجرہ طیبہ خاندانی چشتیہ قدسیہ امدادیہ ان کو عطا فرماتے تھے جس میں یہ الفاظ ہوتے تھے، الٰہی بحرمت سیدنا و مولانا فلاں بن فلاں، اس قسم کے الفاظ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے طریق کے اندر بھی ذکر کیے گئے ہیں، بہرحال روایات حدیث کے اشارے سے یہ بات ثابت ہے اور اسی طرح روایات تفسیر کے اندر اس کا ذکر آتا ہے۔

علماء کے کلام کے اندر بحق فلاں کے ساتھ ذکر آیا ہوا ہے تو علماء دیوبند کے نزدیک اس طرح سے دعا کرنی جائز ہے اور ہم اس کو باعث برکت سمجھتے ہیں اور قبولیت کے لئے اس کو ایک ذریعہ سمجھتے ہیں جس طرح سے باقی

چیزوں کوذریعہ کے طور پر اختیار کیا جاتا ہے تو اس طرح سے توسل کرنے کو بھی قبولیت دعا کے لئے ایک ذریعہ سمجھ کر اختیار کیا جاتا ہے، تو اس طرح سے توسل کرنے کو بھی قبولیت دعا کے لئے ایک ذریعہ سمجھ کر اختیار کیا جاتا ہے۔

مسئلہ توسل کے بارے میں صاحب ہدایہ و دیگر فقہاء کا مسلک:

اس بارے میں اگر کوئی اشکال کیا جاسکتا ہے تو وہ ہدایہ کی عبارت سے ہے کہ ہدایہ جلد رابع میں باب الکراہیۃ میں صاحب ہدایہ کہتے ہیں "ویکرہ ان یقول فی الدعاء بحق فلان" کہ دعا کے اندر یہ الفاظ بولنا کہ بحق فلاں میری دعا قبول کی جائے بحق انبیاء علیہم السلام قبول کرلی جائے یہ مکروہ ہے ناپسندیدہ ہے کیونکہ مخلوق کا کوئی حق خالق کے ذمہ نہیں ہے، جس کا واسطہ کیا جائے اس عبارت کی حقیقت کو سمجھ لیجئے تفسیر عزیزی میں اس آیت کے ساتھ جہاں حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کرنے کا ذکر ہے "فتلقیٰ آدم من ربہ کلمات فتاب علیہ" اس کے تحت روایت نقل کی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے دعا کی تھی تو وہ دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی اور پھر اس کے ضمن میں انہوں نے توسل کے مسئلہ پر بھی بحث کی اور فقہاء کی اس عبارت کو بھی نقل کیا ہے کہ فقہاء نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے اس کی حقیقت کیا ہے؟

ہدایہ و دیگر عبارات کا جواب:

فرماتے ہیں کہ اصل بات یہ ہے کہ حق کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کہ بندوں کا حق اس کے ذمہ ہے یہ عنوان صحیح احادیث میں بھی آیا ہے اور قرآن کریم میں بھی آیا ہوا ہے ایک متفق علیہ روایت ہے بخاری و مسلم کے اندر ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ حمار پر سوار تھے اور پیچھے معاذ رضی اللہ عنہ تھے تو معاذ کو خطاب کرکے کہا کہ "یامعاذ اتدری ماحق اللہ علی العباد وماحق العباد علی اللہ" اے معاذ! تجھے پتہ ہے کہ اللہ کا حق بندوں کے ذمہ کیا ہے اور بندوں کا حق اللہ کے ذمے کیا ہے تو وہاں یہ لفظ ہے "وحق العباد علی اللہ" بندوں کا حق اللہ کے ذمہ کیا ہے؟ یہ تو یہاں " حق علی اللہ " کا لفظ آیا ہوا ہے اگرچہ اس میں توجیہ کی گئی ہے کہ حق تفضلی ہے وجوبی نہیں ہے اللہ کا حق بندوں کے ذمہ تو وجوبی ہے جس کا ادا کرنا ضروری ہے باقی بندوں کے ساتھ کسی قسم کا معاملہ اللہ کے ذمے ضروری نہیں وہ اس کی اپنی حکمت اور مصلحت پر ہے چاہے کرے چاہے نہ کرے مشارکۃً اس کو حق سے تعبیر کردیا گیا بہرحال حق کی نسبت بندوں کے لئے اللہ کے ذمے یہ آئی ہوئی ہے "ماحق العباد علی اللہ"۔

اور قرآن کریم میں بھی اس قسم کے الفاظ ہیں "کان حقا علینا نصر المؤمنین" مؤمنین کی مدد کرنا ہمارے ذمہ ہے حق ہے تو یہاں بھی حق کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے "کان حقا علینا" تو یہ کہنا کہ مخلوق کا

خالق کے ذمے حق نہیں یہ عبارت ان روایات اور آیات کے خلاف ہے اللہ تعالیٰ کی طرف حق کی نسبت کی گئی ہے کہ بندوں کا حق اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے لیکن وہ حق تفضلی ہے یہ تشریح کرنی پڑے گی اہل سنت والجماعت کے عقیدے کے ساتھ، باقی فقہاء نے یہ جو لکھا ہے ''لا حق للمخلوق علی الخالق'' یہاں حق سے حق وجوبی مراد ہے اصل بات یہ ہے کہ معتزلہ کا گروہ پیدا ہو گیا تھا جو اللہ تعالیٰ کے ذمہ جزا اور سزا کو واجب قرار دیتا تھا کہ اگر بندہ اس کے بتائے ہوئے قانون کے مطابق عمل کرتا ہے تو پھر اس کی جزا یا سزا اللہ کے ذمہ واجب ہے گویا کہ وہ بندے کا حق اللہ کے ذمہ اس طرح سے لگاتے تھے جس طرح سے اللہ کا حق بندے کے ذمہ لگا ہوا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی شان اور اس کی عظمت کے منافی ہے کہ بندوں کا حق اللہ کے ذمے لازم قرار دیا جائے، یہ لازم نہیں ہے۔

بندہ دنیا کے اندر اللہ تعالیٰ کی جتنی نعمتیں کھاتا ہے ساری زندگی عبادت کرتا رہے ان نعمتوں کا حق ادا نہیں کر سکتا تو ثواب واجب اللہ کے ذمہ کس طرح سے ہو گیا یہ بات اہل سنت والجماعت کے عقیدے کے خلاف ہے اور عقلاً بھی بعید ہے تو جب اس گروہ کا چرچا تھا تو وہ حق کا لفظ بولتے تھے تو حق وجوبی مراد لیتے تھے تو اس لئے اہل حق علماء نے اس لفظ کے بولنے کی ممانعت کر دی کہ بحق فلاں کے ساتھ دعا نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ سننے والا سنے گا تو سمجھے گا کہ یہ بھی معتزلہ کی طرح اللہ تعالیٰ کے ذمہ حق وجوبی کا قائل ہے اس تشبہ کی بناء پر اس مشابہت سے بچنے کے لئے یہ الفاظ بولے گئے کہ ''لاحق للمخلوق علی الخالق'' اس لئے بحق فلاں کے ساتھ دعا نہیں کرنی چاہیئے، یہ ایک وقتی مصلحت تھی اور جب اس مسلک کے لوگ جو حق وجوبی کے قائل تھے وہ نہ رہے اور نہ لوگوں کے ذہنوں میں اس قسم کی بات ہے تو قرآن کریم کے اندر بھی جب یہ اصطلاح استعمال کی گئی ہے ''کان حقا علینا'' اور حدیث شریف میں ''حق العباد علی الله'' کا عنوان اختیار کیا گیا ہے تو بحق فلاں کہنے میں کوئی حرج نہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس عبارت کی شرح اس طرح فرمائی ہے لہٰذا فقہاء کی اس عبارت سے مغالطے میں نہیں پڑنا چاہیئے، یہ بات بھی اپنی جگہ صحیح ہے اب بھی اگر کسی شخص کا عقیدہ ہو کہ حق سے حق وجوبی مراد ہے تو اس کے لئے حق فلاں کا لفظ استعمال کرنا ناجائز ہو گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ مخلوق کا کوئی حق واجب نہیں ہے تو علماء اہل حق کے مسلک کے تحت اس طرح سے دعا کا جواز ہے اور واقعہ ہے کہ وہ اس طرح سے کرتے تھے اس لئے کسی شک وشبہ میں مبتلا نہیں ہونا چاہیئے اور خوامخواہ تعصب میں مبتلا ہو کر ان عبارات کو غلط قرار دینا کم از کم اپنے علماء کے ساتھ نسبت کو کمزور کرنا ہے۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ

چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت پس تم کاٹ دیا کرو ان دونوں کے ہاتھ بدلہ کے طور پر جو کچھ انہوں نے کیا سزا کے طور پر

اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۳۸﴾ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ

اللہ کی طرف سے، اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے حکمت والا ہے ﴿۳۸﴾ پھر جو شخص توبہ کر لے اپنے جرم کے بعد اور اپنے حال کو درست کر لے

فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۹﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ

پس بے شک اللہ تعالیٰ اس پر متوجہ ہوتے ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے رحم کرنے والا ہے ﴿۳۹﴾ کیا تجھے معلوم نہیں کہ بے شک

اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ

اللہ تعالیٰ اسی کے لئے سلطنت ہے آسمانوں کی اور زمین کی، عذاب دے گا جس کو چاہے گا بخشے گا

لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۰﴾ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ

جس کو چاہے گا، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کے اوپر قدرت رکھنے والا ہے ﴿۴۰﴾ اے رسول

لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا

غم میں نہ ڈالیں تجھے وہ لوگ جو کفر میں دوڑ دوڑ کر جاتے ہیں خواہ وہ ان لوگوں میں سے ہوں جنہوں نے کہا

اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۛ

اپنے منہ کے ساتھ ہم ایمان لے آئے حالانکہ ان کے دل ایمان نہیں لائے، اور خواہ وہ ان لوگوں میں سے ہوں جو یہودی ہیں،

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ؕ يُحَرِّفُوْنَ

بہت سننے والے ہیں جھوٹ کو سننے والے اور لوگوں کے لئے جو کہ آپ کے پاس نہیں آئے، پھیر دیتے ہیں

الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ

کلمات کو ان کلمات کے اپنی جگہ پر واقع ہونے کے بعد، کہتے ہیں کہ اگر تم یہ دیے جاؤ تو تم اس کو قبول کر لو

وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ؕ وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ

اور اگر تمہیں یہ نہ دیا جائے تو پھر بچ کر رہنا، اور وہ شخص کہ اللہ تعالیٰ ارادہ کر لے اس کی گمراہی کا فتنے میں ڈالنے کا پھر

تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا ۭ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ

تو اختیار نہیں رکھے گا اس کے لئے اللہ کی طرف سے کچھ بھی، یہی لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ارادہ نہیں کیا کہ پاک کردے

قُلُوْبَهُمْ ۭ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ښ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ

ان کے دلوں کو ، ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے ، اور ان کے لئے آخرت میں عذاب ہے

عَظِيْمٌ ۝۴۱ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ۭ فَاِنْ جَاۗءُوْكَ

بڑا ۝۴۱ بہت سننے والے ہیں جھوٹ کو اور حرام کو کھانے والے ہیں ، پھر اگر یہ لوگ آپ کے پاس آجائیں

فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ

تو ان کے درمیان فیصلہ کیجئے یا ان سے منہ موڑ جایئے ، اور اگر آپ ان سے اعراض کریں گے تو یہ ہرگز

يَّضُرُّوْكَ شَيْئًا ۭ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۭ اِنَّ

آپ کو نقصان نہیں پہنچا ئیں گے ، اور اگر آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو پھر ان کے درمیان فیصلہ انصاف کے ساتھ کیجئے ، بے شک

اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝۴۲ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ

اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں انصاف کرنے والوں کو ۝۴۲ کیونکر فیصل ٹھہراتے ہیں وہ آپ کو حالانکہ ان کے پاس

التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ

توراۃ ہے اس میں اللہ کا حکم ہے پھر پیٹھ پھیر جاتے ہیں وہ اس کے بعد ،

وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝۴۳ۧ

اور یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں ۝۴۳

تفسیر:

سرقہ کی تعریف اور استثنائی صورتیں:

"والسارق والسارقۃ" اس آیت میں سرقہ صغریٰ کی سزا ذکر کی گئی ہے جس طرح کہ پچھلے رکوع کی آخری آیت میں سرقہ کبریٰ کی سزا ذکر کی گئی تھی، پہلی بات تو یہ ہے کہ سرقہ کسے کہتے ہیں اس کا لفظی معنی کردیا جاتا ہے

چوری لیکن چوری کا لفظ ہمارے ہاں بہت عام مفہوم میں استعمال ہوتا ہے، کسی کے پاس امانت رکھی ہوئی ہو اس میں سے کوئی نکال لے وہ بھی ہمارے ہاں چوری کہلاتا ہے، دو شریک مشترکہ کاروبار کرتے ہیں تو اس میں ایک شریک دوسرے کی اجازت کے بغیر کوئی چیز لے لیتا ہے اس کو بھی چوری کہہ دیتے ہیں اور اسی طرح سے عام عمارات جو ہوا کرتی ہیں جس طرح سے سرائے ہوگئی، مسافر خانہ ہوگیا، مدرسہ ہوگیا، مسجد ہوگئی جہاں ہر کسی کو آنے جانے کی اجازت ہوتی ہے اور وہ کسی خاص شخص کی ملکیت نہیں ہوتی وہاں سے اگر کوئی چیز اٹھالے تو اس کو بھی چوری سے تعبیر کر دیتے ہیں، غرضیکہ جس طرح بھی انسان بددیانتی کے ساتھ ناحق دوسرے کا مال لے لے اس کو ہمارے محاورے میں چوری سے تعبیر کرتے ہیں لیکن شرعی مفہوم چوری کا یہ نہیں۔

سرقہ کا شرعی مفہوم یہ ہے "اخذ مال محرز خفیۃً" مال محفوظ کو خفیہ لینا، چھپ چھپا کر لینا مال محفوظ کو، اس میں پہلی قید تو لگائی گئی کہ وہ مال محفوظ ہو یعنی اس چرانے والے کے مقابلے میں اس مال کی حفاظت کی گئی ہے پھر چاہے وہ محفوظ ہو کہ کسی کمرے میں بند کر کے تالہ لگایا ہوا ہو تو بھی وہ محفوظ ہے یا کسی جگہ اس کا ڈھیر لگا کر اس کا نگران مقرر کیا ہوا ہے جیسے چوکیدار وغیرہ دونوں طرح سے مال محفوظ ہو جاتا ہے، اور پھر اس کو لیا جائے خفیۃً چھپ چھپا کر، ان دونوں لفظوں میں بہت سارا مفہوم بند کر دیا گیا، اب ایسی جگہیں جہاں عوام کو آنے جانے کی اجازت ہوتی ہے جیسے مساجد مدرسے ہوگئے مسافر خانے ہوگئے ایسی عمارات جو کہ رفاہ عامہ کے لئے بنی ہوئی ہوتی ہیں وہاں کسی کے آنے جانے پر کوئی پابندی نہیں ہوتی وہاں جو مال پڑا ہوا ہوتا ہے وہ اس آنے جانے والے کے حق میں محفوظ نہیں ہے اس لئے اگر کوئی شخص وہاں سے کوئی چیز اٹھا کر لے جاتا ہے جیسے مسجد میں سے کوئی قرآن مجید اٹھا کر لے گیا مسجد سے لاؤڈ اسپیکر اٹھا کر لے گیا یہ بھی شرعی طور پر سرقہ کے مفہوم میں نہیں آتا۔

اسی طرح سے دو شریک اکٹھے کاروبار کرتے ہیں تو وہ مال دونوں میں سے کسی کے حق میں محفوظ نہیں ہوتا ہر کسی کو اس میں تصرف کرنے کی اجازت ہوتی ہے کوئی ایک شریک اگر خیانت کر کے گلے میں سے کچھ پیسے اٹھا لیتا ہے یا کوئی مال اس میں سے لیتا ہے تو وہ بھی شرعی طور پر سرقہ کا مصداق نہیں ہے، دوکان پر ملازم کام کرتے ہیں گھروں کے اندر نوکر کام کرتے ہیں ان کے حق میں بھی گھر کا مال اور دوکان کا سامان محفوظ نہیں ہوتا، اس لئے اگر کوئی شخص مالک کی اجازت کے بغیر وہاں سے کوئی چیز اٹھا کر لے جائے اور اس کو چھپا لے تو وہ بھی شرعی طور پر سرقہ کے مفہوم میں نہیں آتا۔

جیسے حدیث شریف میں ایک واقعہ آتا ہے کہ ایک گھر کا خادم تھا جیسے گھر میں غلام ہوتے ہیں اس نے گھر سے شیشہ چرالیا غالباً حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے یہ مقدمہ پیش ہوا تو آپ نے فرمایا کہ آپ کا خادم تھا اس نے مال اٹھالیا اس کے اوپر حد نہیں ہے وجہ اس کی یہی ہے کہ گھر کے خادم کے حق میں گھر کا مال محفوظ نہیں ہوتا، دوکانوں کے ملازمین کے حق میں دوکانوں کا مال محفوظ نہیں ہوتا تو اسی طرح سے اور اس کی مثالیں بن سکتی ہیں کہ جہاں وہ مال محفوظ نہ ہو بلکہ آنے جانے کی اجازت ہے، آپ کے پاس ایک امانت رکھی ہوئی ہے آپ اس امانت میں سے خیانت کر لیتے ہیں اور اس میں سے کوئی چیز نکال کر چھپالیتے ہیں تو وہ مال چونکہ آپ کے حق میں محفوظ نہیں ہے اس لئے اس امانت میں سے لے لینا یہ بھی شرعی طور پر سرقہ کے مفہوم میں نہیں آتا۔

اور پھر لینا خفیۃً ہو چھپ چھپا کر ہو علی الاعلان کوئی شخص کسی سے کوئی چیز چھین کر لے جاتا ہے جس نہبتہ کہتے ہیں اچک لینا کسی سے چیز کو یہ بھی سرقہ کی تعریف میں نہیں آتا زبردستی کر کے طاقت کے ساتھ کسی سے کوئی چیز چھین کر لے جاتا ہے جس کو غصب کرنا کہتے ہیں وہ سرقہ کی تعریف میں نہیں آتا اور اسی طرح سے اور بھی ایسی صورتیں بن سکتی ہیں کہ جس میں سے انسان لیتا ہے تو اس لینے کو خفیۃً نہیں کہا جاتا، یہ غصب لوٹ مار اچک لینا یہ چیزیں ایسی ہیں کہ جن کو خفیۃً لینا نہیں کہتے تو جس کی بناء پر یہ بھی سرقہ کی تعریف میں نہیں اتے، اور یہ جیب تراشی جو ہے چلتے ہوئے جیب جو کاٹ لیا کرتے ہیں لغوی حیثیت سے اس پر بھی سرقہ صادق نہیں آتا، البتہ فقہاء نے اس طرار کو جیب تراش کے حکم میں رکھا ہے دلالۃً، اور نباش جو کفن چور ہے قبروں کو کھود کر یہ جو کفن اتار لایا کرتے ہیں یہ بھی سارق کے حکم میں نہیں نباش کفن چور کیونکہ مردہ جو ہے وہ اس کفن کا محافظ نہیں ہوتا، اور قبر کے اندر جو چیز مٹی میں دبادی گئی وہ محفوظ نہیں ہے اس لئے اگر کوئی قبر کھود کر کفن اتار کر لے آتا ہے وہ بھی سارق نہیں ہے۔

یا کوئی باغ ہے اس باغ میں کوئی پھل لگا ہوا ہے چلتے ہوئے کسی مسافر نے پھل توڑ لیا، یا جنگل کے اندر بکریاں پھر رہی ہیں وہاں کوئی نگران نہیں ہے پھر وہاں سے جاتے ہوئے کوئی بکری پکڑ کر لے گیا یہ ساری کی ساری صورتیں ہیں جو شرعی طور پر سرقہ میں نہیں آتیں سرقہ کے مفہوم میں نہیں آتیں، لہٰذا ان میں سے اگر کسی جرم کا کوئی شخص ارتکاب کر لے تو اس کے اوپر یہ حد نہیں لگے گی جس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے۔

الماری میں کوئی مال بند ہے، تالا لگا ہوا ہے، کمرے میں بند ہے اور تالا لگا ہوا ہے یا کوئی نگران موجود ہے پھر کوئی شخص نقب زنی کر کے چھپ کر دروازے میں سے داخل ہو کر رات کی تاریکی میں مال اٹھا کر لے گیا یہ شرعی تور پر سارق ہے تو اس سارق پر تو حد لگے گی یعنی اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا دایاں ہاتھ گٹ سے۔

حدود ثابت ہونے کے بعد معاف نہیں ہوسکتیں:

اور حد کا مسئلہ آپ کے سامنے ذکر کیا تھا کہ جس وقت یہ جرم حاکم کے سامنے ثابت ہوجائے تو پھر حاکم کو بھی معاف کرنے کا حق نہیں ہے، نہ اس میں کسی قسم کی کوئی سفارش قبول کی جاتی ہے۔

خود حدیث شریف میں واقعہ ہے کہ سرور کائنات ﷺ مکہ معظمہ تشریف لائے جس وقت مکہ فتح ہوا تھا اس موقع کی بات ہے یا یہ حجۃ الوداع کی بات ہے، بہرحال مکہ میں تشریف لائے ہوئے تھے ایک عورت بنومخزوم سے جس کا نام فاطمہ ہے اس کو کچھ بری عادت پڑی ہوئی تھی لوگوں کا سامان لے لیتی مستعار اور پھر دبا لیتی تھی اور انکار کردیا کرتی تھی اس موقع پر وہ چوری کرتی ہوئی پکڑی گئی، سرور کائنات ﷺ کے سامنے مقدمہ ثابت ہوگیا جس وقت مقدمہ ثابت ہوا تو آپ ﷺ نے قطع ید کا فیصلہ فرمادیا تو چونکہ یہ معزز خاندان تھا تو ان کو اس بارے میں بڑا خیال آیا کہ ہماری لڑکی کا یوں ہاتھ کاٹ دیا گیا تو یہ بڑی رسوائی کی بات ہے اس لئے کوئی تدبیر اختیار کرنی چاہیے کہ سرور کائنات ﷺ اس سزا کو معاف فرمادیں لیکن جرأت کوئی نہیں کرتا تھا بات کرنے کی۔

آخر اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو آمادہ کیا گیا چونکہ یہ رسول اللہ ﷺ کو بہت محبوب تھے حضور ﷺ ان سے محبت فرمایا کرتے تھے، روایت حدیث میں ان کو حب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے رسول اللہ ﷺ کا محبوب، محبوب کا بیٹا تھا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا، اسے کہا گیا کہ تو جاکر اس بارے میں حضور ﷺ سے سفارش کر، حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ گئے اس بارے میں بات کرنا چاہی تو سرور کائنات ﷺ غصے میں آگئے اور فرمایا کہ "أتشفع فی حد من حدود الله" اللہ کی حدود میں سے کسی حد کے بارے میں سفارش کرتے ہو پہلے لوگ اسی لئے ہلاک ہوگئے کہ جب ان میں سے کوئی غریب آدمی مسکین آدمی چوری کرتا تھا اس کو تو وہ سزا دے دیتے تھے اور اگر کوئی بڑا آدمی چوری کرلے کوئی معزز آدمی چوری کرلے تو اس کو سزا نہیں دیتے تھے، یہ جو انہوں نے قانون میں تفریق شروع کردی تھی کہ امیر کے لئے قانون اور تھا اور غریب کے لئے قانون اور تھا یہی چیز ان کے لئے تباہی کا باعث بنی، اور مقصد یہ تھا کہ تم یہ چاہتے ہو کہ ہم بھی اسی طرح کریں چونکہ یہ معزز خاندان کی عورت ہے اس لئے اس کو چھوڑ دیا جائے۔

آگے آپ نے ایک بہت بڑا لفظ بولا جس میں نشاندہی ہوتی ہے کہ اسلام میں قانون کی پابندی کی کیا حیثیت ہے کہ اس میں امیر غریب کا فرق نہیں، خاندانی غیر خاندانی کا فرق نہیں آپ ﷺ فرماتے ہیں "لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت یدها (مشکوۃ ص ۳۱۴)" کہ فاطمہ بنت مخزومہ کی تم بات کرتے ہو اگر محمد ﷺ

کی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا یہ چوری کر لیتی اور اسی طرح سے پکڑی جاتی میں تو اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا جس سے معلوم ہو گیا کہ حاکم کو پھر معافی کا حکم نہیں ہے وہ معاف نہیں کر سکتا جس وقت کہ حد ثابت ہو جائے نہ اس بارے میں کسی کی سفارش کرنا جائز ہے پھر اس حد کو جاری کیا جاتا ہے حد کا مسئلہ تو یہ ہے۔

تعزیر کا حکم:

اور حد کے علاوہ جو جرم اس تعریف میں نہیں آتا یعنی سرقہ کی تعریف میں نہیں آتا جس کی ایک لمبی فہرست آپ کے سامنے آپ کی خدمت میں پیش کر دی گئی، اگر ان جرموں میں سے کسی جرم کا ارتکاب کر لیا گیا تو اس پر حد نہیں ہے اس کے لئے تعزیر ہے، تعزیر یہ ایک سزا ہے جس کا اختیار حاکم کو دیا گیا ہے اس میں کمی بیشی بھی ہو سکتی ہے اس میں سفارش بھی چل سکتی ہے اور حاکم اس کو معاف بھی کر سکتا ہے، موقع محل کے مطابق جیسے مناسب ہو حاکم اس میں تصرف کر سکتا ہے، باقی ان جرائم پر جن کی فہرست میں نے آپ کے سامنے پیش کی ہے تعزیر ہے۔

تعزیر کے بارے میں اصول یہی ہے کہ حکومت اگر یونہی چھوڑ دے یا حاکم جیسے مصلحت دیکھے ویسے کر لے یا ایک فوجداری ضابطہ بنا دیا جائے کہ جس سے اس قسم کا جرم صادر ہو اس کو اتنی سزا دے دی جائے اور اس کو عدالتوں میں بھیج دیا جائے اور حاکم اس کے مطابق فیصلہ کرتا رہے تو یہ بات بھی اپنی جگہ صحیح ہے تو جن کے متعلق ہم نے کہا کہ یہ چوری کی فہرست میں نہیں آتے تو اس کا یہ مطلب نہیں یہ شریعت کی نظر میں جرم بھی نہیں ہیں، جرم ہیں لیکن ان کے اوپر حد نہیں ہے ان کے اوپر جو سزا آئے گی وہ حاکم کی ثواب دید پر ہے کہ جس طرح سے مناسب سمجھے جرم کی کمی بیشی کی طرف دیکھتے ہوئے شدت اور خفت کی طرف دیکھتے ہوئے اس میں سزا تجویز کر سکتے ہیں، حاکم وقت کو اس میں اختیار ہے جتنی سزا چاہے دے دے۔

حد سرقہ پر اعتراض کا بے مثال جواب:

باقی بظاہر بد دین قسم کے لوگ جس وقت یہ حدود کا تذکرہ آتا ہے وہ یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ اسلام نے سزائیں بہت سخت رکھی ہیں کہ ایک آدمی چوری کرے اور اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے جرم تو اس نے اتنا سا کیا ہے اور زندگی بھر کے لئے اس کو ٹنڈا کر دیا ہاتھ سے محروم کر دیا تو یہ سزا جو ہے (نعوذباللہ) یہ وحشیانہ سزا ہے ظالمانہ سزا ہے، یا کہتے ہیں کہ یہ سزا بہت سخت رکھی گئی ہے اس قسم کی باتیں فساق فجار کفار کی طرف سے ہر دور کے اندر کہی گئی ہیں۔

ایک عالم کے سامنے کسی زندیق نے یہ اعتراض کیا تھا کہ اسلام کے آئین کے اندر بھی عجیب بے اعتدالی ہے کہ اگر کوئی شخص ظلماً کسی کا ہاتھ کاٹ دے تو اس پر نصف دیت واجب ہے، جیسا کہ آپ نے کتابوں کے اندر پڑھا کہ اگر کسی کا ہاتھ کاٹ دیا جائے اور قصاص والی صورت نہ ہو تو نصف دیت ایک ہاتھ کاٹنے پر واجب ہے، اگر دونوں ہاتھ کاٹ دیئے جائیں تو پوری دیت واجب ہے، اور نصف دیت جو ہے اگر دراہم کے ساتھ ادا کی جائے تو پانچ ہزار درہم ادا کرنا پڑتا ہے یعنی ایک ہاتھ کسی کا کٹ گیا اور دیت دینی پڑگئی تو پانچ ہزار درہم، درہم چاندی کا ہوتا ہے تو اس کی مالیت آج کل دیکھی جائے گی کہ کتنی مالیت بنتی ہے ایک درہم تقریباً تین ماشے کا ہوتا ہے چاندی کا، تو وقت کے ساتھ اس کی قیمت میں تغیر تبدل ہوتا رہتا ہے تو پانچ ہزار درہم چاندی کی مالیت کا حساب لگا کر پیسے ادا کیے جائیں گے، اور اگر اونٹوں کے ساتھ ہو تو پانچ سو اونٹ اس زمانے کے اعتبار سے۔

ایک جگہ تو ہاتھ کی اتنی زیادہ قیمت قرار دی اور دوسری طرف اگر کوئی چوری کر لے تو چوری میں کتنی مقدار چوری کی جاتی ہے تو ہاتھ کاٹا جاتا ہے سب سے زیادہ وسعت اس میں احناف رحمۃ اللہ علیہم کے ہاں ہے، احناف رحمۃ اللہ علیہم نے مدار رکھا ہے دس درہم پر اگر دس درہم مقدار کی چوری کرے گا تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا یہ تقریباً بن جاتا ہے ایک ماشہ کم تین تولے چاندی، تو اگر سو روپے تولہ ہو تو تین سو روپے بن جائیں گے کچھ کم، اور اگر بیس روپے ہو تو ساٹھ روپے بن جائیں گے کچھ کم یعنی چاندی کی قیمت کے اعتبار سے ہر زمانے میں چاندی کی مالیت دیکھی جائے گی، اس مالیت کے حساب سے تقریباً پینتیس ماشہ چاندی کی قیمت لگائی جائے گی اور اس قیمت پر ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے یہ زیادہ سے زیادہ مقدار ہے کہ اتنی مقدار فقہاء میں سے کسی دوسرے نے نہیں کی۔

باقی شوافع رحمۃ اللہ علیہم، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ائمہ رحمۃ اللہ علیہم میں سے کسی کے نزدیک تین درہم ہیں اور کسی کے نزدیک چار درہم ہیں اب تین درہم چار درہم آپ جانتے ہیں کہ یہ تو دس کے نصف سے بھی کم ہیں تو حنفی جس وقت ہاتھ کاٹنے کا فیصلہ کرتے ہیں اس وقت امت کے کسی فرد کو اختلاف نہیں ہوتا کہ اس کا ہاتھ نہیں کاٹنا چاہیے، اور کوئی روایت اس کے خلاف نہیں ہوتی لیکن اگر تین درہم پر مدار رکھا جائے تو چار درہم والی روایت اس کے خلاف ہے چار درہم پر مدار رکھا جائے تو جن روایات سے استدلال دس درہم سے کیا جاتا ہے وہ ٹکراتی ہیں تو ہمارے ہاں اصول ہے کہ شبہ پیدا ہو جانے کے بعد حد ساقط ہو جاتی ہے تو ہم نے یقینی سے یقینی مقدار کے اوپر مدار رکھا ہے کہ اتنی مقدار پر اس کا ہاتھ کاٹ دو کہ جب وہ دس درہم کی چوری کرے گا تو کوئی روایت خلاف نہیں ہر روایت کا تقاضا ہوگا کہ ہاتھ کاٹ دیا جائے اور کسی امام کا قول اس کے خلاف نہیں ہے۔

تو یہ مسئلہ متنازع فیہ نہیں رہتا دس درہم کی چوری ہو جانے کے بعد، دس درہم سے کم مقدار میں چوری

ہو جائے تو کسی نہ کسی درجہ میں نزاع کی گنجائش ہے اور دس درہم بن جائیں گے قیمت کے لحاظ سے جیسے آج کل میں نے عرض کیا ڈھائی سو کے قریب یا دو سو کے قریب، اور پانچ ہزار درہم کا اندازہ لگاؤ کہ وہ کئی ہزار بنتے ہیں تو ایک جگہ تو ہاتھ کی قیمت دس درہم قرار دے دی اور ایک جگہ ہاتھ کی قیمت پانچ ہزار قرار دے دی، کہتے ہیں کہ یہ عجیب بات ہے ہاتھ ایک ہی ہے ایک وقت میں اس کی قیمت پانچ ہزار درہم ہے اور ایک وقت میں اس کی قیمت دس درہم ہے، تو جس وقت اس عالم کے سامنے یہ بات آئی تو وہ کہنے لگے بالکل انصاف کا تقاضا اسی طرح ہے کہ جس وقت یہ ہاتھ "اذا کانت امینة کانت ثمنية" جب یہ ہاتھ امانت دار تھا اس وقت یہ قیمتی تھا جب اس کی طرف سے کوئی زیادتی نہیں ہوئی دوسرے نے زیادتی کی ہے یہ مظلوم ٹھہرا یہ امانت دار تھا امین تھا "کانت ثمنية" اس وقت یہ قیمتی تھا "اذا خانت خسرت" جب یہ خیانت کر بیٹھا اور یہ ہاتھ کسی دوسرے کے مال کی طرف بڑھ گیا تو خائن ہو گیا خائن ہونے کے بعد یہ ذلیل ہو گیا اب اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے یہ ہاتھ حقیقتاً برا ہے اب اس ہاتھ کا مسلمان کے بدن کے ساتھ رہنا شریعت گوارہ نہیں کرتی اس قسم کے خائن عضو کو اڑا دیا جائے اس انداز کے ساتھ انہوں نے اس اعتراض کو دفع کیا۔

سزا سے مقصود جرم کا خاتمہ ہے:

لیکن ویسے ہی اگر آپ عقل کے ساتھ سوچیں کہ سزا جو تجویز کی جایا کرتی ہے اس کا جاری کرنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ جرم و سزا سے روکنا مقصود ہوتا ہے اگر سارے کے سارے اس جرم کو چھوڑ دیں سزا کسی کو بھی نہیں ہوگی اگر کوئی اس بات سے بچنا چاہتا ہے کہ میں ٹنڈا نہ ہو جاؤں تو اس کو چاہیئے کہ چوری نہ کرے یہ شریعت کا مقصد نہیں ہے کہ لوگوں کے ہاتھ کاٹے جائیں، یہ شریعت کا مقصد نہیں ہے کہ لوگوں کو سنگسار کیا جائے اور اس طرح سے مارا جائے، شریعت کا مقصد تو جرائم سے روکنا ہے اگر کوئی شخص جرم نہیں کرتا تو اس کا ہاتھ بھی نہیں کاٹا جائے گا، اگر کوئی شخص زنا نہیں کرتا تو اس کو سنگسار بھی نہیں کیا جائے گا، تو جب جرم سے روکنا مقصود ہے تو پھر اخلاق کا تقاضا یہ ہے کہ سزا جتنی سخت تجویز کی جائے اتنی ہی مفید ہوتی ہے، اور اگر سزا ایسی تجویز کریں جو قابل برداشت ہے اور دوسرا آدمی اس کو آسانی کے ساتھ برداشت کرلے تو وہ سزا جرم سے روکنے کے لئے کافی نہیں ہوتی جیسے کہ آج کا آئین آپ کے سامنے ہے۔

سزائیں بھی ہیں سب کچھ ہے لیکن وہ سزائیں ہیں کہ چند دن کے لئے جیل میں بھیج دیا یا تھوڑا بہت کوئی جرمانہ کر دیا تو جو شخص اس کو برداشت کرنے کی اپنے اندر ہمت پاتا ہے وہ اس جرم پر جری ہو جاتا ہے اور جرم کا

ارتکاب کرلیتا ہے دس دفعہ پکڑے ہوئے جائیں جیل کے اندر مزے کے ساتھ وقت گزار کر آجائیں گے اور پہلے سے بھی زیادہ مضبوط ہو کر آتے ہیں کیونکہ سمجھ جاتے ہیں کہ اس جرم کرنے میں لطف اتنا ہے اور اگر کبھی پکڑے گئے تو سزا اتنی سی ہے جو برداشت کی جاسکتی ہے تو لہٰذا جرم کو وہ کیسے چھوڑ سکتے ہیں؟

لطیفہ:

پچھلے دنوں ایک لطیفہ سنا تھا کہ کالج میں ایک لڑکے نے ایک لڑکی کو پکڑ کر زبردستی اس کا بوسہ لے لیا، پرنسپل کے سامنے شکایت چلی گئی تو اس نے لڑکے کو بھی بلایا اور لڑکی کو بھی بلایا، بات پوچھی لڑکے نے اقرار کرلیا کہ ہاں میں نے جرم کیا ہے تو پرنسپل نے ایک سو روپے اس کو جرمانہ کیا، کہتے ہیں کہ وہیں دفتر میں کھڑے کھڑے وہ دو سو روپے جیب سے نکالتا ہے ایک سو اس کی میز پر رکھتا ہے کہ یہ تو جی پچھلے کی سزا ہے اور ایک سو پیشگی دوبارہ پکڑ کر اس نے ایک اور بوسہ لے لیا، اب اس قسم کی سزائیں اگر تجویز کی جائیں کہ جو دوسرا آدمی خوشی کے ساتھ برداشت کرلے تو بھلا جرم کس طرح سے چھوٹ سکتا ہے؟

جرائم کا خاتمہ حدود کے نفاذ سے ہی ہوسکتا ہے:

اور آج یہ مہذب سزائیں جو ہیں وہ اس قسم کے وحشی جرائم کو ختم کرنے کے لئے ناکام ہوگئیں، دنیا ساری کی ساری جہنم کدہ بن گئی انہیں وحشی جرائم کی بناء پر، تو جس وقت یہ جرم وحشی ہے تو مہذب سزا اس کو روکنے کے لئے کیسے کافی ہوسکتی ہے؟

اور یہ سزا اگر جاری کی جائے تو اس کے نتیجہ میں ایک دو کے ہاتھ کٹنے کے بعد اگر ملک میں امن وسکون پیدا ہو جائے لوگوں کے مال محفوظ ہو جائیں تو ایک دو ہاتھ کٹنے کے بعد معاشرے کا سدھر جانا یہ سستا سودا ہے یہ مہنگا سودا نہیں ہے، باقی اگر کوئی شخص یہ چاہتا ہے کہ ہاتھ نہ کٹے تو وہ چوری نہ کرے ہاتھ کاٹنا مقصود نہیں ہے چوری سے روکنا مقصود ہے، اور یہ ایک سزا ایسی ہے جو واقعتاً نافذ کردی جائے دیانتداری کے ساتھ تو پھر یہ سارے کے سارے جرائم ختم ہوسکتے ہیں، اور بظاہر چوری دیکھنے میں ایک معمولی سی بات ہے لیکن یہ معمولی بات نہیں معاشرے کے اندر بدنظمی بے اطمینانی بے چینی اکثر وبیشتر اسی چوری کے نتیجے میں ہے، لڑائیاں ہوتی ہیں، قتل وغارت تک نوبت پہنچتی ہے، مالی نقصان ایک دوسرے کا ہوتا ہے پکڑ دھکڑ کتنا سارا معاملہ چلتا ہے تو اس جرم کے روکنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تجویز کردہ سزا ہی مؤثر ہوسکتی ہے۔

اور اپنے طور پر نرم سزائیں اس جرم کو ختم کرنے کے لئے کافی نہیں ہوسکتیں، اس لئے یہ سزا بالکل موزوں ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے قطعی طور پر کتاب اللہ میں ذکر کردی گئی، اب جو شخص اس کو وحشی سزا کہے کہنے والا چاہے مسلمان ہو لیکن اس کہنے کے بعد وہ کافر ہوگیا قرآن کریم کی قطعیت کا انکار ہے، اور اگر با اختیار ہونے کے باوجود اس قسم کی سزائیں جاری نہیں کرتا تو وہ فاسق یقیناً ہے۔

سرقہ میں پہلے مرد کا ذکر اور زنا میں پہلے عورت کا ذکر کیوں؟

"والسارق" اس میں ابتداء میں ذکر کیا مذکر کا صیغہ چوری کرنے والا مرد اور بعد میں ذکر کیا عورت کا اور سورۃ النور میں جہاں زنا کا مسئلہ مذکور ہوگا وہاں "الزانية والزاني "عورت کا ذکر پہلے ہے مرد کا ذکر بعد میں ہے، یہ دونوں قسم کی تعبیر جو قرآن کریم نے اختیار کی ہے کہ ایک جرم کا ذکر کرتے ہوئے مذکر کا ذکر پہلے کیا مؤنث کا بعد میں اور دوسرے جرم کا ذکر کرتے ہوئے عورت کو پہلے ذکر کیا مرد کو بعد میں، تو کہتے ہیں کہ دونوں جرموں کی نوعیت ایسی ہے کہ مرد حوصلے والا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو کمانے کی صلاحیت دی ہے محنت کرسکتا ہے، مشقت کرسکتا ہے، تو چوری مرد کی طرف سے زیادہ قبیح ہے بمقابلہ عورت کے اس لئے اس کا ذکر پہلے کیا، اور زنا کا تعلق بے حیائی کے ساتھ ہے اور حیاء کا غلبہ مرد کے مقابلہ میں عورت پر زیادہ ہوتا ہے تو اس فعل کا صدور جو ہے وہ عورت کی طرف سے زیادہ قبیح ہے، تو سرقہ مرد کی طرف سے زیادہ قبیح ہے اس لئے اس کا ذکر پہلے آگیا اور زنا جو ہے وہ عورت کی طرف سے زیادہ قبیح ہے تو وہاں آیت میں ابتداءً عورت کا ذکر آگیا تو دونوں قسم کے عنوان میں فرق ڈالنے کی وجہ یہ ہے کہ جس جرم کے اندر جس کی طرف نسبت کرتے ہوئے قباحت زیادہ ہے اس کو اولیت دے دی گئی تو یہاں مرد کو اولیت دی گئی اور وہاں عورت کو اولیت دی گئی۔

نحوی قاعدہ:

"فاقطعوا ايديهما" ان کے ہاتھوں کو کاٹ دو، ایدی یہ جمع ہے اور ھما یہ تثنیہ ہے اور نحو کے اندر آپ نے قاعدہ پڑھا ہے کہ جس وقت مضاف مضاف الیہ کا جزء ہو تو پھر تثنیہ کو مضاف اگر تثنیہ کی طرف کردیا جائے تو پہلے جزء کو جمع کر کے ذکر کیا جاتا ہے یہاں بھی یا تو یہ ھما کا جزء ہے ہدایۃ النحو میں آپ نے مثال پڑھی ہوگی "فقد صغت قلوبكما" یہاں کما کی طرف قلوب کو منسوب کیا گیا ہے تو وہاں بھی یہی بات ہے اس طرح سے یہاں آگیا "ايديهما" تثنیہ کی اضافت تثنیہ کی طرف کرنی تھی ان دونوں کے ہاتھ کاٹ دو لیکن مضاف چونکہ مضاف الیہ کا جزء ہے ایسے وقت میں پہلے جزء کو جمع کے طور پر ذکر کردیا گیا۔

یَدٌ کا مصداق:

قرآن کریم نے یہاں ایدی کا مصداق متعین نہیں کیا کہ کونسا ہاتھ کاٹنا ہے اور کتنی چوری کی مقدار پر کاٹنا ہے یہ ساری کی ساری تفصیلات جو ہیں حدیث شریف سے ماخوذ ہوں گی اور سرور کائنات ﷺ کا عمل اور آپ ﷺ کے اقوال اس آیت کی تشریح بنیں گے۔

اس قسم کی جتنی بھی آیتیں ہیں یہی دلالت کرتی ہیں کہ حضور ﷺ کے اقوال وافعال جتنے بھی ہیں وہ حجت ہیں کہ جب تک ان کو سامنے نہ رکھا جائے اس وقت تک قرآن کریم کی آیات کی تفصیل نہیں کی جاسکتی تو حدیث میں آ گیا کہ "ایدیھما" سے دایاں ہاتھ مراد ہے اور کاٹنا بھی اس کو گٹے سے ہے گُٹے سے اس کو کاٹ دیا جائے گا ورنہ ید کا لفظ جو ہے وہ انگلیوں سے لے کر کندھے تک بولا جاتا ہے لیکن سرور کائنات ﷺ نے جس کا ہاتھ کاٹا وہ گٹے سے کاٹا جس میں ہتھیلی اور انگلیاں آجاتی ہیں "جزاءً بما کسبا" کیوں کاٹ دیا جائے، کاٹنے کی وجہ ان کا اپنا کردار ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے سزا ہے۔

بار بار چوری کرنے والے کی سزا:

"نکالا" نکال کا لفظ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس سزا کے اندر یہ چیز ملحوظ ہے کہ اس کے جاری ہونے کے بعد لوگ عبرت پکڑیں اور اس جرم سے رکیں پھر اس میں اضافہ حدیث شریف میں بھی ہوا کہ اگر پہلی دفعہ چوری کی ہے تو دایاں ہاتھ کاٹ دیں گے، اور اگر دوبارہ چوری کی ہے تو اس کا ذکر یہاں قرآن کریم میں نہیں ہے جب ایدی کا مصداق یمین مقرر کردیا گیا تو یمین تو بدن میں ایک ہی ہے تو وہ جب دوبارہ چوری کرے گا تو دوبارہ چوری کرنے کے بعد دایاں ہاتھ کاٹنے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا وہ پہلے ہی کٹ چکا، اور بایاں ہاتھ بھی نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ پھر دونوں ہاتھ کٹ جانے کے بعد اس کے لئے فنائیت آجاتی ہے گویا کہ اس کے وجود کو فنا ہی کردیا گیا دونوں ہاتھ اگر نہ ہوں تو زندگی ختم کرنے والی بات ہے ایسا بھی نہیں کیونکہ جرم کی سزا ایسے طور پر دینی مقصود ہے کہ جرم چھوٹ جائے باقی وہ انسان کسی نہ کسی درجے میں زندگی سے فائدہ بھی اٹھاتا رہے، اس لئے حدیث شریف میں آتا ہے اس کا بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے گا دونوں ایک جانب کے نہیں کاٹیں گے کہ دونوں ایک جانب کے کٹے ہوئے ہوں تو بھی چلنا مشکل ہے باقی ضروریات پوری کرنا مشکل ہے تو دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹا جائے گا۔

اور اگر وہ تیسری دفعہ چوری کر لیتا ہے تو پھر باقی ائمہ کے نزدیک تو تیسری دفعہ چوری کرنے کے نتیجہ میں اس کا بایاں ہاتھ کاٹ دیں گے اور اگر وہ چوتھی دفعہ چوری کرتا ہے تو پھر اس کا دایاں پاؤں کاٹ دیں گے چاروں عضو اس کے کٹ جائیں گے اور اگر اس کے بعد بھی باز نہیں آتا تو پھر اس کو تعزیراً قتل کیا جاسکتا ہے، لیکن احناف کے ہاں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کٹ جانے کے بعد پھر عضو کاٹنے کی سزا نہیں دی جائے گی، کیونکہ دونوں ہاتھ کٹ جائیں تو بھی ایک قسم کی فناء ہے دونوں پاؤں کٹ جائیں تو بھی ایک قسم کی فناء ہے، ہاں البتہ اس کو تعزیر کے طور پر جیل میں ڈال دیں گے تکلیف پہنچائیں گے ماریں گے پٹائی کریں گے، حتیٰ کہ اس کے اوپر اصلاحیت کے آثار نمایاں ہو جائیں پھر اس کو چھوڑ دیں گے ورنہ وہیں پڑا پڑا مر جائے، اور اگر وہ شرارت سے باز نہیں آتا تو تعزیر کی حدود تو حاکم کے لئے وسیع ہیں کہ ایسی صورت میں وہ پھانسی بھی دے سکتا ہے اور اس کو قتل بھی کر سکتا ہے، تعزیر کی حدود متعین نہیں ہیں وہ مصلحت کے مطابق کسی شخص کے اندر خبث محسوس کرتا ہوا اس کے اندر خباثت کو دیکھتا ہوا سخت سے سخت سزا بھی دے سکتا ہے یہ تفسیر جو ہوگی یہ پھر حدیث شریف سے معلوم ہوگی قرآن کریم کے اندر اس کی زیادہ تفصیل موجود نہیں ہے۔

"واللہ عزیز حکیم" یہ صفت کا ذکر آ گیا، پہلے بھی آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ احکام کے بعد جو صفات آیا کرتی ہیں اس میں اللہ تعالیٰ احکام کی وقعت قلوب میں بٹھاتے ہیں کہ اللہ زبردست ہے اس لئے جو حکم چاہے دے اور اس کا جو حکم بھی ہوگا حکمت پر مبنی ہے اس لئے بندہ ہونے کی حیثیت سے ماننا ضروری ہے اور اس کی حکمت کے مطابق ماننا ضروری ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی تجویز کردہ یہ سزا حکمت کا تقاضا ہے۔

حد سرقہ کے بعد توبہ کا ذکر اور احناف کی دلیل:

"فمن تاب من بعد ظلمه" ظلم کرنے کے بعد جو توبہ کر لے اور اپنے حال کو درست کر لے تو اللہ تعالیٰ اس پر متوجہ ہوگا تو یہ آیت بھی ان آیات میں سے ہے جس سے احناف استدلال کیا کرتے ہیں کہ حد گناہ کے معاف ہونے کے لئے کافی نہیں ہے، آخرت کے عذاب سے انسان نہیں بچے گا تو حد کی حیثیت دنیا کے اندر زجر کی ہے جرم سے روکنا مقصود ہے باقی آخرت میں بھی گناہ معاف ہوگا یا نہیں ہوگا یہ اس کی اپنی قلبی کیفیت پر ہے اگر تو سزا کے جاری ہو جانے کے بعد قلب میں وہ نادم ہو گیا کہ میں نے بہت برا کام کیا دیکھو دنیا کی رسوائی بھی ہوئی اور آخرت کی رسوائی بھی ہو سکتی ہے دل سے اگر نادم ہو گیا پھر تو گناہ بھی معاف ہو جائے گا اور اگر وہ حد جاری ہو جانے کے بعد بھی

اپنے دل کے اندر اس قسم کا حوصلہ رکھتا ہے اور دوبارہ اسی جرم کے کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، دل میں اگر وہ نادم نہیں ہوا ایسی صورت میں پھر اس کا گناہ معاف نہیں ہوا بلکہ آخرت میں اس کو سزا ہوگی، چنانچہ اس حد کے جاری ہونے کے بعد پھر یہاں توبہ کا ذکر آیا ہوا ہے اس سے احناف کے اس مسئلے کی تائید ہوتی ہے، جو توبہ کر لے اپنے جرم کے بعد اور اپنے حال کو درست کر لے" فان الله يتوب عليه" پھر اللہ تعالیٰ اس پر متوجہ ہوں گے "ان الله غفور رحيم" پس بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے رحم کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی سلطنت کی وسعت اور قدرت کاملہ:

"الم تعلم ان الله له ملك السموات وما في الارض "اے مخاطب کیا تو جانتا نہیں کہ بے شک اللہ اسی کے لئے سلطنت ہے آسمانوں کی اور زمین کی، سلطنت کا مالک وہی ہے، بادشاہ وہی ہے تو جو قانون وہ بنائے اس کو حق ہے اور زمین و آسمان کے اندر بسنے والوں کو اس کے قانون کے اوپر مطمئن ہونا ضروری ہے اور اس کے احکام کی اتباع ضروری ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کے احکام پسند نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے آئین کی تم پابندی نہیں کرنا چاہتے اللہ تعالیٰ کی حکومت تمہیں گوارہ نہیں اور اس کا قانون تمہارے لئے سازگار نہیں، تو اس کی سلطنت سے باہر چلے جاؤ، زمین و آسمان کو چھوڑ کر کوئی اور دنیا بسا لو اگر جا سکتے ہو اور اگر تم اس کی حدود سے باہر نہیں جا سکتے تم نے یہیں رہنا ہے تو پھر جس کی سلطنت ہے بھائی پھر اس کے آئین کی پابندی بھی کرنی پڑے گی۔

"الم تعلم ان الله له ملك السموات والارض " کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے لئے سلطنت ہے آسمانوں کی اور زمین کی" يعذب من يشاء ويغفر لمن يشاء" عذاب دے گا جسے چاہے گا بخشے گا جسے چاہے گا ، یہ اللہ تعالیٰ کے مختار مطلق ہونے کی طرف اشارہ ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ بلا تمیز جس کو چاہے عذاب دے جس کو چاہے بخش دے یہ مقصد نہیں ہوتا میں نے کئی دفعہ آپ کے سامنے وضاحت کی ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ اپنے اختیار کا ذکر فرماتے ہیں کہ میں اگر کسی کو معاف کر دوں تو درمیان میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈال سکتا، میں کسی کو عذاب دوں تو درمیان میں کوئی کسی قسم کی آڑ نہیں قائم کر سکتا، میں جسے چاہوں گا عذاب دوں گا مجھے کوئی پوچھنے والا نہیں، جسے چاہوں گا معاف کر دوں گا کوئی اعتراض کرنے والا نہیں، لیکن عذاب کسے دوں گا جو میرے آئین کا پابند نہیں ہوگا ، بخشوں گا کسے جس نے میرے احکام کی رعایت رکھی ہوگی یعنی اللہ کا عذاب دینا اور اللہ کا بخشنا ہوگا اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ حکمت اور قانون کے تحت یہ اللہ نے اپنی کتاب کے اندر واضح کر دیا۔

باقی "من یشاء" کا جولفظ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس میں کارگر صرف میری مشیت ہوگی دوسرا کوئی شخص میرے فیصلے میں تبدیلی نہیں کرواسکتا میں عذاب دینا چاہوں کوئی دوسرا شخص مجھے مجبور کردے عذاب نہ دینے دے، یا میں کسی کو بخشنا چاہوں تو کوئی آدمی رکاوٹ بن جائے اور بخشنے نہ دے ایسی کوئی بات نہیں یہ عذاب کا سلسلہ مغفرت کا سلسلہ جو ہوگا یہ سب میری مشیت میں ہے میں جیسے چاہوں گا کروں گا لیکن کروں گا کیسے جیسے میں نے اپنی کتاب میں واضح کردیا کہ جو اس قسم کے کام کرے گا اس کو میں عذاب دوں گا اور جو اس قسم کے کام کرے گا میں اس کو بخش دوں گا تو جو فیصلہ بھی اللہ تعالیٰ فرمائیں چاہے کسی کو عذاب دینے کا چاہے کسی کو بخشنے کا مخلوق میں سے کوئی بھی اس کے درمیان رکاوٹ نہیں ڈال سکتا "واللہ علی کل شیء قدیر" اللہ تعالیٰ ہر چیز کے اوپر قدرت رکھنے والے ہیں۔

خبر واحد کے ساتھ کتاب اللہ پر زیادتی:

سوال سوال یہ ہے کہ حدیث شریف تو ظنی ہوتی ہے اور قرآن کریم قطعی ہے اور اگر حدیث شریف کے ساتھ قرآن کریم کی تفسیر کی جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قطعی کو ہم نے ظنی بنادیا اس لئے حدیث شریف کے ساتھ قرآن کریم کی تفسیر درست نہیں ہونی چاہئے، یہ جیسے سرقہ کے مسئلہ میں قطع ید کی تفصیل احادیث کی روشنی میں کی ہے تو یہ ظنی کو قطعی کے اوپر گویا کہ حاکم بنادینے والی بات ہے۔

جواب تو اصل بات یہ ہے کہ ہماری فقہ کے اندر ایک ضابطہ لکھا ہوا ہے کہ کتاب اللہ کے اوپر زیادتی خبر واحد کے ساتھ درست نہیں اور اس کی وجہ یہی بیان کرتے ہیں کہ خبر واحد ظنی ہوتی ہے اور قرآن کریم قطعی ہے اور اگر ہم اس خبر واحد کے ساتھ کتاب اللہ پر زیادتی کردیں گے اور جو مسئلہ کتاب اللہ سے ثابت ہے اور جو خبر واحد سے ثابت ہے دونوں کو ایک درجہ دے دیں گے تو ایسی صورت میں ظنی اور قطعی میں کوئی فرق نہیں رہتا بلکہ ظنی کو بھی قطعی کے ساتھ ملا کر قطعی کو ظنی بنالیا ظنی کو قطعی بنالیا، بہر حال فرق مراتب نہیں رہا، ہماری فقہ کے اندر مسئلہ اسی طرح سے لکھا ہوا ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں قرآن کریم کا مفہوم بالکل واضح ہے اور اس مفہوم کے اوپر عمل کرنے میں ہمیں کوئی کسی قسم کا اشکال نہیں پھر اس سے زائد چیز جو کہ حدیث شریف سے ثابت ہوتی ہے اور وہ حدیث ہے ظنی خبر واحد تو ہم قرآن کریم کے مفہوم کو قطعیت کے درجے میں رکھیں گے اس کا جو منکر ہوگا وہ کافر اور جو بات حدیث شریف سے ثابت ہوتی ہے اس کو ظنی درجے میں رکھیں گے اس کا وہ درجہ نہیں ہوگا جو قرآن کریم سے ثابت ہوا ہے۔

اسی لئے علامہ انور کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حنفیوں کا یہ عنوان موحش ہے کہ دوسرا آدمی سن کر اس سے گھبراتا ہے کہ یہ حدیث کے ساتھ کتاب اللہ پر زیادتی نہیں کرتے حالانکہ حدیث تو قرآن کریم کی تشریح کرتی ہے کہتے ہیں کہ یہ عنوان ایسا ہے جس کو سن کر دوسرا آدمی کچھ وحشت زدہ سا ہو جاتا ہے جب کہ شوافع کا عنوان یہ ہے کہ خبر واحد کے ساتھ کتاب اللہ پر زیادتی ہو سکتی ہے مسئلہ وہ ہوگا جو کتاب اللہ اور حدیث کو ملا کر ثابت ہو جاتا ہے جیسے اس کی مثال آپ کے ہاں ذکر کی جاتی ہے "فاجلدوا کل واحدۃ منھما" کہ زانی مرد ہو یا عورت ہو ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے مارا کرو اور حدیث شریف میں ذکر کیا گیا ہے "جلد مائۃ وتغریب عام" ان کو سال بھر کے لئے علاقہ سے بھی نکال دیا کرو جس کی صورت یہ ہے کہ جیل میں بھیج دو اب یہاں "تغریب عام" کا اضافہ ہے "جلد مائۃ" میں کوئی اشکال نہیں جس کی وضاحت "تغریب عام" کے ساتھ کرنی ہے تو ان کے نزدیک یہ دونوں مل کر زنا کی سزا بن گئی، حد کا جزء بن گئی یہ سو کوڑے مارنا بھی اور جلاوطن کرنا بھی، اب اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جو حیثیت سو کوڑے کی ہے وہی حیثیت تغریب عام کی ہے تو یہاں ظنی کا مرتبہ جو تھا اونچا کر کے قطعی کے برابر کر دیا۔

ہمارے ہاں یہ عنوان نہیں ہے ہم کہتے ہیں کہ "تغریب عام" چونکہ حدیث شریف سے ثابت ہے اور وہ حدیث ظنی ہے اس کا وہ درجہ نہیں ہو سکتا جو "جلد مائۃ" کا ہے تو "جلد مائۃ" حد ہے اور "تغریب عام" تعذیب ہے حاکم سو کوڑا معاف نہیں کر سکتا لیکن مناسب سمجھے تو "تغریب عام" کے اندر تغیر کر سکتا ہے دونوں کے درجے ہم نے علیحدہ علیحدہ کر دیئے، تو سید انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم نے قبول تو کر لیا خبر واحد کو اور زیادتی تو کر دی چاہے تعذیب کے درجے میں سہی، ان کے قول کی وضاحت کر رہا ہوں کہ ان کا مفہوم یہ ہے کہ پھر یہ کہنا کہ کتاب اللہ پر زیادتی درست نہیں یہ عنوان ایسا ہے جس سے سننے والا جو ہے وہ گھبراتا ہے۔

بلکہ عنوان اس میں یہ ہونا چاہیئے کہ کتاب اللہ پر زیادتی خبر واحد کے ساتھ درست ہے لیکن درجہ وہ نہیں جو کتاب اللہ سے ثابت شدہ حکم کا ہوتا ہے، یعنی مثبت عنوان اختیار کر لو کہ زیادتی ہو جاتی ہے کتاب اللہ پر لیکن دونوں کا درجہ علیحدہ علیحدہ ہوگا، تو ایسا عنوان قائم کر کے ٹکراؤ پیدا کر لینا یہ بلاوجہ کی لڑائی ہے زیادتی ہم بھی کرتے ہیں لیکن دونوں کے درجے کو ممتاز کرتے ہیں کہ جو کتاب اللہ سے ثابت ہوگا اس کو قطعی کہیں گے جس میں تغیر و تبدل کی گنجائش نہیں جو اس کا انکار کرے گا تو کافر ہوگا، اور جو بات حدیث شریف سے ثابت ہوگی اس کو بھی مانیں گے لیکن اس کا درجہ دوسرا رکھیں گے جس کی بناء پر نہ اس کا انکار کفر ہے اور نہ اس کی وہ حیثیت ہے جو کتاب اللہ سے ثابت شدہ چیز کی ہے اس طرح سے دو درجے نکل آئیں گے۔

لیکن اگر قرآن میں ایک لفظ آیا ہوا ہے اور اس کی مراد واضح نہیں اور اس وقت تک اس پر عمل نہیں ہوسکتا جب تک سرور کائنات ﷺ کی تشریح کو ساتھ نہ لیا جائے اس قسم کا اجمال جو قرآن کریم میں آیا ہے اس کی تشریح کے طور پر جو حدیث آئی ہے چاہے وہ اصل کے اعتبار سے خبر واحد ہی ہو لیکن وہ اپنے اس مجمل کی تشریح ہو جانے کے بعد قطعیت کا درجہ اختیار کر جائے گی، مثال کے طور پر کتاب اللہ میں آ گیا "اٰتوا الزکوٰۃ" زکوٰۃ دیا کرو یہ حکم قطعی ہے لیکن اس پر عمل نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی مراد واضح نہ ہو کہ زکوٰۃ سے کیا مراد ہے؟ کس چیز میں سے دینی ہے؟ کتنی مقدار میں دینی ہے؟ اس پر عمل نہیں ہوسکتا جب تک کہ ہم اس کی تشریح نہ لے لیں تو پھر تشریح اگرچہ اخبار آحاد کے اندر کی گئی ہو، چونکہ وہ قرآن کریم کے اس اجمال کی تشریح ہے لہٰذا وہ تفصیل جو بھی آئے گی وہ سب قطعی ہے اب اگر کوئی چالیسویں حصے کا انکار کرتا ہے یا گائے بھینس کی زکوٰۃ میں جو بھی مقدار احادیث میں ذکر کی گئی ہے اگرچہ وہ اخبار آحاد کے ساتھ ثابت ہے اس کا انکار کرتا ہے وہ ایسا ہوگا گویا کہ "اٰتوا الزکوٰۃ" کا انکار ہے وہاں یہ تشریح جو ہے یہ قطعیت اختیار کر جائے گی اس کے بغیر قرآن کریم کے اس لفظ پر عمل نہیں ہوسکتا۔

اور سو کوڑے مارنا اس میں کوئی اجمال نہیں سو کوڑے مار سکتے ہیں اور اسی طرح سے یہاں آ گیا یہ سرقہ کا مفہوم کتنی مقدار کی چوری ہوگی اور کتنی کی نہیں ہوگی ہاتھ کونسا کاٹنا ہے کہاں سے کاٹنا ہے، جس وقت تک یہ تفصیلات ہمارے سامنے نہیں آئیں گے اس وقت تک اس پر عمل نہیں ہوسکتا لہٰذا مقدار کے لحاظ سے کہ ہاتھ کی مقدار کیا کاٹنی ہے اب یہی قطعی صورت ہے جس میں تغیر تبدل کرنے کی اجازت نہیں ہے یہ دو باتیں ہو گئیں ایک ہے کہ قرآن کریم کا مفہوم واضح ہے اس کے اوپر عمل ہوسکتا ہے پھر اخبار آحاد کے ساتھ جو کچھ ثابت ہوگا اس کے ساتھ اس مسئلے پر زیادتی کریں گے لیکن دوسرے نمبر پر ان دونوں کا درجہ ایک نہیں قرار دیں گے۔

اور اگر وہ بات قرآن کریم میں اس انداز سے ذکر کی گئی ہے کہ اس پر عمل ہی نہیں ہوسکتا جب تک کہ حدیث شریف کی تشریح کو قبول نہ کیا جائے تو وہاں جو حدیث کی تشریح ثابت ہوگی وہ قطعیت کے درجے میں آئے گی یوں سمجھو کہ قرآن کریم کے اجمال کی ہی تفصیل کی گئی ہے جو حکم قرآن سے نکلا وہی حدیث میں واضح کیا گیا ہے تو گویا کہ وہ مقدار زکوٰۃ کی جو روایت ہے وہ یوں سمجھو کہ "اٰتوا الزکوٰۃ" کا مصداق ہے اس لئے اس کا انکار نہیں کر سکتے اب اگر کوئی سونے کی زکوٰۃ کا چاندی کی زکوٰۃ کا انکار کرے کہ چالیسواں حصہ نہیں دیا جائے گا قرآن کریم میں تو صرف زکوٰۃ کا کہا ہے یہ اس طرح سے کافر ہے جس طرح سے کوئی سرے سے "اٰتوا الزکوٰۃ" کا انکار کر دے۔

یہی حیثیت "اقیموا الصلوٰۃ" کی ہے نماز قائم کرو کس طرح سے پڑھنی ہے؟ کن اوقات میں پڑھنی ہے؟ کتنی رکعات پڑھنی ہے؟ جس وقت تک یہ تفصیل نہیں لی جائے گی اس وقت تک "اقیموا الصلوٰۃ" پر عمل نہیں ہوسکتا لہٰذا اس کے اوقات بھی قطعی ہیں، اس کی رکعات بھی قطعی ہیں اور جو تفصیلات آپ کے سامنے آئی ہوئی ہیں حدیث شریف میں اگر ایک ہی صورت متعین ہے تو وہ قطعی ہے، دو صورتیں ہیں تو چاہے اس طرح سے کرلو چاہے اس طرح سے اس کا درجہ اس طرح سے نکل آئے گا، یعنی بالا جمال کیفیت قطعی، آگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار دینے کے ساتھ اگر دو اختیار ہیں تو دو کے اندر کیا جاسکتا ہے، چار ہیں تو چار کے اندر کیا جاسکتا ہے بہر حال تشریح ساری کی ساری "اقیموا الصلوٰۃ" کے درجے میں ہوگی تو یہ فرق ہو جائے گا ہر جگہ یہ بات نہیں کہہ سکتے کہ حدیث ظنی کے ساتھ اگر قرآن کی تفصیل کی جائے تو قرآن کریم قطعی کو ظنی بنانے والی بات ہے یہ کلیہ نہیں ہے۔

ماقبل سے ربط:

اگلی آیات میں اہل کتاب کا تذکرہ آرہا ہے سورۃ کی ابتداء میں بھی چند رکوع کے بعد ان کا ذکر شروع ہوا تھا پھر بعض مناسبات کے ساتھ دیگر مضمون آتے چلے گئے اب آگے پھر اہل کتاب کا ذکر شروع ہو رہا ہے اور سورۃ کے اختتام تک تقریباً مختلف پہلوؤں سے ان کا ذکر ہی آئے گا۔

آیات کے شان نزول کا واقعہ:

مدینہ منورہ میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے تو وہاں یہود کے دو مشہور قبیلے تھے بنو قریظہ اور بنو نضیر اور قبائل بھی تھے چھوٹے موٹے لیکن زیادہ مشہور یہی تھے ان میں سے بنو قریظہ اپنی افرادی قوت کے اعتبار سے کچھ کمزور سمجھے جاتے تھے اور بنو نضیر ہر اعتبار سے غالب تھے یہ دونوں یہودی تھے اور دونوں ہی توراۃ پر ایمان رکھتے تھے اور توراۃ کے قانون کے پابند تھے لیکن ان یہودیوں نے اپنی بدعملی کی بناء پر توراۃ کے بعض احکام کو چھوڑ دیا تھا اور ان کے اندر من مانی تحریفات قائم کرلی تھیں۔

جن احکام کے اندر تحریف کی تھی ان میں سے ایک حکم دیت اور قصاص کا بھی تھا، توراۃ کا حکم بالکل اسی طرح سے ہے جس طرح سے قرآن کریم میں ذکر کیا گیا، نفس کے بدلے میں نفس قتل کیا جاتا ہے جیسے کہ الفاظ آپ کے سامنے آئیں گے آزاد کے بدلے آزاد کو قتل کیا جائے، غلام کے بدلے میں غلام کو قتل کیا جائے عورت کے بدلے میں عورت کو قتل کیا جائے قصاص کا آئین جو ہے وہ توراۃ میں بھی اسی طرح سے ہے تو بنو نضیر چونکہ غالب تھے

بنوقریظہ پر تو انہوں نے بنوقریظہ کے ساتھ ایک معاہدہ کیا ہوا تھا جس میں ان کی کمزوری سے اور ان کی پستی سے فائدہ اٹھایا گیا تھا کہ اگر کوئی شخص بنوقریظہ میں سے بنونضیر کے کسی شخص کو قتل کر دے تو پھر وہ ایک کے مقابلے میں دو کو قتل کرتے تھے اگر بنوقریظہ کا کوئی شخص بنونظیر کے غلام کو قتل کر دے تو اس کے مقابلے میں وہ آزاد کو قتل کرتے تھے، اور عورت کو قتل کر دے تو اس کے مقابلے میں مرد کو قتل کرتے تھے۔

اور اگر دیت لینے دینے کی بات آجائے تو بنوقریظہ دگنی دیت ادا کرتے تھے بنونضیر کو اور بنونضیر جس طرح سے قصاص میں ایک کے مقابلہ میں ایک کا خون دیتے تھے اسی طرح سے دیت بھی کم دیتے تھے یہ انہوں نے مجبور کر رکھا تھا بنوقریظہ کو اس معاملہ پر ان کی پستی کی وجہ سے اور ان کی کمزوری کی وجہ سے، دیت کی مقدار غالباً روایات میں ذکر کی گئی ہے کہ اگر بنوقریظہ قتل کریں اور دیت دینے کی نوبت آجائے تو ایک سو چالیس وسق کھجوریں وہ ادا کرتے تھے اور اگر بنوقریظہ کا آدمی قتل ہو جائے بنونضیر کے ہاتھ سے تو ستر وسق ادا کیا کرتے تھے گویا کہ جتنی لیتے تھے دیت بنونضیر والے اس سے نصف دیت جو تھی وہ بنوقریظہ کو دیتے تھے تو قصاص اور دیت دونوں میں انہوں نے من مانے احکام بنوار کھے تھے اور بنوقریظہ اپنی کمزوری کی بناء پر ان کو تسلیم کیے ہوئے تھے۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کے بعد جب آپ کو وہاں سیاسی غلبہ حاصل ہوا تو ایک واقعہ پیش آگیا کہ بنوقریظہ کے ہاتھ سے بنونضیر کا ایک آدمی مارا گیا، تو بنونضیر نے اپنے اسی قانون کے تحت جو ان کا خود ساختہ تھا بنوقریظہ سے مطالبہ کیا بدلے کا بنوقریظہ نے آگے سے انکار کر دیا کہ اب وہ دور گزر چکا جب تم ہماری کمزوری سے فائدہ اٹھاتے تھے اب تو زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ فیصلہ کروانا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کروالو ہم تو جو تم سے لیتے ہیں وہی دیں گے اس سے زائد دینے کے لئے ہم تیار نہیں ہیں چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک قوت کے ساتھ ابھر آئے تھے اور یہود سمجھتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اگر فیصلہ چلا جائے تو وہ صحیح فیصلہ کریں گے اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان یہود قبائل کا ترک جنگ کا معاہدہ تھا اگرچہ یہ باقاعدہ ذمی نہیں تھے، ایسے موقع پر وہ فصل خصومات کے لئے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کر سکتے تھے۔

تو بنونضیر نے چاہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال معلوم کر لیا جائے کہ اگر ہم مقدمہ وہاں لے جائیں تو کیا ہمارے دستور کی رعایت رکھتے ہوئے جو ضابطہ ہم نے پہلے قبائلی زندگی میں بنا رکھا ہے اس کی رعایت رکھتے ہوئے اگر فیصلہ ہمارے حق میں دے دیں تو ٹھیک ہے ہم فیصلہ وہاں لے جائیں گے اور وہیں سے فیصلہ کروالیں گے، اور اگر معلوم ہوا کہ ویسا فیصلہ نہیں دیں گے جیسے ہم چاہتے ہیں پھر ہم اس فیصلہ کو قبول کرنے میں احتیاط کریں گے اور

اس فیصلہ کو منوانے کے لئے بنو قریظہ پر کسی اور طرح سے دباؤ ڈالیں گے انہوں نے آپس میں یہ مشورہ کیا تو پھر مدینہ منورہ میں کچھ لوگ تھے جن کو ہم منافقین کے لفظ سے ذکر کرتے ہیں ان کا میل جول یہودیوں کے ساتھ تھا تو بنو نضیر نے ایسے لوگوں کو حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا تا کہ اس واقعہ کا ذکر کر کے معلوم کرلیا جائے کہ اگر یہ مقدمہ ہم حضور ﷺ کے پاس لے جائیں تو حضور ﷺ کیا فیصلہ دیں گے ساتھ انہیں تاکید کردی کہ اگر تو فیصلہ اسی طرح سے ہونے کی توقع ہو جس طرح سے ہم پہلے کیا کرتے ہیں جو ہمارا اپنا بنایا ہوا دستور ہے تورات کے خلاف ہے لیکن ہم نے اپنے طور پر بنایا ہوا ہے اگر تو فیصلہ اس طرح ہونے کی توقع ہو تو اس کو قبول کرنے کا وعدہ کرلینا جو آدمی بھیجے گئے تھے ان کو کہا کہ اس قسم کے فیصلہ کی توقع ہو تو وعدہ کرلینا کہ ہم اس کو قبول کریں گے اور اس پر عمل کریں گے اور اگر فیصلہ اپنے اس دستور کے مطابق نہ ہوا اپنی خواہشات کے خلاف فیصلہ ہو جائے تو پھر ماننے کا وعدہ نہ کرنا اس قسم کی چالیں سمجھا کر انہوں نے کچھ آدمیوں کو سرور کائنات ﷺ کی خدمت میں بھیجا ایک واقعہ تو یہ پیش آیا۔

شان نزول کا دوسرا واقعہ:

دوسرا واقعہ ان آیات کے شان نزول میں ذکر کیا جاتا ہے کہ یہودیوں میں ایک مرد اور ایک عورت نے آپس میں زنا کرلیا اور زنا کی سزا رجم تورات میں بھی ایسے ہی ہے جس طرح سے ہماری شریعت میں ہے کہ اگر وہ شادی شدہ ہوں تو پھر ان کو رجم کیا جاتا ہے لیکن یہود نے اس میں بھی گڑ بڑ کر رکھی تھی کہ اگر کوئی آدمی معزز ہو، شرفاء میں سے ہو، باحیثیت ہو تو وہ اگر کوئی اس قسم کا جرم کرے تو پھر وہ اس کو ہلکی سزا دیتے تھے منہ کالا کر دیا گدھے پر چڑھا دیا ذرا اس طرح سے چکر دے دیا رسوا کر دیا، حدیث شریف میں اسی طرح سے ذکر آتا ہے کہ یہود اس کے ساتھ یہ معاملہ کرتے تھے اور اگر کوئی غریب آدمی پکڑا جاتا اس قسم کی حرکت کرتا ہوا تو اس کو سزا دے دیتے تھے۔

لیکن بعد میں پھر وہ جو گھٹیا درجے کے لوگ سمجھے جاتے تھے انہوں نے بھی احتجاج کیا کہ یہ کیا ہے کہ ایک ہی جرم ہے کسی کو سزا کیسی دیتے ہو اور کسی کو سزا کیسی دیتے ہو، اور پھر انہوں نے مل جل کر سب کے لئے ایک ہی سزا متعین کرلی یعنی تھوڑی سی تعزیر کر دیتے تھے کہ منہ کالا کر دیا، گدھے پر چڑھا دیا، جلوس نکال دیا اور اس طرح سے اس کو رسوا کر دیا باقی جو تورات کی سزا تھی وہ انہوں نے چھوڑ دی منسوخ کر دی عملاً اس کو ترک کر دیا تو یہ واقعہ جس وقت پیش آیا تو یہ مقدمہ آ گیا حضور ﷺ کے پاس، بقول حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ حضور ﷺ کی خدمت میں مقدمہ بھیجنے کی وجہ یہی تھی یہود کی طرف سے کہ وہ دیکھتے تھے کہ عام طور پر اسلام کے احکام جو ہیں وہ بڑے آسان آسان ہیں تو شاید

زنا کی سزا کی بارے میں بھی کوئی آسان حکم ہوگا تو ہم اپنے سر پر کیوں لیں فیصلہ وہیں سے کروالیں، اگر کوئی فیصلہ آسان سا ہوا تو ہم اس کے اوپر عمل کرلیں گے اور اگر کوئی کہے گا کہ تم توراۃ پر عمل کیوں نہیں کرتے تو ہم کہیں گے کہ بھائی یہ بھی وقت کے نبی کا فیصلہ ہے حاکم وقت کا فیصلہ ہے اس کی بناء پر ہم اس کے مطابق چلتے ہیں نہ مسلمان الزام دے سکیں گے نہ غیر مسلم۔

غیر مسلموں کو یہ کہہ دیا جائے گا کہ وقت کی حکومت کا فیصلہ ہے، حاکم وقت کا فیصلہ ہے اور مسلمانوں کو یہ کہہ دیا جائے گا کہ تمہارے خیال کے مطابق وقت کے نبی کا فیصلہ ہے لہذا ہمارے اوپر کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن یہ معلوم کرنے کے لئے کہ اگر یہ مقدمہ حضور ﷺ کے پاس چلا گیا تو آپ کیا برتاؤ فرمائیں گے چند آدمی بھیجے کہ اس واقعہ کا تذکرہ کرکے سرور کائنات ﷺ کے سامنے حقیقت معلوم کرلی جائے کہ آپ کا رجحان کیا ہے کہ اگر یہ زانیوں کا مقدمہ ہم آپ کی خدمت میں لے آئیں تو آپ کیا فیصلہ فرمائیں گے تو آپ کی مجلس کے اندر جب یہ ذکر ہوا تو آپ نے یہودیوں کو بلایا بلانے کے بعد ان سے پوچھا کہ توراۃ میں اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ وہ کہنے لگے جی ہم تو منہ کالا کرتے ہیں اس طرح سے یوں کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا توراۃ لاؤ اور لا کر اس کا حوالہ دو وہ توراۃ لے آئے ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے بلایا اور وہ آئے اور ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ خود ان کے مدرسے میں تشریف لے گئے بیت المدارس میں جہاں پڑھنے پڑھانے کا تذکرہ ہوتا ہے وہاں خود تشریف لے گئے تا کہ ان کے علماء کی موجودگی میں اس بات پر بحث اچھی طرح سے ہو۔

دونوں باتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے دونوں باتیں آپس میں صحیح ہوسکتی ہیں کہ پہلے ان کو بلایا ہو اور ان میں سے کچھ آگئے ہوں اور کچھ نہ آئے ہوں اور سرور کائنات ﷺ نے پھر مناسب سمجھا ہو کہ یہاں بحث کی بجائے ان کے مدرسے میں چل کر بحث کریں کیونکہ وہاں سارے کے سارے اہل علم موجود ہوں گے، تو بات ذرا زیادہ صاف ہوجائے گی، تو پھر آپ ﷺ وہاں تشریف لے گئے وہاں جا کر گفتگو ہوئی تو وہاں آپ ﷺ کے ساتھ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ بھی تھے جو کہ یہودی عالم ہیں تو جب حضور ﷺ نے توراۃ منگوائی اور کہا کہ یہاں رکھ کر تلاش کرو کہ یہ مسئلہ کہاں ہے تو پڑھتے پڑھتے ایک شخص نے اس آیت پر جس میں رجم کا مسئلہ تھا وہ ہاتھ کے نیچے چھپالیا اور ارد گرد سے پڑھنی شروع کردی یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ توراۃ کے اندر سنگسار کرنے کا رجم کرنے کا مسئلہ نہیں ہے، عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی نظر پڑ گئی کہنے لگے کہ یہاں سے ہاتھ اٹھاؤ اور

جس وقت ہاتھ اٹھایا تو کہا یہاں سے پڑھو تو جس وقت پڑھی تو اس کے اندر رجم کا ذکر تھا کہنے لگے کہ یہ بات تو صحیح ہے اس کے اندر تو رجم کا ذکر ہے۔

تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فیصلہ انہی کی شریعت کے مطابق کیا چونکہ یہی فیصلہ ہماری شریعت کا ہے کہ زانیوں کو رجم کیا جائے تو ان دونوں یہودیوں کو مرد اور عورت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کروایا اب یہ جو ان کا طرز عمل تھا یہود کا کہ اپنی خواہش کو پورا کرنے کے لئے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں جستجو کے لئے جاسوسی کے لئے لوگوں کو بھیجتے تھے کہ دیکھو کہ مقدمہ اگر آپ کے پاس چلا جائے تو فیصلہ ہماری مرضی کے مطابق دیں گے یا نہیں دیں گے اگر ہماری مرضی کے مطابق فیصلہ دیں تو ہم قبول کرلیں اور اگر ہماری مرضی کے مطابق فیصلہ نہ دیں تو ہم عذر کردیں گے کسی طرح سے حیلہ بہانہ کرلیں گے یہ مزاج جو انہوں نے اختیار کر رکھا تھا اللہ تعالیٰ نے ان آیات کے اندر اس مزاج کے اوپر تبصرہ فرمایا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی:

پہلے تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ یہ جو دوڑ دوڑ کر کفر کی باتوں کی طرف جاتے ہیں اور ایمان کی بات کو قبول نہیں کرتے ان کا یہ طرز عمل آپ کے لئے باعث حزن نہ ہو کیونکہ ان کی فطرت ہی ایسی ہے آپ غم نہ کریں۔

آپ کو غم کس وجہ سے ہوتا تھا یہ بات تو واضح ہے کہ ایک داعی حق مصلح پورے خلوص کے ساتھ کوشش یہ کرتا ہے کہ لوگ اللہ کے احکام کے پابند ہو جائیں اور پھر آگے سے جماعت بھی ایسی مخاطب ہے کہ جو اللہ کے احکام کی پابندی کی دعوے دار ہے اور اللہ کی کتاب کے اوپر ایمان کا دعویٰ رکھتی ہے اور وہ نبی حق کی طرف بلاتا ہے اور مصلحانہ مخلصانہ کوشش کرتا ہے اور وہ لوگ ان احکام سے بچنے کے لئے حیلہ جوئی کرتے ہیں مختلف قسم کے بہانے کرتے ہیں اور اس حق فیصلہ کے جاری ہونے کے اندر رکاوٹیں پیدا کرتے ہیں تو ایسے واقعات میں جو شخص بھی مصلح ہوگا اور اپنی اصلاحی کاروائی کے اندر مخلص ہوگا تو اس کو یقیناً صدمہ ہوتا ہے کہ دیکھو میری کوئی غرض نہیں میں جو کچھ کرتا ہوں ان کے فائدے کے لئے کرتا ہوں ان کو راہ راست پر چلانے کے لئے کرتا ہوں تو پھر جب وہ آگے سے رکاوٹیں پیش کرتے ہیں حیلہ جوئی کرتے ہیں مختلف بہانوں کے ساتھ اس حد سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں تو ایسے وقت میں داعی مخلص کو یقیناً تکلیف ہوتی ہے۔

پھر ایسے وقت میں تسلی دی جاتی ہے کہ آپ ان کی کاروائیوں سے کیا متاثر ہوتے ہیں ان کی تو فطرت ہی ایسی ہے آپ اپنا کام کیجئے اور ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیجئے، اس طرح سے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی۔

اہل کتاب علماء اور عوام کے مزاج کا بگاڑ:

پھر آگے ان کے مزاج پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا گیا کہ اصل میں ان کا مزاج بگڑ گیا عوام کا بھی بگڑ گیا، علماء کا بھی بگڑ گیا، عوام کا تو اس لئے بگڑ گیا کہ یہ لوگ جھوٹ سننے کے عادی ہو گئے ان کے سامنے جھوٹ موٹ کے قصے کہانیاں اور ادھر ادھر کی باتیں بیان کرو تو یہ بہت خوش ہوتے ہیں اور حق بات کو قبول کرنے کی اور سننے کی ان کے اندر صلاحیت نہیں رہی اور کیوں نہیں رہی اس لئے نہیں رہی کہ علماء نے ان کو بگاڑ دیا، ان کے علماء ان کو سناتے ہی جھوٹے قصے کہانیاں ہیں جن کے اندر ان کے ذہن کو عیاشی ملتی ہے اور ان کے دل کے اندر جس قسم کی جھوٹی طلب ہے وہ پیاس ان کی جھوٹے قصے کہانیوں سے بجھتی ہے انہوں نے ایسی ہی باتیں ان کو سنانا شروع کر دیں، جس میں ان کو امیدیں دلاتے ہیں کہ تم بخشے جاؤ گے یوں کرو گے ایسے کر لو گے اس قسم کے جھوٹے سہارے دیتے ہیں۔

بالکل اس کی مثال آپ کے سامنے ہے کہ جاہلوں کے سامنے اس قسم کے جاہل واعظ ہمارے ہاں بھی جب جاتے ہیں ایسے قصے کہانیاں سناتے ہیں کہ جس کی وجہ سے عوام پر کوئی احکام کا بوجھ نہیں پڑتا اور مختلف ہلکی ہلکی سی تدبیریں بتلا کر ان کو خوف آخرت سے بے نیاز کر دیا جاتا ہے کہ یوں کرو گے تو بخشے جاؤ گے، یہ کر لو گے فلاں بزرگ بلا لے گا، آج اگر کوئی صاحب شریعت واعظ چلا جائے جس نے جا کر ان کے سامنے حق بیان کرنا ہے اور ان کو جا کر نماز کی تاکید کرے، زکوٰۃ کی تاکید کرے، حج کی تاکید کرے اور یہ چوری ڈاکہ بے حیائی چھوڑنے کی تلقین کرے تو یقیناً عوام اس کی باتیں سننے کے لئے تیار نہیں اور دوسری قسم کا آدمی جوان کی تعریفیں کرتا رہے اور اس قسم کی باتیں بتاتا رہے کہ یوں کر لو گے چھوٹ جاؤ گے، یوں کر لو گے چھوٹ جاؤ گے، تم تو ایسے نبی کی امت میں سے ہو کہ تم جیسے حال میں بھی چلے جاؤ گے تم چھڑا لیے جاؤ گے حضور ﷺ جس کو چھڑا لیں گے تو کون دوسرا پکڑنے والا ہے۔

اس قسم کی ہلکی پھلکی سی تدبیریں کر کرا کر جب باتیں سناتے ہیں تو عوام خوش ہو جاتی ہے یہ مزاج آج بھی آپ کے سامنے جس طرح سے عوام کا بگڑا ہوا ہے اور اس کے بگاڑنے کے اندر علماء کا دخل ہے بالکل اسی طرح سے یہودی علماء لوگوں کو ایسے جھوٹے قصے کہانیاں سناتے تھے جن میں ان کے اوپر سے احکام کی پابندی کا بوجھ ٹلتا تھا اور ان کو مختلف امیدیں دلاتے تھے اور وہ اس قسم کی باتیں سن کر خوش ہوتے رہتے تھے تو جھوٹ سننے کے یہ عادی ہو گئے اس لئے اب ان کے کان جو ہیں وہ حق بات سننے کے لئے تیار نہیں جس کی وجہ سے ان کے اوپر ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

اور علماء کے مزاج میں بگاڑ کیوں آ گیا کہ وہ بھی جھوٹ موٹ سنانے کے عادی ہو گئے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ہیں "اکلون للسحت" حرام خور، ان کو مفت کی روٹیاں توڑنے کی عادت پڑ گئی اب وہ سمجھتے ہیں کہ عوام کو ہم

صحیح حکم بتائیں گے تو ہمیں کہاں سے وظیفہ ملے گا اور ہمیں نذرانے کہاں سے ملیں گے وہ بھی ایسے جھوٹے موٹے قصے سناتے ہیں اور قصے سنا کر ان سے مال بٹورنے کی کوشش کرتے ہیں یہ حرام خوری کی عادت ہے جس نے علماء کو حق کہنے سے روک دیا تو جب یہ حق کہنے سے رک گئے علماء کو حق کہنے کی عادت نہ رہی اور عوام کو حق سننے کی عادت نہ رہی تو وہ پھر ایسی شرارتیں نہیں کریں گے تو اور کیا کریں گے، اس انداز کے ساتھ اگر آپ چاہیں تو ان آیات میں ان کی عادات پر تبصرہ کیا گیا ہے ان کے مزاج کے اوپر تبصرہ کیا گیا ہے، ان الفاظ کے ساتھ بھی ان کو ادا کیا جاسکتا ہے کہ ان کا مزاج اس قسم کا بن گیا ہے کہ عوام بھی جھوٹ موٹ پر مطمئن ہوتی ہے ان کی پیاس ان قصے کہانیوں سے بجھتی ہے اور علماء جو ہیں وہ بھی غلط بیانیوں کے عادی ہو گئے اللہ کے احکام جو کہ اپنے موقع محل پر واقع ہوتے ہیں ان میں تحریف کرتے ہیں، کہیں ان کا مفہوم بگاڑتے ہیں اور کہیں لفظ بدلتے ہیں۔

اور علماء کی اس کاروائی کا مقصد ہے حرام کمانا اور لوگوں کے مالوں سے فائدہ اٹھانا جس کی بناء پر یہ علماء کی طرف سے کیا عوام کی طرف سے کیا دونوں طرف سے ہی بگاڑ آیا ہوا ہے تو ایسے لوگ حق قبول نہیں کیا کرتے اگر آپ کے پاس یہ فیصلہ لے کر آ بھی جائیں تو آپ پابند ہیں کہ آپ حق کے مطابق فیصلہ کریں چاہے کسی کو پسند ہو چاہے پسند نہ ہو، اور اگر آثار ایسے ہوں کہ محض معلوم کرنے کے لئے آئے ہیں کہ آپ کا کیا نظریہ ہے قبول کرنے کا ارادہ ان کا نہیں ہے ان کی نیت نہیں ہے تو پھر آپ ان کو جواب دے دیا کرو کہ جاؤ جا کر خود فیصلے کرتے رہو، میں تمہارا فیصلہ نہیں کرتا اور اگر آپ فیصلہ کریں تو پھر کریں حق کے مطابق۔

اور پھر ان کے اوپر اظہار تعجب ہے کہ ان کا تورات پر ایمان ہے، تورات کے اوپر ایمان کا دعویٰ رکھتے ہیں اور پھر آپ کے پاس فیصلہ لے کر آتے ہیں خود ان کے حال پر تعجب ہے اور اگر آتے بھی ہیں تو پھر ان کو چاہیئے کہ آپ کا فیصلہ بھی مان لیں لیکن فیصلہ آنے کے بعد پھر پیٹھ پھیر جاتے ہیں تو اصل یہ ہے کہ ان کو عقیدت ہے ہی نہیں نہ آپ کے ساتھ نہ تورات کے ساتھ نہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہ اصل میں اپنی خواہشات کے بندے ہیں جہاں خواہش پوری ہوتی ہوئی نظر آئے گی وہ بات مانیں گے چاہے آپ کی مجلس میں ملے چاہے تورات میں، اور جو ان کی خواہشات کے خلاف بات ہوگی وہ نہیں مانیں گے چاہے وہ تورات کی ہو چاہے وہ آپ کی ہو۔

آیات کا دوسرا مفہوم:

اور اگر آپ چاہیں تو ان آیات کے مفہوم کو اس طرح سے بھی ادا کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اسی سورۃ کی پچھلی آیات کے اندر تاکید کی تھی کہ تم شھداء للہ اور قائم بالقسط ہو جاؤ انصاف کو قائم کیا کرو اور اللہ

کے لئے گواہی دیا کرو یہ مضمون آپ کے سامنے مختلف انداز کے ساتھ دو جگہ گزر چکا ہے ایک جگہ کہا گیا تھا کہ کسی کی محبت تمہیں اس راستے سے نہ ہٹا دے اگر اپنے خلاف کوئی گواہی دینی پڑ جائے تو صحیح دو ماں باپ کے خلاف دینی پڑ جائے، اقرباء کے خلاف دینی پڑ جائے تو صحیح دو، کسی کے ساتھ محبت یا کسی کے ساتھ عقیدت یا کسی کا فقر یا کسی کا غناء کسی کا مالدار ہونا یا کسی کا مسکین ہونا کوئی چیز بھی تمہیں اس حق سے نہ روک سکے کہ جب بھی گواہی کا موقع آئے گواہی صحیح دیا کرو، اور حاکموں کے متعلق بات یہ تھی کہ جب بھی فیصلہ ہو تو انصاف کے مطابق ہو انصاف کے مطابق فیصلہ کیجئے تو جب حاکم میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کی قوت ہو اور اس کا ارادہ ہو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کا اور عوام کے اندر اقامت شہادت کا جذبہ ہو کہ شہادت للہ ادا کرنی ہے اور صحیح ادا کرنی ہے تو دنیا کا نظم جو ہے وہ ٹھیک رہ سکتا ہے معاملات ٹھیک چلتے ہیں سارے کے سارے حساب ٹھیک ہو جاتے ہیں کہ گواہی دینے والے سچ بولیں اور صحیح انداز کے ساتھ گواہی ادا کریں اور حاکم وقت جو ہے وہ انصاف پر تل جائے کہ جو واقعات ان کے سامنے آئیں گے وہ صحیح طور پر ان کا اندازہ کر کے ان کا فیصلہ کرے۔

یہ دو باتیں اگر ہوں گی تو دنیا کا نظم ٹھیک رہے گا آئین شریعت عملاً نافذ ہو جائے گا اور اگر گواہی دینے والے جھوٹ کے عادی ہو جائیں، گواہی کو چھپانے کے عادی ہو جائیں اور حاکم جو ہیں وہ رشوت کے عادی ہو جائیں تو جس کا مطلب یہ ہے کہ فیصلہ حق اور باطل یہ بھی خریدنے اور بیچنے کی چیز بن جائے گی جو چاہے جس طرح سے چاہے فیصلہ کروالے یہ خریدنی فروختنی چیز ہے حاکم سودا بازی کرے کہ میں یہ فیصلہ کروں گا اتنے پیسے لوں گا یہ انصاف اور حق جو تھا یہ بازاری چیز بن گیا اور اس طرح سے جھوٹی گواہی دینے والے گروہ بھی پیدا ہو جائیں جن کو جھوٹ بولنے کی عادت ہے جھوٹ سننے کی عادت ہے تو پھر نہ تو صحیح طور پر شہادت ادا ہو سکتی ہے اور نہ پھر صحیح فیصلہ ہو سکتا ہے تو پھر دنیا کا نظم کیسے ٹھیک رہے گا۔

تو اہل کتاب کے اوپر بھی پہلے یہی ذمہ داری ڈالی گئی تھی اقامت حق کی کہ تم نے حق سننا ہے حق بیان کرنا ہے حق قبول کرنا ہے اور فیصلہ حق کے مطابق کرنا ہے لیکن ان بدبختوں کے مزاج میں ایسی تبدیلی آئی کہ سراسر یہ جھوٹ کے بیوپاری بن گئے اور یہ رشوت خور ہو گئے جس کے نتیجے میں نہ حق ان کی زبان کے اوپر آتا ہے اور نہ یہ حق سن کر قبول کرتے ہیں بلکہ حق کو انہوں نے ایک بازاری جنس بنا دیا جو پیسوں کے ساتھ بکتی ہے اور فیصلہ جو ہے وہ حاکم کی مرضی پر ہوتا ہے رشوت کے تحت کہ جو زیادہ پیسے دے دے جیسے چاہے فیصلہ کروالے تو اس طرح سے ان کا قومی مزاج بگڑ گیا اور یہ سارے کے سارے خراب ہو گئے، اب اگر آپ کے پاس آتے ہیں تو اسی مزاج کے تحت آتے ہیں نہ وہ حق کہنے کے لئے تیار ہیں اور نہ وہ حق سننے کے لئے تیار ہیں اور اپنے ہاں چونکہ وہ فیصلے غلط کرتے

ہیں تو چاہتے یہ ہیں کہ آپ سے بھی وہ فیصلہ غلط کروالیں آپ ان کی خواہش کی قطعاً پابندی نہ کیجئے اگر فیصلہ آپ کے پاس آئے تو آپ حق کو بیان کریں صحیح واقعہ کا تجزیہ کر کے صحیح فیصلہ کریں پھر یہ مانیں یا نہ مانیں اس پر آپ کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، اقامت حق آپ کا فریضہ ہے آپ نے اس کو بہر حال ادا کرنا ہے۔

اہل کتاب کا جو قومی مزاج بگڑا تھا وہ اسی رشوت خوری کے نتیجے میں بگڑا تھا اور رشوت خوری ایک ایسی بیماری ہے یہ جس وقت کسی قوم کے اندر آجاتی ہے وہ قوم حق کی پابند نہیں رہتی، دینے والے غلط بیانی کر کے پیسے دیں گے، فیصلہ کرنے والے غلط فیصلہ کریں گے، پھر یہ بازاری جنس ہے جس طرح سے بھیڑ بکریوں کے سودے ہوتے ہیں پھر فیصلے حاکموں کی دربار میں اس طرح سے بکتے ہیں تو سرور کائنات ﷺ کو ان اہل کتاب کی حالت کے بگاڑ کا تذکرہ کر کے حق قائم کرنے کے لئے تاکید کرنا مقصود ہے اس انداز کے ساتھ بھی ان آیات کی تقریر کی جاسکتی ہے۔

آج کل کے وکلاء اور ہمارا عدالتی نظام:

اس کا نمونہ آپ دیکھنا چاہیں تو آج ہماری عدالتوں میں موجود ہے یہ وکلاء کا طبقہ جو آج ہے اس کی بنیاد اگر چہ کتنی ہی صحیح بنیاد پر کیوں نہ رکھی گئی ہو، بنیاد اس کی اگر چہ صحیح نظریات پر رکھی گئی ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ آج اس طبقے کے اندر جھوٹ کا بیوپار ہوتا ہے جو بھی مقدمہ ان کے پاس جاتا ہے یہ سنتے ہیں سننے کے بعد مدعی کو خود بتاتے ہیں کہ یہ بات نہ اپنی زبان سے نکالنا ورنہ پھنس جاؤ گے بالکل اس بیان کو یوں دینا ہے جھوٹ سکھاتے ہیں اور جھوٹی پٹیاں پڑھا کر پھر یہ کیس لے جاتے ہیں عدالت میں اور ادھر حکام ایسے بیٹھے ہوتے ہیں جو انصاف کے بیوپاری ہیں اور وہاں ان کو رشوت دو اور جس طرح سے چاہو بیان الٹے سیدھے جیسے کیسے ہوں وہاں فیصلہ کروالو تو یہ طبقہ آج ہمارے ہاں دانشوروں کا طبقہ کہلاتا ہے جس وقت آپ اخباروں میں پڑھیں کہ دانش مند دانشور لوگ تو دانشوروں سے آج کل کے یہ قانون دان اور یہ وکلاء مراد ہوتے ہیں جن کی مجلس میں صبح سے لے کر شام تک سوائے اس جھوٹ سازی کے، جھوٹ سکھانے کے، جھوٹ بولنے کے اور جھوٹے فیصلے کروانے کے کوئی کام ہوتا ہی نہیں۔

تو یہ طبقہ جس کے متعلق اکبر الٰہ آبادی نے کہا تھا، اکبر الٰہ آبادی یہ ایک انگریزی خواں گزرے ہیں لیکن بہت قومی جذبہ رکھنے والے شاعر تھے اور وقت کے جج تھے، نئی تہذیب سے اچھی طرح واقف تھے جج ہونے کی وجہ سے ان کو وکلاء کے ساتھ واسطہ بھی پڑتا تھا تو انہوں نے وکلاء کی ترجمانی کی ہے یعنی وکلاء کا منصب واضح کیا ہے اپنے

شعر میں کہتے ہیں کہ

پیدا ہوئے وکیل تو کہنے لگا شیطان

لو آج ہم بھی صاحب اولاد ہو گئے

یعنی جس دن یہ وکیل پیدا ہوئے تو شیطان خوش ہو گیا کہ اللہ نے مجھے بھی اولاد دے دی ہے تو جس میں اس نے بتا دیا کہ خالص شیطان کی اولاد ہیں، اور ان کے پیدا ہونے کے ساتھ ان کے طبقہ کے وجود میں آنے کے ساتھ شیطان خوش ہو گیا کہ میرے جانشین آ گئے وہ اس لئے کہ یہ انصاف کا خون کرتے ہیں، مدعی کو مدعی علیہ کو جس کو بھی ہو ایسی پٹیاں پڑھاتے ہیں جس میں یہ خود کہتے ہیں کہ یہ بات کہنی ہے اور یہ بات نہیں کہنی اور حق چھپاتے ہیں اور غلط بیانی کرتے ہیں تو حاکم اگر منصف بھی بیٹھا ہوا ہو تو ان کی کاروائیوں کے بعد وہ صحیح فیصلہ نہیں کر سکتا کیونکہ اس کے سامنے تو واقعہ جیسے آتا ہے اس نے ویسے ہی فیصلہ کرنا ہے اور اگر حاکم بھی ماشاء اللہ آگے بیوپاری ہو وہ بھی خرید و فروخت کا عادی ہے پھر اس قوم کے اندر انصاف کیسے قائم ہو سکتا ہے تو وہی اسرائیلیوں والی بیماریاں جس وقت ہماری قوم کے اندر آ گئیں تو قوم کے اندر نظم جس طرح سے برباد ہوا ہے۔

اور آئین جس طرح سے ہماری ان عدالتوں میں ذبح ہوتا ہے وہ آپ کے سامنے ہے کتنا اچھے سے اچھا قانون کیوں نہ ہو لیکن جب اس کو صحیح انداز کے ساتھ اپنایا نہیں جائے گا تو کوئی فائدہ نہیں تو یہ مزاج جو ان کے اندر تھا یہ کسی نہ کسی طرح ہماری قوم کے اندر بھی آ گیا ان آیات کے اندر اس کے اوپر تبصرہ کیا گیا ہے ترجمہ ان آیات کا ہو گیا تھا مطلب دیکھ لیجئے۔

تفسیر باللفظ:

"یایھاالرسول لایحزنك الذین یسارعون فی الکفر" اے رسول! آپ کو غم میں نہ ڈالیں وہ لوگ جو کفر کی باتوں میں دوڑ دوڑ کر جاتے ہیں، کفر میں دوڑ کر جاتے ہیں وہ تو پہلے ہی کافر ہیں یہ یہود ہو گئے منافق ہو گئے لیکن کفر کی باتوں کی طرف دوڑ دوڑ کر جاتے ہیں یعنی کفریہ بات کو جلدی قبول کرتے ہیں اور ایمان کی بات کی طرف نہیں آتے جو دوڑ دوڑ کر واقع ہوتے ہیں کفر میں "من الذین قالوا أمنابافواھھم" یہ من بیانیہ ہے اور "من الذین ھادوا" کے اندر بھی من بیانیہ ہے یعنی یہ دو طبقے ہیں بعضے تو وہ ہیں جو اپنے منہ سے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے حالانکہ ان کے دل ایمان نہیں لائے اس سے مراد منافقین ہو گئے اور دوسرا طبقہ تھا جو کہ علی الاعلان یہودی تھے اس لئے اس کا مفہوم یوں ادا کریں گے کہ جو لوگ کفر میں دوڑ دوڑ کر جاتے ہیں کفریات میں بڑھتے ہیں وہ آپ کو غم میں

نہ ڈالیں، خواہ وہ منافقوں میں سے ہوں خواہ یہودیوں میں سے ہوں مفہوم ان الفاظ سے ادا کر دیا جائے گا دونوں طبقے تھے منافق بھی اور یہودی بھی۔

"سمعون للکذب" یہ لوگ جھوٹ سننے کے عادی ہیں، یہ لوگ جھوٹ قبول کرنے کے عادی ہیں، سمع زیادہ سننے والا یا قبول کرنے والا جیسے کہ ترجمہ کے اندر یہ بات واضح کی گئی تھی "سمعون لقوم اٰخرین" اور یہ سننے والے ہیں دوسرے لوگوں کے لئے جیسے واقعہ کے تحت آیا کہ نمائندہ بن کر آئے تھے جاسوسی کرنے کے لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خیالات معلوم کریں معلوم کرنے کے بعد پھر دوسروں کو پہنچائیں کہ اگر یہ مقدمہ آپ کی خدمت میں چلا گیا تو آپ فیصلہ کس طرح سے کریں گے کس طرح سے نہیں کریں گے یہ رپورٹ لینے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حالات معلوم کرنے کے لئے وہ آئے تھے سننے والے ہیں دوسرے لوگوں کے لئے جو آپ کے پاس نہیں آئے۔

"یحرفون الکلم من بعد مواضعہ" ضمیر کلم کی طرف لوٹ گئی "من بعد مواضعہ" کا مطلب یہ ہے کہ بعد اس کے کہ کلمات اپنے موضع پر واضح ہوتے ہیں، ان کا استعمال صحیح انداز سے ہوا ہوتا ہے، صحیح محمل پر محمول ہوتے ہیں لیکن یہ اس کو بدل دیتے ہیں معنوی طور پر اس میں تحریف کرتے ہیں یا الفاظ بدل دیتے ہیں دونوں قسم کی تحریف وہ توراۃ کے اندر کرتے تھے بدل دیتے ہیں وہ کلمات کو ان کے موقع پر، واقع ہونے کے بعد کہتے ہیں کہ "ان اوتیتم" اگر تمہیں بات دی گئی یعنی اگر فیصلہ اس انداز سے دیا گیا جیسا فیصلہ وہ خود کرتے تھے تحریف کرنے کے بعد غلط انداز کے فیصلے جیسے خود کرتے تھے جو ان کا منشاء تھا جیسے واقعہ کے ساتھ تفصیل عرض کر دی اگر تمہیں یہ بات دی جائے "فخذوہ" پھر اس کو لے لینا "وان لم تؤتوہ فاحذروا" اور اگر تمہیں یہ بات نہ دی جائے اگر فیصلہ اس انداز کا نہ کیا جائے پھر اس کو قبول کرنے سے بچنا پھر اس کو قبول نہ کرنا۔

"ومن یرد اللہ فتنتہ" جس کی گمراہی کا اللہ ارادہ کر لے ہرگز مالک نہیں تو اس کے لئے اللہ سے کسی شیء کا، کیا مطلب کہ دل کے فساد کی بناء پر، نیت کے فساد کی بناء پر اللہ کا فیصلہ یہی ہوگا کہ یہ لوگ گمراہی میں ہی رہیں تو پھر آپ ان کو گھسیٹ گھسیٹ کر حق کی طرف کیسے لا سکتے ہیں جب تک ان کا ارادہ نہ بدلے، جب تک ان کی نیت صاف نہ ہو اس وقت تک یہ ہدایت کی طرف نہیں آسکتے اور نہ آپ ان کو زبردستی لا سکتے ہیں اللہ کا ارادہ انسان کے اپنے ارادے اور نیت پر موقوف ہے کہ جب ایک آدمی ڈٹ جاتا ہے کہ میں نے یہ گمراہی اختیار کرنی ہے تو پھر زبردستی اللہ تعالیٰ کی طرف سے گھسیٹ کر حق کی طرف نہیں لایا جاتا۔

"اولئک الذین لم یرد اللہ ان یطھر قلوبھم" یہی لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو پاک کرنے کا ارادہ نہیں کرتا "لھم فی الدنیا خزی" ان کے لئے دنیا میں بھی رسوائی ہے تو جو لوگ حق سنتے نہیں حق کے مطابق

فیصلے کو قبول نہیں کرتے دنیا میں بھی ان کے لئے رسوائی ہوتی ہے اور یہ منافقین بھی دنیا میں رسوا ہوئے ان کا نفاق کھلا اور یہود بھی رسوا ہوئے "ولھم فی الآخرۃ عذاب عظیم" اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے "سمعون للکذب" بہت سننے والے ہیں جھوٹ کو یا بہت قبول کرنے والے ہیں جھوٹ کو، یہ تو وہی عوام کی کیفیت ہے یا مشترکہ قومی مزاج ہے اور "اکلون للسحت" یہ ان کے علماء کی حالت ہے حرام کھانے والے ہیں "سحت" مال حرام کو کہتے ہیں اصل میں سحت کا معنی ہوتا کسی چیز کا جڑ سے اکھیڑ دینا جیسے کہ دوسری جگہ پر اس لفظ کا حوالہ دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ تمہارا رگڑا نکال دے گا عذاب کے ساتھ اور اس حرام مال کو خاص طور پر اس کا مصداق جیسے شارحین نے مفسرین نے بنایا ہے اس کو سحت کے ساتھ اس لئے تعبیر کیا جاتا ہے کہ یہ رشوت اور یہ مال حرام یہ حق کو انصاف کو جڑ سے اکھیڑ دیتا ہے کہ جس وقت بھی اہل علم کو فیصلہ کرنے والوں کو حرام کھانے کی عادت پڑ جائے پھر حق اور انصاف کا نام ونشان باقی نہیں رہ سکتا۔

یا خیر کا خاتمہ کر دیتا ہے کہ حرام خوری ایک ایسی چیز ہے کہ انسان کے اندر کسی خیر کا نام ونشان نہیں چھوڑتی خوراک کے تابع ہوتے ہیں باقی اعمال، کوئی شخص حلال کھائے گا تو اس سے اعمال بھی اچھے صادر ہوں گے حرام اگر کھائے گا تو اول تو اس سے برے اعمال صادر ہوں گے اور اگر کوئی نیکی کر بھی بیٹھے گا تو جیسے حدیث شریف میں آتا ہے کہ حرام خور کی کوئی نیکی قبول نہیں ہوتی اس طرح سے اس کی نیکی برباد ہو جاتی ہے کھانے میں پہننے میں اگر حرام کی آمیزش آ جائے تو اس بدن کے ساتھ کی ہوئی نیکیاں اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں ہیں جیسے ایک روایت میں آتا ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دس درہم کا کپڑا خریدتا ہے اور اس میں ایک درہم حرام کا ہے نو درہم چاہے اس میں حلال کے ہیں یعنی دسواں حصہ اس میں حرام کی آمیزش آ گئی تو جس وقت تک وہ کپڑا اس پہننے والے کے بدن پر رہے گا اللہ تعالیٰ اس کی کوئی نماز قبول نہیں کرتا، تو اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ لباس میں حرام آیا تو جو نیکیاں اس لباس کو پہن کر کی جائیں گی اس کے اندر بھی خبث آ گیا اور نقص آ گیا اللہ تعالیٰ اس نیکی کو قبول نہیں کرتے۔

اور ایسی ہی ایک روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک آدمی مسافر ہو پراگندہ حال میں ہو اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ پھیلا پھیلا کے یا ربی یا ربی کہہ کر وہ دعائیں کرتا ہے یعنی حالات سارے ہی ایسے ہیں کہ جس میں قبولیت کی توقع ہے کہ مسافر بدحال ہوتا ہے اس میں عجز زیادہ ہوتا ہے اور پھر ہاتھ پھیلاتا ہے پھیلا کر یا ربی یا ربی اس طرح سے دعائیں کرتا ہے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اس کی غذا حرام ہے اس کا کھانا حرام ہے اس کا پہننا حرام ہے پھر اس کی دعا کیونکر قبول ہو تو اگر اس کی غذا کے اندر خوراک کے اندر

آپ ان کے درمیان بالکل انصاف کے ساتھ واقعات کی طرف دیکھتے ہوئے جو انصاف کا تقاضا ہے اور انصاف سے مراد یہاں آئین شریعت ہے جو آپ کو دے دیا گیا ہے آپ اس کے مطابق فیصلہ کیجئے "ان اللہ یحب المقسطین" بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں۔

"وکیف یحکمونك" یہ وہی ان کے حال پر تعجب ہے، یہ کیف استفہام تعجب کے لئے ہے، کیسے فیصل بناتے ہیں یہ آپ کو حالانکہ ان کے پاس توراۃ موجود ہے "فیھا حکم اللہ" اور اس کے اندر اللہ تعالیٰ کا حکم لکھا ہوا ہے اگر وہ واقعہ زنا والا تھا تو بھی صحیح ہے کہ توراۃ کے اندر صراحۃً حکم مذکور ہے اور اگر وہ واقعہ قتل کا تھا جیسے شان نزول میں دونوں واقعے آپ کے سامنے ذکر کیے گئے تو قتل کے متعلق قصاص کے متعلق احکام سارے کے سارے توراۃ کے اندر موجود ہیں اگر ان کو حق قبول کرنے کا کوئی خیال ہے تو پھر یہ اپنی توراۃ پر عمل کیوں نہیں کرتے اس میں صاف صاف بات لکھی ہوئی ہے، کیسے فیصل بناتے ہیں آپ کو، آپ کو فیصل بناتے ہیں حالانکہ ان کے پاس توراۃ موجود ہے "فیھا حکم اللہ" اور اس کے اندر اللہ تعالیٰ کا حکم موجود ہے "ثم یتولون من بعد ذلك" ذلک کا اشارہ ہے اس تحکیم کی طرف ہے جو کہ "یحکمونك" کے اندر ہے آپ کو فیصل بنانے کے بعد پھر اعراض کر جاتے ہیں، پیٹھ پھیر جاتے ہیں پھر آپ کا فیصلہ بھی قبول نہیں کرتے۔

تو اصل بات یہ ہے "وما اولئك بالمؤمنین" یہ کوئی عقیدت رکھنے والے ہیں ہی نہیں، یہ تصدیق کرنے والے نہیں ہیں نہ ان کا پورا پورا ایمان توراۃ پر ہے اور نہ ان کا ایمان آپ پر ہے، اس لئے کہ یہ ہیں اپنی خواہشات کے بندے اگر تو ان کی خواہشات توراۃ سے پوری ہوتی ہیں تو یہ توراۃ کے حکم کو لے لیتے ہیں اور اگر توراۃ سے ان کی خواہش کے مطابق فیصلہ نہیں ملتا تو یہ آپ کی مجلس میں آتے ہیں تاکہ اپنی خواہش کے مطابق آپ سے فیصلہ کروالیں، ایمان نہیں ان کا نہ توراۃ پر نہ آپ پر ورنہ ہوتا تو یہ چاہیئے تھا کہ چاہے خواہش کے مطابق ہو چاہے خواہش کے خلاف ہو فیصلہ وہی مانا جائے گا جو توراۃ کا ہے یا جو آپ کا ہے "وما اولئك بالمؤمنین" یہ ایمان والے نہیں ان کا ایمان نہیں کسی چیز پر یہ خواہشات کے بندے ہیں اس لئے آپ ان کی خواہشات کی رعایت نہ کیجئے اگر آپ نے فیصلہ کرنا ہے تو فیصلہ صحیح صحیح کیجئے انصاف کے ساتھ جو انصاف کا تقاضا ہے اس کا مصداق آج یہ قانون شریعت ہے۔

خصوصیت کے ساتھ اس موقع پر یہود کو جو اس قسم کی تاکید کی جارہی ہیں یا ان کے مزاج کو واضح کیا جارہا ہے حق چھوڑنے کے متعلق اس کا موقع محل خصوصیت کے ساتھ یہاں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ پیچھے چونکہ حدود کا ذکر

آیا سرقہ کبریٰ کی حد مذکور تھی کہ ڈاکوؤں کو یہ سزا دیا کرو اور سرقہ صغریٰ کی حد مذکور تھی کہ چور کا ہاتھ کاٹا کرو اور ان حدود میں اکثر وبیشتر خواہشات کی پابندی سے لوگ کوتاہیاں کر جاتے ہیں اور یہود کی اکثر کوتاہیاں بھی حدود کے سلسلہ میں تھیں جیسے کہ زنا کا قصہ آپ کے سامنے ذکر کیا گیا کہ حد زنا جوان کے لئے متعین کی گئی تھی رجم انہوں نے اپنی خواہش کے ساتھ اس میں تغیر وتبدل کر لیا تھا اور یہاں چونکہ حد سرقہ ہی کا ذکر آیا خواہ وہ سرقہ کبریٰ ہو خواہ وہ سرقہ صغریٰ ہو تو ان کا حال یہاں جو بیان کیا جا رہا ہے تو اس سے اس سلسلے میں بھی تاکید کرنی مقصود ہے کہ اہل اسلام ان حدود کے اندر یہودیوں کی طرح کوئی کسی قسم کی کمی بیشی نہ کریں۔

اور آج یہ بات بھی افسوس کے ساتھ کہی جا سکتی ہے کہ جیسے یہود نے وقت کی مصلحت کے تحت اس قانون کو چھوڑ کر اپنے طور پر سزائیں متعین کر لی تھیں اور تعذیرات کا ایک نیا سلسلہ کھڑا کر لیا تھا اللہ کے احکام کی پرواہ نہیں کی اور آج مسلمانوں میں بھی وہی صورت حال پیش آئی کہ اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ حدود کو چھوڑ دیا گیا اور اپنے طور پر مصلحت کے ساتھ ہلکی ہلکی سزائیں متعین کر لیں اور یہ اس قسم کی تحریف ہے اللہ کے احکام میں جس قسم کی تحریف یہود ونصاریٰ توراۃ وانجیل کے اندر کیا کرتے تھے، یہود ونصاریٰ اللہ کے احکام کو چھوڑتے تھے تو اہل اسلام کی طرف سے یہ کوتاہی بھی ویسے ہی ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو سمجھنے کی اور اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے (آمین)
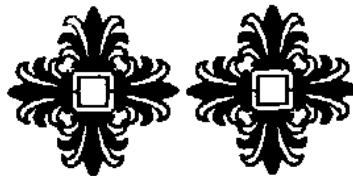
اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ

بے شک ہم نے توراۃ کو اتارا اس میں ہدایت ہے اور روشنی ہے، فیصلہ کرتے رہے اس توراۃ کے ساتھ ایسے انبیاء جو

اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ

فرمانبردار تھے ان لوگوں کے لئے جو یہودی تھے اور اہل اللہ اور علماء بسبب اس کے کہ وہ حفاظت کا مطالبہ کیے گئے تھے اللہ کی کتاب کا

وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ

اور وہ لوگ اس توراۃ پر گواہ تھے ، پس لوگوں سے نہ ڈرا کرو اور مجھ سے ڈرا کرو اور نہ لیا کرو میری آیات کے بدلے

ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

ثمن قلیل ، اور جو کوئی شخص فیصلہ نہیں کرے گا اللہ کے اتارے ہوئے قانون کے مطابق پس یہی لوگ

الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ

کافر ہیں ﴿۴۴﴾ اور ہم نے لکھا ان یہودیوں پر اس توراۃ میں کہ نفس کو نفس کے بدلے میں قتل کیا جائے گا ،

وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ

اور آنکھ کو آنکھ کے بدلے میں پھوڑا جائے گا اور ناک کو ناک کے بدلے میں کاٹا جائے گا اور کان کو کان کے بدلے کاٹا جائے گا

وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ

اور دانت کو دانت کے عوض توڑا جائے گا ، اور زخم بھی مساوات والے ہیں ، پھر جو شخص اس قصاص کا صدقہ کرے تو یہ صدقہ کرنا

كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

اس کے لئے گناہوں کا کفارہ ہے ، اور جو کوئی فیصلہ نہیں کرے گا اللہ کے اتارے ہوئے قانون کے مطابق پس یہی لوگ

الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ

ظالم ہیں ﴿۴۵﴾ ہم نے ان انبیاء کے نقش قدم پر عیسیٰ بن مریم کو بھیجا

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۠ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ

اس حال میں کہ وہ مصدق تھا اس توراۃ کا جو اس سے پہلے ہے ، اور ہم نے اس کو انجیل دی

فِيهِ هُدًى وَّنُورٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ

اس انجیل میں بھی ہدایت اور نور تھا ، اور وہ انجیل تصدیق کرنے والی تھی اس توراۃ کی جو اس سے پہلے ہے

وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿۴۶﴾ وَلْيَحْكُمْ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ

اور راہنمائی کرنے والی تھی اور نصیحت تھی متقین کے لئے ﴿۴۶﴾ اہل انجیل کو چاہیئے کہ فیصلہ کریں

بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فِيهِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ

اس قانون کے مطابق جو اللہ نے اس انجیل میں اتارا ہے ، اور جو کوئی فیصلہ نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے قانون کے مطابق پس یہی

هُمُ الْفٰسِقُونَ ﴿۴۷﴾ وَأَنْزَلْنَآ إِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا

لوگ فاسق ہیں ﴿۴۷﴾ اور ہم نے آپ کی طرف کتاب اتاری واقعہ کے مطابق ٹھیک ٹھیک جو حق پر مشتمل ہے تصدیق کرنے والی ہے

لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ

اس کتاب کی جو اس سے پہلے ہے اور یہ آپ پر اتاری ہوئی کتاب اس پہلی کتاب کی محافظ ہے آپ فیصلہ کیجئے ان کے درمیان

بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ۚ

اللہ کے اتارے ہوئے قانون کے مطابق اور ان لوگوں کی خواہشات کی اتباع نہ کیجئے اس حق کو چھوڑ کر جو آپ کے پاس آ گیا ،

لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ۚ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ

ہم نے ہر ایک کے لئے تم میں سے شریعت اور طریقت کو بنایا ، اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو بنا دیتا سب کو

أُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَآ اٰتٰكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۚ

ایک ہی جماعت تاکہ آزمائش کرے تمہاری اس چیز میں جو تمہیں اس نے دی ہے بھلی باتوں میں ایک دوسرے سے آگے نکلو ،

إِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿۴۸﴾

تم سب کا لوٹنا اللہ ہی کی طرف ہے پھر خبر دے گا وہ اللہ تمہیں اس چیز کی جس میں تم اختلاف کرتے ہو ﴿۴۸﴾

وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ

اور یہ کہ فیصلہ کر ان کے درمیان اس اتارے ہوئے قانون کے مطابق ، جو اللہ نے اتارا ہے اور ان کی خواہشات کے پیچھے نہ لگنا

وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ

اوران سے بچ کر رہنا کہ کہیں آپ کو فتنے میں نہ ڈال دیں اس بعض سے جو اللہ نے تیری طرف اتارا ہے ، پھر اگر

تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ

یہ لوگ پیٹھ پھیریں تو آپ یقین کر لیجئے کہ اس کے سوا کوئی بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ ارادہ کیے ہوئے ہے کہ مصیبت پہنچادے ان کو ان کے بعض گناہوں کے عوض ،

وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ

اور بے شک لوگوں میں سے بہت سارے نافرمان ہی ہوتے ہیں ﴿۴۹﴾ کیا یہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں ،

وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع

اورکون زیادہ اچھا ہے اللہ تعالیٰ سے ازروئے فیصلہ کے ان لوگوں کے نزدیک جو یقین رکھتے ہیں ﴿۵۰﴾

تفسیر:

ماقبل سے ربط:

مضمون اہل کتاب کے متعلق چل پڑا تھا گذشتہ رکوع کی آیات میں جس میں یہ ذکر کیا گیا تھا کہ لوگ اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق فیصلہ کے طالب ہیں اگر وہ فیصلہ آپ کے ہاں ہو تو آپ کی طرف آجائیں گے اور اگر آپ کے ہاں نہ ہو تو جہاں سے ان کو ان کی خواہش کے مطابق چیز ملے وہ ادھر کو بھاگتے ہیں اور یہ چیز سراسر منافی ہے اس عہد کے جو اللہ نے ان سے لیا تھا، اب اس کی تفصیل آگے بتائی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے توراۃ میں بھی عہد لیا اور انجیل میں بھی عہد لیا اور اسی کا ان سے مطالبہ کیا گیا کہ تمہارے معاملات کا فیصلہ جو ہونا چاہیئے اللہ کی کتاب کے مطابق ہونا چاہیئے لیکن یہ لوگ کفر اختیار کرتے ہوئے ظلم کا ارتکاب کرتے ہوئے فسق اختیار کرتے ہوئے ان احکام سے روگردانی کررہے ہیں انہوں نے وہ عہد جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اطاعت کا باندھا تھا وہ توڑ دیا۔

اور پھر مقابلۃً سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو تاکید کی جارہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف بھی قانون اتارا ہے آپ ہمیشہ اس قانون کے مطابق فیصلہ کیجئے، اگر آپ اس قانون کے مطابق فیصلہ نہیں کریں گے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آپ بھی راہ راست سے ہٹ گئے اور ان کی خواہشات کے تابع ہوگئے، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے جو کچھ کہا جارہا ہے اصل کے اعتبار سے آپ کی امت کو سنانا مقصود ہے کہ یہ اہل کتاب والا طریقہ تم اختیار نہ کرنا کہ ہم

نے ان کو کتاب دی تھی اور ہم نے ان سے عہد لیا تھا کہ اس کے مطابق چلنا ہے لیکن انہوں نے ان احکام کو چھوڑا اور اپنی خواہش کے متبع ہو گئے ظلم کا ارتکاب کیا، کفر کا ارتکاب کیا فسق کا ارتکاب کیا تم اس راستے پر نہ چلنا اگر ایسا کرو گے کہ اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے قانون کو چھوڑ کر اپنی مرضی کے ساتھ فیصلے کرو گے تو تم علم سے جاہلیت کی طرف لوٹ جاؤ گے یہ علم کا راستہ نہیں ہوگا۔

تین حصے اس رکوع کے ہیں تینوں میں یہی بات کی گئی پہلا یہود کے متعلق ہے، دوسرا نصرانیوں کے متعلق ہے اور تیسرا اہل اسلام کے متعلق ہے۔

توراۃ کا تعارف:

پہلی آیات میں توراۃ کی عظمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی تھی "انا انزلنا التوراۃ" بے شک ہم نے توراۃ کو اتارا اس حقیقت کا اعتراف ہے کہ یہ توراۃ اللہ کی اتاری ہوئی ہے اور ہمارا اس بات کے اوپر ایمان ہے کہ توراۃ اللہ کی طرف سے آئی ہوئی ہے اور اس کی عظمت یہ تھی کہ "فیھا ھدی ونور" اللہ تعالیٰ نے اس کے اندر بہت ضروری ضروری باتوں کی وضاحت کر دی، عقائد بھی بتلائے اور احکام کی بھی وضاحت کی اس میں راہنمائی ہے روشنی ہے، جاہلیت کی تاریکی اس کتاب کے ساتھ دور کی گئی ہے اور باطن میں جس قسم کے عقائد ضروری ہیں ان کی راہنمائی کی گئی ہے، اس میں ہدایت اور نور ہے "یحکم بھاالنبیون" حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توراۃ اتری تو اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے جتنے نبی آئے وہ سارے کے سارے توراۃ کے ہی مبلغ تھے، اور ان کی عدالت میں فیصلے ہمیشہ اسی توراۃ کے مطابق ہی ہوتے تھے اور یہ جو قوم تشکیل پائی تھی توراۃ کی طرف منسوب ہو کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف نسبت رکھتے ہوئے یہ یہودی کہلاتے تھے یہ بنی اسرائیل کی قوم اس وقت یہود کہلاتی تھی جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف نسبت رکھتے تھے توراۃ کی طرف نسبت رکھتے تھے یہ یہودی ہیں۔

تو ان میں جو انبیاء علیہم السلام کثرت کے ساتھ آئے وہ انبیاء علیہم السلام ہمیشہ توراۃ کے مطابق ہی فیصلہ کرتے تھے یہودیوں کا کوئی معاملہ سامنے آتا تو فیصلہ توراۃ کے مطابق کرتے تھے اور ان نبیوں کے ساتھ "الذین اسلموا" قید کا اضافہ کر دیا یہ صفت کاشفہ ہے نبی ہمیشہ مسلم ہوتا ہے اللہ کا فرمانبردار ہوتا ہے وہ کبھی اللہ کے قانون کے خلاف نہیں کر سکتا تو نبی کی شان ہے مسلم ہونا اور فرمانبردار ہونا یعنی وہ عظیم شخصیات جن کو ہم انبیاء علیہم السلام کے لفظ کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں وہ سارے کے سارے اللہ کے فرمانبردار تھے، تو جب وہ اللہ کے فرمانبردار تھے اللہ کے قانون کے سامنے سرافگندہ تھے تو پھر فیصلہ بھی انہوں نے اسی کے مطابق کرنا تھا تو جب انبیاء علیہم السلام مسلم ہیں اور انبیاء علیہم السلام اسلام

کے حامل ہیں، اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کو نبھانے والے ہیں تو جو انبیاء علیہم السلام کا نام لینے والے ہیں ان کو بھی مسلم ہونا چاہیئے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے قانون کو اپنائیں اور اس کے مطابق فیصلہ کریں انبیاء علیہم السلام بھی ایسے کرتے رہے۔

اولیاء اور علماء میں فرق:

"والربانیون والاحبار" ان دونوں لفظوں کا معنی تو آپ کی خدمت میں عرض کر دیا گیا کہ اولیاء اللہ اور علماء اس کا مصداق ہیں لیکن ان دونوں لفظوں کی حقیقت کیا ہے؟ اولیاء اللہ جن کو ہم اللہ کے دوست کہتے ہیں ہمارے عرف میں ان کے لئے صوفیاء کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے اولیاء اللہ بھی کہتے ہیں صوفیاء بھی کہتے ہیں، صوفی میں اور عالم میں فرق کیا ہوتا ہے یہ دو اصطلاحیں کس طرح سے بن گئیں؟ عرف کے اندر اولیاء اللہ اور علماء یہ دو فرقے ممتاز کس طرح سے ہیں؟ تو اس کو آپ اس طرح سے سمجھیں کہ صحیح علم حاصل کئے بغیر تو کوئی شخص بھی سیدھے راستے پر نہیں چل سکتا، صحیح علم حاصل کر لینے کے بعد پھر آگے دو طبقے بن جایا کرتے ہیں بعضے وہ ہیں جو عمل کی حیثیت کو ترجیح دیتے ہیں اس لئے فرائض کے ادا کرنے کے ساتھ ساتھ وہ نوافل اور مستحبات کی بھی شدت کے ساتھ پابندی کرتے ہیں اور اپنے اوقات کو نوافل اور مستحبات میں ذکر اذکار میں مشغول کر لیتے ہیں جس کو عرف عام کے اندر عبادت کے لفظ کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے عبادت گزاری میں لگ گئے، اپنے تعمیر نفس میں لگ گئے، ذکر اذکار میں لگ گئے، پڑھنے پڑھانے کا، علم کی اشاعت کا شغل وہ اختیار نہیں کرتے علم ان کے پاس ہوتا ہے کیونکہ جہالت میں تو کوئی شخص صحیح طرز عمل بھی اختیار نہیں کر سکتا لیکن ان کی زندگی میں عملی پہلو غالب ہوتا ہے۔

ان کی زندگی علمی زندگی نہیں ہوتی کہ ہر وقت بحث ومباحثہ میں لگے ہوئے ہوں، لوگوں کے شکوک وشبہات کے جواب دیتے ہوں، دلائل کے ساتھ کسی مدعیٰ کو ثابت کرتے ہوں، مسائل لوگوں کو بتاتے ہوں اور اسی طرح غلط بات کوئی ماحول کے اندر رائج ہوگئی تو اس کی دلائل کے ساتھ تردید کرتے ہوں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ وعظ ونصیحت کے طور پر ادا کرتے ہوں ایسے نہیں بلکہ وہ گوشہ گیر ہو کر ہر وقت اللہ کی یاد میں فکر آخرت میں لگے ہوئے ہیں اور مستحبات تک کی پابندی کرتے ہیں ان کی زندگی کے اندر یہ عملی پہلو جو ہے وہ غالب آجاتا ہے علم کی نشر واشاعت ان کے ہاں زیادہ نہیں ہوتی ان کو عرف عام کے اندر ولی اللہ کہہ دیتے ہیں، اولیاء اللہ کہہ دیتے ہیں، صوفیاء کہہ دیتے ہیں، درویش کہہ دیتے ہیں۔

اور بعضے لوگ ہوتے ہیں کہ علم صحیح حاصل کر لینے کے بعد پھر ان کی زندگی میں یہ علم ہی رچ بچ جاتا ہے فرائض ادا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے احکام عمل کے درجے میں جو ضروری ہیں ان کو پورا کرتے ہیں پورا کرنے کے

بعد نوافل اور مستحبات کی پابندی نہیں کرتے بلکہ پڑھنے پڑھانے میں، علم کی اشاعت میں، لوگوں کو سمجھانے میں، باطل کی تردید کرنے میں اور حق کے ثابت کرنے میں لگے رہتے ہیں ان کا رجحان زیادہ تر مخلوق کی خدمت کی طرف ہوتا ہے علمی انداز میں ان کو اصطلاح کے اندر علماء کہتے ہیں۔

اس طرز عمل کے ساتھ دو طبقے بن گئے ایک صوفیاء کا ایک علماء کا، حقیقت کے اعتبار سے یہ ایک ہی چیز ہے علم دونوں کے پاس ہوتا ہے اگر کسی کے پاس علم نہ ہو تو وہ صحیح معنی میں درویش نہیں کہلا سکتا، اس کی درویشی جو ہے وہ قابل اعتماد نہیں ہوتی جہالت میں اس کے عقیدے بھی خراب ہوجائیں گے اور اس کا عمل بھی سیدھا نہیں رہ سکتا معلوم ہوگیا کہ اولیاء اللہ اور درویش یہ عالم ہوتے ہیں ان کے پاس علم ہوتا ہے بقدر ضرورت لیکن غلبہ علم کا نہیں ہوتا، اور جنہوں نے علم حاصل کیا اور عمل نہیں کیا وہ فاسق ہیں قابل تعریف نہیں ہیں اس لئے جو عالم فرائض پر بھی عمل نہیں کرتا اور محرمات سے بھی نہیں بچتا تو کبھی بھی مدح کے عنوان سے ذکر نہیں کیا جائے گا، ایسا آدمی جاہل سے بھی بدتر ہوتا ہے جو جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت کرے وہ قابل تعریف نہیں ہوتے۔

علماء کی فضیلت:

علماء جن کی شان حدیث شریف میں آتی ہے اور جن کی تعریف آتی ہے اس سے مراد وہی ہوتے ہیں کہ جن کی زندگی پر علم کا غلبہ ہے لیکن عملی زندگی میں فرائض کے پابند ہیں محرمات سے بچتے ہیں اس درجے کا عمل ان کے اندر ہوا کرتا ہے اگر وہ فرائض کے بھی پابند نہ ہوں محرمات سے بچتے نہ ہوں اور ان کے اوپر یہ فاسق کا لفظ صادق آئے تو ان کو مقام مدح کے اندر ذکر نہیں کیا جاتا، تو علماء کو جو ورثۃ الانبیاء کہا جاتا ہے تو اس جگہ علماء سے وہی علماء مراد ہوں گے جن کے اوپر فساق یا فجار کا لفظ نہ بولا جاسکے، ورنہ جب ان کے ساتھ فسق کا لفظ آجائے گا فجور کا لفظ ان کے اوپر صادق آئے گا تو انبیاء علیہم السلام کی وراثت سے ان کا کیا تعلق ہوگا، لیکن فرق یہی ہے کہ جو فرائض کی پابندی کرتے ہیں محرمات سے بچتے ہیں، لیکن باقی چیزوں میں مستحبات اور نوافل وغیرہ کی ذکر اذکار کی زیادہ پابندی نہیں کرتے بلکہ اپنا باقی وقت علم کی نشر و اشاعت میں لگا دیتے ہیں اس طبقے کو علماء سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان دونوں طبقوں میں سے اہل علم کا مرتبہ زیادہ ہے کیونکہ ان میں افادہ ہوتا ہے اور دوسرے لوگوں کو فائدہ پہنچانے والی بات ہے مخلوق کو راہ راست پر لاتے ہیں اس لئے ان کا درجہ اس درویش کے مقابلے میں زیادہ ہے جو صرف اپنے تعمیر نفس میں لگا ہوا ہے اللہ اللہ میں لگا ہوا ہے اور لوگوں کے سامنے کوئی دین کی اشاعت نہیں کرتا، مشکوٰۃ شریف کتاب العلم میں دو تین روایتیں اس

بعد نوافل اور مستحبات کی پابندی نہیں کرتے بلکہ پڑھنے پڑھانے میں، علم کی اشاعت میں، لوگوں کو سمجھانے میں، باطل کی تردید کرنے میں اور حق کے ثابت کرنے میں لگے رہتے ہیں ان کا رجحان زیادہ تر مخلوق کی خدمت کی طرف ہوتا ہے علمی انداز میں ان کو اصطلاح کے اندر علماء کہتے ہیں۔

اس طرز عمل کے ساتھ دو طبقے بن گئے ایک صوفیاء کا ایک علماء کا، حقیقت کے اعتبار سے یہ ایک ہی چیز ہے علم دونوں کے پاس ہوتا ہے اگر کسی کے پاس علم نہ ہو تو وہ صحیح معنی میں درویش نہیں کہلا سکتا، اس کی درویشی جو ہے وہ قابل اعتماد نہیں ہوتی جہالت میں اس کے عقیدے بھی خراب ہو جائیں گے اور اس کا عمل بھی سیدھا نہیں رہ سکتا معلوم ہو گیا کہ اولیاء اللہ اور درویش یہ عالم ہوتے ہیں ان کے پاس علم ہوتا ہے بقدر ضرورت لیکن غلبہ علم کا نہیں ہوتا، اور جنہوں نے علم حاصل کیا اور عمل نہیں کیا وہ فاسق ہیں قابل تعریف نہیں ہیں اس لئے جو عالم فرائض پر بھی عمل نہیں کرتا اور محرمات سے بھی نہیں بچتا تو کبھی بھی مدح کے عنوان سے ذکر نہیں کیا جائے گا، ایسا آدمی جاہل سے بھی بد تر ہوتا ہے جو جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کے احکام کی مخالفت کرے وہ قابل تعریف نہیں ہوتے۔

علماء کی فضیلت:

علماء جن کی شان حدیث شریف میں آتی ہے اور جن کی تعریف آتی ہے اس سے مراد وہی ہوتے ہیں کہ جن کی زندگی پر علم کا غلبہ ہے لیکن عملی زندگی میں فرائض کے پابند ہیں محرمات سے بچتے ہیں اس درجے کا عمل ان کے اندر ہوا کرتا ہے اگر وہ فرائض کے بھی پابند نہ ہوں محرمات سے بچتے نہ ہوں اور ان کے اوپر یہ فاسق کا لفظ صادق آئے تو ان کو مقام مدح کے اندر ذکر نہیں کیا جاتا، تو علماء کو جو ورثۃ الانبیاء کہا جاتا ہے تو اس جگہ علماء سے وہی علماء مراد ہوں گے جن کے اوپر فساق یا فجار کا لفظ نہ بولا جا سکے، ورنہ جب ان کے ساتھ فسق کا لفظ آ جائے گا فجور کا لفظ ان کے اوپر صادق آئے گا تو انبیاء علیہم السلام کی وراثت سے ان کا کیا تعلق ہو گا، لیکن فرق یہی ہے کہ جو فرائض کی پابندی کرتے ہیں محرمات سے بچتے ہیں، لیکن باقی چیزوں میں مستحبات اور نوافل وغیرہ کی ذکر اذکار کی زیادہ پابندی نہیں کرتے بلکہ اپنا باقی وقت علم کی نشر و اشاعت میں لگا دیتے ہیں اس طبقے کو علماء سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان دونوں طبقوں میں سے اہل علم کا مرتبہ زیادہ ہے کیونکہ ان میں افادہ ہوتا ہے اور دوسرے لوگوں کو فائدہ پہنچانے والی بات ہے مخلوق کو راہ راست پر لاتے ہیں اس لئے ان کا درجہ اس درویش کے مقابلے میں زیادہ ہے جو صرف اپنے تعمیر نفس میں لگا ہوا ہے اللہ اللہ میں لگا ہوا ہے اور لوگوں کے سامنے کوئی دین کی اشاعت نہیں کرتا، مشکوٰۃ شریف کتاب العلم میں دو تین روایتیں اس

مضمون کی موجود ہیں کہ سرور کائنات ﷺ کے سامنے دو شخصوں کا ذکر آیا کہ ایک وہ تھا جس کو اصطلاحاً عابد کہتے ہیں اور وہ ہر وقت عبادت میں لگا رہتا ہے اور ایک وہ ہے جس کو اصطلاحاً عالم کہتے ہیں کہ وہ اپنے فرائض ادا کرنے کے بعد بیٹھ جاتا ہے اور علم کی نشر واشاعت کرتا ہے، ان دونوں میں سے بہتر کون ہے تو سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ ''فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادناکم'' عالم کی فضیلت عابد کے مقابلہ میں ایسے ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ کے مقابلہ میں اور وہاں بین السطور میں لکھا ہوا ہوگا کہ ''فیه مبالغة لا یخفی'' اس میں اتنا مبالغہ ہے کہ جس میں کوئی خفاء نہیں۔

سرور کائنات ﷺ کی نسبت امتیوں میں سے ایک ادنیٰ کے ساتھ، کیا اندازہ کیا جاسکتا ہے عالم کی فضیلت عابد کے مقابلہ میں اسی طرح سے ہے پھر ایک روایت میں بیان فرمایا کہ عالم کے لئے ہوا میں پرندے بھی استغفار کرتے ہیں پانی کے اندر مچھلیاں بھی اس کے لئے دعا کرتی ہیں، بلوں کے اندر چیونٹیاں بھی اس کے لئے دعا کرتی ہیں اور فرشتے بھی اس کی تعظیم کرتے ہیں کہ اس کے سامنے اپنے پر چھوڑ دیتے ہیں، پر جھاڑ دیتے ہیں، پست کر لیتے ہیں اپنے بازوؤں کو یہ سارے کے سارے قصے جو ہیں عالم کے ساتھ ہوتے ہیں جس سے کائنات میں عالم کی عظمت کو نمایاں کرنا مقصود ہے، اور اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ عالم چونکہ دین کا خادم ہوتا ہے دین کی نشر واشاعت کرتا ہے اور نظام عالم یہ قائم ہے اللہ کے نام کے ساتھ اور دین کے ساتھ اور دین کی بقاء چونکہ اہل علم کے طفیل ہے تو اس لئے ساری کائنات اس کا احسان مانتی ہے جب تک یہ دین باقی ہے علم صحیح باقی ہے اس وقت تک زمین وآسمان اپنی جگہ قائم ہے، اور جس دن یہ علم صحیح ختم ہوجائے گا اور گمراہی پھیل جائے گی اس دن زمین وآسمان ٹوٹ پھوٹ جائیں گے، اللہ کا نام اگر باقی ہے تو انہی خدمات کے ساتھ باقی ہے جس کی بناء پر ساری کائنات ان کا احسان مانتی ہے لیکن عالم سے مراد ہمیشہ یاد رکھیے وہی ہے جو ضروری عمل کا پابند ہو فرائض کا پابند ہو اور محرمات سے بچتا ہو۔

عالم وعابد میں فرق شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی:

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی مضمون کو اپنے اس انداز کے ساتھ ادا کیا کہ ''صاحب دلے بامدرسه آمدزے خانقاه باشکسته عهد صحبت اهل طریق را'' صاحب دل سے مراد وہی ہیں جو ہر وقت دل کی طرف متوجہ رہتے ہیں سوفی مراقبہ کرنے والے، مدرسہ کہتے ہیں طلباء مولویوں کی جگہ کو، خانقاہ ہوگئی صوفیوں کی جگہ درویشوں کی جگہ، وہ خانقاہ کو چھوڑ کر مدرسے آگیا اہل طریقت کے ساتھ جو اس نے مصالحت اختیار کی ہوئی تھی وہ مصالحت اس نے چھوڑ دی صحبت کا عہد جو تھا وہ اس نے ترک کردیا ''گفتم میان عالم وعابد چه فرق بود که

اختیار کردی ازاں ایں فرق را ''میں نے اس سے پوچھا کہ عالم اور عابد کے درمیان کیا فرق ہے کہ تو نے اس گروہ کو چھوڑ کر اس گروہ کو اختیار کر لیا، کیا وجہ ہے اس کی؟ دونوں کے درمیان میں کیا امتیاز ہے؟ وہ کہنے لگا کہ فرق یہ ہے کہ میں نے یوں دیکھا کہ جیسے سیلاب آیا ہوا ایک آدمی تو اپنی گدڑی کو سنبھال رہا ہے کہ یہ نہ بہہ جائے وہ تو اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کر رہا ہے اور یہ شخص کوشش کر رہا ہے کہ ڈوبنے والوں کو پکڑ لیں تو عالم کی حیثیت ہے ڈوبنے والوں کو پکڑنے کی کہ خود بھی نہ ڈوبے اور دوسروں کو ڈوبنے بھی نہ دے، اور درویش کی حیثیت ہوا کرتی ہے کہ وہ اپنی فکر میں لگا ہوا ہے اپنی گدڑی سنبھالنے میں باقی مخلوق کو اس کی طرف سے کوئی دینی افادہ نہیں ہوتا۔

تو جو اس طرح سے نوافل کی پابندی اور اس طرح سے اپنی عبادت کے اندر لگ جائے کہ افادہ دینی اس کی ذات سے نہ ہو یہ درویش کا مصداق ہے راہب کا مصداق ہے اور جو دین کی نشر و اشاعت کرتے ہیں وہ احبار اور علماء کا مصداق ہیں بہر حال اولیاء علماء اور انبیاء یہ سارے کے سارے اس توراۃ کے مطابق فیصلہ کرتے تھے۔

کتاب اللہ کی حفاظت کا طریقہ:

کیوں کرتے تھے ''بما استحفظوا من کتاب اللہ'' کیوں کہ ان سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ تم نے اللہ کی کتاب کی نگہبانی کرنی ہے اللہ کی کتاب کی حفاظت کا ان کو ذمہ دار ٹھہرایا گیا تھا اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کی حفاظت یوں نہیں ہوتی کہ نسخہ لے اور کپڑے کے اندر لپیٹ کر الماری میں رکھ کر تالا لگا دو تا کہ اس کو چور نہ لے جائیں یا تھوڑے دنوں کے بعد اٹھایا اور گرد جھاڑی اور دیکھ لیا کہ کہیں دیمک تو نہیں لگ گئی اللہ تعالیٰ کی کتاب کی حفاظت اس طرح نہیں ہوتی جس طرح سے ہم سمجھتے ہیں کہ ریشمی کپڑوں کے اندر لپیٹ لپیٹ کر رکھ لو اور الماریوں میں بند کر کے رکھ لو کہ کہیں اللہ کی کتاب ضائع نہ ہو جائے یہ مطلب نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی کتاب کی حفاظت کا۔

اللہ تعالیٰ کی کتاب کی حفاظت ہوتی ہے کہ اس کو پڑھا جائے اور اس کو سمجھا جائے اور اس کے مطابق عمل کیا جائے اور اگر پڑھنا چھوڑ دیا جائے اور سننا چھوڑ دیا جائے اور اس کے مطابق عمل کرنا چھوڑ دیا جائے تو اللہ کی کتاب ضائع ہوگی کیونکہ اللہ کی کتاب محض تبرک کے لئے نہیں اتری کہ گھر کے اندر اس کو لپیٹ لپیٹ کر رکھ لو یہ تو ایک عملی ہدایت نامہ ہے جس کے مطابق اپنے عقیدوں کو ڈھالنا ہے اور جس کے مطابق عمل اختیار کرنا ہے تو اس کی حفاظت اسی میں ہے کہ اس کو پڑھو پڑھنے کے بعد اسی قسم کے عقیدے اختیار کرو اسی قسم کا طرز عمل اختیار کرو تب تو آپ نے اللہ کی کتاب کو محفوظ رکھا اور اگر اس کو پڑھا نہیں سمجھا نہیں اس کے مطابق عمل کیا نہیں دوسروں کو اس کے مطابق چلانے کی کوشش نہیں کی تو اللہ کی کتاب ضائع ہوگئی، ان سے جو یہ عہد لیا گیا تھا کہ تم نے اللہ کی کتاب کی حفاظت کرنی ہے اسی عہد کا خیال کرتے ہوئے وہ ہمیشہ اسی کے مطابق فیصلے کرتے تھے اور وہ اس عہد استحفاظ کے اقراری بھی تھے۔

’’وکانوا علیہ شھداء‘‘ اوراس کتاب اللہ پر وہ گواہ بھی تھے کہ یہ اللہ کی کتاب ہے اور وہ اس بات کو جانتے تھے کہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری ان پر ڈالی گئی ہے۔

مخلوق کا خوف دل سے نکال کر خالق کا خوف پیدا کرو:

’’فلا تخشوا الناس‘‘ اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام جو اس توراۃ کے حامل تھے اس طرح سے وہ ربانیون اور احبار جن کے اوپر اس کتاب کی ذمہ داری ڈالی گئی تھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو یہ بات کہہ دی گئی تھی کہ اس کتاب پر عمل کرتے وقت اس کو اپناتے وقت لوگوں سے نہیں ڈرنا لوگوں سے ڈرنے کا کیا مطلب؟ کہ لوگوں سے ڈر کر اس کی مخالفت نہیں کرنی لوگوں کا لحاظ کرتے ہوئے اس حکم کو چھوڑنا نہیں مجھ سے ڈرتے رہنا ہے کہ اگر کسی حکم کی مخالفت ہوئی تو میری طرف سے پکڑ ہوگی، تمہارے اوپر خوف اور خشیت میرا غالب ہو جائے لوگوں کا نہیں یہ گویا کہ عملی زندگی کو سیدھا رکھنے کے لئے ایک تاکید ہے کہ اس کتاب کے مطابق چلو اور لوگوں سے اندیشہ نہ کرو مجھ سے ڈرو یہ نہ خیال کرنا کہ اگر ہم کتاب اللہ کے فلاں حکم پر چلیں گے تو لوگ ہمارا کچھ بگاڑ دیں گے ہمارا نقصان کردیں گے، ایسی کوئی بات نہیں ہے میرا خوف تمہارے اوپر غالب ہو جانا چاہیئے اس تقریر کے مطابق ’’فلا تخشوا الناس واخشون‘‘ کا خطاب اس زمانے کے لوگوں کو ہے جو کہ توراۃ کے حامل بنائے گئے تھے انبیاء علیہم السلام احبار ربانیون۔

اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کلام منتقل ہوگئی ہو موجودہ یہودیوں کی طرف جو قرآن کریم کے نزول کے وقت میں موجود تھے کہ ان پہلے والوں کا ذکر کر کے کہ تمہارے اسلاف خواہ وہ انبیاء تھے یا اولیاء تھے یا علماء تھے اس توراۃ کے مطابق چلتے رہے اور دنیا کو چلاتے رہے بدبختو تم بھی اب لوگوں سے نہ ڈرو مجھ سے ڈرو تم نے لوگوں سے ڈرتے ہوئے اپنے مفاد کی خاطر جو اس کے احکام بدلنے شروع کردیئے یہ تمہارے لئے مناسب نہیں ہے تمہیں چاہیئے کہ اپنے اسلاف کی طرح مجھ سے ڈرتے ہوئے ان احکام کی پابندی کرو لوگوں سے اندیشہ نہ کرو پھر یہ کلام متوجہ ہو جائے گی ان یہودیوں کی طرف جو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود تھے اور اپنے مفاد کی خاطر جنہوں نے احکام میں تحریف کرنا شروع کردی تھی جس کا ذکر پچھلی آیات میں آپ کے سامنے کیا ہے۔

اللہ کی آیات کو بیچنا اور قانون الٰہی کے خلاف فیصلہ کرنا:

’’ولا تشتروا بایٰتی ثمناً قلیلا‘‘ میری آیات کے بدلے دنیاوی مفاد حاصل نہ کرو، دنیاوی مفاد کی خاطر تم میری آیات کو بیچنا شروع کردو، رشوت لے لے کر تم احکام تبدیل کرنا شروع کردو یہ تو تم ہیروں کو کوڑیوں

کے بدلے میں بیچ رہے ہو، ان دونوں کی آپس میں کیا مناسبت ہے؟ اللہ کے حکم کی کوئی قیمت ادا نہیں کر سکتا جو بھی لوگے وہ ثمن قلیل ہے تو ایسا نہ کرو اس کی قدر کرو اللہ کے احکام کو رشوت لے لے کر تبدیل نہ کرو "ولا تشتروا بایٰتی ثمناً قلیلا" دونوں طرح سے مفہوم ہو گیا یا تو ان کو یہ تاکید تھی یا ان موجودہ لوگوں کو یہ کہا جا رہا ہے "ومن لم یحکم بما انزل اللہ فا ؤلئك هم الکافرون" اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے قانون کے مطابق جو فیصلہ نہیں کریں گے وہی لوگ کافر ہیں اب یہاں کفر کا لفظ جو بولا گیا ہے تو کفر اصل کے اعتبار سے تو عقیدے کی خرابی کو کہتے ہیں عقیدہ اگر صحیح ہو اور عمل کے اندر گڑ بڑ ہو اس کے لئے اصطلاحاً فسق کا لفظ بولا جاتا ہے اور یہاں کفر میں دونوں طرح سے بات آسکتی ہے غیر شرعی حکم کو شرعی حکم ظاہر کرتا ہے یا شرعی حکم کو وہ مناسب نہیں سمجھتا یا عقیدے کی خرابی ہے تو حقیقتاً کافر ہے اور اگر وہ دل سے اقرار تو کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم اسی طرح سے ہے لیکن عملاً اس کی مخالفت کرتا ہے تو یہ عملی کفر ہے بہر حال کفر کا اطلاق دونوں طرح سے ہو سکتا ہے۔

قانون قصاص اور دیت:

"وکتبنا علیهم" ان کے اوپر ہم نے لکھ دیا تھا، چونکہ یہاں پیچھے وہی قتل کے معاملہ میں دیت اور قصاص کے متعلق ان فریقوں کے درمیان کوئی غلط روش تھی جس معاملہ کو وہ حضور ﷺ کے پاس لانا چاہتے تھے اس کی مناسبت سے یہاں قصاص کے حکم کو واضح کر دیا اور جو حکم یہاں توراۃ کی طرف نسبت کر کے بیان کیا جا رہا ہے ہماری شریعت میں بھی حکم یہی ہے، اصول فقہ کی کتابوں میں آپ نے ایک اصول پڑھا ہے کہ انبیاء سابقین کی شریعت کا کوئی مسئلہ ہمارے سامنے نقل ہو کر آتا ہے اور قرآن وحدیث میں اس پر انکار نہیں کیا گیا اس کو نقل کیا گیا ہے اور اس کے اوپر انکار نہیں کیا گیا تو وہ ہمارے لئے بھی باقی ہوتا ہے "شرائع من قبلنا" کا اصول جہاں واضح کیا جاتا ہے وہاں یہ بات آپ کے سامنے آتی ہے کہ جو حکم کتب سابقہ سے نقل کیا جائے سرور کائنات ﷺ بیان فرمائیں یا اللہ تعالیٰ بیان فرمائیں اور اس کے اوپر انکار نہ کریں یعنی اپنی کلام میں اللہ نے یا اپنی کلام میں حضور ﷺ نے اس کے خلاف ہدایات نہیں دیں ایسی صورت میں وہ حکم ہمارے لئے باقی ہے تو یہاں بھی جو قصاص کا حکم ذکر کیا گیا ہے وہ حکم بھی ہمارے لئے اسی طرح باقی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں اس کو نقل کیا اور نقل کرنے کے بعد اس کے اوپر کوئی انکار نہیں کیا، ہم نے ان کے اوپر لکھ دیا توراۃ میں کہ جان جان کے بدلے یعنی نفس قتل کیا جائے گا نفس کے بدلے اور آنکھ آنکھ کے بدلے ہے یعنی آنکھ کو پھوڑا جائے گا آنکھ کے بدلے، آنکھ کے لئے ہمارے محاورے میں پھوڑنے کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور ناک کو کاٹا جائے گا ناک کے بدلے اور یا ناک کو توڑا

جائے گا ناک کے بدلے، کان کو کاٹا جائے گا کان کے بدلے، دانت کو توڑا جائے گا دانت کے بدلے، دانت کے لئے توڑنے کا لفظ استعمال ہوتا ہے کاٹنے کا نہیں ہوتا۔

"والجروح قصاص" اور یہ بات بھی ہم نے لکھ دی تھی کہ زخم بھی مساوات والے ہیں کہ ایک شخص اگر کسی دوسرے کے زخم لگائے جہاں مساوات ممکن ہو جہاں مساوات ممکن نہیں وہاں پھر دیت دی جایا کرتی ہے قصاص وہیں لینا ہے زخموں کا جہاں مساوات ہو سکے اور اس کی تفصیل آپ فقہ کے اندر پڑھ سکتے ہیں کہ کیسے زخم ہیں جن کے اندر مساوات ہو سکتی ہے اور کیسے زخم ہیں جن کے اندر مساوات نہیں ہو سکتی کمی بیشی کا اندیشہ ہوتا ہے تو جن میں مساوات ہو سکے گی وہاں قصاص لیں گے اور جن میں مساوات نہیں ہو سکے گی وہاں دیت ہوگی یہ تفصیل آپ ہدایہ رابع میں کتاب الدیات میں پڑھیں گے، "فمن تصدق به فهو كفارة له" اور جو کوئی شخص قصاص کا صدقہ کردے یعنی مقتول کے ورثاء معاف کردیں یا مجروح اپنے زخموں کا قصاص معاف کردے اس میں معاف کرنے کی ترغیب ہے کہ یہ صدقہ کرنا یہ معاف کرنا اس کے لئے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا یا دوسرے ترجمہ کے مطابق لہ کی ضمیر قاتل کی طرف یا جارح کی طرف لوٹائی جائے یعنی مجرم کی تاویل سے تو اس کا معاف کرنا مجرم کے لئے اس کے جرم کا کفارہ ہے کہ پھر اس کا جرم معاف ہو گیا پھر اس کے جرم پر کوئی گرفت نہیں ہوگی اگر صاحب حق معاف کردے اس طرح سے بھی اس کا مفہوم ادا کیا جاتا ہے اور جو کوئی شخص فیصلہ نہیں کرے گا قانون کے مطابق جو اللہ نے اتارا ہے پس یہی لوگ ظالم ہیں تو ظالم کا لفظ بھی ایسے ہی ہے ظلم بھی دونوں طرح سے بولا جاتا ہے کفر و شرک کے لئے بھی ظلم کا لفظ بولا جاتا ہے "ان الشرك لظلم عظيم" اسی طرح عملی کوتاہی جو ہے اس پر بھی ظلم کا لفظ بولا جاتا ہے۔

انجیل کا تعارف اور اہل انجیل کو ہدایت:

"وقفينا علىٰ اٰثارهم" ان کے نقش قدم پر، پہلے نبیوں کے نقش قدم پر، ہم نے پیچھے بھیجا مریم کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کو، نقش قدم کی صراحت کردی جس سے معلوم ہو گیا کہ ہر پیچھے آنے والا نبی اس طرح کے طرز عمل کا حامل ہوتا ہے جو پہلے انبیاء علیہم السلام کا تھا ان کی آپس میں ایک قدم کی بھی مخالفت نہیں ہوتی وہ دوسرے کے بالکل نقش قدم پر چلتے ہیں اس لئے جب سے دنیا بنی ہے حق کا سلسلہ مسلسل ہے ہر پیچھے آنے والا نبی پہلے نبی کا مصدق ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی درخت کے یہ سارے کے سارے برگ و بہار ہیں ان کی آپس میں کوئی مخالفت نہیں ہے ان میں ٹکراؤ نہیں ہوتا انہیں کے نقش قدم پر ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو بھیجا وہ تورات کی تصدیق کرنے والے تھے جو ان سے پہلے ہے اس کے مصدق بننے والے تھے اور ہم نے اسے انجیل دی، انجیل بھی ہدایت اور نور، جس طرح

سے توراۃ ہدایت اور نور کی حامل تھی انجیل بھی ہدایت اور نور کی حامل ہے یہ عظمت ہے اس کتاب کی اور یہ انجیل اس کتاب کے لئے مصدق تھی جو اس سے پہلے اتری یعنی توراۃ کی تصدیق کرنے والی ہے اور راہنمائی ہے اور نصیحت ہے متقین کے لئے اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے وعظ موجود ہے، اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے اس میں راہنمائی موجود ہے انجیل کی یہ عظمت ہے اور ہم اس کا اقرار کرتے ہیں کہ انجیل بھی اللہ کی طرف سے آئی اور وہ بھی ہدایت اور نور کی حامل تھی تو اصل چیز جو بھی انجیل کی ہے وہ اب بھی نور اور ہدایت کا مصداق ہے۔

"ولیحکم اھل الانجیل بما انزل اللہ فیہ "انجیل والوں کو چاہیئے کہ وہ فیصلہ کریں" ماانزل اللہ" کے مطابق یعنی جو حکم اللہ نے انجیل میں اتارا، جو ضابطہ اللہ نے انجیل میں دیا اس کے مطابق وہ فیصلہ کریں اور جو کوئی فیصلہ نہیں کرے گا اللہ کے اتارے ہوئے قانون کے مطابق یہی لوگ فاسق ہیں تو یہودیوں نے توراۃ کو عملاً ترک کر دیا وہ بھی کافر ٹھہرے ظالم ٹھہرے اور اہل انجیل نے انجیل کو ترک کر دیا تو وہ بھی فاسق ٹھہرے، فاسق اپنے اندر ظلم اور کفر کو بھی لئے ہوئے ہے یہ دو کتابیں ہو گئیں۔

قرآن کا تعارف اور اہل قرآن کو ہدایات:

"وانزلنا الیک الکتاب" اب تیسرے نمبر پر یہ قرآن کریم آ گیا، ہم نے آپ کی طرف کتاب اتاری واقعہ کے مطابق جس میں حق ہی حق ہے یہ تصدیق کرنے والی ہے اس کتاب کی جو اس سے پہلے گزری "الکتاب" کا لفظ مفرد اختیار کیا گیا کیونکہ حقیقت کے اعتبار سے اللہ کی جانب سے کتاب ایک ہی ہے اس کے مختلف ایڈیشن ہیں جو وقتاً فوقتاً اللہ تعالیٰ اتارتا رہا جس میں سے کسی حکم کو منسوخ کر دیا کسی کا اضافہ کر دیا تو اللہ تعالیٰ کتاب بنانے والا ہے کتاب حقیت کے اعتبار سے ایک ہی حقیقت کو لئے ہوئے ہے جو بھی کتاب ہے باقی جس طرح سے ایڈیشن مختلف ہو جایا کرتے ہیں آج کل کی اصطلاح میں یہ پہلا ایڈیشن ہے، یہ دوسرا ایڈیشن ہے ، یہ تیسرا اور آخری ایڈیشن آ گیا قرآن کریم کی شکل میں اب یہی کتاب ہے جس کی اتباع ہدایت ہے، نہ انبیاء علیہم السلام کے مزاج میں فرق، نہ انبیاء علیہم السلام کے طرز عمل میں فرق سارے کے سارے اپنے وقت میں اللہ کے احکام کے پابند ہوتے ہیں مسلم ہوتے ہیں اسلام کے حامل ہوتے ہیں اسی طرح جو بھی اللہ کی طرف سے کتاب ہے وہ ایک حقیقت کو لیے ہوئے ہوتی ہے جو لوگوں کو عبادت سکھاتی ہے اور فرمانبرداری سکھاتی ہے باقی وقت کے تقاضوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ بعض احکام کے اندر تغیر تبدل کر دیتے ہیں۔

"مھیمنا علیہ" کا یہ معنی ہے یہ موجودہ کتاب جو ہم نے تیرے اوپر اتاری یہ پہلی کتاب کی محافظ ہے، محافظ ہونے کا یہ معنی کہ ان کی حقانیت کے اوپر اس نے شہادت ثبت کردی کہ یہ کتابیں صحیح ہیں اور ان کے اندر جو حقیقتیں تھیں وہ ساری کی ساری اس نے اپنے اندر محفوظ کرلیں، اب اگر قرآن کریم نہ اترا ہوتا اور توراۃ کی صحیح حیثیت قرآن نے واضح نہ کی ہوتی، اسی طرح انجیل کا صحیح تعارف قرآن نے نہ کروایا ہوتا، موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی کی صداقت کی شہادت اس کتاب نے نہ دی ہوتی آج ان حالات کو دیکھ کر جس میں یہودی مبتلاء ہیں یہ عیسائی مبتلا ہیں یا ان کی کتابوں کو دیکھ کر جس حیثیت سے ہمارے سامنے موجود ہیں کون یقین کرسکتا تھا کہ یہ اللہ کی جانب سے آئی ہوئی ہیں ایسی ایسی خرافات ان کتابوں کے اندر لوگوں نے تحریف کر کے بھر دیں کہ کوئی دیکھ کر یقین نہیں کرسکتا تھا کہ یہ وہی توراۃ ہے جو اللہ نے اتاری تھی جو نور اور ہدایت کی حامل تھی۔

یہ سب ان کتابوں کی حقانیت کی حفاظت جو ہے وہ اس قرآن نے کی ہے، انبیاء علیہم السلام کے مقام کی عظمت جو ہے وہ اس قرآن نے محفوظ رکھی ہے اور کتابوں کی حقانیت کو اسی نے باقی رکھا ہے، آپ ان کے درمیان فیصلہ کیجئے اس اتارے ہوئے قانون کے مطابق جو اللہ نے اتارا اور ان کی خواہشات کے پیچھے نہ لگیں اور قانون الٰہی کے خلاف جو بھی جذبہ ہوتا ہے وہ سب خواہشات ہیں "ماجاءك من الحق" کو چھوڑ کر، جو حق آپ کے پاس آگیا اس کو چھوڑ کر ان کی خواہشات کی اتباع نہ کیجئے۔

شریعت وطریقت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں:

"لکل جعلنا منکم شرعة ومنھاجا" ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لئے شریعت اور طریقت بنائی، شریعت یہ احکام کا مجموعہ ہوگیا طریقت اس کے اوپر عمل کرنے کا طرز، یہ ہمارے ہاں دو لفظ بولے جاتے ہیں کہ ایک شریعت ہے ایک طریقت ہے، دونوں کے درمیان میں کوئی فرق نہیں، طریقت طرز عمل ہے جب انسان احکام شریعت کے مطابق چلتا ہے تو اس کا چلنا ہی طریقت ہے اہل طریقت انہی کو کہا جاتا ہے جن کا تعارف میں نے پہلے آپ کو صوفیاء کے لفظ سے کروایا وہ چونکہ عملی زندگی کو زیادہ ترجیح دیتے ہیں اس لئے وہ اہل طریقت کہلواتے ہیں ورنہ شریعت اور طریقت میں فرق نہیں ہے، شریعت علم ہے طریقت عمل ہے تو جو شخص احکام کا ماہر ہو اور اس کے مطابق عمل کرتا ہے وہ اہل شریعت بھی ہے اور اہل طریقت بھی ہے۔

ہر زمانے کے اعتبار سے طرز عمل مختلف ہوا، یوں سمجھ لیجئے ایک مثال کے ساتھ کہ اصل مطلوب تو ہے اللہ تعالیٰ کے لیے بندے کی طرف سے عبادت لیکن عبادت کا معنی احکام کی فرمانبرداری ہے اس کی شکلیں مختلف دور

میں بدل سکتی ہیں جیسے ہمارے ہاں بھی ایک وقت میں فرمانبرداری کا اظہار نماز پڑھنے سے ہوتا ہے اور ایک وقت میں فرمانبرداری کا اظہار نماز چھوڑنے سے ہوتا ہے دوپہر کو نماز چھوڑنا فرمانبرداری ہے اور وقت کے اوپر پڑھنا فرمانبرداری ہے، ایک وقت میں عبادت کا اظہار روزہ رکھنے سے ہوتا ہے اور ایک وقت میں عبادت کا اظہار روزہ چھوڑنے سے ہوتا ہے اس طرح حقیقت ایک ہے جس کا مطالبہ اللہ تعالیٰ بندوں سے کرتا ہے باقی اس کے طرز عمل مختلف ہیں کسی کو کس طرح سے دے دیا عمل کا طریقہ، کسی کو کوئی طریقہ دے دیا یہ طرز عمل کا اختلاف ہے یعنی حقیقت ایک ہے اس کی صورتیں مختلف ہیں جو اللہ تعالیٰ وقت کے تقاضوں کے تحت اپنے بندوں کو دیتے ہیں۔

اور اگر اللہ چاہتا تو ابتداء سے ایک ہی قانون اور ایک ہی طرز عمل متعین کر دیتا ایسا بھی ہو سکتا تھا لیکن یہ جو آزمائش اللہ نے کرنی تھی کہ مختلف وقت میں مختلف اوقات میں مختلف انبیاء علیہم السلام آئیں مختلف احکام آئیں تاکہ لوگ اپنے خاندانی رسم و رواج کو اور اپنے پہلے عقیدے کو یعنی جن کے ساتھ عقیدت ہے ان شخصیات کے طرز عمل کو چھوڑ کر دوسرے کے طرز عمل کو اختیار کریں اور نئے آنے والے احکام کو قبول کریں اس میں امتحان زیادہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے مختلف احکام بھیجے تاکہ تمہاری آزمائش کرے اس چیز میں جو تمہیں دی ہے "فاستبقوا الخیرت" پس تم دوڑ کر آیا کرو بھلی باتوں کی طرف، مفید باتوں کی طرف، نیکی کی باتوں کی طرف دوڑ دوڑ کر آؤ، یہود کی طرح کفر کی طرف دوڑ دوڑ کر نہ جاؤ اپنی خواہشات کی پابندی پر، خیرات میں مقابلہ کرو ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے لئے، اللہ تعالیٰ کی طرف ہی تم سب کا لوٹنا ہے پھر وہ خبر دے گا تمہیں ان کاموں کی جو تم کیا کرتے تھے۔

جو" ماانزل اللہ "کا مصداق نہیں وہ جہالت ہے:

"وان احکم بینھم بماانزل اللہ" یہ دوبارہ پھر تاکید کر دی کہ ہم نے آپ کو یہ حکم دیا ہے اور آپ کو حکم دینے کے ساتھ ساتھ امت کو اس بات کا پابند کرنا مقصود ہے کہ دیکھنا کہیں یہود و نصاریٰ کی طرح اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے قانون کی خلاف ورزی نہ ہونے پائے، ان کے درمیان فیصلہ کیجئے آپ اللہ کے اتارے ہوئے قانون کے مطابق، اور ان کی خواہشات کی اتباع نہ کیجئے اور محتاط رہیے کہ یہ اللہ کے اتارے ہوئے قانون کے کسی حصے سے آپ کو پھسلا نہ دیں، دیکھو کتنی تاکید کی جا رہی ہے؟ لیکن حقیقت آپ کے سامنے ہے کہ جس طرح سے پہلی امتوں نے اللہ تعالیٰ کے قانون کو زینت طاق بنا دیا اور اپنی زندگی کے لئے دوسرا طرز عمل خود تجویز کر لیا آج ہماری اجتماعی زندگی میں بالکل وہی صورت آئی ہوئی ہے جو کہ یہود و نصاریٰ میں تھی۔

اسلامی ممالک جن کے اندر مسلمان مختار ہیں جو چاہیں قانون بنائیں اور اس کے مطابق عمل کریں آج بھی دیکھ لیں کہ کہاں تک "ماانزل الله" کی پابندی ہے، کتاب کی عظمت کا اقرار کریں گے، چوم چاٹ کر رکھیں گے، کپڑوں میں سنبھال کر رکھیں گے لیکن طرز عمل جو تھا وہ اپنے طور پر تجویز کر لیا قانون قاعدہ جو تھا وہ اپنے ذہن سے بنالیا یا یہود و نصاریٰ سے لے لیا، تو ساری کی ساری بربادی جس طرح سے پہلی امتوں کے اندر آئی تھی اس امت کے اندر بھی اسی طرح سے سرایت کر گئی ہے کہ "ماانزل الله" کی رعایت ہم میں نہیں رہی "فان تولوا" پھر اگر یہ لوگ پیٹھ پھیریں "فاعلم" تو آپ یقین کر لیجئے کہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے گناہوں کی وجہ سے مصیبت پہنچانا چاہتا ہے۔

انفرادی گناہوں کی سزا تو زیادہ تر قیامت میں ہوگی اور جو قوم اجتماعی فرض سے غفلت برتتی ہے یہ اجتماعی فرض ہے کہ ساری کی ساری قوم مل کر اللہ کے قانون کے مطابق زندگی گزارے اجتماعی فرض سے لاپرواہی جو ہوا کرتی ہے اور اجتماعی کوتاہی جو ہوا کرتی ہے اس کی سزا اکثر و بیشتر قومیں دنیا میں بھگتتی ہیں اور یہی حال ہو رہا ہے مدعیان اسلام کا بھی، بے شک لوگوں میں سے بہت سارے لوگ نافرمان ہیں جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی نہیں کرتے یہ جو "ماانزل الله" کے حکم پر مطمئن نہیں ہوئے تو کیا یہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں یعنی ان دونوں باتوں میں ذرا موازنہ تو کر کے دیکھو! ایک ہے ایسا فیصلہ جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور نور کے مطابق ہو اور ایک فیصلہ جو ظلمت ہی ظلمت ہے "ماانزل الله" کے خلاف جو فیصلہ ہوگا وہ جاہلیت ہے اور جاہلیت کسی کو قبول نہیں کرنی چاہیئے اور جو بھی اللہ کے قانون کے خلاف فیصلہ چاہتے ہیں وہ بس جاہلیت کی طرف جانا چاہتے ہیں۔

گویا کہ ہر وہ قانون جو کہ "ماانزل الله" کے مطابق نہ ہو وہ جہالت ہے چاہے وہ قرون مظلمہ تاریک دور کا بنا ہوا ہو آج سے چودہ سو سال پہلے کا، جہالت کے دور کا جس کو ساری دنیا کہتی ہے کہ بے علمی کا دور تھا، اور چاہے وہ آج بیسویں صدی کی مصنوعی روشنی کا بنایا گیا ہو بہر حال وہ ساری کی ساری جاہلیت ہے کوئی جاہلیت قدیمہ ہے اور کوئی جاہلیت جدیدہ ہے، نور اگر ہے تو اللہ کے اتارے ہوئے قانون کے مطابق چلنے میں ہے ورنہ ساری کی ساری جہالت ہے تو کیا یہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں تو کون زیادہ اچھا ہے اللہ کے مقابلہ میں از روئے فیصلہ کے ان لوگوں کے نزدیک جو کہ یقین لاتے ہیں۔
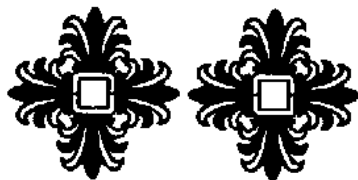
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ۘ بَعْضُهُمْ

اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بنایا کرو ، ان میں سے بعض

أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَمَن يَتَوَلَّهُم مِّنكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي

بعض کے دوست ہیں ، اور جو کوئی شخص ان سے دوستی لگائے گا تم میں سے پس بے شک وہ انہیں میں سے ہے ، بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا

الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٥١﴾ فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ يُسَارِعُونَ

ظالم لوگوں کو ﴿۵۱﴾ پھر دیکھتا ہے تو ان لوگوں کو جن کے دلوں میں بیماری ہے دوڑ دوڑ کر جاتے ہیں

فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَىٰ أَن تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ ۚ فَعَسَى اللَّهُ أَن يَأْتِيَ

یہود و نصاریٰ میں کہتے ہیں ہم ڈرتے ہیں کہ ہمیں کوئی گردش پہنچ جائے ، پھر امید ہے کہ لے آئے گا اللہ تعالیٰ

بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِّنْ عِندِهِ فَيُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا أَسَرُّوا فِي أَنفُسِهِمْ

فتح یا کوئی اور امر اپنے پاس سے پھر ہو جائیں گے یہ لوگ اس چیز پر جس کو یہ چھپاتے تھے اپنے دلوں میں

نَادِمِينَ ﴿٥٢﴾ وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَهَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا

شرمسار ۔ اور کہیں گے وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں کیا یہی لوگ ہیں جو قسمیں کھایا کرتے تھے

بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ ۙ إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۚ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا

اللہ کی پختہ قسمیں کہ بے شک وہ تمہارے ساتھ ہیں ، ان کے اعمال ضائع ہو گئے پس ہو گئے وہ

خَاسِرِينَ ﴿٥٣﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِ

خسارہ پانے والے ﴿۵۳﴾ اے ایمان والو! جو کوئی شخص پھر جائے گا تم میں سے اپنے دین سے

فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ ۙ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ

پس قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ لے آئے گا ایسی قوم اللہ ان سے محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کریں گے ، نرم ہوں گے وہ مومنوں پر

أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ

بھاری ہوں کافروں پر ، جہاد کریں گے اللہ کے راستہ میں اور اندیشہ نہیں کریں گے

لَوۡمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ

کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا، یہ اللہ کا فضل ہے دیتا ہے یہ فضل جس کو چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ وسعت والا ہے

عَلِيۡمٌ ﴿۵۴﴾ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوا الَّذِيۡنَ يُقِيۡمُوۡنَ

علم والا ہے ﴿۵۴﴾ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ تمہارا دوست اللہ ہے اور اسکا رسول اور ایسے مؤمن لوگ جو قائم کرتے ہیں

الصَّلٰوةَ وَيُؤۡتُوۡنَ الزَّكٰوةَ وَهُمۡ رٰكِعُوۡنَ ﴿۵۵﴾ وَمَنۡ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ

نماز کو اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ عاجزی کرنے والے ہیں ﴿۵۵﴾ اور جو کوئی دوستی لگائے اللہ کے ساتھ

وَرَسُوۡلَهٗ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا فَاِنَّ حِزۡبَ اللّٰهِ هُمُ الۡغٰلِبُوۡنَ ﴿۵۶﴾ ع

اور اس کے رسول کے ساتھ اور مؤمنوں کے ساتھ وہ اللہ کا گروہ ہے پھر بے شک اللہ تعالیٰ کا گروہ ہی غلبہ پانے والا ہے ﴿۵۶﴾

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيۡنَ اتَّخَذُوۡا دِيۡنَكُمۡ هُزُوًا

اے ایمان والو! نہ بناؤ ان لوگوں کو دوست جو بناتے ہیں تمہارے دین کو ٹھٹھہ

وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ وَالۡكُفَّارَ اَوۡلِيَآءَ ۚ

اور مذاق یعنی وہ لوگ جو کتاب دیئے گے تم سے قبل اور کفار،

وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذَا نَادَيۡتُمۡ اِلَى الصَّلٰوةِ

اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اگر تم ایمان لانے والے ہو ﴿۵۷﴾ اور جب تم آواز دیتے ہو نماز کی طرف بلانے کے لیے

اتَّخَذُوۡهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَعۡقِلُوۡنَ ﴿۵۸﴾

تو یہ اس ندی کو ٹھٹھہ اور مذاق بناتے ہیں، یہ اس سبب سے ہے کہ وہ لوگ عقل نہیں رکھتے ﴿۵۸﴾

تفسیر:

ماقبل سے ربط وخلاصہ مضامین:

پچھلی آیت میں آپ کے سامنے یہ مضمون وضاحت کے ساتھ آیا کہ یہود ونصاریٰ نے اپنی کتاب میں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے احکام آئے ہوئے تھے ان کو چھوڑ کر خواہشات کی اتباع اختیار کر لی، اور جب کوئی جھگڑا فساد

ہوتا تھا تو فیصلہ اللہ کے اتارے ہوئے آئین کے مطابق نہیں کرتے تھے، بلکہ انہوں نے اپنے فیصلے کے لیے اپنے ضابطے بنا لیے اور اللہ تعالیٰ کے دین کو اور اس کے بتائے ہوئے قانون کو نظر انداز کر دیا اور پھر اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی کوشش کرتے تھے کہ اہل ایمان کو بھی ان کے طریقے سے پھسلا دیں اور انہیں بھی اسی قسم کی غلطیوں میں ڈال دیں، جیسا کہ پچھلی آیات کے اندر ذکر کیا گیا تھا ''واحزرھم ان یفتنوك'' سرور کائنات ﷺ کو خطاب کر کے کہا گیا تھا کہ اس بات سے محتاط رہیے کہ کہیں آپ کو اللہ تعالیٰ کے اتارے ہوئے قانون کے کسی حصے سے پھسلا نہ دیں جس کے پس منظر میں یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ حضور ﷺ کو بھی مغالطہ دے کر غلط فیصلہ کروانے کی کوشش کرتے تھے جیسا کہ تفاسیر میں ان آیات کے شان نزول میں یہ ذکر کیا گیا ہے۔

کہ یہودیوں کے درمیان کوئی جھگڑا تھا اور ان میں ایک فریق ایسا تھا کہ جو اہل علم میں سے تھا اور وہ حضور ﷺ کی خدمت میں آ کر کچھ اس قسم کی باتیں کرنے لگا کہ ہم فیصلہ آپ کے پاس لے کر آئیں گے اور آپ کو معلوم ہے کہ ہم ذی حیثیت ہیں، لوگ ہمارے پیچھے چلتے ہیں اگر آپ نے فیصلہ ہماری مرضی کے مطابق کر دیا تو ہم مسلمان ہو جائیں گے، اور ہماری وجہ سے پھر لوگوں پر بھی اچھا اثر پڑے گا۔

یعنی وہ سمجھتے تھے کہ سرور کائنات ﷺ کو اسلام کی اشاعت سے زیادہ پسند کوئی چیز نہیں ہے اور رشوت میں ہمیشہ وہی چیز دیا کرتے ہیں جو پسندیدہ ہوتی ہے تو اس طرح سے حضور ﷺ کو متاثر کر کے خاص طور پر اسلام کی اشاعت کا واسطہ دے کر غلط فیصلہ کروانا چاہتے تھے اپنے حق میں۔

تو اللہ نے محتاط کر دیا تھا، دیکھنا کہیں یہ پھسلا نہ دیں، ہر مفاد نظر انداز کیا جا سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے قانون کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے آئین کے مطابق فیصلہ کیجئے یہ تاکید آئی تھی تو اس قسم کی ان کی شرارتیں سازشیں مسلمانوں کو صحیح راستے سے بھٹکانے کے لیے آئے دن جاری رہتی تھیں تو اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر مسلمانوں کو یہ نصیحت کی ہے کہ ان سے دوستی نہ لگایا کرو اگر ان سے دوستی لگاؤ گے تو نتیجہ یہ ہو گا کہ ایک دن تم اپنے مذہب سے پھر جاؤ گے اور انہیں کے ہو کر رہ جاؤ گے، ان کی سازشیوں کا شکار ہو کر اپنے دین سے برگشتہ ہو جاؤ گے ان کے ساتھ دوستی نہ لگاؤ یہ آیات جہاں تک پڑھی گئی ہیں جہاں تک ترجمہ کیا گیا ہے وہاں تک یہی مضمون اللہ تعالیٰ نے مختلف انداز کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

اور یہ آپ کے سامنے بارہا ذکر کیا جا چکا کہ مدینہ منورہ میں اوس اور خزرج یہ دو قبیلے تو پہلے مشرکوں کے تھے

جو بعد میں ایمان لے آئے اور یہ انصاری کہلائے اور ارد گرد کچھ قبائل یہود کے تھے اور وہ یہود سرور کائنات ﷺ کے مخالف رہے لیکن آپ کے ساتھ ترک جنگ وغیرہ کا معاہدہ کرلیا تھا، اور یہ اوس اور خزرج یہ قدیم زمانے سے ان یہودیوں کے معاہد چلے آتے تھے کہ کسی کا معاہدہ کسی کے ساتھ اور کسی کا معاہدہ کسی کے ساتھ تھا، جنگ میں بھی ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے تھے۔

اور خصوصیت کے ساتھ معاشی حالات جو تھے اس میں یہود بہت خوشحال تھے، اور سودی کاروبار یہ کرتے تھے اور اوس وخزرج میں جس وقت کوئی واقعہ پیش آتا، یہ قحط میں مبتلاء ہوتے اور کسی رزق کی تنگی میں مبتلاء ہوتے تو اپنے انہیں یہودی دوستوں سے یہ قرض وغیرہ لے کر اپنا کام نکالتے تھے اور اب اسلام کے آجانے کے بعد اوس وخزرج نے اسلام تو قبول کرلیا لیکن ان میں بعض لوگ ایسے تھے جن کو ہم منافقین کے عنوان کے ساتھ ذکر کرتے ہیں ان کی در پردہ دوستیاں بحال تھیں یہود کے ساتھ اور ان دوستیوں سے بڑا نقصان پہنچتا تھا۔

کہ مسلمانوں کے حالات بطور جاسوسی کے منافق وہاں تک پہنچاتے اور پھر وہ یہود ان حالات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے مشرکین مکہ کے ساتھ ان کے روابط تھے تو اب یہ ضروری ہوگیا تھا کہ دونوں کے درمیان میں لکیر کھینچ دی جائے اور مسلمانوں اور یہود کو بالکل ممتاز کردیا جائے تب جاکر یہ جماعت اندرونی سازشیوں سے بچ سکتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے یہاں یہی حکم دیا ہے اور جو اپنے ایمان کی کمزوری کی بناء پر یہود کے ساتھ رابطہ رکھتے تھے اس خیال سے کہ ابھی یہ فیصلہ نہیں ہوا کہ آنے والے وقت میں اقتدار کس جماعت کو ملنے والا ہے۔

لیکن چاہے مسلمانوں کی کچھ حکومت قائم ہوگئی تھی جماعتی حیثیت بن گی تھی لیکن ابھی یہود بھی اردگرد کے ماحول پر قابض تھے اور کشاکشی ذہنی طور پر عروج پر تھی کچھ معلوم نہیں تھا کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے کل کو آنے والے وقت میں فتح جو ہے یہ مشرک کافر اور یہود پاتے ہیں اور اقتدار اس علاقے پر ان کو حاصل ہوجاتا ہے یا اس کش مکش کے نتیجے میں اسلام غالب آجاتا ہے اور اقتدار ان کا قائم ہوجاتا ہے یہ صورت حال لوگوں کی نظر میں ابھی واضح نہیں تھی، جس کی بناء پر اپنے عقیدے کی کمزوری کی وجہ سے کچھ لوگ ان یہود کے ساتھ بھی اندرونی طور پر ہمدردیاں رکھتے تھے، دوستیاں رکھتے تھے ان کے پاس جاتے ان کے ساتھ ہمدردی کا اظہار کرتے مسلمانوں کی باتیں ان کو بتاتے۔

اور ان کے دل میں کمزوری یہ تھی کہ اگر کل کو یہی غالب آ گئے تو ہم نے آج اگر ان کے ساتھ بگاڑ لی تو کل کو یہ ہمارے کام نہیں آئیں گے، پھر ہمارے اوپر یہ سختی کریں گے تو ہو سکتا ہے کہ کل اقتدار ان کو مل جائے تو ہم ان سے اپنے تعلقات کیوں خراب کریں ان کے ساتھ بھی میل جول رکھنا چاہیئے تاکہ مسلمانوں کی حکومت رہے تو ہم اس میں بھی خوشحال رہیں اور امن سے رہیں اور اگر کل کو اقتدار ان کا آ گیا تو ان کے ہاں بھی ہمیں کوئی خطرہ نہ ہو۔

بلکہ اپنی دوستیوں کی بناء پر ہم وہاں بھی امن چین کے ساتھ رہیں گے، دوسری بات وہ یہ دل میں رکھتے تھے کہ حالات کا کچھ پتہ ہے نہیں آخر پہلے ہم یہاں مدینہ منورہ میں رہتے تھے تو کئی دفعہ ایسا ہوجاتا کہ قحط پڑ جاتا، اور ہم مالی تنگی کے اندر مبتلاء ہو جاتے اور یہ مسلمانوں کی جماعت جو ہے یہ ساری مفلسوں کی جماعت ہے اور یہودی جو خوشحال ہیں اور پوری طرح سے ٹھیک ٹھاک ہیں اور پہلے سے ان کا کاروبار اس قسم کا جاری ہے تو پھر ہو سکتا ہے کہ ہم کسی مشکل کے اندر مبتلاء ہو جائیں معاشی طور پر تو کل کو پھر ہم کو ان سے امداد لینے کی ضرورت پیش آئے گی اگر ہم نے ان کے ساتھ بگاڑ لی تو کل کو یہ ہمارے کام نہیں آئیں گے اس ساری تفصیل کے ساتھ آپ کے سامنے دو باتیں آ رہی ہیں کہ گویا کہ وہ منافق سیاسی مفاد بھی اسی میں سمجھتے تھے کہ یہود کے ساتھ دوستی رکھی جائے اور معاشی مفاد بھی اسی میں سمجھتے تھے کہ یہود کے ساتھ دوستی رکھی جائے۔

لیکن اس کا مدار جو تھا وہ اسی ضعف ایمانی پر تھا کہ حضور ﷺ کی بتائی ہوئی باتیں آپ کی پیش گوئیاں اور اللہ تعالیٰ اسلام کے بارے میں مستقبل کے اندر کامیابی کی جو پیش گوئیاں فرما رہے تھے ان پر ان کا اعتقاد صحیح نہیں تھا اس سیاسی اور معاشی دونوں طور پر ہی وہ اپنے آپ کو یہود سے تعلق رکھنا مفید سمجھتے تھے تو ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان کے اسی عقیدے کی اصلاح کی ہے کہ یہ خیال چھوڑ دو اب وقت قریب آ رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی فیصلہ کن فتح ہوگی یا کوئی اور حالات اس قسم کے پیش آئیں گے پھر ان لوگوں کو دلی طور پر پچھتانا پڑے گا کہ جو اپنے دل کے اندر اس قسم کے عقیدے رکھتے تھے ظاہر چاہے وہ کچھ کرتے ہوں۔

لیکن اندر یہ ایمان کی کمزوری ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ کل کو حکومت ان یہود کی ہوگئی تو ہمارے تعلقات کام آئیں گے ہم کسی معاشی مشکلات میں مبتلاء ہوگئے تو یہ ہمارے کام آئیں گے یہ ایمان کی کمزوری ہے پھر یہ باتیں ساری کی ساری ظاہر ہو جائیں گی پھر یہ پچھتائیں گے کہ نہ تو ہم نے مسلمانوں کے ساتھ ہی پورے تعلقات رکھے اس لیے آج مسلمان بھی ہم پر اعتماد نہیں کرتے اور یہود کے ساتھ ہم نے دوستی لگائی تھی، وہ ویسے برباد ہوگئے اس لیے نہ ہم ادھر کے رہے اور نہ ادھر کے رہے۔

اور یہ دو غلے جو ہوا کرتے ہیں اکثر و بیشتر ان کا انجام ایسے ہوا کرتا ہے نہ یہ پھر ادھر پوری طرح سے قابل اعتماد سمجھے جایا کرتے ہیں نہ دوسری طرف قابل اعتماد سمجھے جایا کرتے ہیں جس کے نتیجے میں پھر پچھتانا پڑتا ہے تو ان منافقین کو اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ یہ تاکید کی ہے کہ یہ تعلقات چھوڑ دینے چاہئیں اگر نہیں چھوڑو گے تو نتیجتاً تم ان میں سمجھے جاؤ گے مخلصین میں تمہارا شمار نہیں ہوگا یہی مضمون ہے ان آیات کا جو آپ کے سامنے تلاوت کی گئی ہیں۔

کافروں کے ساتھ کس قسم کا تعلق ممنوع ہے؟

اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ ان کے ساتھ تمہاری دلی ہمدردیاں نہیں ہونی چاہئیں یہ آپ کے سامنے پہلے ذکر کیا گیا تھا کہ ایک ہوتی ہے موالات، اس کا معنیٰ ہوتا ہے کہ دل سے کسی کے ساتھ ہمدردی رکھنا، دل سے کسی کے ساتھ محبت رکھنا یہ تو کافروں کے ساتھ، یہود کے ساتھ، نصاریٰ کے ساتھ، فساق فجار کے ساتھ مؤمنین کے لیے جائز نہیں کہ دل کے ساتھ محبت ان سے رکھی جائے۔

کیونکہ دل کی محبت کا مدار ہوتا ہے دوسرے کی مناسبت پر اور دوسرے کے طور طریقے کی پسندیدگی پر، اور جب ایک مؤمن ان میں سے کسی ایک کے ساتھ دلی محبت رکھے گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے طور طریقے سے اس کو نفرت نہیں ہے اس میں کسی درجے میں کفر کی پسندیدگی بدعت کی پسندیدگی فسق کی پسندیدگی اور رضا پائی جاتی ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس کے بعض اثرات کے اعتبار سے وہ بھی انہیں میں سے سمجھا جائے گا۔

اور ایک ہے ظاہری طور پر مواسات مدارات خیر خواہی کے ساتھ پیش آنا، کسی مصیبت کے وقت تعاون کرنا، بظاہر خوش اخلاقی سے پیش آنا یا سیاسی معاملات میں مسلمانوں کے مفاد کے تحت ان کے ساتھ کسی قسم کا معاہدہ کر لینا یہ چیزیں جائز ہیں اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہود کے ساتھ معاہدات کیے تھے اور اس وقت سے لے کر اس وقت تک ہمیشہ اہل اسلام اس قسم کے معاہدات کرتے رہتے ہیں اپنی سیاسی سطح پر مسلمانوں کے مفاد کو مد نظر رکھتے ہوئے کافروں کے ساتھ کوئی معاملہ کر لیا جائے اور ان کے ساتھ کوئی اتحاد عمل اختیار کر لیا جائے اس کی ممانعت نہیں ہے۔

یہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خود یہود کے ساتھ بھی کیا اور صلح حدیبیہ کے اندر آپ کا معاہدہ کسی درجے میں ترک جنگ کا اور بعض دوسرے معاملات کا مشرکین کے ساتھ بھی ہوا تو جہاں مسلمان کا مفاد اس میں سمجھا جائے کہ

کافروں کے ساتھ کسی صورت میں بھی اتحادِ عمل اختیار کرلیا جائے یہ صورت ممنوع نہیں ہے موالات جس کی یہاں ممانعت آرہی ہے یہ ہے دلی ہمدردی اور دلی تعلق اور وہ بھی "من دون المؤمنین" کی قید کے ساتھ مقید ہے۔

قرآن کریم کی آیات میں کہ مؤمنین کو چھوڑ کر مؤمنین کے مفاد کے خلاف کافروں کے ساتھ ہمدردی رکھنا اور مؤمنین کے ساتھ دلی تعلق نہ ہونا اور کافروں کے ساتھ دلی تعلق ہونا یہ حرام ہے اور اس کی مختلف آیات کے اندر ممانعت کی گئی ہے تو ان آیات سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ کسی سطح پر بھی کافروں کے ساتھ تعلق نہیں رکھا جاسکتا، قرآن کریم کی آیات میں حدیث شریف کی روایات میں مضمون اسی تفصیل کے ساتھ ہی آیا ہے جس تفصیل کے ساتھ آپ کے سامنے ذکر کررہا ہوں سورۃ الممتحنہ کے اندر اس کی مزید وضاحت آئے گی۔

ظالموں کو ہدایت نہ ملنے کا مفہوم:

"ان اللہ لایھدی القوم الظالمین" حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا مطلب یوں ذکر کیا ہے کہ یہ بات بالکل ہی واضح ہے کہ کافروں کے ساتھ مؤمنوں کی دوستی نہیں ہوسکتی اور دوستی جو ہوا کرتی ہے کسی نہ کسی باطنی مناسبت کی بناء پر ہوا کرتی ہے اور دوست دوست کے طریقے پر ہی سمجھا جاتا ہے، اس لیے جو ان کے ساتھ دوستی لگائے گا وہ بعض وجوہ کے اعتبار سے انہیں میں سے سمجھا جائے گا یہ بات بالکل واضح ہے۔

لیکن جو لوگ کافروں کی محبت میں مبتلاء ہو کر اپنے آپ پر ظلم کرنے والے ہیں، اتنا واضح مضمون بھی ان کی سمجھ میں نہیں آتا تو یہاں ہدایت سے راہنمائی اسی مضمون کی طرف مراد ہے ظالم لوگوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا یعنی ظالم لوگوں کی ایسی کیفیت ہوجایا کرتی ہے کیفیت کا خالق چونکہ اللہ ہے اس لیے نسبت اللہ کی طرف کردی گئی کہ اتنی واضح بات بھی ظالموں کی سمجھ میں نہیں بیٹھتی جو کافروں کے ساتھ دوستیاں لگا لگا کر اپنی فطرت کو مسخ کرلیتے ہیں دلوں کے اندر کافروں کو جگہ دیتے ہیں اس قسم کی واضح سے واضح بات بھی ان کے فہم میں نہیں بیٹھتی۔

اللہ تعالیٰ ان کو صحیح بات سمجھنے کی توفیق نہیں دیتا، اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت نہیں دیتا، کیونکہ کیفیت کا خالق اللہ ہے اس لیے نسبت ادھر ہوگی لیکن مدار اس "لایھدی" کا ظالم کے ظلم پر ہے کہ انہوں نے اس غلط روش کے ساتھ، اپنے دلوں کو اس طرح سے مسخ کرلیا کہ اب اس قسم کی صحیح بات ان کے دماغ میں نہیں آتی، یا یوں کہہ سکتے ہیں کہ جو ظالم ہیں اپنے آپ پر ظلم ڈھانے والے جو مسلمانوں سے تعلق نہیں رکھتے جو مسلمان ہونے کے باوجود، دعویٰ اسلام کا کرنے کے باوجود ان کی ہمدردیاں مسلمانوں کے ساتھ نہیں۔

بلکہ کافروں کے ساتھ ہیں یہ ظالم ہیں اور یہ ہمدردیاں اس لیے رکھے ہوئے ہیں تاکہ ان کو دنیا میں سرخروئی حاصل ہو یہ مقصد ان کو حاصل ہونے کا نہیں ہے اللہ تعالیٰ ان کو ان کے مقصد تک نہیں پہنچائے گا یہ مقصد ان کو حاصل نہیں ہوگا جس طرح سے یہ ظالم سمجھتے ہیں کہ اس طریقے کے ساتھ دنیا کے اندر ہم عزت حاصل کرلیں گے اور دونوں طرف سے ہم مفاد حاصل کرلیں گے یہ مقصد ان کو حاصل ہونے کا نہیں ہے یہ مفہوم بھی ان الفاظ کا ہوسکتا ہے۔

منافقین کا کردار اور انجام:

''فتری الذین فی قلوبھم مرض'' یہ اس طبقے کی طرف انگلی اٹھا کر اشارہ کردیا جو اس بیماری میں مبتلاء تھے اصل میں یہ تھے منافق، تو دیکھے گا ان لوگوں کو جن کے دلوں میں بیماری ہے دوڑ دوڑ کر جاتے ہیں ان میں، اب اس آیت کے اتر آنے کے بعد بات بہت واضح ہوجائے گی کہ جس کی ہمدردی یہود کے ساتھ معلوم ہوگی لوگ دیکھنے والے خود سمجھ جائیں گے کہ یہ وہی ہے جس کی قرآن نے نشاندہی کی کہ ان کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے، دیکھتا ہے تو ان لوگوں کو جن کے دلوں میں بیماری ہے کہ دوڑ دوڑ کر جاتے ہیں وہ ان میں'' یقولون'' یہ ضروری نہیں کہ زبان سے کہتے ہوں دل کے اندر خیالات اور جذبات جو پیدا ہوا کرتے ہیں اس کو بھی قول کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے جیسے آپ بھی بات کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ میں نے دل میں کہا، دل کے سوچنے کو دل کے کہنے کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں ہر زبان میں یعنی وہ اپنے دلوں میں یوں خیال کرتے ہیں تو دلوں میں کہتے ہیں کہ ''نخشیٰ ان تصیبنا دآئرۃ'' ہم اندیشہ رکھتے ہیں کہ ہمیں کوئی گردش پہنچ جائے، ہوسکتا ہے کہ ہم زمانے کی کسی گردش کا شکار ہو جائیں پھر ہمیں ان کی ضرورت پیش آئے گی تو اگر ان کے ساتھ ہمارے تعلقات نہیں ہوں گے تو پھر مشکل وقت میں یہ کام نہیں آئیں گے اس طرح ان کو اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ باتوں پر اعتماد نہیں اللہ پر ان کو توکل نہیں بلکہ دلی طور پر ان یہود کے ساتھ دوستی لگائے ہوئے ہیں اس اندیشے کی بناء پر کہ مستقبل میں یہ کام آئیں گے۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ'' فعسی اللہ ان یاتی بالفتح ''قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح لے آئے گا مسلمانوں کو فتح دے دے گا اور ان کا اقتدار بالکل مٹ جائے گا یہ جو اس وقت مقابل بنے بیٹھے ہیں یہ حیثیت مقابلہ کی باقی نہیں رہے گی یا کوئی اور امر اللہ تعالیٰ اپنی طرف سے ظاہر کردے گا پھر یہ اپنے دل میں چھپائی ہوئی باتوں پر پچھتائیں گے، شرم سار ہوں گے کہ ہم کیا سمجھ رہے تھے اور ہو کیا گیا ہم سمجھ رہے تھے کہ یہود شاید غالب آجائیں گے اور مسلمان مغلوب ہوجائیں گے۔

لیکن یہ معاملہ الٹا ہو گیا، ہم سمجھتے تھے کہ دلی ہمدردیاں ہماری ان کے ساتھ ہوں گی تو کل کو یہ ہمارے کام آئیں گے وہ تو خود اپنے آپ کو نہ سنبھال سکے ہمارے انہوں نے کیا کام آنا تھا، اس طرح سے حالات پیش آجانے کے بعد یہ پچھتائیں گے پشیمان ہوں گے یہ بھی ایک قسم کی پیش گوئی ہے اور ایسے ہی ہوا کہ جب یہود کے قبائل ذلیل ہوئے کوئی جلاوطن ہوا کوئی قتل کر دیا گیا تو جو منافقین نے سہارے تلاش کرر کھے تھے وہ سارے کے سارے ختم ہو گئے پھر لازماً انسان دل میں پچھتاتا ہے کہ میں کیا سمجھے ہوئے تھا اور ہوا کیا تھا اور جب یہ حالات واضح ہو جائیں گے اور پتہ چل جائے گا کہ یہ منافق تھے ان کی ہمدردیاں یہود کے ساتھ ہیں ہمارے ساتھ نہیں ہیں تو پھر مؤمن کہیں گے" اھؤلاء الذین اقسموا باللہ جھد ایمانھم "اھولاء الذین" یہ استفہام ایسے ہی ہے جیسے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے مطلب بیان کرتے ہوئے ایک لفظ بولا محاورۃً کہ جب ان کا حال کھلے گا تو مؤمن کہیں گے ارے یہی لوگ تھے جو قسمیں کھا کر کہا کرتے تھے کہ ہم تو تمہارے ہیں۔

لیکن اب جو حالات کھل جانے کے بعد معلوم ہوا کہ ہمیں دھوکہ دیتے تھے اور یہ سارے کے سارے دل سے اُدھر تھے یہ استفہام اظہار تعجب کے لیے ہے جس کو ارے کے لفظ کے ساتھ تعجب کیا ارے یہی لوگ تھے جو ایسے ہی قسمیں کھایا کرتے تھے ہمارے سامنے اور کہا کرتے تھے کہ ہماری ہمدردیاں تمہارے ساتھ ہیں لیکن آج تو بالکل کھل کر سامنے آگیا سب کچھ، اندر اندر سے ان کے ساتھ تھے ہمارے ساتھ نہیں تھے یہ بھی ان کی رسوائی کی پیش گوئی ہے کہ ایک وقت آئے گا جب مؤمنین مخلصین کے سامنے یہ لوگ ذلیل ہوں گے کیا یہی لوگ ہیں جو قسمیں کھایا کرتے تھے اللہ کی مضبوط قسمیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔

"حبطت اعمالھم" یہاں اعمال سے ان کی وہ ساری کاروائیاں مراد ہیں جو کاروائیاں وہ کرتے تھے یہود کے ساتھ دوستیوں کے سلسلے میں اس خیال کے ساتھ کہ یہ کل کو ہمارے کام آئیں گے یہ ساری کی ساری کاروائیاں ان کی برباد ہو گئیں اور مسلمانوں کو یہ نقصان نہ پہنچا سکے اور اپنی ان کاروائیوں سے فائدہ نہ اٹھا سکے جتنی تدبیریں انہوں نے کی تھیں سب بے کار گئیں کوئی فائدہ نہ ہوا" فاصبحوا خاسرین "پس ہو گئے یہ خسارہ پانے والے نہ اُدھر کے رہے نہ اِدھر کے رہے، خسارہ ان کا یہ تھا کہ اُدھر سے بھی دھتکارے گئے اِدھر سے بھی دھتکارے گئے، نہ ان کے نزدیک ان کا کوئی مقام رہا اور نہ ان کے نزدیک ان کا کوئی مقام رہا اس لیے ان کا خسارہ جو تھا وہ واضح ہو گیا۔

" حبطت اعمالھم فاصبحو خاسرین "اعمال سے یہاں وہی معاملاتی کاروائیاں مراد ہیں جو دنیا کے مفاد حاصل کرنے کے لیے وہ غیروں کے ساتھ کرتے تھے۔

کفار سے تعلق توڑنے میں فائدہ اپنا ہے:

اب آگے یہی تنبیہ ہے کہ یہ جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں کہ ان سے تعلقات چھوڑ دو اور مؤمنوں کی جماعت کے ساتھ مخلص ہو جاؤ یہ تمہارے مفاد کے لیے کہتے ہیں ورنہ دین کا اس میں کوئی نقصان نہیں ہے یہ جو تمہاری ہمدردیاں ہیں ان کافروں کے ساتھ یہود کے ساتھ اگر تم بالکل اسلام کو چھوڑ کر نمایاں ہو کر کفر اختیار کر لو دین کا تو بھی کچھ نہیں بگڑے گا تم چلے جاؤ گے اللہ تعالیٰ کوئی اور مخلص جماعت کھڑی کر دے گا اے ایمان والو! جو کوئی تم میں سے مرتد ہو جائے اپنے دین کو چھوڑ کر جو چلا جائے ''فسوف یاتی الله'' یہ آگے الفاظ دال بر جزا ہیں جزا یہاں محذوف نکلے گی جو کوئی شخص اپنے دین سے مرتد ہو جائے اس میں دین کا نقصان کچھ نہیں اسلام کا وہ کچھ نہیں بگاڑے گا اللہ اور اللہ کے رسول کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا اللہ تعالیٰ لے آئے گا ایسے لوگوں کو ''فسوف یاتی الله بقوم'' اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو لے آئے گا جن کی یہ صفتیں ہوں گی۔

مؤمنین کی پہلی صفت:

پہلی صفت تو یہ ہوگی کہ وہ اللہ کے محبوب ہوں گے اور اس کے ساتھ یہ بات ہوگی کہ وہ بھی اللہ سے محبت رکھیں گے دو طرفہ محبت ہوگی، اللہ تعالیٰ کو ان سے محبت ہوگی اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھیں گے اللہ تعالیٰ ان سے محبت رکھیں گے اس کی نسبت ان کے عمل کی طرف ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھیں گے محبت کی علامت کیا ہے؟ دلی تعلق ان کا اللہ کے ساتھ ہوگا اور وہ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہوں گے کیونکہ محبت جو اختیاری ہے وہ اطاعت کے معنیٰ میں ہوتی ہے محبوب کے حکم کو دوسروں کے حکم کے مقابلے میں ترجیح دینا یہ اختیاری محبت ہے وہ لوگ ایسے ہوں گے جن کا قلبی تعلق محبت کا تعلق اللہ کے ساتھ ہوگا اور اس کا معیار یہ ہے ''ان کنتم تحبون الله فاتبعونی یحببکم الله'' جیسے قرآن کریم میں ذکر کیا گیا کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو کیونکہ اتباع سنت یہ اللہ کے ساتھ محبت رکھنے کی واضح دلیل ہے تو اللہ تعالیٰ سے محبت رکھیں گے تو مطلب یہ ہوگا کہ صحیح طریقے کے اوپر چلنے والے ہوں گے، اللہ کے آئین کی پابندی کریں گے اور اللہ کے بتائے ہوئے طریقے پر چلیں گے۔

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کی اتباع کریں گے اور اتباع سنت کے حامل ہوں گے اور جس وقت وہ اتباع سنت کے حامل ہوں گے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرنے لگ جائے گا جیسے اس آیت کے اندر

معیار ذکر کیا گیا '' ان کنتم تحبون الله فاتبعونی '' تو دونوں باتوں کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہوں گے، زندگی ان کی اتباع سنت کے ساتھ گزرے گی جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کو بھی ان کے ساتھ محبت ہو جائے گی تو محبت اختیاری یہ اطاعت ہے یہ اتباع سنت ہے یہ بھی البتہ ہوسکتا ہے کہ جب انسان اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا استحضار کرتا ہے اس کے فضل واحسان کو ہمیشہ مستحضر رکھتا ہے تو طبعی محبت بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو جاتی ہے۔

لیکن طبعی محبت چونکہ اختیاری نہیں اس لیے انسان اس کے حاصل کرنے کا مکلّف نہیں ہے اگر چہ اختیاری محبت کو اپنا لینے کے بعد طبعی محبت بھی ہو جایا کرتی ہے، دونوں باتوں کے درمیان فرق آپ کی سمجھ میں آرہا ہے کہ محبت اختیاری یہ اطاعت ہے اور طبعی محبت وہ ہے جس میں کشش سی پیدا ہو جاتی ہے ہر وقت یاد رہنے لگ جاتی ہے تو اس اختیاری محبت کے اپنانے کے نتیجے میں یہ غیر اختیاری محبت طبعی جو ہے وہ بھی حاصل ہو جایا کرتی ہے اور پھر اللہ تعالیٰ بھی ان سے محبت کرنے لگ جائے گا تو اس جماعت کی جو بنیاد ہوگی وہ گویا کہ محبت یہ ہوگی ان کے دل میں محبت اللہ تعالیٰ کی اور اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرے گا پہلی صفت ان کی یہ ہوگی جس کا معنی کہ ان کا طریقہ صحیح ہوگا وہ اللہ کے ہاں مقبول ہوں گے۔

مؤمنین کی دوسری صفت:

'' اذلة علی المؤمنین '' پھر دوسرے نمبر پر یہ بات ان میں نمایاں ہوگی کہ مؤمنوں کے حق میں بڑے نرم ہوں گے، مؤمنوں کے فرمانبردار اذلہ ذلول کی جمع ہے '' مطیع ناقة ذلول ،ذلول '' اسی ناقہ کو کہتے ہیں جب چاہو ان پر سواری کرلو، جب چاہو اس کا دودھ نکال لو، ٹانگ مارنے کی عادی نہیں اور کسی قسم کا نقصان پہنچاتی نہیں تو اسی طرح سے یہ جو مؤمن ہوں گے یہ جماعت جو ہوگی مؤمنوں کے حق میں ایسی ہی نرم ہوگی کہ مؤمنوں کے مفاد میں ان کی ساری صلاحیتیں صرف ہوں گی، ان کا مال مؤمنوں کے مفاد میں جائے گا، ان کی جان مؤمنوں کے مفاد میں جائے گی، ان کی قابلیت اہلیت جو کچھ بھی ہے سب مؤمنوں کے مفاد میں استعمال ہوگی۔

اور جب کسی مؤمن کا ان تک کام پڑے گا اور کہے کہ دیکھو فلاں جگہ مجھے آپ کی اعانت کی ضرورت ہے تو ہر طرح سے یہ ان کی اعانت کریں گے جتنی ان کے بس میں ہوگی یہ اس مقبول جماعت کی بنیاد ہے کہ آپس میں ان کی ایسے محبت ہوگی جیسے اس کو دوسرے لفظوں میں '' رحماء بینھم '' سے تعبیر کیا ہے آپس میں رحیم ہوں گے، ایک دوسرے کے لیے ان کا دل پگھلے گا، ایک کی تکلیف کو دیکھ کر ان کے دل کو ٹھیس پہنچے گی۔

اور ایک دوسرے کے کام آنے والے ہوں گے، مؤمنوں کے حق میں بڑے نرم، بڑے خوش اخلاق، بڑے فرمانبردار آپس میں تو ان کا یہ تعلق ہوگا جس میں بتایا جارہا ہے کہ مقبول جماعت وہی ہوتی ہے جس کے افراد کا آپس میں اس طرح کا تعلق ہو۔

مؤمنین کی تیسری صفت:

''اعزة علی الکافرین'' کافروں پر بڑے گراں ہوں گے ''اعزہ عزیز'' کی جمع ہے گراں بڑا دشوار جو قابو میں نہ آنے والا ہے یہ ذلول کے مقابلے میں آ گیا، ذلول وہ ہوتا ہے جس کو جس وقت چاہو قابو کرلو، جس وقت چاہو اس سے کام لے لو، عزیز وہ ہوگیا جو قابو میں نہ آئے کسی کے بس میں نہ ہو یعنی کافروں کے حق میں وہ ایک ٹھوس چٹان ہوں گے کافران کے اندر کسی قسم کی انگلی داخل کرنا چاہیں گے تو اتنے مضبوط ہیں کہ انگلی داخل کرنے کی گنجائش نہیں ہوگی۔

ان کو مضبوط پائیں گے، کافران کے اوپر کنٹرول نہیں کرسکیں گے جس کو آج کل کے محاورے میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ مؤمنوں کے حق میں تو وہ جانثار ہوں گے لیکن کافروں کے سامنے وہ گردن تو کٹا سکتے ہیں لیکن کافروں کے ہاتھ میں بک نہیں سکتے، ان کے مفاد میں استعمال نہیں ہوسکتے ان افراد کی یہ خصوصیت ہوگی ان کو خریدا نہیں جاسکے گا، کسی اعتبار سے بھی ان کو راہ راست سے ہٹایا نہیں جاسکے گا جس طرح سے ایک بھاری چٹان ہوتی ہے کافروں کے راستے میں وہ چٹان کی طرح ہیں یہ صفت ہوگی ان مقبول بندوں کی۔

مؤمنین کی چوتھی صفت:

''یجاهدون فی سبیل اللہ'' اللہ کے راستہ میں جہاد کریں گے جہاد کا مفہوم آپ کے خدمت میں عرض کیا جاچکا ہے کہ حق کو غالب کرنے کے لیے باطل کو مغلوب کرنے کے لیے جو کوشش کی جاتی ہے وہ جہاد کا مصداق ہے، چاہے میدان جنگ میں باقاعدہ تلواروں کے ساتھ تیروں کے ساتھ لڑنا ہو اور چاہے قلم کے ساتھ باطل کی تردید کرنی ہو، چاہے زبان کے ساتھ اور چاہے مال خرچ کرنا ہو، دین کے لیے جو کوشش بھی کی جائے وہ جہاد ہے اس لیے جہاد بالمال بھی ہوتا ہے، جہاد باللسان بھی ہوتا ہے، جہاد بالسیف بھی ہوتا ہے، تو یہ ساری کی ساری قسمیں جو ہیں جہاد کی ان میں پائی جائیں گی اللہ کے راستے میں وہ جہاد کریں گے۔

مؤمنین کی پانچویں صفت:

" ولا یخافون لومۃ لآئم "اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جب وہ جہاد کے لیے نکلیں گے کفر کو مٹانے کے لیے کوشش کریں گے تو ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی ایک تحریک چلاتا ہے کافروں کے مقابلے میں، کفر کے مقابلہ میں، باطل کے مقابلے میں حق کی صف میں۔

تو کافروں نے تو مقابلے میں آنا ہی ہے بسا اوقات اِدھر اُدھر سے خیر خواہ لوگ بھی آجاتے ہیں نصیحت کے لیے کہ کیوں اپنے آپ کو مصیبت میں ڈالتے ہو کیوں نقصان اٹھاتے ہو اس قسم کی ملامت کرنے والے کہ اپنے رشتے داروں کے خلاف اپنی برادری کے خلاف یہ کیا کر رہے ہو اس طرح سے ملامت کرنے والے ملامت کرنے لگ جاتے ہیں۔

لیکن وہ جماعت ایسی ہوگی اللہ تعالیٰ کے عشق میں اس طرح سے وہ مست ہوگی جیسے کہ عشق کی خاصیت ہے کہ ملامت کرنے والوں کی ملامت کی پرواہ نہیں کیا کرتا، تو اس طرح سے وہ لوگ بھی اللہ کے راستے میں کوشش کرتے وقت ملامت کرنے والوں کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے اور سچا عاشق وہی ہوا کرتا ہے کہ جس کو ملامت کرنے والے ملامت کرتے رہیں، لیکن وہ کسی کی نہ سنے اور محبت کے تقاضوں کو پورا کرتا چلا جائے اس لیے عربی شعراء جب بھی اپنی اس قسم کی بہادریوں کا ذکر کرتے ہیں تو یہ نشاندہی ساتھ ضرور کرتے ہیں کہ ملامت کرنے والوں کی ہم کوئی پرواہ نہیں کرتے، ان کی ملامت ہمارے دل پر اثر انداز نہیں ہوتی صحیح محبت اور سچی محبت کا معیار یہی ہوتا ہے کہ اپنے محبوب کے راستے میں پھر انسان اندھا دھند چلتا ہے۔

کوئی ملامت کرے کہ تم اپنے مفاد کے خلاف کر رہے ہو وہ اس چیز کو نظر انداز کر دے گا لیکن اپنے محبوب کے اشاروں کے اوپر جان دینے کو ترک نہیں کرے گا یہ ان کی صفت ہوگی" لا یخافون لومۃ لائم "کہ ملامت کرنے والے ملامت کریں گے لیکن ان کی ملامت پر وہ کان نہیں دھریں گے اس لیے اسلامی کام کرتے وقت اگر ماحول ناساز گار ہے اور اس ماحول کے اندر کچھ لوگ تمہیں ملامت کریں کہ یہ کام یوں نہیں کرنا چاہئے تو ان کی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے "لا یخافون لومۃ لائم "کا یہ معنی ہے "ذٰلك فضل الله "یہ اللہ کا فضل ہے یعنی ان صفات کا حاصل ہو جانا یہ اللہ کا فضل ہے اور جس کو چاہتا ہے اللہ دیتا ہے تو یہ نعمت اگر کسی کو نصیب ہو جائے کہ مؤمنوں کے حق میں اس کے دل میں شفقت ہو، کافروں کے بارے میں اس کے دل میں کوئی نرم گوشہ نہ ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کے راستے کے اندر جہاد پر ہر طرح سے تلا ہوا ہو اور اللہ تعالیٰ کے کام کرنے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی

پرواہ نہ کرے تو اس قسم کی صفات اگر کسی شخص کو مل جائیں تو اللہ کا فضل ہے اس کی نشاندہی کی جارہی ہے کہ مسلمانوں کو ایسا ہی ہونا چاہیے'' واللہ واسع علیم ''اللہ تعالیٰ وسعت والے ہیں علم والے ہیں۔

تمام صفات کا مصداق اتم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت ہے:

تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جو جماعت تھی مخلصین کی ان کے اندر یہ ساری کی ساری صفتیں پائی جاتی تھیں جس کا ظہور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی مختلف مقامات پر ہوا لیکن اعلیٰ درجے کا ظہور اس کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہوا۔

جب کہ واقعتاً کچھ لوگ مرتد ہوئے کچھ مسیلمہ کذاب کی وجہ سے، کچھ اسود عنسی کی وجہ سے، کچھ انکار زکوٰۃ کی وجہ سے، کچھ حکومت کو زکوٰۃ نہ دینے کی وجہ سے بغاوت پھیل گئی اس وقت ایک جماعت اٹھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ وہ ان صفات کی حامل تھی جنہوں نے اللہ کے راستے میں جہاد کیا، کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کی، مؤمنوں کے حق میں نرم ثابت ہوئے، کافروں کے حق میں سخت ثابت ہوئے اور پوری طرح سے جہاد کر کے میدان صاف کر کے رکھ دیا۔

یہ جماعت ساری کی ساری ایسی تھی جس کے اوپر لفظ بلفظ یہ صفات صادق آتی ہیں ارتداد پھیلنے کے بعد ان لوگوں کو اللہ نے اٹھایا اور توفیق دی اس ارتداد کو ختم کرنے کی وہ سارے کے سارے ان آیات کے مصداق تھے یہاں تک تو ممانعت کی ہے کہ یہود و نصاریٰ کے ساتھ تم محبت نہ لگایا کرو۔

مؤمن کے دوست کون ہیں؟

اور آگے یہ دوسرا پہلو واضح کیا ہے کہ ان کے ساتھ تو محبت نہیں لگانی پھر آخر لگانی کس کے ساتھ ہے کیونکہ یہ بھی ایک نفسیاتی بات ہے کہ اگر کسی شخص کو ایک طرف سے روکا جائے تو اس کو کسی دوسرے راستے کی نشاندہی بھی کی جائے کہ اِدھر جاؤ اُدھر نہ جاؤ تب جا کر بات مکمل ہوا کرتی ہے بغیر محبت کے تو رہ سکتے ہی نہیں پھر اگر ایک طرف سے روکتے ہو کہ ان کے ساتھ محبت نہ لگاؤ دوسرا راستہ بھی دکھاؤ کہ محبت کن کے ساتھ ہونی چاہیئے تب جا کے مضمون مکمل ہو جائے گا۔

اب یہ دوسرا پہلو اگلے الفاظ میں واضح کیا جارہا ہے پہلے ایمان والوں کو خطاب کر کے کہا تھا کہ ان لوگوں سے دوستی نہ لگاؤ اب کہا جارہا ہے کہ تمہاری دوستی تو اللہ کے ساتھ ہونی چاہیئے، تمہارا دوست تو اللہ ہے اور اللہ کا رسول

اور وہ لوگ جو مخلص مؤمن ہیں اور مخلص مؤمنوں کی نشانی یہ ہے کہ وہ نماز قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں'' وھم راکعون ''اور عاجزی اور تواضع کرنے والے ہیں ان لوگوں کے ساتھ تمہاری دوستی ہونی چاہئے'' ومن یتول اللہ ورسولہ ''اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ دوستی رکھے گا'' والذین امنوا ''اور مؤمنوں کے ساتھ دوستی رکھے گا یہی لوگ اللہ کا گروہ ہیں جس طرح سے دوسرے لوگوں کے ساتھ دوستی رکھنے والے حزب الشیطان ہیں'' فان حزب اللہ ھم الغلبون ''یہ اللہ کا گروہ ہی غالب آنے والا ہے۔

''انما ولیکم اللہ ورسولہ'' یہ الفاظ جو رکوع کے آخر میں آئے تھے اس میں یہ ظاہر کیا گیا تھا کہ یہود ونصاریٰ کے ساتھ دوستی نہ لگاؤ ان کے مقابلے میں دوستی کن کے ساتھ ہونی چاہیے یہ دوسری شق ذکر کی گئی تھی کہ اللہ کے ساتھ اور اللہ کے رسول کے ساتھ تمہاری دوستی ہونی چاہیئے یہ تمہارے دوست ہوں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت رکھو دلی دوستی اللہ کے ساتھ ہو اللہ کے رسول کے ساتھ ہو۔

دوستی کے قابل شخص:

تیسرے نمبر پر ذکر کیا مؤمن کا لیکن مؤمنین کے ساتھ یہ قید لگائی'' الذین یقیمون الصلوٰۃ ویوتون الزکوٰۃ وھم راکعون ''جس کا مطلب یہ ہوا کہ مؤمنین سے کاملین مراد ہیں کہ جن کے اندر اقامت صلوٰۃ بھی پائی جائے، ایتاء زکوٰۃ بھی پائی جائے، بدنی عبادات کے پابند بھی ہوں، مالی عبادات کے پابند بھی ہوں، ایتائے زکوٰۃ یہ مالی عبادت ہے تو مالی عبادات میں سے اصل اصول زکوٰۃ ہے اس کا ذکر کر دیا مراد مالی عبادات ہے اور اقامت صلوٰۃ یہ بدنی عبادت ہے تو بدنی عبادات میں سے اقامت الصلوٰۃ کو ذکر کر دیا جو اصل اصول ہے مقصد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ان احکام کے بھی پابند ہیں جو ان کے بدن سے تعلق رکھتے ہیں اور ان احکام کے بھی پابند ہیں جو مال سے تعلق رکھتے ہیں تو عبادت بدنی عبادت مالی ہر قسم کی عبادت کو جامع ہو گی۔

''وھم راکعون'' کے اندر ان کے اخلاق باطنہ درست ہونے کی طرف اشارہ کر دیا کہ وہ رکوع کرنے والے ہوں یعنی تواضع عاجزی انکساری ان کی طبیعت کے اندر موجود ہے یہ اخلاق باطنہ میں سے ایک بہت بڑا خلق ہے یعنی اس کے مقابلے میں آیا کرتا ہے تکبر خود بینی تو جس شخص کے اندر تکبر اور خود بینی موجود ہو تو گویا کہ اس کے اخلاق باطنہ برباد ہیں تو صحبت کے قابل دوستی کے لائق وہ لوگ ہوں گے جو ظاہر اور باطن دونوں اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے احکام کے پابند ہیں ایسے لوگوں کے ساتھ دوستی رکھو تو صحبت صالح کا اصول یہیں سے نکلا کہ صحبت کے قابل اور

محبت کے لائق وہ لوگ ہوا کرتے ہیں مؤمنین میں سے جن کے اخلاق باطنہ بھی ٹھیک ہوں اور اعمال ظاہرہ بھی ٹھیک ہوں تو کاملین کی صحبت اختیار کیجئے۔

یہ الفاظ جو بڑھائے گئے ہیں وہ اس لیے بڑھائے گئے ہیں اور ''وھم راکعون'' سے اگرچہ بعض روایات میں یہ رکوع بھی مراد لیا گیا، جو نماز میں کیا جاتا ہے یہ رکوع کرنے والے ہیں کیونکہ بعض آثار سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے اندر رکوع یہ اسلام کی خصوصیات میں سے ہے اور یہود نے یا تو اس کو عملاً ترک کر دیا تھا، یا اصل کے اعتبار سے ان کی شریعت میں رکوع تھا ہی نہیں۔

لیکن اصح قول یہی ہے کہ یہاں'' راکعون '' سے رکوع باطنی مراد ہے جس کو تواضع اور انکساری کے ساتھ تعبیر کر سکتے ہیں تو اس سے اخلاق باطنہ کے درست ہونے کی طرف اشارہ ہے تو جو لوگ اس طرح کے ہوں کہ احکام بدنیہ کی بھی پابندی کرتے ہیں اور مالی احکام کی پابندی بھی کرتے ہیں، باطنی اخلاق بھی ان کے ٹھیک ہیں ان کے دل کے اندر تواضع انکسار ہے خشوع ہے خضوع ہے یہ ہے اللہ کا گروہ جب یہ اللہ کا گروہ ہے تو اللہ کا گروہ ہی غالب آنے والا ہے۔

اب دل میں یہ نہ رکھو کہ آنے والے وقت میں کوئی یہود ونصاریٰ غالب آجائیں گے ہمیں ان کے ساتھ دوستی رکھنی چاہیئے وقت پہ کام آئیں گے بلکہ اللہ کے گروہ میں شامل ہونے کی کوشش کرو اللہ کا گروہ ہی غلبہ پانے والا ہے اس طرح سے مثبت پہلو جو ہے دوستی لگانے کا وہ ذکر کر دیا گیا ہے منفی پہلو کے بعد کہ یہود ونصاریٰ کے ساتھ دوستی نہ لگاؤ۔

یہود ونصاریٰ مؤمن کی دوستی کے لائق نہیں:

اگلے رکوع کی پہلی آیت اس میں بھی وہی سابقہ مضمون کی تاکید ہے کہ یہود ونصاریٰ یہ تمہارے لیے دوستی کے لائق کیسے ہو سکتے ہیں۔

جب کہ ان کی عادت یہ ہے کہ ہمارے دین کا مذاق اڑاتے ہیں، استہزاء کرتے ہیں اور مؤمن کے لیے اس کا ایمان اور اس کا دین سب سے زیادہ عزیز ترین متاع ہے اور اہل عرب کے جذبات ایسے معاملات میں بہت نازک تھے ان کے تو کوئی گھوڑے کی تحقیر کرے تو لڑائی ہو جاتی تھی، ان کی اونٹنی کے ساتھ کوئی سخت معاملہ کرے تو وہ

لوگ تلواریں کھینچ لیتے تھے قوم اور قبیلے کی طرف اگر کوئی تحقیر کے ساتھ اشارہ کرتا تو ان کے قبیلے سے وہ نکل آتے تھے اور برسوں لڑائی جاری رہتی تھی۔

اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے آجانے کے بعد اس دعوت ایمانی کے پھیل جانے کے بعد ان کے نزدیک یہ ایمان اور دین اپنی ہر چیز سے زیادہ عزیز تھا، قوم سے زیادہ عزیز، قبیلے سے زیادہ عزیز، گھوڑے اونٹ سے زیادہ عزیز تو یہاں یہ بتایا جارہا ہے کہ جو لوگ تمہارے دین کا مذاق اڑاتے ہیں اور اس کا استہزاء کرتے ہیں وہ تمہاری دوستی کے لائق کس طرح سے ہوسکتے ہیں تو یہ ان کی خامیاں اور نقص بتایا کہ جس کے بعد مؤمن آدمی جو اپنے ایمان کے اندر کامل ہے ایسے شخص کے ساتھ کبھی دوستی نہیں رکھ سکتا۔

جو اس کے دین کا مذاق اڑاتا ہو اور دین کے مذاق اڑانے میں پھر خاص طور پر اس بات کو ذکر کیا، جو اس وقت واقعہ پیش آتا تھا کہ جب تم اذان کہتے ہو تو یہ اس کی نقلیں اتارتے ہیں اس کا مذاق اڑاتے ہیں، جب تم نماز پڑھتے ہو تو نماز کی نقلیں اتارتے ہیں اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور یہ ان کی انتہائی درجے کی بے عقلی ہے۔

ورنہ اگر یہ غور کریں تو اذان کے کلمات میں سے کون سا کلمہ ایسا ہے جو مذاق کے قابل ہے، اذان کی حقیقت اس کے بغیر کیا ہے کہ اس میں اللہ کی کبریائی کا اعلان ہے، خدا کی توحید کا اعلان ہے، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اعلان ہے، فلاح کی طرف بلایا گیا ہے اور پھر بار بار اللہ کی توحید کا اعلان کر کے اللہ کی کبریائی پر اس کو ختم کردیا گیا تو باوجود اس بات کے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو اہل کتاب کہتے ہیں ایمان کے دعوے کرتے ہیں۔

لیکن پھر بھی ان پاکیزہ کلمات کا مذاق اڑاتے ہیں تو ایسے بے عقلوں کے ساتھ اور ایسے ضدیوں کے ساتھ ہمارے دوستی جچتی نہیں ہے اچھی نہیں لگتی تو خصوصیات کے ساتھ یہ الفاظ ذکر کردیئے جس سے نفرت دلانی مقصود ہے اور اس سے یہ اصول نکل آیا کہ جو شخص بھی دین کے ساتھ استہزاء کا معاملہ کرتا ہو اور دینی باتوں کا مذاق اڑاتا ہو مؤمن کی دوستی اس کے ساتھ نہیں ہوسکتی اور اس کے اس قسم کے کفر کے معلوم ہوجانے کے باوجود اگر ان کے ساتھ دوستی رکھیں گے تو پھر گناہ میں ہم بھی شریک ہوجائیں گے تو یہ الفاظ تھے اے ایمان والو! نہ بناؤ تم ان لوگوں کو دوست یہ دوسرا مفعول آئے گا آگے ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جو تمہارے دین کو ٹھٹھہ بناتے ہیں "ھزواً مھزواً بھا" کے معنی میں کھیل اور ٹھٹھہ بناتے ہیں کھیل اور ٹھٹھہ قرار دیتے ہیں استہزاء کا معاملہ کرتے ہیں ان لوگوں میں سے جو کتاب دیے گئے اس سے قبل اور نہ بناؤ تم کافروں کو دوست "والکفار" کا عطف ہوجائے گا "الذین

اتخذوا ‘‘ پر چونکہ یہ منصوب ہے تو ’’ الذین اتخذوا ‘‘ یہ ’’ لا تتخذوا ‘‘ کا مفعول ہے تو ’’ والکفار ‘‘ کا عطف اس پر ہو جائے گا یہ بھی مفعول ہو جائے گا ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ ’’ واتقوا اللہ ان کنتم مؤمنین ‘‘ اللہ سے ڈرتے رہو اگر تم ایمان والے ہو تو تمہارے ایمان کا تقاضہ یہی ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا تقاضہ یہی ہے کہ ایسے بے دین قسم کے لوگ جو دین کے ساتھ ایسا معاملہ کرتے ہیں ان کو دوست نہ بناؤ۔

یہود و نصاریٰ کا اذان و نماز کا مذاق اڑانا:

’’ واذا نادیتم الی الصلوٰۃ ‘‘ اور جب تم نماز کی طرف آواز دیتے ہو، یہاں نداسے آذان مراد ہے آذان کی مشروعیت مدینہ منورہ میں ہوئی اور اس کی ابتدا جو ہوئی ہے وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جیسا کہ حدیث شریف میں تفصیل ہے قرآن کریم میں براہ راست آذان کے کلمات کی تلقین نہیں کی گئی بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو خواب آیا فرشتوں نے آذان دے کر دکھائی سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر ہوا آپ نے اس کی تصدیق فرما دی اور سب سے پہلے آذان حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے کہی۔

لیکن خواب دیکھنے والے عبداللہ بن زید ابن عبد ربی رضی اللہ عنہ ہیں تو یہ کلمات تلقین کرتے گئے اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ آذان کہتے گے پھر یہ اسلام کا معمول بن گیا اسلام کا شعار بن گیا اور قرآن کریم میں گویا کہ ان الفاظ کے ساتھ تصدیق ہوگئی تو اس آذان کا اعتبار کیا گیا اور جو شخص اس کا مذاق اڑاتا ہے اسے یوں سمجھا گیا جیسے کہ دین کے شعائر کا مذاق آڑاتا ہے خصوصیت کے ساتھ اس کو یہاں ذکر کیا گیا ہے تو یہاں ’’ نادیتم ‘‘ سے آذان مراد ہے جو کہی جاتی ہے نماز کے لیے، یہ لوگ اس کو ’’ ھزواً ولعباً ‘‘ بناتے ہیں جس طرح سے پیچھے دین کو ’’ ھزواً ولعباً ‘‘ بنانے کا ذکر تھا عمومی طور پر دین کا مذاق اڑاتے ہیں پھر خصوصیت کے ساتھ دین کے اس شعار کا جو کہ آذان ہے اور ’’ اتخذوھا ‘‘ کی ضمیر صلوٰۃ کی طرف بھی لوٹ سکتی ہے اور ’’ کل واحد منھما ‘‘ کی تاویل سے دونوں کی طرف بھی لوٹ سکتی ہے کہ یہ آذان کا بھی مذاق اڑتے ہیں نماز کی بھی نقلیں اتارتے ہیں ’’ ذلك بانھم قوم لا یعقلون ‘‘ یہ اس سبب سے ہے کہ یہ لوگ عقل نہیں رکھتے ورنہ اگر یہ سوچتے، کچھ ان کے بھیجے میں عقل ہوتی تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ نہ تو آذان مذاق اڑانے کے قابل ہے اور نہ ہی نماز ایسی چیز ہے جس کے اوپر استہزاء کیا جاسکتا ہے نہایت پاکیزہ کلمات ہیں اور اللہ تعالیٰ کے سامنے عبودیت ظاہر کرنے کی نماز ایک کامل شکل ہے تو یہ عقل سے کام نہیں لیتے ضد کے اندر یہ اپنی عقل سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں اس لیے ایسے پاکیزہ کلمات اور ایسے پاکیزہ عمل کا مذاق اڑاتے ہیں تو جن کی یہ فطرت ہے ان کے ساتھ تمہاری دوستی نہیں ہونی چاہیئے۔

اہل کتاب کو دیگر کفار سے ممتاز کر کے ذکر کرنے کی وجہ:

دین کے ساتھ استہزاء کرنے والے دو گروہوں کا ذکر قرآن کریم نے کیا، ایک ''الذین اوتو الکتاب من قبلکم ''اور دوسرا'' والکفار'' تو جس کا مطلب یہ ہے کہ کفار عام ہیں اور'' الذین اوتو الکتاب'' یہ خاص ہے، کافر دونوں ہیں اہل کتاب میں سے جن لوگوں نے سرور کائنات ﷺ کا کلمہ نہیں پڑھا اور اس قرآن کو قبول نہیں کیا وہ بھی کافر ہیں۔

لیکن یہاں ان کو علی الخصوص کر کے علیحدہ ذکر کر دیا اس کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں، یا تو یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں جہاں یہ اذان اور نماز کا قصہ تھا وہاں اردگرد یہود کی آبادی تھی، اور ان کی طرف سے دین کا استہزاء اور مذاق اڑایا جاتا تھا، اور باقی دنیا کے کافر بھی مخالفت کرتے تھے مشرکین مکہ ہو گئے اور اردگرد کے بسنے والے ہو گئے، تو چونکہ واقعہ ان کی طرف سے پیش آتا تھا اس لیے علی الخصوص ان کا ذکر کر دیا۔

دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ عام کافر اگر مذاق اڑائیں تو اس کے اوپر اتنا تعجب نہیں جتنا کہ اہل کتاب اہل علم کی طرف سے ان باتوں کا مذاق اڑانے پر تعجب ہے کہ جاننے کے باوجود کہ اللہ تعالیٰ کی کبریائی ایک اچھی چیز ہے توحید کا اعلان ہے اور سرور کائنات ﷺ کی رسالت کے متعلق بھی ان کی کتابوں کے اندر دلائل صریح موجود ہیں۔

لیکن اس کے باوجود اس دین کا یہ مذاق اڑاتے ہیں ان کے اوپر تعجب زیادہ ہے، تو ان کے اس فعل کی شناعت کو زیادہ نمایاں کرنے کے لیے عام کافروں سے ان کو ممتاز کر کے ذکر کر دیا، ورنہ یہ بات نہیں ہے کہ یہ کافر نہیں بلکہ ان کا کفر دوسروں کے مقابلے میں زیادہ تعجب کا باعث ہے چونکہ یہ اہل علم ہیں اور عقائد کے لحاظ سے یہ اقرب تھے اسلام کی طرف، توحید کے یہ مدعی، آخرت کے یہ قائل، اللہ تعالیٰ کی کبریائی کے یہ قائل اور ایک فرق تھا تو یہ کہ سرور کائنات ﷺ کی نبوت اور رسالت پر یہ ایمان نہیں لائے، ان کے کفر کی یہ وجہ تھی اور دوسرے کافروں کے ساتھ بیسیوں باتوں میں اختلاف تھا۔

لیکن ان کے ساتھ اختلاف صرف اس جزء کے اعتبار سے ہے کہ انہوں نے سرور کائنات ﷺ کے لائے ہوئے دین کو قبول نہیں کیا، باقی دعویٰ توحید کا ان کا بھی تھا، اللہ تعالیٰ کی کبریائی کے قائل تھے آخرت کے قائل تھے تو یعنی یہ

زیادہ قریب ہیں اور زیادہ قریب ہونے کے بعد پھران کی دشمنی باقیوں کے مقابلے میں زیادہ اشد ہے۔

اور وہ ایسی باتوں کا بھی مذاق اڑائیں جو ان کے نزدیک بھی مسلم ہیں تو اس کے اوپر زیادہ گویا کہ نفرت کا اظہار کیا گیا تو ان کی شناعت کو ظاہر کرنے کے لیے اور ان کی قباحت کو ظاہر کرنے کے لیے کافروں میں سے ان کو ممتاز کر کے ذکر کر دیا ورنہ یہ مطلب نہیں کہ کفار کے اندر یہ شامل نہیں ہیں، جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ نہیں پڑھا وہ کافر ہیں چاہے وہ اہل کتاب میں سے ہی کیوں نہ ہوں یہ وجہ ہے ان کو علیحدہ ذکر کرنے کی۔
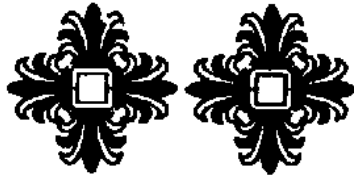
قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ

آپ فرمادیں کہ اے کتاب والو! ہماری طرف سے تم کس چیز کا انکار کرتے ہو سوائے اس کے کہ ہم ایمان لے آئے اللہ کے ساتھ اور اس چیز کے ساتھ جو اتاری گئی

اِلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ۝٥٩ قُلْ هَلْ

ہماری طرف اور اس چیز کے ساتھ جو اس سے قبل اتاری گئی ، اور حال یہ ہے کہ تم میں سے اکثر فاسق ہیں (۵۹) آپ کہہ دیجئے کیا

اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ

میں تمہیں خبر دوں اس سے زیادہ برے طریقے کی اللہ کی طرف سے بدلے کے طور پر ، جس کے اوپر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی

وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ

اور جس پر اللہ کا غضب ہوا جن میں سے اللہ تعالیٰ نے بندر اور خنزیر بنائے اور جنہوں نے شیطان کی پوجا کی ،

اُولٰۤئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ۝٦٠ وَاِذَا جَآءُوْكُمْ

یہ لوگ زیادہ برے ہیں از روئے ٹھکانے کے اور زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں سیدھے راستے سے (۶۰) اور جس وقت یہ آپ کے پاس آتے ہیں

قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے حالانکہ وہ داخل بھی کفر کے ساتھ ہوئے اور نکلے بھی کفر کے ساتھ ، اور اللہ زیادہ جانتا ہے

بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ۝٦١ وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ

اس چیز کو جو یہ چھپاتے ہیں (۶۱) اور آپ دیکھتے ہیں ان میں سے بہتوں کو دوڑ دوڑ کر جاتے ہیں گناہ میں

وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝٦٢ لَوْلَا

ظلم میں اور حرام کھانے میں ، البتہ بری ہے وہ چیز جو وہ کرتے ہیں (۶۲) کیوں نہیں

يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ

روکا ان کو ان مشائخ اور علماء نے گناہ کی بات بولنے سے اور کھانے سے

السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۝٦٣ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ

حرام ، برا ہے یہ کام جو ان علماء اور مشائخ نے اختیار کر رکھا ہے (۶۳) اور یہود نے کہا کہ اللہ کا ہاتھ

مَغْلُولَةٌ ۚ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا ۘ بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ

بند کیا ہوا ہے، ان کے ہی ہاتھ بند کیے ہوئے ہیں اور اپنے اس بات کی وجہ سے یہ ملعون ہوئے ، اللہ کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں ،

يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ

جیسے چاہتا ہے خرچ کرتا ہے ، البتہ ضرور زیادہ کرتا ہے ان میں بہتوں کو جو دین تیری طرف اتارا گیا

مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۚ وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ

تیرے رب کی طرف سے از روئے سرکشی کے اور کفر کے ، اور ہم نے ڈال دی ان کے درمیان دشمنی اور بغض

إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ ۚ

قیامت کے دن تک ، جب کبھی جلاتے ہیں آگ لڑائی کے لیے اللہ اسے بجھادیتا ہے ،

وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا ۚ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿٦٤﴾

اور زمین کے اندر یہ فساد کی کوشش کرتے ہیں ، اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں سے محبت نہیں رکھتا ﴿٦٤﴾

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ

اگر بے شک یہ کتاب والے ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم دور ہٹا دیتے ان سے ان کے گناہ

وَلَأَدْخَلْنَاهُمْ جَنَّاتِ النَّعِيمِ ﴿٦٥﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ

اور البتہ ضرور داخل کرتے انہیں خوشحالی کے باغات میں ﴿٦٥﴾ اور اگر بے شک یہ لوگ قائم کرتے توراۃ کو

وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ

اور انجیل کو اور اس چیز کو جو ان کی طرف اتاری گئی ان کے رب کی طرف سے تو کھاتے یہ جانب بالا سے بھی

وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ ۚ مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُقْتَصِدَةٌ ۖ وَكَثِيرٌ

اور اپنے پاؤں کے نیچے سے ، ان میں سے ایک جماعت ہے اعتدال پر رہنے والی ، اور بہت سے

مِنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ ﴿٦٦﴾ ع

ان میں سے برا ہے وہ کام جو وہ کرتے ہیں ﴿٦٦﴾

تفسیر:

قابل استہزاء مسلمان نہیں، اہل کتاب خود ہیں:

اہل کتاب دین کا مذاق اڑاتے تھے، نماز اور آذان کا استہزاء کرتے تھے، اس کے ذکر کے بعد سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا جارہا ہے کہ ان اہل کتاب کو متوجہ کر کے یہ پوچھو کہ تم ہمارا مذاق اڑاتے ہو، ہمارے دین کا مذاق اڑاتے ہو، تم نے ہم میں کیا عیب دیکھا ہے؟ کون سی خرابی ہے ہم میں جس کا تم مذاق اڑا رہے ہو؟ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لے آئے اور اس کتاب پر ایمان لے آئے جو ہماری طرف اتاری گئی اور اس پر بھی ایمان لے آئے جو اس سے قبل اتاری گئی توراۃ انجیل یہ ہمارا ایمان، قرآن پر ہمارا ایمان، اللہ پر ہمارا ایمان، تو ان میں سے کونسی بات ایسی ہے جس کا تم عیب لگاتے ہو جس کا تم انکار کرتے ہو اگر عیب ہے ہمارے اندر تو یہی ہے، ابھی تم دیکھ لو کہ یہ عیب ہے کہ نہیں۔

اور دوسری جانب تمہارا حال یہ ہے کہ تم اکثر بد معاش ہو، فاسق ہو، اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کرنے والے، قابل استہزاء تو تم ہو، قابل نفرت تو تم ہو، لیکن معاملہ الٹا ہے کہ ہماری خوبیاں تمہیں عیب نظر آرہی ہیں اور اپنے عیب تمہیں خوبیاں نظر آرہی ہیں یعنی تمہارا فسق و فجور اتنا نمایاں ہے کہ جس کا تم بھی انکار نہیں کر سکتے کہ تم احکام کی خلاف ورزی کرتے ہو اور ادھر ہمارے ساتھ اگر تمہارا اختلاف ہے تو صرف اس ایمان کی بناء پر کہ ہم اللہ پر ایمان لے آئے اور اللہ نے جو کتاب اتاری اس کو ہم نے مان لیا اور جو پہلے سے کتابیں اتاری ہوئی ہیں اس کو بھی ہم نے تسلیم کر لیا۔

تو عیب کی حالت ہماری ہے یا تمہاری ہے؟ استفہام کی صورت میں یہ بات نقل کی جارہی ہے کہ اس میں کون سی عیب کی بات ہے جو تم ہماری طرف منسوب کرتے ہو اور اُدھر تمہارا حال یہ ہے کہ تم نافرمان اور فسق و فجور میں مبتلاء ہو یعنی جس کو آپ آج کل کے محاورے میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ جس کی دو آنکھیں صحیح ہیں اس کے اوپر اندھے کو ہنسنے کا کیا حق؟ جس کی دونوں آنکھیں صحیح ہیں اس کا ایسا شخص کیوں مذاق اڑاتا ہے جس کی ایک آنکھ بھی صحیح نہیں ہے اس کو مذاق اڑانے کا کیا حق ہے ہمارے پاس تو ایمان ہے اللہ پر اور اس کی کتابوں پر یہ صحیح کیفیت ہے، یہ قابل تعریف ہے اور تم اس فسق میں مبتلاء ہو گئے اور اس نور سے محروم اور اس سعادت سے محروم ہو گئے اور پھر تم ہمارے اوپر زبان درازی کرو اور ہمارے عیب نکالو اور ہماری برائی کرو یہ کیسے ہو سکتا ہے یہ بات ٹھیک نہیں ہے۔

برا کون؟ ہم یا تم:

اور اگر تمہیں ہمارا یہ طریقہ برا نظر آرہا ہے تو آؤ ہم تمہیں ایسے لوگوں کی نشاندہی کریں کہ جن کا طریقہ ہمارے اس طریقے سے بھی برا ہے یعنی یہ جو مقابلہ کیا جارہا ہے کہ ہمارے سے زیادہ برا جس میں مطلب یہ ہے کہ ہمارا طریقہ بھی برا اس کا مطلب یہ ہے کہ بقول تمہارے کہ اگر تمہیں ہمارا طریقہ برا نظر آرہا ہے کہ ہمارا طریقہ اچھا نہیں تو آؤ ہم تمہیں ایسے لوگوں کی نشاندہی کریں جو طریقے کے اعتبار سے ہم سے بھی زیادہ برا ہے وہ کون لوگ ہیں؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کے طریقے کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر لعنت کی، اللہ کا غضب ان کے اوپر برسا، جن کو اللہ نے بندروں کی شکل میں مسخ کیا، اور خنزیروں کی شکل میں مسخ کیا، جو اپنی بدکرداری کے اعتبار سے اللہ کی عبادت کی بجائے شیطان کی پوجا کرنے لگ گئے وہ خود ہی جانتے ہیں کہ کن لوگوں پر صادق آرہی ہے یہ بات۔

مطلب کیا ہوا کہ تم لوگ ایسے ہو کہ جن کے طریقے کی بناء پر اللہ کی لعنت تم پر برسی، تمہارا طرز عمل ایسا ہے کہ جس کے نتیجے میں اللہ کے غضب کا شکار تم ہوئے، تمہارا کردار ایسا ہے کہ اللہ نے کبھی تمہیں بندر بنایا، کبھی تمہیں خنزیر بنایا تو بندروں کی شکل میں مسخ ہونے والے، خنزیروں کی شکل میں مسخ ہونے والے، اللہ کی لعنت اور غضب کا نشانہ بننے والے ہم پر ہنستے ہیں، انہیں ہمارا طریقہ برا نظر آرہا ہے اگر ہمارا طریقہ برا ہے تو ان لوگوں کا طریقہ اس سے ہزار درجے برا ہے تو جب تمہاری دونوں آنکھیں نہیں ہیں تو تم کو ہمارے اوپر ہنسنے کا کیا حق ہے؟ جن کے طریقے کے نتیجے میں، جن کے طرز عمل کے نتیجے میں ان کو لعنت ملی غضب ملا اور ان کی شکلیں مسخ ہوئیں اور وہ شیطان کے پجاری ثابت ہوئے'' اولئك شر مكانا '' یہ لوگ مرتبے کے لحاظ سے زیادہ برے ہیں، ٹھکانے کے لحاظ سے زیادہ برے ہیں اور سیدھے راستے سے زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں۔

تو مذاق تم ہمارا اڑاتے ہو تم ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھو کہ تم کس طور طریقے کے پابند ہو تو چونکہ دین کا استہزاء ایک بہت بری حرکت ہے اس کے جواب میں دیکھو جو بات کہی جارہی ہے اس میں کس حد تک تلخی نمایاں ہے اور کتنے اس کے اندر غصے اور نفرت کا اظہار ہے کہ ایسے ہو کر تم پھر ہمارے طریقے کی عیب جوئی کرتے ہو۔

یہود کی مؤمنین کو دھوکہ دینے کی کوشش:

اور پھر نفاق ان کا، دھوکہ بازی ان کی کہ جو تمہارے پاس آتے ہیں تو آکر کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، یا تو اس سے یہود میں سے وہ خاص افراد مراد ہیں جو کہ نفاق کے طور پر آکر ایمان کا اظہار کرتے ہیں جن کا

ذکر آپ کے سامنے بارہا قرآنی آیات میں کیا جاچکا، معروف تفسیر ان الفاظ کی یہی ہے کہ بعضے یہود آتے تھے اور آ کے ایمان کا اظہار کرتے لیکن حقیقت کے اعتبار سے وہ ایمان قبول کرنے والے نہیں ہوتے تھے دھوکہ دیتے تھے مسلمانوں کو کہ مسلمان ہمیں اپنا سمجھنے لگ جائیں، ہوتے تھے وہ منافق پھر وہ اِدھر کی اُدھر لگاتے تھے اور اُدھر کی اِدھر لگاتے فساد کا باعث بنتے تھے معروف تفسیر اس کی یہی ہے۔

لیکن بعض مفسرین نے یوں بھی کہا کہ یہود مسلمانوں کو بایں معنیٰ دھوکہ دینے کی کوشش کرتے تھے کہ بھائی اگر تم مؤمن ہو تو مؤمن تو ہم بھی ہیں، ہم بھی اللہ کو مانتے ہیں، اللہ کے پیغمبروں کو مانتے ہیں، اللہ کی کتابوں کو مانتے ہیں فرق صرف اتنا سا ہی ہے کہ ہم حضور ﷺ پر ایمان نہیں لائے تو اس تھوڑے سے فرق کی بناء پر اگر تم ہمیں کافر کہو یہ تو خواہ مخواہ کی گڑبڑ ہے ایسا نہیں کرنا چاہیئے اس طرح مؤمنوں کو دھوکہ دے کر گویا کہ ان کے طریقے پر ان کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتے تھے۔

تو پھر ''آمنا'' کا مطلب یہ ہوگا کہ جو وہ کہتے تھے کہ اگر تمہارا ایمان ہے تو مؤمن تو ہم بھی ہیں، اللہ پر ہمارا ایمان، اللہ کے رسولوں کو ہم مانتے ہیں، اللہ کی کتابوں کو ہم مانتے ہیں، آخرت کو ہم مانتے ہیں تو پھر ہم میں اور تم میں کیا فرق ہے صرف اتنی سی بات ہے کہ اللہ کے پیغمبروں میں سے موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے مان لیا اور اپنے خیال کے مطابق محمد ﷺ کو تم نے مان لیا تو جیسا ایمان تمہارا ویسا ایمان ہمارا، ہم کافر کیسے اور تم مؤمن کیسے؟ اس طرح وہ کم علم لوگوں کو یا نومسلم لوگوں کو دھوکہ دے کر اپنے آپ کو مؤمنوں کی صف کے اندر شامل کرانا چاہتے تھے یہی وہ چال بازی ہے جو مؤمنوں کے سامنے آ کر بکتے تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان کا دعویٰ ایمان کوئی چیز نہیں ہے جب یہ آتے ہیں تمہارے پاس تو کافر، جاتے ہیں تو کافر، نہ آتے وقت ان کے پلے ایمان تھا نہ جاتے وقت ان کے پلے ایمان ہے، جیسے کفر کے ساتھ آئے تھے ویسے کفر کے ساتھ چلے گئے ہیں یعنی سرور کائنات ﷺ پر ایمان لائے بغیر ایمان کا دعویٰ کوئی حقیقت نہیں رکھتا، ایک پیغمبر کا انکار سارے پیغمبروں کے انکار کے برابر ہے۔

اس لیے ان کا ایمان کوئی معتبر نہیں ہے اس طرح سے ان الفاظ کی تفسیر کی جاسکتی ہے ورنہ منافقین پر تو یہ الفاظ بہت ہی اچھے طریقے سے چسپاں ہوتے ہیں نفاق کے طور پر کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے حالانکہ وہ داخل بھی کفر کے ساتھ ہوئے اور وہ نکل کر بھی کفر کے ساتھ ہی گئے یعنی جب آئے تھے تب کافر جب گئے تب کافر اور اللہ زیادہ اچھی طرح سے جانتا ہے ان خیالات اور عقائد کو جس کو یہ اپنے دلوں کے اندر چھپاتے ہیں اور ایمان کا تعلق تو قلب کے ساتھ ہے جب تک ان کا دل صاف نہیں ہوتا اور دل کے اندر ان کے عقیدے اچھے نہیں ہوتے دل کے

اندر کفر چھپائے ہوئے ہوں تو اللہ ان کو مؤمن قرار نہیں دیتا، یہ جتنا ہی چھپالیں لیکن اللہ سے چھپے ہوئے نہیں ہیں تو ان کے دلوں کے خیالات دلوں کے عقیدے سب اللہ کے سامنے نمایاں ہیں۔

یہود کا عوامی مزاج:

''تریٰ کثیراً منھم یسارعون فی الاثم والعدوان'' یہ بھی ان کا قومی مزاج ہے حاصل اس کا یہ ہے کہ ان کا مزج اتنا بگڑ گیا کہ نیکی کا شوق انہیں نہیں، برائی کی طرف بھاگ بھاگ کر جاتے ہیں اور یہ واقعہ ہے کہ جب ایک آدمی کسی برائی کی طرف مائل ہو جاتا ہے تو پہلے پہلے اس کے قلب کے اندر تردد ہوتا ہے وہ بچ بچ کر چلتا ہے کبھی رکتا ہے کبھی آگے کو بڑھتا ہے پھر وہ اس برائی میں مبتلاء ہو جائے تو قلب کی مزاحمت کسی درجے میں کم ہو جاتی ہے پھر وہ اس برائی کا عادی ہو جاتا ہے تو پھر اس کا دل متوجہ ہی برائی کی طرف ہوتا ہے پھر اس کو دوبارہ اگر نیکی کی طرف متوجہ کرو تو اس کا دل نیکی کی طرف متوجہ نہیں ہوتا، اس کی طبیعت جتنی ہے وہ سب برائی کی طرف ہو جاتی ہے۔

اس لیے اولیاء اللہ کہا کرتے ہیں کہ دل کی کیفیت کی ہمیشہ نگہبانی کرنی چاہیے، دل کی کیفیت اگر اچھی ہو تو عارضی طور پر اگر کسی گناہ کے اندر مبتلاء بھی ہو جائے تو اس کے لیے سنبھلنا آسان ہوتا ہے، لیکن اگر دل کی کیفیت ہی بدل گئی حالات و واقعات ہی تبدیل ہو گئے اور وہ عادت بن گئی طبیعت کا رجحان ہو گیا تو پھر برائی آسان ہو جاتی ہے اور نیکی مشکل ہو جایا کرتی ہے۔

تو برائی کرنے کے نتیجے میں برائی مرغوب ہو جائے گی پھر انسان اپنی طبیعت کی رغبت کے ساتھ دوڑ دوڑ کر برائی کی طرف جاتا ہے اگر نیکی کرنے کی عادت ڈال لو گے تو آہستہ آہستہ نیکی مرغوب ہو جائے گی پھر بھاگ بھاگ کر نیکی کی طرف جاؤ گے۔

جیسے مؤمنین کی صفت ذکر کی تھی'' یسارعون فی الخیرات ''ان کی ہے'' یسارعون فی الکفر'' کفر کی باتوں کی طرف بھاگ بھاگ کر جاتے ہیں ان کا قومی مزاج اتنا فاسد ہو گیا کہ تو ان میں سے بہتوں کو دیکھے گا کہ دوڑ دوڑ کر جاتے ہیں گناہ میں، عدوان میں، حرام کھانے میں، یعنی یہ ان کی مرغوب فیہ چیزیں بن گئیں یہ ان کے من بھاتے کھاجے ہیں ان کے بغیر ان کو سکون نہیں آتا جب تک یہ کسی گناہ میں مبتلاء نہ ہوں اس وقت تک ان کی طبیعتوں کو سکون نہیں ملتا، یہ حرام خور ہو گئے بدکردار ہو گئے اور ایسے طور پر کہ طبیعت ان کی دوڑ دوڑ کر اُدھر کو جاتی ہے، یہ قلوب کے فساد کی طرف اشارہ ہے۔

ورنہ اگر قلوب کی حالت اچھی ہو تو پھر بھی انسان گناہ میں مبتلاء بھی ہو جائے تو فوراً سنبھل جاتا ہے لیکن جب دلوں کے اندر ہی رغبت پیدا ہو جائے گناہ کی، عادت ہی بن جائے کسی گناہ کی تو پھر انسان نیکی کی بجائے اُدھر دوڑ دوڑ کر جاتا ہے ان کا مزاج اس طرح سے فاسد ہو گیا "لبئس ما کانوا یعملون" برا کام ہے یہ جو کرتا ہے یہ تو ان کی عوام کی حالت ہے۔

یہود کے علماء اور مشائخ کا حال:

اور اب لے لیں ان کے مشائخ اور علماء کو ان پر یہ انکار کیا جارہا ہے کہ ان کے مشائخ اور علماء کیوں نہیں روکتے ان کو گناہ کی بات کہنے سے جس سے جھوٹ بولنا مراد ہے اور حرام کھانے سے یہ کیوں نہیں روکتے بہت برا کردار ہے جو ان مشائخ اور علماء نے اختیار کر رکھا ہے۔

گویا کہ عوام کا عمل بھی بگڑا اور مشائخ کا بھی بگڑا جیسے حدیث شریف میں آتا ہے مشکوۃ شریف میں روایت ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ بنو اسرائیل گناہوں کے اندر مبتلاء ہوئے انہوں نے بدکرداریاں اختیار کیں تو علماء نے پہلے پہلے روکا، لیکن جب ان کے روکنے کے باوجود وہ باز نہیں آئے تو فرض یہ تھا ان علماء اور مشائخ کا کہ انکار کرتے رہتے، زبان سے نفرت کا اظہار کرتے اور عملاً بھی ان سے اجتناب رکھتے عمل سے بھی ایسا معلوم ہوتا کہ دیکھنے والے سمجھتے کہ ہمیں اچھا نہیں سمجھتے برائیوں کے اندر مبتلاء ہونے والے تأثر یہ لیتے کہ یہ ہمارے پیر اور ہمارے علماء ہمیں اچھا نہیں سمجھتے اس لیے زبان سے انکار کرتے ہیں اور ان کے عمل سے بھی نفرت ٹپکتی ہے۔

تو ایسے وقت میں توقع ہوتی ہے کہ دوسرے شخص کو احساس ہو جائے اپنے گناہ اور برائی کا پھر بھی وہ سیدھے راستے پر آسکتا ہے لیکن حدیث شریف میں آتا ہے سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ جب وہ نہ رکے تو یہ علماء انہیں کے ساتھ مل کر کھاتے رہے اور پیتے رہے، انہیں کی مجلسوں میں دل لگی اور ہنسی میں شامل رہے ہم پیالہ ہم نوالہ رہے، ہم مجلس رہے، دوستیاں ان کے ساتھ بحال رہیں تو جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جیسے بدکرداری کے اندر عوام مبتلاء ہوئی تھی ان کے دلوں کی نحوست ان کے اوپر بھی پڑی اور گناہ سے نفرت اور گناہ سے دوری ان کے قلوب میں بھی نہ رہی چاہے ظاہری طور پر انہوں نے علماء کا لباس پہن رکھا تھا چاہے انہوں نے ظاہری طور پر مشائخ کا لباس اختیار کر رکھا تھا، صوفیوں جیسی شکل تھی عالموں جیسی شکل تھی۔

لیکن قلوب کے اعتبار سے وہ ایک دوسرے جیسے ہو گئے ایک دوسرے پر قلوب کا اثر پڑ گیا، قلوب میں نفرت نہ رہی گناہ سے تو پھر اللہ تعالیٰ نے سب پر لعنت کی اہل علم پر بھی اور جاہلوں پر بھی ساری کی ساری جماعت جو

تھی وہ پھٹکاری گئی وہ روایت گویا کہ انہیں لفظوں کی تشریح ہے قرآن کریم میں یہ جو ہے کیوں نہیں منع کیا ان کو کیوں نہیں منع کرتے ان کو مشائخ اور علماء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام کھانے سے ''لبئس ما کانوا یصنعون '' بڑا برا کردار ہے جو کہ انہوں اختیار کرر کھا ہے۔

یہود کا گستاخانہ جملہ:

'' وقالت الیهود ید الله مغلولة '' اب یہ یہود کی گستاخی اللہ کی جناب میں ویسی ہی بات ہے جیسے پہلے آپ کے سامنے مضمون آیا تھا کہ یہود کہتے ہیں ''ان الله فقیر ونحن اغنیاء '' یاد ہوگا جہاں صدقات کی ترغیب آئی تھی وہاں ان کا یہ لفظ آیا تھا کہ اللہ فقیر ہوگیا محتاج ہے اور ہم غنی ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ ہم سے قرض مانگتا ہے یہ بھی ا ن کی بد باطنی تھی کہ اس قسم کی باتوں کو صحیح محمول کرنے کی بجائے مذاق اڑاتے تھے۔

اب یہاں بھی ایسے ہوا کہ یہود اپنی بدکرداریوں کی بناء پر جب رزق کی تنگیوں میں مبتلاء ہوئے اور ان کے معاشی حالات تنگ ہوئے تو چاہئے تو تھا کہ وہ اپنے اعمال کا جائزہ لیتے کہ اللہ ہم پر ناراض ہوگیا اور اس کی لعنت ہم پر برس رہی ہے جس کی وجہ سے ہمیں اس نے سہولتوں سے، زندگی کی آسائشوں سے محروم کر دیا تو اپنے کردار کو تو دیکھتے الٹا زبان درازی اللہ پر کرتے ہیں کہ آج کل اللہ کا ہاتھ بند ہوگیا اللہ بخیل ہوگیا آج کل یہ کسی کو کچھ نہیں دیتا ہمارے لیے اب اللہ کے پاس کچھ نہیں ہے وہ بخیل ہوگیا اس قسم کے لفظ بطور گستاخی کے بولتے تھے۔

یعنی بدکرداری کا جائزہ لینے کی بجائے ان کا اعتراض اللہ پر ہی تھا یہ بھی ان کے باطن کے مسخ ہونے کی دلیل ہے تو اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ ان کے ہاتھ بند ہوگئے بخل تو ان کے اوپر چسپاں ہے ان ہاتھوں میں یہ صلاحیت نہیں رہی کہ اللہ کے نام پر اللہ کے دین کے لیے کوئی قربانی دیں اور کسی چیز کو صرف کریں باقی یہ بات ان کی اللہ تعالیٰ کی رحمت کو کھینچ نہیں سکتی یعنی اس قسم کے طعن و تشنیع سے اللہ کی رحمت ان کی طرف متوجہ نہیں ہوگی۔

یہ تنبیہ نہیں نکلے گی کہ اللہ تعالیٰ ان کی زبان درازی کی وجہ سے ان کی طعن و تشنیع کی وجہ سے ان کو دینا شروع کردے بلکہ ان کے قول کی وجہ سے ان پر مزید لعنت ہوئی۔

گستاخی کی سزا:

''ولعنوا بما قالوا'' جو بات انہوں نے کہی اس کے سبب سے یہ ملعون ٹھہرے اللہ کے ہاتھ تو دونوں کھلے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بخل کی نسبت کس طرح سے ہوسکتی ہے ساری کائنات پر اللہ تعالیٰ اپنی نعمتیں بکھیر رہا ہے خرچ کرتا ہے جس طرح سے چاہتا ہے'' ولیزیدن کثیراً منهم ما انزل الیك من ربك '' جو کچھ تیری طرف

اتارا جا رہا ہے تیرے رب کی طرف سے وہ ان میں سے بہتوں کے طغیان اور کفر میں اضافہ کرتا ہے یعنی چاہیئے تو یہ تھا کہ ان باتوں کو سن کر وہ سمجھنے کی کوشش کرتے۔

لیکن جیسے جیسے دین آپ پر اتر رہا ہے ان کا طغیان اور کفر بڑھ رہا ہے یہ ان کے غلط فکر کا نتیجہ تھا، جب وہ اس حسد کے اندر مبتلاء ہو گئے کہ ہم سے علمی سیادت جا رہی ہے اور جو سرداری ہمیں حاصل تھی قیادت ہمیں حاصل تھی ہم سے چھن رہی ہے تو جیسے جیسے دین ترقی پاتا، اتنا اتنا ان کے حسد کے اندر اضافہ ہوتا تھا طغیان اور سرکشی بڑھتی چلی جا رہی تھی، قبول کرنے کی بجائے وہ دوسری طرف کو زیادہ نکل گئے ''والقینا بینھم العداوۃ'' ان کی بدکرداری کے نتیجے میں جو لعنت ہوئی تھی اس کا اثر یہ بھی ہوا کہ ان کے مختلف گروہ بن گئے مختلف پارٹیاں بن گئیں جن کی آپس میں قیامت تک بغض وعداوت باقی رہے گی۔

''الیٰ یوم القیامۃ'' کا مفہوم:

قیامت تک کا مطلب ہے ہمیشہ کے لیے، محاورہ ہے یہ کہ قیامت تک کا لفظ بولا جائے تو اس سے مراد ہوتا ہے کہ ہمیشہ کے لیے جب تک یہ موجود رہیں گے ان کے مختلف گروہ ہوں گے اور ان کی آپس میں عداوت ہوگی یہود کی نصاریٰ کی آپس میں مختلف گروہوں میں بٹ جانے کی وجہ سے عداوتیں قائم ہو گئیں ''الیٰ یوم القیامہ'' کو محاورہ پر محمول کر کے ہم جو یہ کہہ رہے ہیں کہ اس سے مراد ہے ہمیشہ کے لیے جب تک یہود و نصاریٰ موجود ہوں گے یہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ احادیث صحیحہ کے اندر یہ بات آتی ہے کہ آخر زمانہ میں جس وقت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت نصرانیت بھی ختم ہو جائے گی اور یہودیت بھی ختم ہو جائے گی، یہودی جو ایمان نہیں لائیں گے قتل ہو جائیں گے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے اور اس طرح سے عیسائی جو ایمان نہیں لائیں گے برباد ہو جائیں گے نصرانیت بھی ختم یہودیت بھی ختم۔

اور وہ وقت ایسا ہوگا کہ سوائے اسلام کے کوئی دوسرا دین باقی نہیں رہے گا اور عیسیٰ علیہ السلام کے متصل قیامت نہیں آنی اس کے بعد بھی اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ کتنی مدت گزرے گی تو وہ آنے والا دور جتنا بھی ہوگا وہ اللہ کے علم میں ہے کہ کتنی صدیوں پر مشتمل ہے اور کتنے برسوں پر مشتمل ہے اس وقت یہود و نصاریٰ کا نام و نشان نہیں ہوگا۔

گویا کہ یہود و نصاریٰ جماعتی صورت میں قیامت تک رہنے والے نہیں ہیں بلکہ ان کا مسلک ختم ہو جائے گا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہو جانے کے بعد اور آگے صرف اسلام رہ جائے گا پھر اسلامی دور پر بھی آہستہ آہستہ زوال آ جائے گا اور پھر کفر و شرک پھیلے گا اور قیامت کے قریب جا کر مسلمان بالکل ختم ہو جائیں گے اور حقیقتاً قیامت

نے قائم ہونا ہے اس وقت جب کہ کوئی اللہ کا نام لینے والا موجود نہیں ہوگا، قیامت اس وقت آئے گی جب بدترین قسم کے لوگ رہ جائیں گے جن کے پاس نہ اخلاق ہوگا نہ دین ہوگا، گدھوں کی طرح فساد کریں گے، زنا کاری عام ہو جائے گی، بت پرستی عام ہو جائے گی، اس وقت پھر قیامت آئے گی ''توالی یوم القیامه'' سے یہ استدلال نہیں ہوسکتا کہ یہود ونصاریٰ قیامت تک باقی رہیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ ہم نے قیامت تک ان کے درمیان بغض اور عداوت ڈال دی روایات صحیحہ کی طرف دیکھتے ہوئے اس طرح سے محاورے پر محمول کریں گے کہ جب تک ان کا وجود باقی ہے اسوقت تک یہ آپس میں اختلاف کریں گے اور بغض اور عداوت کے اندر مبتلاء رہیں گے۔

ورنہ قیامت کے قائم ہونے سے پہلے ان کا وجود ختم ہو جائے گا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نازل ہونے کے بعد یہ دونوں مسلک ختم ہو جائیں گے نہ یہودیت رہے گی نہ نصرانیت۔

یہود کی سازشوں کی ناکامی اور ''فساد فی الارض'' کی کوشش:

''کلما اوقدو ناراً للحرب'' جب یہ لڑائی کے لیے آگ بھڑکاتے ہیں ''اطفاھا اللہ'' اللہ مٹا دیتے ہیں یہ واقعہ تھا اس وقت کہ یہود کی آئے دن سازشیں چلتی تھیں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ان مسلمانوں کے خلاف کبھی کسی قبیلے کو بھڑکایا کبھی کسی قبیلے کو بھڑکایا۔

لیکن ان کی سازشیں کامیاب نہیں ہوئیں اگر کسی جگہ لڑائی کی نوبت آئی بھی تو یہ بھی اور ان کے حمایتی دونوں شکست کھا گئے اور اکثر ان کی سازشیں ناکام ہوئیں اور لڑائی تک نوبت ہی نہیں آئی ''ویسعون فی الارض فساداً'' جن کو دنیا کے اندر ایک اصلاحی نظام دیا گیا تھا آج وہی فساد کی کوشش میں مبتلاء ہیں ان کو چاہیئے تو یہ تھا کہ عدل وانصاف کو قائم کرتے، شہادت للہ کے یہ عادی ہوتے اور قائم بالصلوٰۃ کا یہ مصداق ہوتے اللہ تعالیٰ نے اپنا علم ان کو اس لیے دیا تھا قانون اس لیے دیا تھا۔

لیکن یہ سب کچھ بھلا کر آج زمین میں فساد کا باعث بن گئے عدل وانصاف کے خلاف جو بھی کوشش کی جائے وہ زمین میں فساد پھیلانے والی بات ہے اور یہ حق کی مخالفت کرتے تھے، عدل وانصاف کو مٹانے کی کوشش کرتے تھے، جس کے نتیجے کے اندر کائنات میں فساد برپا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ مفسدین سے محبت نہیں رکھتے۔

ایمان قبول کرنے کی ترغیب:

آگے پھر ان کو ترغیب ہے ایمان کی کہ یہ اہل کتاب اگر ایمان لے آتے اور اگر یہ قائم کرتے توراۃ اور انجیل کو اور اس چیز کو جو ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے اتاری گئی ہے اس کا مصداق قرآن ہے قائم کرنے کا

معنی کہ اس کا تعلق اپنی زندگی کے ساتھ قائم کریں اور اس کو عملی جامہ پہنائیں، زندگی اس قانون کے مطابق گزاریں تورات انجیل اور قرآن تینوں کو قائم کریں۔

تینوں کو قائم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ تینوں کتابوں کو سامنے رکھ کر اب جو چیز سامنے آتی ہے اس کو مان لیا جائے جو احکام منسوخ ہوگئے وہ تو تینوں کی طرف سے منسوخ نہ ہوئے، اور جو باقی ہیں اور اللہ کی طرف سے عمل کرنے کے لیے دیے جارہے ہیں یہی تورات کا تقاضہ یہی انجیل کا تقاضہ یہی قرآن کا تقاضہ، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ماننا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماننا تینوں کتابوں کا تقاضہ یہ ہے کہ آنے والے پیغمبروں کو بھی مانا جائے جس طرح سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت کے بعض احکام حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے منسوخ کردیئے جس کا ذکر قرآن کریم میں صراحتاً آیا ہوا ہے۔

اس طرح سے اس تورات وانجیل کے بعض احکام اس آنے والے پیغمبر نے منسوخ کردیئے تو ان کے اوپر عمل کرنا تینوں کتابوں کا تقاضہ نہیں ہیں تینوں کتابوں کا تقاضہ انہیں احکام پر عمل کرنا ہے جو اس وقت باقی ہیں اگر یہ ان کو قائم کرتے تو اللہ تعالیٰ ان کو نعمتوں سے نوازتا، دنیاوی خوشحالی دیتا، اوپر کی طرف سے بھی ان کے لیے رزق کا انتظام ہوتا اور قدموں کے نیچے سے بھی اوپر کی طرف سے رزق کے انتظام ہونے کا مطلب یہ ہے کہ آسمان کی طرف سے حالات سازگار ہوتے یہ تو آپ جانتے ہیں کہ ہمیں رزق جو مہیا ہوتا ہے اس کے اندر زمین کا دخل بھی ہے اور آسمان کی طرف سے بھی اثرات مرتب ہوتے ہیں، سورج کی گرمی چاند کی چاندنی یہ بھی اثر انداز ہوتی ہے ہمیں رزق مہیا کرنے پر یہ پھلوں کی رنگت یہ پھلوں کے اندر مزا اور اس طرح سے فصل کا پکنا بڑھنا یہ سورج کی گرمی اس قسم کی چیزیں اس کے اوپر اثر انداز ہوتی ہیں اور آسمان کی طرف سے موقع پر بارش کا آنا، زیادہ بارش نہ آنا آندھیوں سے بچاؤ یہ اسباب اگر سازگار ہوں تو پھر رزق مہیا ہوتا ہے۔

اور اس طرح سے زمین کی طرف سے کہ سیلاب نہ آئے اور زمین میں زلزلے وغیرہ نہ آئیں اور اس کے اندر شور کلر نہ پھیلے یہ حالات سازگار رہیں تو تب جا کے خوشحالی کے ساتھ ہمارے لیے پھل پھول اور رزق کا انتظام ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ یہ اگر اللہ کے قانون کو عملاً قائم کر لیتے اور اپنی زندگی اس کے مطابق گزارتے تو اوپر نیچے ہر قسم کے حالات ان کے لیے سازگار ہوتے اور خوشحالی کے ساتھ اپنا وقت گزارتے تو ''لو'' کا مطلب یہ ہوا کہ چونکہ انہوں نے یہ کام نہیں کیا اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آئے دن غضب کا نشانہ بنتے رہتے ہیں اور دنیا کے اندر ان کو رسوائی ملتی رہتی ہے، پریشانیوں میں یہ گھرے ہوئے ہیں۔

قرآن کریم کا انصاف:

’’منھم امۃ مقتصدۃ ‘‘ یہ قرآن کریم کا انصاف ہے کہ جب دوسری جماعت کا ذکر کرتا ہے تو سب کا رگڑا اکٹھے نہیں نکال دیتا بلکہ جو ان میں سے اچھے افراد ہوتے ہیں ان کو ہمیشہ مستثنیٰ کرلیا جاتا ہے تو جب برائی بیان کی تو ’’کثیر منھم ‘‘ کے ساتھ اور ایک جماعت کو علیحدہ کر کے ذکر کر دیا کہ ان میں سے کچھ لوگ ہیں جو اعتدال پر چلنے والے ہیں یہ وہی لوگ ہیں افراط وتفریط سے بچنے والے یہ وہی لوگ ہیں جو قرآن کریم کے نازل ہونے سے پہلے توراۃ انجیل کے جو احکام ان کے پاس تھے ان کے مطابق عمل کرتے تھے اور قرآن کریم کے آجانے کے بعد انہوں نے اس کو تسلیم کرلیا۔

یہود میں سے عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کی جماعت اور نصاریٰ میں سے نجاشی اور اس کے ساتھ ملنے والے ان کی تعریف قرآن کریم میں مختلف جگہ پر کی گئی ہے ’’و کثیر منھم ساء ما کانوا یعملون ‘‘ چھوٹی سی جماعت ہے جو ان میں سے ’’ مقتصدۃ ‘‘ ہے سیدھی راہ پر چلنے والی، افراط تفریط سے بچنے والی اور ان میں سے بہت سے ہیں برا ہے وہ کام جو وہ کرتے ہیں۔
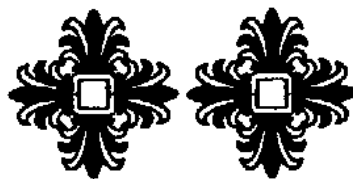
يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ

اے رسول پہنچادے وہ چیز جواتاری گئی تیری طرف تیرے رب کی جانب سے ، اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تو نے نہیں پہنچایا

رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۷﴾ قُلْ

اللہ کا پیغام ، اللہ بچائے گا تمہیں لوگوں سے ، بے شک اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا کافر لوگوں کو (۶۷) آپ کہہ دیجئے

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَىْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ

کہ اے کتاب والو! تم کسی شے پہ نہیں ہو جب تک تم قائم نہ کرو توراۃ کو اور انجیل کو

وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ

اور اس چیز کو جو تمہاری طرف اتاری گئی تمہارے رب کی جانب سے ، البتہ ان میں سے بہتوں کو زیادہ کرتی ہے جو چیز آپ کی طرف اتاری گئی

مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۸﴾ اِنَّ

آپ کے رب کی جانب سے از روئے سرکشی کے اور کفر کے ، کافر لوگوں پر افسوس نہ کر (۶۸) بے شک

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئُوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ

وہ لوگ جو ایمان لے آئے اور جو یہودی ہوئے اور نصاریٰ ہوئے جو کوئی

اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

ایمان لائے اللہ کے ساتھ اور پچھلے دن کے ساتھ اور نیک عمل کرے نہ ان پر کوئی خوف ہوگا

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۹﴾ لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِىْۤ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَاۤ

اور نہ وہ غم زدہ ہوں گے (۶۹) البتہ تحقیق لیا ہم نے بنی اسرائیل کا پختہ عہد اور بھیجے

اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا

ان کی طرف بہت سارے رسول ، جب کبھی آیا ان کے پاس رسول ایسی چیز لے کر جس کو ان کے دل نہیں چاہتے ، ایک فریق کو

كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴿۷۰﴾ وَحَسِبُوْۤا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا

انہوں نے جھوٹا بتلایا اور ایک فریق کو یہ قتل کرتے تھے (۷۰) اور انہوں نے سمجھ لیا کہ کوئی سزا نہیں ہوگی پس وہ اندھے ہو گئے

وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ؕ

اور وہ بہرے ہو گئے پھر اللہ نے ان پر توبہ کی پھر اندھے ہو گئے اور بہرے ہو گئے ان میں سے بہت سارے ،

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝۷۱ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ

اللہ تعالیٰ دیکھنے والا ہے اس چیز کو جو وہ کرتے ہیں (۷۱) پکی بات ہے کہ کافر ہو گئے وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ اللہ وہ

الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا

مسیح ابن مریم ہی ہے ، حالانکہ کہا مسیح نے اے اسرائیل کی اولاد عبادت کرو

اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ

اللہ کی جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے ، بے شک بات یہ ہے کہ جو کوئی شریک ٹھہرائے اللہ کے ساتھ پس تحقیق اللہ نے حرام کر دیا

عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝۷۲

اس کے اوپر جنت کو اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے ، اور ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں (۷۲)

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ

پکی بات ہے کافر ہو گئے وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں سے تیسرا ہے ، اور نہیں ہے کوئی معبود

اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ

مگر ایک ہی معبود ، اگر نہیں رکو گے اس بات سے جو یہ کہتے ہیں تو البتہ ضرور پہنچے گا ان لوگوں کو

كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۷۳ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ

جنہوں نے کفر کیا ان میں سے عذاب الیم (۷۳) کیا یہ توبہ نہیں کرتے اللہ کی طرف اور اس سے استغفار نہیں کرتے ،

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۷۴ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ

اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے رحم کرنے والا ہے (۷۴) مسیح ابن مریم اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ رسول ہے ، تحقیق گزر گے

مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ

اس سے قبل بھی بہت سارے رسول ، اور اس کی ماں صدیقہ ہے ، یہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے ، دیکھ تو

كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٧٥﴾ قُلْ

کیسے واضح کرتے ہیں ہم ان کے لیے نشانیاں پھر دیکھ یہ کدھر کو پلٹے جارہے ہیں ﴿۷۵﴾ آپ کہہ دیجئے

اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ؕ وَاللّٰهُ

کہ کیا تم پوجا کرتے ہو اللہ کو چھوڑ کر جو نہ تمہارے لیے نقصان کا اختیار رکھتا ہے اور نہ نفع کا ، اور اللہ تعالیٰ

هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٧٦﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ

سننے والا ہے جاننے والا ہے ﴿۷۶﴾ آپ کہہ دیجئے اے کتاب والو! اپنے دین میں غلو نہ کرو

غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَآءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ

ناحق اور نہ پیروی کرو تم ایسے لوگوں کی خواہشات کی جو بھٹک گئے اس سے قبل

وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ ﴿٧٧﴾ ع

اور بہتوں کو انہوں نے گمراہ کیا اور خود سیدھے راستے سے گمراہ ہو گئے ﴿۷۷﴾

تفسیر:

خلاصہ مضامین:

اہل کتاب کا ذکر چلا آرہا ہے اور یہ سارے کا سارا رکوع بھی انہیں کے حالات پر مشتمل ہے، اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے سرور کائنات ﷺ سے ان دونوں گروہوں کے متعلق جو اہل کتاب کا مصداق تھے یہود بھی اور نصاریٰ بھی واشگاف الفاظ میں اعلان کروایا ہے کہ تمہارا طریقہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا، بے بنیاد ہے اور تم غلط کار ہو اللہ تعالیٰ کے مقبول تم نہیں بن سکتے چہیتے نہیں بن سکتے جب تک کہ تم توراۃ انجیل اور اس قرآن کی پابندی نہ کرو، اور جس گمراہی کے اندر یہود و نصاریٰ مبتلاء ہوئے اس کو ذکر کر کے ان کے کفر کی صراحت کی جارہی ہے۔

گویا کہ اس رکوع میں صاف صاف اعلان کر دیا گیا کہ اہل کتاب کا حق کے ساتھ کوئی تعلق نہیں اور اس طرح سے نصاریٰ جو ہیں ان کے عقیدے کی بھی تردید کر کے یہ بتا دیا گیا کہ یہ نصاریٰ بھی گمراہ ہیں اور ان کی گمراہی کی بنیاد یہ ہے کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اس قسم کے عقیدے تراشے، اس اعلان کروانے سے قبل

حضور ﷺ کو تاکید کی جارہی ہے کہ آپ یہ اعلان کیجئے اور بالکل کھل کر کیجئے اگر اس کے اندر کوئی کسی قسم کی کمی کمزوری آئی اور اس میں کوئی کسی قسم کا اخفاء کیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے اپنا منصبی حق ادا نہیں کیا۔

حضور ﷺ کا فرض منصبی اور اس کی ادائیگی:

پہلے یہ تاکید ہے واشگاف الفاظ میں اعلان کرنے سے پہلے کہ ''یایھاالرسول'' ایک تو خطاب لفظ رسول کے ساتھ کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ بھیجے گئے ہیں پیغام رسانی کے لیے، پیغام پہنچانے کے لیے ہی آپ کو بھیجا گیا ہے، منصب یاد دلایا کہ آپ رسول ہیں کہ اے رسول!'' بلغ ماانزل الیك من ربك '' تیرے رب کی طرف سے جو کچھ تری طرف اتارا گیا اسے پہنچادے'' ما'' یہ عام ہے''وان لم تفعل '' اگر تو نے ایسا نہ کیا یعنی جو کچھ اتارا گیا اگر اس میں سے تو نے نہ پہنچایا۔

اگر ایک آدھی بات کا بھی اخفاء کرلیا کیونکہ'' ان لم تفعل '' کا مفہوم بھی وہی'' ماانزل'' کے اندر جو چیز ذکر کی گئی اگر تو نے ایسا کام نہ کیا یعنی'' ماانزل '' کی تبلیغ نہ کی اور اسے نہ پہنچایا''فمابلغت رسالته ''تو تو نے اپنا فرض منصبی ادا نہیں کیا تو نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا۔

اگر چہ ننانوے باتیں پہنچادیں اور اگر ایک بات کا بھی اخفاء ہوگیا اور اس کو لوگوں تک نہیں پہنچایا تو یوں سمجھو کہ فرض منصبی ادا نہیں ہوا اسی لیے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ جو کوئی شخص یہ کہے کہ اللہ کے رسول نے بعض باتیں چھپالیں ہیں اور لوگوں تک نہیں پہنچائیں تو وہ بہت بڑا بہتان باندھتا ہے اللہ کے رسول پر۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم تو ہے کہ جو کچھ بھی اتارا گیا پہنچادے اگر اس میں سے کسی ایک بات کا اخفاء کیا گیا تو سرے سے یہ ایسا ہوگا کہ آپ ﷺ نے اپنا منصب رسالت جو تھا وہ پورا ہی نہیں کیا جو پیغام اللہ نے دیا تھا آپ نے وہ پہنچایا ہی نہیں اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جن چیزوں کی تبلیغ ضروری تھی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتری تھیں قوم کی ہدایت کے لیے ان میں سے کوئی بات اللہ کے رسولؐ نے نہیں چھپائی سب صاف صاف بتادیں اس لیے کسی بات کو راز داری کے درجے میں حضور ﷺ نے نہیں رکھا، برملا پہنچایا اور اس فرض کو اتنے اچھے انداز کے ساتھ حضور ﷺ نے نبھایا ہے کہ حجۃ الوداع میں جب صحابہ رضی اللہ عنہم کا مجمع تھا اور عرفات میں حضور ﷺ نے تقریر کی تھی بہت بنیادی چیز اس میں واضح کی تھی تو اس خطبے کے آخر میں لوگوں سے پوچھا تھا'' الا ھل بلغت '' کیا میں نے اللہ کا دین تمہیں پہنچادیا تو سب نے کہا کہ ہاں جی آپ نے پہنچادیا تو پھر آپ نے اس طرح سے انگلی سے اشارہ کر کے فرمایا'' اللھم اشھد اللھم اشھد اللھم اشھد'' اے اللہ! گواہ ہو جا دیکھ یہ تیری ساری مخلوق کہتی ہے کہ میں نے تیرا پیغام ان تک پہنچادیا۔

اور ایک روایت میں یوں بھی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا تھا کہ میرے متعلق اللہ تعالیٰ تم سے پوچھیں گے تو تم کیا کہو گے؟ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا یارسول اللہ! اگر اللہ نے ہم سے سوال کیا تو ہم یہ کہیں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا پورا دین پہنچا دیا اور اللہ کی کتاب ہم تک پہنچا دی کوئی بات اس میں سے چھپائی نہیں ہے۔

تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں اتنی اہمیت تھی اس تبلیغ ''ماانزل'' کی کہ ساری قوم کے سامنے برملا اس کا اعلان کیا اور شہادت لی اور ان کی شہادت دینے کے بعد پھر اللہ کو گواہ ٹھہرایا کہ یا اللہ! تو گواہ ہو جا کہ دیکھ یہ سارے گواہی دیتے ہیں کہ میں نے تیرا دین ان تک پہنچا دیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی ذمہ داری:

''**واللہ یعصمك من الناس**'' ''**ماانزل الیك**'' کو پہنچانے میں اگر کوئی کسی قسم کی کمی آسکتی ہے یا کوئی کوتاہی متصور ہے تو اس میں دو باتیں ہوا کرتی ہیں۔

یا تو جن کے خلاف اعلان کرنا ہے ان کی طرف سے دشمنی کی بناء پر کوئی نقصان پہنچنے کا اندیشہ جس کے متعلق کچھ کہنا ہے ڈر ہے کہ اگر ہم نے کھل کر ان کے متعلق بات کر دی اور ان کی حیثیت ہم نے واضح کر دی تو ان کی طرف سے ہمیں کوئی نقصان پہنچے گا ہمیں ہلاک کرنے کی کوشش کریں گے اور اس وقت عملی ریاست کے مالک یہی تھے یہود و نصاریٰ ان کے خلاف اگر اعلان کیا جائے گا تو پھر یہ دشمنی کریں گے۔

اور دوسری بات یہ ہوسکتی ہے کہ کبھی کسی کے سامنے بات کہنے سے اس لیے بھی انسان کتراتا ہے کہ فائدہ کوئی نہیں ان کو کہنے کی کیا ضرورت ہے جب یہ مانتے ہی نہیں ان دونوں باتوں کی بناء پر انسان پوری طرح سے اظہار کرنے سے کچھ نہ کچھ رک سکتا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے اگلے الفاظ میں ان کی تردید کر دی ''**واللہ یعصمك من الناس**'' آپ یہ اندیشہ نہ کیجئے کہ جب کھل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اعلان کریں گے اور یہ دین واشگاف الفاظ میں پہنچائیں گے چاہے لوگوں کے جذبات کے وہ کتنا ہی خلاف کیوں نہ ہو وہ لوگ آپ کو قتل نہیں کرسکیں گے ہلاک نہیں کرسکیں گے ہم آپ کی حفاظت کریں گے ''**واللہ یعصمك من الناس**'' اللہ تعالیٰ آپ کو بچائے گا لوگوں سے، بچانے سے یہاں یہی مراد ہے کہ آپ کو ہلاک نہیں کرسکیں گے آپ کو قتل نہیں کرسکیں گے، چاہے یہ لوگ اس ضد میں آکر آپ کے خلاف کتنی ہی سازشیں کیوں نہ کریں آپ کو نقصان نہیں پہنچا سکیں گے اللہ آپ کی حفاظت کرے گا۔

چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے سے قبل رات کو سرور کائنات ﷺ پر پہرہ دیا جاتا تھا تا کہ کوئی خفیہ طور پر حملہ کر کے آپ کو نقصان نہ پہنچادے مدینہ منورہ میں جانے کے بعد جہاں آپ آرام فرماتے تھے اپنے حجرے میں تو آپ ﷺ کے حجروں پر پہرہ دیا جاتا تھا کہ کوئی دشمن خفیہ طور پر کوئی نقصان نہ پہنچا جائے جس وقت یہ آیت اتری تو آپ ﷺ نے اسی وقت لوگوں کو خطاب کر کے کہہ دیا کہ جاؤ جا کے آرام کرو کوئی ضرورت نہیں ہے، میری حفاظت کی ذمہ داری اللہ نے لے لی ہے۔

چنانچہ اس سلسلے میں پہرہ موقوف کرادیا حدیث شریف میں یہ بات آتی ہے کہ اس سے قبل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور ﷺ پر پہرہ دیتے تھے اس آیت کے اترنے کے بعد پھر اس کو ترک کر دیا، لوگوں سے اللہ تعالیٰ ہی آپ کی حفاظت کریں گے۔

"ان اللہ لایھدی القوم الکفرین" کا مفہوم:

"ان اللہ لایھدی القوم الکفرین" اس کا مطلب دو طرح سے ادا کیا گیا ہے یا تو یہ کہ کافروں کی ہدایت آپ کے ذمے نہیں، آپ کھل کر کہہ دیجئے جو کچھ کہنا ہے بات ان تک پہنچا دیجئے باقی جن کے حق میں کفر ثابت ہو چکا ہے اللہ تعالیٰ ان کو راہِ راست پر نہیں لائے گا، ان کا راہِ راست پر آنا یا نہ آنا یہ آپ کے اختیار کی بات نہیں ہے اس لیے اگر وہ راہِ راست پر آ گئے تو فائدہ ان کا، نہ آئے تو نقصان ان کا، ذمہ داری آپ پر نہیں آپ کا فرض ہے تبلیغ آپ یہ کر دیجئے تو یہ خیال کہ ہم کھل کھل کر باتیں کریں فائدہ کیا کہ آگے سے کوئی متاثر تو ہوتا نہیں یہ خیال بھی بسا اوقات تبلیغ کے اندر سستی کا باعث ہو جایا کرتا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے یہاں کہا کہ یہ آپ کے ذمے نہیں ہے ہدایت اور عدم ہدایت کا قصہ اللہ کے ہاتھ میں ہے جن کی قسمت میں کفر پکا ہو چکا جن کی قسمت پھوٹ گئی اپنی ضد کی بناء پر انہوں نے اپنی صلاحیت جو تھی وہ ضائع کر لی اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت نہیں دے گا آپ اپنا کام کیجئے اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جس طرح اس آیت کی تقریر بیان القرآن میں فرمائی وہ یہ کہ "واللہ یعصمك من الناس" کے ساتھ ہی اس کا مضمون مل گیا کہ "لا یھدی" سے ہدایت دینی مراد نہیں بلکہ دنیوی مقصد کے لیے راہنمائی کرنا اور مقصد تک پہنچا دینا یہ بھی ہدایت کہلاتا ہے تو کافر لوگوں کو آپ ﷺ کے قتل و ہلاک کی طرف اللہ راہ نہیں دے گا۔

تو "لا یھدی" سے ہدایت ہی مراد لے لی دنیا کے اندر کسی چیز کو مقصد ٹھہرا کر اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرنا ہے، تو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے یہ بھی اللہ کی طرف سے ایک ہدایت ہے کہ "لا یھدی" کا معنی یہ ہوگا کہ جو لوگ کافر ہیں وہ آپ کی طرف سے اس قسم کے اعلان سن کر اور ان کے عقائد کی تردید سن کر، ہوسکتا

ہے کہ کوشش کریں آپ کو ہلاک کرنے کی لیکن وہ اس مقصد میں کامیاب نہیں ہوں گے اللہ تمہیں بچائے گا اور کافر لوگوں کو ان کے مقصد میں کامیاب نہیں کرے گا اگر آپ کو وہ ہلاک کرنے کی کوشش کریں۔

پھر ان الفاظ کا جو مضمون تھا وہ ''واللہ یعصمك من الناس'' کے ساتھ ہی لگ گیا بیان القرآن میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ کا مطلب اس طرح سے ذکر کیا ہے۔

اہل کتاب کے بارے میں قرآن کا واشگاف اعلان:

اب آگے آ گیا وہ اعلان جو ان یہود و نصاریٰ کے متعلق کروایا جا رہا ہے، کہہ دیجئے، اعلان کردو، اے کتاب والو! کتاب والوں سے مراد یہودی بھی ہیں اور نصرانی بھی کیونکہ دونوں طبقے اس وقت اہل کتاب کہلاتے تھے ''لستم علی شیٔ'' تم کسی بنیاد پہ نہیں ہو تمہارا دین بے بنیاد جب تک کہ تم توراۃ انجیل اور ''ما انزل الیکم من ربکم'' کو قائم نہ کرو، توراۃ انجیل اور قرآن پر عمل کرو تو تمہارا دین صحیح ہے اور تم کسی صحیح بنیاد پر قائم ہو اور پھر تمہارا عمل تمہارا نظریہ قابل اعتماد ہے اور اگر تم توراۃ سے انجیل سے اور قرآن سے روگردانی کر جاؤ اور پھر تم دعویٰ رکھو کہ ہم اللہ کے چہیتے ہیں، اللہ کے لاڈلے ہیں، ہم اللہ تعالیٰ کا خاندان ہیں اور اس کے محبوبوں کی اولاد ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ہم بھی مقبول ہیں اور آخرت میں نجات ہمارے حصے میں ہے یہ جتنے نظریے تم نے قائم کر رکھے ہیں یہ سب بے بنیاد ہیں کوئی تعلق نہیں تمہارا اللہ کے ساتھ اور کوئی تعلق نہیں اللہ کو تمہارے ساتھ اور تم اپنے خیال کے مطابق اللہ تعالیٰ کے محبوب بنتے ہو محبوبیت کی اس سے نسبت قائم کیے ہوئے ہو سب بے بنیاد باتیں ہیں۔

جس وقت تک کہ تم اللہ کی طرف سے ان اتاری ہوئی کتابوں کی پابندی نہیں کرو گے اور اللہ کی طرف سے اتاری ہوئی کتابوں کی پابندی کا کیا مطلب؟ توراۃ کو اگر قبول کیا ہے تم نے تو اس کو قائم کرو، اپنی زندگی کے ساتھ ربط لگاؤ، توراۃ جن چیزوں کے لیے کہتی ہے ان کے اوپر عمل کرو اور اس کی طرف سے یہ پیش گوئیاں ہیں آنے والے رسولوں کے متعلق تو جس وقت تک تم ان کو نہیں مانو گے یہودی جس وقت تک حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہیں لائیں گے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائیں گے تو گویا کہ توراۃ انہوں نے قائم نہیں کی، عیسائی جس وقت تک سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائیں گے تو گویا کہ انہوں نے انجیل پر عمل نہیں کیا۔

توراۃ انجیل پر عمل تب ہی ہوگا کہ اس کی پیش گوئیوں کے مطابق آنے والے پیغمبروں کو مانو اور آنے والی کتب کو تسلیم کرو تب سمجھا جائے گا کہ تم نے توراۃ کو بھی مانا انجیل کو بھی مانا اور قرآن کو بھی مانا جس طرح سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کتابیں اتریں ہم نے ان سب کو تسلیم کیا ہمارا ان کے اوپر ایمان ہے جو کچھ قرآن کہتا ہے تینوں کے مجموعے کو سامنے رکھ کر جو مطالبہ اللہ کا ہم سے ہے ہم اس کو پورا

کرتے ہیں توراۃ کے جن احکام کو انجیل کے جن احکام کو منسوخ کردیا اب تینوں کتابوں پر عمل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ انہیں چھوڑ دو اور حاصل جو ٹھہرا تینوں کتابوں کی طرف دیکھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو مطالبہ ہے اس کو پورا کرنا یہی ان کتابوں کو قائم کرنا ہے۔

تو مطلب یہ ہوا کہ جب تک تم ایمان نہیں لاتے اس آخری پیغمبر پر اور جس وقت تک تم تسلیم نہیں کرتے اس آخری کتاب کو اس وقت تک تمہارے یہ دعوے ہی دعوے ہیں جو تم نے اپنے لیے کرلیے ہیں، یہ تم خواب دیکھ رہے ہو یہ تمہاری جھوٹی خواہشات ہیں اور جس وقت تمہاری آنکھ کھلے گی تو اس وقت پتہ چلے گا کہ تمہارے دعوے جتنے بھی تھے یہ سب ہوا کے غبارے تھے اور تم ہوا کے اندر اڑتے تھے بنیاد تمہاری کچھ نہیں، یہ ہے وہ واشگاف اعلان جو یہود و نصاریٰ کے متعلق کروایا جارہا ہے۔

ان کے دعوے جو تھے وہ بہت بڑے بڑے تھے وہ کہتے تھے کہ اللہ کے مقبول ہم ہی ہیں، جنت آخرت میں ہے ہی ہمارے لیے "لن یدخل الجنۃ الامن کان ھوداً اونصاریٰ" جنت میں جائیں گے ہی یہود اور نصاریٰ "نحن ابناء اللہ واحباؤہ، لن تمسنا النار الا ایاما معدودۃً" یہ سارے ان کے دعوے نقل کیے گئے۔

تو یہاں کہہ دیا کہ سب بے بنیاد ہیں کچھ حقیقت نہیں ان میں جب تک تم توراۃ انجیل اور قرآن پر عمل نہ کرو "ولیزیدن کثیراً منھم ماانزل الیك من ربك طغیاناً و کفرا" یہی ان کی بدبختی ذکر کی جارہی ہے کہ چاہیے تو یہ تھا کہ "ماانزل الیك من ربك" جس وقت یہ سامنے آیا وہ سمجھتے کہ توراۃ کا تقاضہ یہی ہے کہ اسے تسلیم کیا جائے، انجیل کا تقاضہ یہی ہے کہ اسے تسلیم کیا جائے، ان کے تسلیم کرنے کے ساتھ ہی توراۃ اور انجیل کی صداقت ثابت ہوتی ہے۔

چاہیئے تو یہ تھا کہ اس کتاب کو اپنے گھر کی چیز سمجھتے کیونکہ ان کی کتاب میں اس کی پیش گوئی موجود ہے، اس آنے والے پیغمبر کو ماننا وہ اپنا فرض سمجھتے اور یوں سمجھتے کہ اس کتاب کو ماننا اور اس پیغمبر کو تسلیم کرنا یہ ہمارا ہی دین کا تقاضہ ہے چاہیئے تو یہ تھا۔

لیکن ہوا یہ کہ اس قرآن کے آنے کے ساتھ ان کا حسد جو اٹھا تو طغیان اور سرکشی اور کفر کے علاوہ ان کے ہاتھ کچھ نہ آیا، جو کچھ تیری طرف اتارا جارہا ہے تیرے رب کی طرف سے ان میں سے بہتوں کے طغیان اور کفر میں اضافہ کرتا ہے، ان کی سرکشی اور کفر آئے دن بڑھتا جارہا ہے اس قرآن کریم کے اترنے کی وجہ سے، اصل بات یہ ہے کہ ان کے دل کے اندر حسد اور کفر جو آیا تو جیسے جیسے قرآن کریم کا نزول زیادہ ہوگا اتنا اتنا ان کے حسد کے اندر اضافہ ہوتا چلا جائے گا جیسے اگر کسی زمین کے اندر خاردار جھاڑیوں کے بیج بو دیے جائیں تو جیسے جیسے موسم سازگار ہوتا

چلا جائے گا جیسے جیسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بارش آئے گی ویسے ویسے یہ خاردار جھاڑیاں زیادہ اُگیں گی اگر دل کے اندر صلاحیت اچھی ہوتی، نظریات اچھے ہوتے، حق کو قبول کرنے کا جذبہ ہوتا تو جیسے جیسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب اترتی اتنا ہی ان کی حق پرستی حق کا قبول کرنا بہت زیادہ نمایاں ہوتا۔

تو دلوں کے اندر جو فساد ہے تو اللہ کی رحمت جتنی برستی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جتنی کتاب نازل ہوتی ہے تو ان کا وہی طغیان اور کفر جو قلوب کے اندر بھرا ہوا ہے حب دنیا کی بناء پر وہی بڑھتا جا رہا ہے " فلاتأس علی القوم الکفرین " ان کافروں پر آپ کسی قسم کا غم نہ کیجئے یعنی اگر یہ سرکشی میں مبتلاء ہیں اور کتاب اللہ کو سن کر متاثر نہیں ہوتے بلکہ ان کے طغیان اور کفر میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے تو آپ اس پر کوئی کسی چیز کا غم نہ کیجئے۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں نام نہیں حقیقت کا اعتبار ہے:

اگلے الفاظ کا تعلق بھی اسی اعلان کے ساتھ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ صرف اپنا نام رکھ لینے سے مقبولیت نہیں آیا کرتی یہ بات صاف صاف سن لو۔

چاہے کوئی اپنے آپ کو مؤمن کہتا ہو چاہے اپنے آپ کو یہودی کہلاتا ہو اور چاہے وہ صابی مشہور ہوں صابی یہ لوگ ستارہ پرست تھے اور بعض کہتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور کی طرف منسوب ایک فرقہ ہے چاہے وہ اپنے آپ کو نصاریٰ کا عنوان دیتے ہیں ان ناموں کے رکھنے سے ہمارے ہاں کوئی مقبولیت نہیں ہوتی کوئی درجہ نہیں یہاں تو حقیقت کی قدر ہے کہ جس کا اللہ کے اوپر صحیح ایمان ہوگا اور یوم آخر پر صحیح ایمان ہوگا اور اس کا عمل ٹھیک ہوگا وہ آخرت میں کامیاب ہے، نہ ان کے اوپر کوئی خوف اور نہ کوئی حزن ہے۔ صرف ناموں کے ساتھ کسی کو قبولیت حاصل نہیں کہ ایک شخص اپنے آپ کو یہودی کہلائے تو اللہ کے ہاں مقبول ہوگا اسی طرح سے "الذین امنوا" کا مصداق اپنے آپ کو سمجھتا ہو تو اللہ کے ہاں مقبول ہوگیا ایسی کوئی بات نہیں یہاں تو فیصلہ حقیقت پر ہوگا۔

مؤمن کا نام جو تھا سرے فہرست رکھ دیا یہاں "الذین امنوا" کا بھی یہی حال ہے کہ جو اپنے آپ کو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے اور ان کا حقیقت کے اعتبار سے ایمان صحیح نہیں ہے تو صرف یہ کہنے کے ساتھ ان کی یہ بات بھی کوئی نہیں ہے۔

جیسا کہ آج آپ کے سامنے حقیقت ہے کہ بہت سارے لوگ ایسے ہیں کہ جو فہرست کے اندر مؤمنوں میں شمار ہوتے ہیں جن کا شمار مسلمانوں میں ہی ہے، اہل ایمان میں ہی ہے، لیکن وہ سرے سے خدا کے وجود کے

قائل نہیں، یوم آخرت کے قائل نہیں، نماز کا استہزاء کرتے ہیں، قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ کی کتاب سمجھ کر ہمیشہ کے لیے باقی رہنے والی نہیں سمجھتے، فرشتوں کا مذاق اڑاتے ہیں، جنات کے وجود کے قائل نہیں ہیں، یہ جتنے لوگ بھی سوشلسٹوں سے متاثر ہیں کمیونسٹوں سے متاثر ہیں سب کا حال اسی طرح سے ہے اور اسی طرح یورپ کی تہذیب سے جو زیادہ متاثر ہوئے تو دہریت ان کے اندر بھی آ گئی دہریت دونوں جانب سے آئی ہے یورپ کی طرف سے بھی آئی اور ادھر سوشلسٹ ممالک سے بھی آئی اور سوشلسٹ ممالک کی طرف سے زیادہ آئی اور یورپ والے چونکہ اصولاً اپنے آپ کو عیسائی کہتے ہیں اور اپنی نسبت ان کتابوں کی طرف کرتے ہیں تو کسی نہ کسی درجے میں پھر بھی ان کے اندر خدا اور اس کے رسولوں کا یا آخرت کا تصور باقی ہے اگرچہ پھیلی دہریت ادھر سے بھی بہت ہے۔

لیکن ان کی تو بنیاد ہی دہریت پر ہے جو دوسرے نظریے اٹھے اب کوئی شخص اپنا نام کچھ رکھ لے اور اپنے آپ کو وہ شمار اہل ایمان میں کرے، فہرست جس وقت بنے تو وہ مؤمنوں کے اندر ہی شمار کیے جائیں غیر مسلموں میں ان کا شمار نہ آئے۔

لیکن صرف " الذین امنوا "کی فہرست میں شامل ہو جانا یا اپنے آپ کو مسلمان کہلا لینا یہ کافی نہیں ہے اگر ایمان صحیح نہیں اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر اور عمل صحیح نہیں تو ان عنوانات کے اختیار کرنے سے اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبولیت حاصل نہیں ہوتی تو یہ اعلان کر دیا گیا کہ یہود کہلانے سے نصرانی کہلانے سے اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبولیت کا ثبوت نہیں ملتا جب تک ان کے عقائد صحیح نہ ہوں تو یہاں فرقہ پرستی کے اوپر گویا کہ ضرب لگانی مقصود ہے۔

باقی ایمان کے اجزاء کی تفصیل کرنی مقصود نہیں کہ کن کن چیزوں کے اوپر ایمان لانا ضروری ہے وہ دوسری آیات میں بتا دیا گیا یہ بات اس لیے کہہ رہا ہوں کہ اس کے الفاظ کی طرف دیکھ کر یہ نہ سوچ لیجئے کہ شاید رسول پر ایمان لانا ضروری نہیں کہ صرف ایمان باللہ اور یوم آخرت کا اس میں ذکر آیا ہوا ہے قرآن کریم کی دوسری آیات، روایاتِ صحیحہ اور آیاتِ قطعیہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ ایمان اور چیزوں پر بھی ضروری ہے فرشتوں کے وجود کو ماننا ضروری، رسولوں کو ماننا ضروری، کتابوں کو ماننا ضروری، اور اس طرح سے دوسری باتیں ہیں کہ اگر ان میں سے ایک کا بھی انکار کر دیا جائے تو کفر ہے تو ایک ہی آیت کے اوپر سارے احکام کا دار و مدار نہیں رکھا کرتے کہ ہم یہ کہیں کہ چونکہ اس میں رسالت کا ذکر نہیں آیا اس لیے رسالت پر ایمان لانا ضروری نہیں یہ بات نہیں ہے۔

یہاں تو صرف یہ کہنا مقصود ہے کہ یہ فرقوں کے عنوان کوئی حقیقت نہیں رکھتے جب تک ان کے اندر ایمان صحیح طور پر موجود نہ ہو اور جب تک ان کے کردار کے اندر عمل صالح کی جھلک نہ ہو اس وقت تک یہ فرقوں

کے عنوان کوئی حقیقت نہیں رکھتے اور یہ آیت اسی طرح سے پہلے آپ کے سامنے سورۃ البقرۃ میں بھی گزر چکی ہے یہ تو اجمالاً اعلان ہو گیا۔

گمراہی کی بنیاد افراط وتفریط ہے:

اب آگے کچھ تھوڑا سا ان کے کردار کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے'' لقد اخذ نا میثاق بنی اسرائیل '' ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا تھا یہ آپ کے سامنے پہلے بھی بات آ چکی اور اس میثاق کی یاد دہانی کے لیے ہم نے ان کی طرف بہت سارے رسول بھیجے جیسے کہ اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ رسولوں کے ذریعے سے اپنے احکام اپنے بندوں تک پہنچاتے ہیں۔

وہ رسول آئے اور آ کر انہوں نے یاد دہانی کرائی لیکن یہود نے کیا طریقہ اختیار کیا؟ ہدایت کی راہ تو یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ کی بات کو مان جانا، یہ خیال فرما لیجئے! اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے کتاب اتارتا ہے کتاب اللہ یہ بھی بندوں کی ہدایت کے لیے آتی ہے۔

لیکن کتاب اللہ کی تشریح کے لیے رجال اللہ آتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کچھ انسانوں کو کچھ آدمیوں کو منتخب کر کے بھیجتا ہے اپنی اس کتاب کی وضاحت کے لیے تو اللہ تعالیٰ کی مرضی اور منشاء کا پتہ چلتا ہے یا اس کی نازل کردہ کتابوں سے یا اس کے بھیجے ہوئے رسولوں کے اقوال سے افعال سے اور ان کی تشریحات سے، اور گمراہی جب آتی ہے تو دو راستوں سے آتی ہے کوئی شخص اگر اللہ کی کتاب کو قبول بھی کر لیتا ہے تو پھر رجال اللہ کے متعلق گمراہی دو طرح سے آئی یا افراط یا تفریط، تفریط کا مطلب یہ ہے کہ رجال اللہ جس منصب پر ہیں اس منصب سے بھی ان کو گرا دیا، ان کو صحیح منصب نہ دیا یہ تفریط یہ کوتاہی یعنی رجال اللہ کے ساتھ ان کے منصب کے مطابق برتاؤ نہ کرنا بلکہ ان کی توہین کرنا ان کو مرتبے سے گرانا یہ تفریط ہے۔

اور یہ کفر جو تھا یہ یہود میں آیا ہے کہ اللہ کی طرف سے وہ بندے جو اس کتاب کی تشریح کے لیے آئے یا اللہ تعالیٰ کی مرضیات کو واضح کرنے کے لیے آئے یہود نے ان کو اپنی خواہشات کے پیمانے میں ناپا اگر تو ان کی مرضی پر چلنے والے تھے تو ان کو کسی درجے میں قبول کیا اور اگر ان کی مرضی کے خلاف چلنے والے تھے تو ان کو قتل کرنے سے بھی یہ باز نہیں آئے تکذیب کی، جھٹلایا اور قتل کر دیا۔

مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے اپنی خواہشات کو پیمانہ بنا لیا رجال اللہ پہچاننے کا، اصل انہوں نے ٹھہرا لیا اپنی خواہشات کو اگر تو وہ بات ان کی خواہشات کے مطابق کہتے تھے تو قابل قبول اور اگر وہ ان کی

خواہشات کے مطابق نہیں بولتے تھے یا ان کو جھٹلاتے اور اگر زیادہ ہی شدت کے ساتھ کہیں مزاحمت ہوتی تو ان کو قتل بھی کر دیتے تھے یہ ہے تفریط کہ انہوں نے ان کو صحیح مرتبے پر نہیں رکھا کہ اللہ کی طرف ان کی نسبت کا لحاظ کرنے اور ان کی تشریحات کو ماننے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو پیغام ان کی زبان سے آتا اس پر اعتماد کرتے ہوئے وہ ان کی اتباع کرتے یہود نے ایسا نہیں کیا۔

اور دوسری طرف آ گئے ان کے چھوٹے بھائی نصرانی وہ افراط میں مبتلاء ہو گئے کہ جن کو انہوں نے رجال اللہ مانا الٹا ان کو خدا کا درجہ دے کر انہی کی پوجا شروع کر دی کسی کو خدا بنا دیا، کسی کو خدا کا بیٹا بنا دیا یہ گویا کہ مرتبے سے اوپر چڑھا دیا یہ افراط کا درجہ ہے رجال اللہ کے متعلق گمراہی یہ دونوں قسم کی آئیں گی عیسائیوں نے مرتبہ بڑھایا اس سے وہ ''احبار رھبان'' کو بھی رب قرار دینے لگ گئے۔

اور اسی طرح سے عیسیٰ کو خدا کہا یا خدا کا بیٹا کہا جس منصب پر وہ تھے اس منصب سے اونچا کر دیا اور یہود نے تفریط اختیار کی اور جہالت انسان کو ان دو طریقوں میں مبتلاء کرتی ہے جیسا کہ عربی کا محاورہ ہے کہ جاہل ٹھکانے پر نہیں رہا کرتا یا یہ اوپر کو چڑھتا ہے یا یہ نیچے کو گرتا ہے نقطہ اعتدال پر یہ کبھی نہیں رہتا اگر کسی کے متعلق اس کا عقیدہ عقیدت کا ہو گا تو بڑھاتے بڑھاتے اس کو آسمان پر چڑھا دے گا اور اس کو عبدیت سے نکال کر اللہ کی مخلوق سے نکال کر اللہ کے منصب پر بٹھانے کی کوشش کرے گا اور اگر یہ کسی کے خلاف ہو جائے اپنی خواہشات کے خلاف ہونے کی بناء پر پھر اس کو صحیح مقام بھی دینے کو تیار نہیں جہالت انسان کو افراط تفریط میں مبتلاء کر دیتی ہے۔

امت محمدیہ کا بنی اسرائیل کی اقتداء کرنا:

تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت ساری روایات کے اندر اس مضمون کو بیان فرمایا حدیث کی کتاب میں موجود ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کے اندر وہی حالات آئیں گے جس قسم کے حالات بنی اسرائیل پہ آئے جیسے جذبات بنی اسرائیل کے تھے ویسے ویسے جذبات میری امت میں بھی پھلیں گے ایک لفظ ہے ''حذو النعل بالنعل'' بالکل اس طرح جس طرح ایک جوتا دوسرے جوتے کے مساوی ہوتا ہے میری امت بنی اسرائیل کے یوں مساوی چلے گی اور فرمایا کہ اگر بنی اسرائیل میں سے کوئی گوہ کی کھڈ میں گھسے ہوں گے تو میری امت میں بھی ایسے لوگ ہوں گے جو وہیں گھسیں گے اور اگر بنی اسرائیل میں کوئی ایسا شخص ہو جو علی الاعلان اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کرتا تھا تو میری امت میں بھی ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اپنی ماں کے پاس علی الاعلان آئیں گے۔

یعنی اس وقت امت کے اندر جو حالات ہوں گے وہ بنی اسرائیل کے ساتھ مطابقت رکھیں گے اور لوگ جو ہیں انہیں طریقوں پر چلیں گے جن طریقوں کے اوپر بنی اسرائیل چلے تھے۔

لیکن فرق اتنا ہے کہ بنی اسرائیل کے بہتر فرقے بنے بہتر کے بہتر گمراہ ان میں سے اہل حق کوئی نہیں تھا اور میری امت کے بہتر فرقے ہوں گے تہتر تو بنی اسرائیل کی طرح گمراہ ہو جائیں گے اور ایک فرقہ جو ہے وہ اہل حق کا ہوگا جو جنتی ہوگا یہ فرقہ وہی ہے جو ''ماانا علیه واصحابی'' (مشکوٰۃ ص ۳۰) جو میرے اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم کے طریقے پر چلنے والے ہوں گے یعنی اسی اعتدال کو اختیار کرنے والے ہوں گے۔

بہتر تو ان سے مساوات کی بناء پر گمراہ ہو جائیں گے جس طرح سے اسرائیلی گمراہ ہوئے ایک فرقہ جو ہے وہ اہل حق کا باقی رہے گا اس اعتبار سے تہتر ہوں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں افراط وتفریط:

اب اگر غور کریں اس امت کے اندر تو جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تیرے بارے میں دو قسم کے فریق گمراہ ہوں گے جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بھی دو قسم کے فریق گمراہ ہوئے کہ یہود نے تو ان کو شریف انسان ہی نہ سمجھا ان کی ماں پر بہتان لگایا اور ان کے قتل کے درپے ہو گئے، یہ تو تھے مفرط کوتاہی کرنے والے یہ بھی گمراہ اور عیسائیوں نے ان کی محبت میں مبتلاء ہو کر ان کو ان کے درجے سے اوپر چڑھا دیا خدائی درجے میں لے گئے یہ تھے مفرط حد سے زیادہ تجاوز کرنے والے تھے تو کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس طرح سے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بنی اسرائیل کے دو طبقے گمراہ ہو گئے تھے تیرے بارے میں بھی دو طبقے ہی گمراہ ہوں گے۔

تو ایک طبقہ ہو گیا خارجیوں کا جو سرے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مؤمن ہی نہیں مانتا، جو ان کے کفر کا قائل ہے تکفیر کرتا ہے یہ خارجیوں کا گروہ اور دوسرا طبقہ ہو گیا رافضیوں کا جنہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ محبت کا دعویٰ کر کے ان کو اتنا چڑھایا کہ حد سے تجاوز کر کے ان کے اندر وہ صفات مان لیں جس قسم کی صفات اللہ تعالیٰ کی ہیں اور شرک کے اندر مبتلاء ہو گئے۔

تو مُفرِط اور مُفرَط دونوں قسم کے لوگ گمراہ ہوئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شخصیت سامنے رکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دونوں باتیں کہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اولیاء کے بارے میں افراط وتفریط:

اور اگر عام حالات میں دیکھیں گے تو بھی آپ کو دونوں قسم کے لوگ مل جائیں گے رجال اللہ کو ماننے

والے ایسے بھی لوگ آپ کو ملیں گے جو ان کے اندر صفات خداوندی ثابت کر کے شرک کے اندر مبتلاء ہو گئے اللہ کے نیک بندوں کو جو کہ دین کی تشریح کرنے والے تھے، اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے والے تھے، اللہ کی توحید کی دعوت دینے والے تھے ان کو ایسا منصب دیا کہ ان کے لیے وہی علم غیب، وہی کارسازی، وہی مشکل کشائی اور وہی نفع نقصان کے مالک، رزق دینے والے، اولاد دینے والے جس قسم کی صفات اللہ تعالیٰ کی تھیں اللہ تعالیٰ سے بے نیاز ہوتے ہوئے ان رجال کے متعلق وہی صفات قائم کرنے لگ گئے۔

جیسے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف انسان کی توجہ ہونی چاہیئے تھی ان کی توجہ ساری کی ساری رجال اللہ کی طرف بلکہ ان کی قبور کی طرف ہو گئی انہی کا طواف کرنا، وہیں جا کر سجدے کرنا، وہیں جھکنا، انہیں کے نام پر نذر و نیاز دینا یہ ساری کی ساری عادتیں ایسی ہیں جو کفر کی ہیں شرک کی ہیں اور یہ مشابہت رکھتی ہیں عیسائیوں کی عادات کے ساتھ جنہوں نے رجال اللہ کا مرتبہ بڑھا کر گمراہی اختیار کر لی اور بعضے لوگ آپ کو ایسے بھی ملیں گے جو کہتے ہیں کہ پیغمبر بھی کوئی چیز نہیں وہ تو ایک چٹھی رساں کی طرح اللہ کا پیغام پہنچانے آیا تھا۔

باقی اس کے اقوال افعال کوئی حجت نہیں ہیں جو کچھ کتاب اللہ میں ہے بس اسی پر ہی عمل کرنا ہے باقی رسول اللہ کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور اس طرح سے رسول اللہ کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کے بعد ائمہ عظام اور اس امت کے اولیاء اللہ اور دوسرے حضرات جنہوں نے دین کی تشریح کی ہے اللہ کے دین کی ہمیشہ دعوت دی وہ ان سے اس طرح استغناء برتتے ہوئے ہیں کہ ان کی کوئی اہمیت ہی دل میں نہیں ہے یہ بات بھی کفر کی طرف لے گئی گمراہی کی طرف لے گئی اور یہ جذبات یہود سے ملتے جلتے ہیں۔

نقطۂ اعتدال:

اور نقطۂ اعتدال کیا ہے کہ نہ تو اللہ کے بندوں سے استغناء اور ان کی خلاف ورزی اور جو بات وہ اپنی خواہشات کے خلاف کہیں اس کو جھٹلانا یہ بات بھی غلط، اللہ تعالیٰ کے دین کی تشریح، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتری ہوئی کتاب کی تشریح سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال سے لیجیے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال کی روشنی میں سمجھیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال کو آنے والے ائمہ اور دیگر امت میں جو اکابر علماء گزرے ہیں ان کی آراء کو سامنے رکھتے ہوئے دین کو اگر سمجھو گے اور ان کے واسطے سے اگر دین کو لو گے تو وہ دین صحیح ہے اور اگر ان سے استغناء برتو گے اور یہ کہو کہ براہ راست اللہ کی کتاب ہی کافی ہے رجال اللہ کی کوئی ضرورت نہیں تو ایسی صورت میں یہ بھی یہودیانہ کفر آئے گا اور اس میں بھی انسان کبھی صحیح طریقے سے ہدایت حاصل نہیں کر سکتا۔

تو یہ دو طبقے جن کا ذکر کیا جا رہا ہے اپنی امت کے اندر اگر غور کرو گے تو آپ کو یہ دونوں طبقے ممتاز نظر

آئیں گے ایسے بھی ہیں جو رجال اللہ کو کوئی اہمیت نہیں دیتے اور اپنی خواہشات پر ان کو پرکھتے ہیں کہ ہماری مرضی کے مطابق ان کی بات ہے یا نہیں اگر اپنی مرضی کے مطابق ہوئی تو قبول کر لی ورنہ اس کو رد کر دیا۔

اور ایسے بھی ہوں گے جو رجال اللہ کو اصل قرار دے کر اللہ سے ہی مستغنی ہوں گے تو ایک کفر جو ہے وہ یہودیوں والا کفر ہے اور ایک کفر جو ہے وہ عیسائیوں والا کفر ہے، یہاں دونوں طبقوں کو سامنے جو ذکر کیا جا رہا ہے تو ان سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ افراط بھی کفر کی طرف لے جاتا ہے اور تفریط بھی کفر کی طرف لے جاتی ہے ایک خصلت یہودیوں کی ہے اور دوسری خصلت عیسائیوں کی ہے۔

تفریط کرنے والے:

ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا اور ان کی طرف رسول بھیجے جب کبھی ان کے پاس کوئی رسول آیا ایسی چیز لے کر جس کو ان کا دل نہیں چاہتا تھا۔

ایک فریق کو انہوں نے جھٹلایا اور ایک فریق کو قتل کیا اور پھر یہ حرکتیں کر کے یہ سمجھے کہ کوئی عذاب نہیں ہوگا نڈر اتنے، بے خوف اتنے کہ وہ سمجھے کہ ان پر کوئی گرفت نہیں ہوگی کیونکہ فوری طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت نہ ہوئی تو وہ دلیر ہو گئے وہ اندھے بہرے ہو کے اپنے کفر پر لگے رہے، اپنی خواہشات کے پیچھے اندھے بہرے ہو کر لگے رہے" ثم تاب الله عليكم " کا مطلب یہ ہے کہ پھر اللہ نے انہیں سزا دی سزا دینے پر وہ متنبہ ہوئے اور انہوں نے توبہ کی اور اللہ نے توبہ قبول کر لی۔

لیکن کچھ دنوں کے بعد پھر وہ خواہشات کے پیچھے لگ کر اندھے بہرے ہو گئے ان میں سے بہت سارے، اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو دیکھنے والا ہے اگر دنیا کے اندر سزا نہیں ہوئی تو آخرت کے اندر یہ چھوٹیں گے نہیں یہ تو یہود کا ذکر تھا یہ تو مفرط ہیں کوتاہی کرنے والے کہ انہوں نے اللہ کے رسولوں کے ساتھ ایسا معاملہ کیا اور اللہ تعالیٰ کے دین کو رسولوں کے ذریعے سے حاصل نہیں کیا، بلکہ اپنی خواہشات کے مطابق نہیں تھا تو اسے قبول ہی نہیں کیا۔

افراط کرنے والے:

اب آ گئے دوسرے جنہوں نے افراط اختیار کیا تحقیق کافر ہو گئے وہ لوگ جو کہتے ہیں اللہ مسیح ابن مریم ہی ہے یہ تھا ایک طبقہ عیسائیوں میں جو کہ حلول کا قائل تھا، حلول کا مطلب یہ ہے وہ کہتے تھے کہ عیسیٰ کی شکل میں اللہ آ گیا اللہ اور عیسیٰ یہ ایک ہی چیز ہیں ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔

اور آپ نے سنا ہوگا کہ اس نظریے کے لوگ بھی امت محمدیہ کے اندر موجود ہیں جو کہتے ہیں کہ جو

عرش پر احد کہلاتا ہے وہ صرف میم کا برقع اوڑھ کر آیا اور دنیا کے اندر احمد کہلاتا ہے میم جو ہے اس کو درمیان سے ہٹا دو یہ جو پردہ ہے تو احد ایک ہی چیز ہے احمد اور احد کے اندر پردہ صرف ہے تو میم کا ہے جو عرش کے اوپر احد کہلاتا ہے وہی دنیا میں احمد ہے۔

اس نظریے کے لوگ کہتے ہیں کہ میم ایک پردہ ہے ورنہ حقیقت میں ایک ہی چیز ہے وہی جو عرش پر تھا وہی زمین پر اتر آیا اور صرف ایک عنوان کا فرق پڑ گیا ورنہ دونوں کے درمیان میں کوئی فرق نہیں یہ بالکل اس قسم کا عقیدہ ہے جس طرح سے وہ کہتے تھے ”ان الله هو المسيح ابن مريم“ وہ حلول کے قائل تھے کہ مسیح ابن مریم اور اللہ ایک ہی چیز ہے یہ بھی کافر ”لقد کفر“ کتنا پختہ طریقے کے ساتھ ایک بات کو کہہ دیا گیا کہ یہ طبقہ بھی کھلم کھلا کافر ہے بلا شک وشبہ کفر ہے اور اس کے اندر کسی قسم کی ہدایت کی بات نہیں ہے۔

حالانکہ مسیح نے تو یہ اعلان کیا اور اس اعلان کو سامنے رکھیے اور اس فرقے کے عقیدے کو دیکھیے تو وہی بات صادق آئے گی کہ مدعی سست گواہ چست جیسے کہ بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے متعلق ان کی زندگی میں ہی لوگوں نے یہ عقیدہ تجویز کر دیا تھا کہ علی رضی اللہ عنہ خدا ہے، عبداللہ ابن سبا کی پارٹی نے اس قسم کی نشر واشاعت شروع کر دی تھی کہ اللہ تعالیٰ علی رضی اللہ عنہ کے پردے میں آ گیا علی رضی اللہ عنہ اور اللہ ایک ہی چیز ہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا تو انہوں نے پکڑوالیا اور ان کو زندیق قرار دے دیا بے دین لوگ اور یہ تو صحیح حدیث میں موجود ہے کہ آپ نے ان کو زندہ جلا دیا آگ بھڑکائی اور زندہ اس میں ڈال دیا اور اس طرح ان کو جلا دیا جو کہ اس قسم کے عزائم اور بے دینی اختیار کئے ہوئے تھے۔

تو تاریخ شیعہ کے اندر ایک روایت لکھی ہے کہ اس پارٹی کے دوسرے لوگوں کو جب پتہ چلا کہ ہمارے نظریات کے لوگوں کو علی رضی اللہ عنہ نے پکڑ کر آگ میں جلا دیا وہ کہنے لگے کہ یہ تو دلیل ہے اس بات کی کہ علی رضی اللہ عنہ رب ہے، علی رضی اللہ عنہ کے رب ہونے کی یہ تو دلیل ہے، وہ کیسے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ”لا يعذب بالنار الا رب النار“ کہ آگ کے ساتھ عذاب دینا آگ کے مالک کا کام ہے تو جب علی رضی اللہ عنہ نے آگ کے ساتھ عذاب دیا تو معلوم ہو گیا کہ رب النار یہی ہے یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ تو اس دعویٰ کی بناء پر ان کو زندیق قرار دیں اور اس عقیدے کی بناء پر ان کو زندہ جلائیں۔

اور وہ کہتے ہیں کہ چونکہ اس نے آگ میں جلا دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آگ کے اندر جلانا یہ تو رب

النار کا ہی کام ہے تو معلوم ہو گیا کہ علی رضی اللہ عنہ رب النار ہے تو اس کے رب ہونے کی دوسری دلیل مل گئی تو جب اس قسم کی بد دماغی کے اندر انسان مبتلاء ہو جائے تو پھر وہی بات صادق آجاتی ہے کہ مدعی سست گواہ چست کہ مدعی کا دعویٰ کچھ اور ہے اور گواہ گواہی کچھ اور دیتے پھر رہے ہیں۔

تو پھر حال ایسا ہی ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تو اعلان کیا کہ اے سرائیلیو! اے اسرائیل کی اولاد! عبادت کرو اللہ کی جو میرا بھی رب ہے تمہارا بھی رب ہے اور یہ واقعہ ہے جو شخص اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے گا وہ جنت میں نہیں جا سکتا اللہ نے اس کے اوپر جنت کو حرام کر دیا اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں یہ جو'' انه من يشرك '' سے لے کر'' وما للظالمين من انصار '' تک الفاظ ہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وعظ کا حصہ ہوں اور ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے توحید کا اعلان نقل کرنے کے بعد یہ شرک کی مذمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے براہ راست اتاری گئی تفسیر کے اندر اس کے متعلق دونوں قول ہیں۔

عقیدہ تثلیث کفر ہے:

اب یہ دوسرا طبقہ'' لقد كفر الذين قالوا ان الله ثالث ثلثة '' عیسائیوں کا یہ طبقہ جو کہتے تھے کہ اللہ تین ہیں اور ان میں سے ایک اللہ ہے، الٰہ تین ہیں ایک وہ عیسیٰ علیہ السلام کو قرار دیتے تھے دوسرا عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو یا جبرائیل علیہ السلام کو اور تیسرا اللہ خود ہو گیا تین میں سے تیسرا اللہ ہے یہ بھی اسی طرح سے کافر یعنی جنہوں نے تعداد کا قول کر لیا وہ بھی کافر اور جنہوں نے حلول کا قول کر لیا وہ بھی کافر'' وما من اله الا اله واحد '' یہ تثلیث تو ایسے ہی ہے ورنہ الٰہ واحد ہی حقیقت میں الٰہ ہے، کوئی معبود نہیں سوائے الٰہ واحد کے اگر یہ باز نہیں آئیں گے ان باتوں سے جو یہ کہتے ہیں تو البتہ ضرور پہنچے گا ان میں سے ان لوگوں کو جو کافر رہیں گے عذاب الیم۔

'' منهم '' کا نکتہ میں نے پہلے آپ کی خدمت میں عرض کر دیا کہ اتنی گنجائش باقی ہے کہ یہ اگر توبہ کر لیں تو ان کی توبہ قبول کی جا سکتی ہے اور ایمان ان کا معتبر ہو گا زندگی کے اندر اندر چاہے یہ کتنے سخت کفر کو اختیار کیے ہوئے ہیں۔

لیکن اگر یہ ایمان لے آئیں گے تو ایمان ان کا معتبر ہے اور جو اس کفر کے اوپر برقرار رہیں گے تو پھر ان کو عذاب الیم چھوئے گا توبہ کی ترغیب آگے دی گئی'' افلا يتوبون الى الله ويستغفرونه '' یہ کیوں توبہ نہیں کرتے اللہ کی طرف اور کیوں استغفار نہیں کرتے یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کیوں فائدہ نہیں اٹھاتے اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے

اگر یہ اللہ کے سامنے توبہ کریں گے اور استغفار کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے کفر اور شرک بھی معاف کر دیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ سے الوہیت کی نفی:

دونوں عقیدوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے الوہیت کو ثابت کیا گیا ہے ایک میں کل الوہیت اور ایک میں الوہیت کا ثلث گویا کہ مجموعہ الوہیت کا تیسرا حصہ جو تھا وہ عیسیٰ علیہ السلام کے لیے قرار دیا گیا تو اب ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت کو واضح کیا ہے "ماالمسیح ابن مریم الارسول" الارسول کے اندر جو حصر کیا جا رہا ہے یہ الٰہ کے مقابلے میں ہے یعنی عیسیٰ علیہ السلام الٰہ نہیں نہ کل الٰہ کا ثلث وہ تو سوائے اس کے کچھ نہیں کہ وہ تو ایک رسول ہے یعنی انسان تو ہے ہی اس میں کوئی شبہ کی بات نہیں۔

اس کی نفی کرنی یا اثبات کرنا مقصود نہیں، الوہیت کے مقابلے میں حصر ہے، الوہیت کا معنی نہیں پایا جاتا یہ رسول کے علاوہ کچھ نہیں اور جیسا یہ اللہ کا رسول ہے تو پہلے بھی بہت سارے رسول گزر گئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ آئے، معجزات ان کو ملے، ان کے ہاتھوں سے عجیب عجیب کارنامے سرانجام پائے اگر اس قسم کے معجزات آنے کی وجہ سے کسی کو الٰہ قرار دیا جائے تو پھر ان رسولوں کو بھی الٰہ قرار دینا چاہیے تھا ان سے پہلے بہت سارے رسول گزر گئے اور باقی رہی ان کی والدہ وہ بھی الٰہ نہیں ہے اور نہ الٰہ کا حصہ ہے "امه صدیقة" وہ ایک مقبول عورت ہے ولیہ ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا مقام وہ ہے جو صدیقین کا ہوتا ہے لہٰذا ان کی ماں میں بھی الوہیت کا معنی نہیں اور ان میں بھی نہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عدم الٰہ ہونے کی واضح دلیل:

"کانا یاکلان الطعام" یہ ایک حسی دلیل دے دی کہ ان کے اندر الوہیت موجود نہیں ہے، بہت حسی دلیل بہت واضح جس کے اندر کوئی عیسائی بھی اختلاف نہیں کر سکتا یہ تو ان کو بھی مسلم ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام غذا لیتے تھے کھانا کھاتے تھے اور ان کی ماں بھی کھانا کھاتی تھی تو جس کا مطلب یہ ہو گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ اپنی زندگی کو باقی رکھنے کے لیے کھانے پینے کے محتاج تھے اور جس کے اندر احتیاج آ جائے اس میں الوہیت کہاں سے آ گئی، جو خود محتاج ہو وہ الٰہ کیسے ہو گیا ان کا کھانا کھانا یہ ان کی بشریت کی دلیل ہے، ان کی انسانیت کی دلیل ہے، ان کے مخلوق ہونے کی دلیل ہے، ان کے محتاج ہونے کی دلیل ہے، اور پھر احتیاج بھی معمولی نہیں کھانا کھاتے تھے۔

آپ سمجھتے ہیں کہ یہ معمولی سی بات ہے یہ معمولی سی بات نہیں ہے ہمارا جو احتیاج ہے کھانے کی طرف اس نے ہمیں ساری کائنات کا محتاج بنا رکھا ہے، کھانا کھانے کے لیے، روٹی مہیا کرنے کے لیے ہمیں کن کن چیزوں کی ضرورت ہے، زمین کے ہم محتاج، آسمان کے ہم محتاج، سورج چاند کے ہم محتاج، پانی کے ہم محتاج، لوہے کے لکڑی کے ہم محتاج اور پھر کتنی محنت اور مشقت کے ساتھ اس کو مہیا کرنے کے بعد ایک لقمہ ہمیں نصیب ہوتا ہے اور پھر اس لقمے کے کھانے کے بعد جس وقت پیٹ میں چلا جائے تو اس کو ہضم کرنے کے لیے ہمیں کتنے جتن کرنے پڑتے ہیں ناموافق ہونے کی صورت میں ہمیں کیا کھیل کھیلنے پڑتے ہیں۔

اگر وہ کھانا کھایا ہوا ناموافق ہو جائے کیسی کیسی بطن کی بیماریوں میں انسان مبتلاء ہوتا ہے بیماریوں میں مبتلاء نہ بھی ہو یہ تو آپ سمجھتے ہیں کہ کھانے کے بعد کھانے اور پینے کے بعد بیت الخلاء کی بھی حاجت پیش آتی ہے اور اس وقت انسان جس کیفیت میں بیٹھا ہوتا ہے جو انسان کی اس وقت کیفیت ہوتی ہے ان کیفیات کو سامنے رکھ کر کیا کوئی الوہیت کا تصور بھی کیا جا سکتا ہے کہ یہ شخص جو ایک وقت کھاتا ہے تو دوسرے وقت پاخانہ کرتا ہے اور اس کو کہیں کہ خدا کے مقام کو پہنچ گیا اس کو الوہیت حاصل ہے کتنی بداہت کے خلاف ہے یہ بات، کتنی عقل کے خلاف یہ بات ہے تو کھانا پینا، پاخانہ و پیشاب یہ واضح دلیل ہے اس بات کی کہ وہ مخلوق ہیں، انسان ہیں، کائنات کے محتاج ہیں اور اپنی زندگی کو باقی رکھنے کے لیے دوسرے انسانوں کی طرح ان چیزوں کی طرف ان کا احتیاج ہے تو جو خود محتاج ہے اپنی زندگی کو باقی رکھنے کے لیے بھی تو اس کے لیے تم الوہیت کا قول کس طرح سے کر سکتے ہو تو یہ اتنی واضح دلیل ہے اس لیے آپ سمجھ لیجیے جو شخص کھانا نہ کھائے اس کا کوئی یہ مطلب نہیں کہ وہ اللہ ہے یہ زیر بحث نہیں ہے یہاں۔

مثال کے طور پر فرشتے نہیں کھاتے تو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ اللہ ہیں وہ صورت یہاں زیر بحث نہیں اتنی بات ثابت ہوگئی کہ جو کھانے کا محتاج ہے وہ اللہ نہیں ہو سکتا زیر بحث چونکہ مسئلہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کا ہے اس لیے یہاں یہ بات دکھا دی گئی کہ کھانے کی طرف احتیاج یہ واضح دلیل ہے کہ ان کے اندر الوہیت نہیں پائی جاتی فرشتے یہاں زیر بحث نہیں ہیں۔

ورنہ ان کی الوہیت کو باطل کرنے کے لیے دوسری جگہ اور دلائل ہیں یعنی اس سے یہ بھی نہیں سمجھا جا سکتا کہ جو کھانا نہ کھائے اس میں الوہیت ہے ایسی بات نہیں مثلاً فرشتے ہیں جو کھانا نہیں کھاتے ان کی الوہیت کو باطل کرنے کے لیے دوسری جگہ اور دلائل دیئے گئے ہیں۔

لیکن جن کی الوہیت یہاں زیر بحث ہے ان کے لیے یہ واضح دلیل دے دی گئی کہ تمہارے سامنے

وہ کھاتے تھے پیتے تھے اور اس کے نتیجے کے طور پر ساری کی ساری چیزیں ان کے سامنے آتی تھیں حالات سامنے آتے تھے تو جو کھاتا ہے تو اس کے متعلق یقین کر لو وہ مخلوق ہے وہ محتاج ہے وہ اللہ نہیں ہے ان کے متعلق یہاں واضح دلیل بیان کردی گئی اس لیے فرمایا کہ ''انظر کیف نبین لھم الایات ثم انظر انیٰ یؤفکون'' دیکھ ہم کس طرح ان کے سامنے واضح واضح نشانیاں پیش کرتے ہیں پھر دیکھو یہ بھی کیسے پلٹے جارہے ہیں ایسے واضح دلائل سے بھی متاثر نہیں ہوتے۔

جو نفع ونقصان کا مالک نہیں اس کی عبادت کیوں کرتے ہو؟

پھر آپ کہہ دیجئے کہ تم پوجا کرتے ہو اللہ کے علاوہ ایسی چیز کی جو تمہارے لیے نفع نقصان کا اختیار ہی نہیں رکھتا یہ بھی ایک بہت بڑی نفسیاتی بات کہی گئی ہے، انسان اگر کسی کے سامنے عبدیت اختیار کرتا ہے، کسی کے سامنے جھکتا ہے تو اس میں جذبے دو ہی ہوتے ہیں۔

یا کسی نقصان سے بچنے کا جذبہ یا کسی نفع کو حاصل کرنے کا جذبہ، قبروں پر لوگ جاتے ہیں آج بھی دیکھ لینا ایک ایک سے پوچھ لینا کہ کیوں جاتے ہو کوئی تو اولاد لینے کے لیے جاتا ہے اور کوئی بیماریاں دفع کرانے کے لیے جاتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ میری بھینس ٹھیک نہیں ہوتی اس لیے وہاں جاکے سر جھکاتا ہے اور کوئی جاتا ہے اسی طرح سے اور چیز حاصل کرنے کے لیے رزق کی وسعت حاصل کرنے کے لیے، اولاد حاصل کرنے کے لیے، کوئی صحت حاصل کرنے کے لیے، بیماری کو دفع کرنے کے لیے، کوئی دشمنوں کو مغلوب کرنے کے لیے۔

بہر حال یہ دو ہی جذبے ہیں انسان کے اندر جو انسان کی گردن جھکاتے ہیں ایک نقصان سے بچنے کا جذبہ اور ایک نفع کو حاصل کرنے کا جذبہ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے اندر بار بار یہ بات واشگاف کی ہے کہ دونوں اختیار میرے ہیں یہ دونوں ہی اختیار میرے ہیں کہ نہ کوئی تم سے تکلیف دور ہٹا سکتا ہے اور نہ کوئی تمہیں کوئی کسی قسم کا فائدہ پہنچا سکتا ہے تکلیف بھی وہی پہنچے گی جو میری طرف سے آئے گی ہٹاؤں گا بھی میں ہی اور نفع بھی تمہیں وہی حاصل ہوگا جو میری طرف سے آئے گا پہنچاؤں گا بھی میں ہی ہے اگر میں رحمت روک لوں کوئی پہنچا نہیں سکتا۔

اور اگر میں کوئی برائی دور ہٹانا چاہوں تو کوئی رکاوٹ نہیں ڈال سکتا قرآن کریم کی بیسیوں آیات کے اندر اس مضمون کو ادا کیا گیا ہے تاکہ شرک کے اس جذبے کو اور اس رگ کو کاٹ دیا جائے جس سے متاثر ہو کر انسان کسی دوسرے کے سامنے جھکتا ہے کہ اللہ کے علاوہ نفع نقصان کا اختیار کوئی نہیں رکھتا جیسے

ہمارے شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں،

موحد چہ برپائے ریزی زرش
چہ شمشیر ہندی نہی بر سرش
امید وہراسش نہ باشد زکس
ہمیں است بنیاد توحید وبس

کہتے ہیں کہ موحد کا مقام یہ ہے کہ اس کے سامنے سونے کا ڈھیر لگا دو تو وہ متاثر نہیں ہوتا اس کے سر کے اوپر تلوار کھینچ کر کھڑے ہو جاؤ تو وہ نہیں ڈرتا، اس کے پاؤں میں اگر چہ سونے کے ڈھیر لگا دو یا اس کے سر کے اوپر ہندی تلوار لے کر کھڑے ہو جاؤ دونوں باتیں برابر ہیں، نہ وہ نفع سے متاثر ہو یعنی حصول نفع سے اور نہ اس قسم کے ڈر سے متاثر ہوا سے نہ کسی کی طرف سے نفع کی امید ہوتی ہے نہ کسی کی طرف سے خوف ہوتا ہے توحید کی بنیاد اسی نظریہ پر ہے کہ امید وخوف اللہ کے علاوہ کسی دوسرے سے نہ ہو نہ کسی سے امید رکھی جائے نہ کسی سے ڈرا جائے ایسی صورت میں انسان کی توحید کی بنیاد مضبوط ہوتی ہے "مالا یملك لكم ضراً ولا نفعاً" کے اندر اللہ تعالیٰ نے یہی بات بتائی ہے کہ کوئی شخص تمہارے لیے نفع ونقصان کا اختیار نہیں رکھتا نقصان دور ہٹانے کا نفع پہنچانے کا تم ایسی چیز کے سامنے عبدیت کیوں اختیار کرتے ہو ان کے سامنے جا کے کیوں جھکتے ہو یہ چیز صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اللہ تعالیٰ سننے والا ہے اور علم رکھنے والا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے عدم الٰہ ہونے کی دوسری دلیل:

اور اگر یہ بات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق دیکھی جائے تو ادھر عیسیٰ علیہ السلام کو وہ لوگ الٰہ بھی کہتے ہیں اور ادھر دشمنوں کے حق میں پکڑے جانے کے بعد ان کی مظلومیت کے اوپر ماتم بھی کرتے ہیں اور ان کے پھانسی چڑھنے کے قصے بھی تراش رکھے ہیں اور یہ دونوں باتیں جوڑ کس طرح سے کھاتی ہیں کہ جو اپنے آپ کو دشمنوں سے بچا نہ سکا دشمنوں کے ہاتھوں پکڑا گیا پکڑے جانے کے بعد وہ سولی دے دیا گیا اس کے متعلق یہ کہیں کہ یہ کارساز ہے، یہ ہمیں اس مصیبت سے بچالے گا یہ کیسی حماقت ہے یہی بات جو کہ متنبّی نے ایک جگہ کہی اپنے ممدوح کی تعریف کرتے ہوئے کہ اس کے مقابلے میں دو عیسائی بادشاہ آئے تھے لڑنے کے لیے اور وہ جب آیا کرتے تھے لڑنے کے لیے تو صلیبیں انہوں نے تبرکاً رکھیں ہوئیں ہوتی تھیں ساتھ متنبّی کے وہ شعر

آپ نے پڑھے ہوں گے جس میں وہ ان دونوں مدمقابل کے بارے میں کہتا ہے کہ دونوں کے دونوں مدد مانگ رہے تھے اس سے جس کی وہ پوجا کرتے ہیں۔

حالانکہ ان کا عقیدہ یہ بھی ہے کہ اس کو سولی دے دی گئی اور جس کو سولی دی گئی اسی سے مدد مانگ رہے تھے اسی کو پوج رہے تھے مدد کیسی مانگ رہے ہیں، کہتے ہیں کہ وہ پکار یہ رہے کہ جو مصیبت تجھے پہنچ گئی کہ دشمن کے ہاتھوں تو مرگیا تو ہمیں اس مصیبت سے بچالے جو مصیبت اسے پہنچ چکی ہے یعنی دشمنوں کے ہاتھوں مغلوب ہوجانا پکڑے جانا سولی چڑھ جانا جو مصیبت اسے پہنچ چکی ہے یہ کہتے ہیں کہ ہمیں بچالے لوگو اس بات پر تعجب کرو کہ جس مصیبت سے وہ خود نہیں بچ سکا وہ ان کو کیسے بچالے گا۔

اگر دشمنوں کے ہاتھوں وہ پکڑا گیا اور سولی پر چڑھ گیا تو اس کو پکار پکار کر خود کیسے بچ جائیں گے کہ بات وہی ہے کہ جو اپنے نفع نقصان کا مالک نہیں وہ تمہارے نفع نقصان کا مالک کیسے ہوسکتا ہے۔

اور جو تمہارے نفع نقصان کا مالک نہیں تو ان کے سامنے یہ پستی اختیار کرنے کی اور عبادت کرنے کی یہ کیا تک ہے یہ بے جوڑ بات ہے پکارو اسی کو عبادت اسی کی کرو جو تمہارے نفع نقصان کا اختیار رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ سننے والا ہے جاننے والا ہے، آخری آیت بطور خلاصے کے آگئی کہ اے اہل کتاب اپنے دین میں غلو اختیار نہ کرنا ناحق غلو اختیار نہ کرو یعنی ہر بات کو اس کے ٹھکانے پر رکھا کرو، اعتدال کے نقطے پر رہو، حد سے نہ بڑھاؤ جس طرح سے عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بڑھادیا اور ان لوگوں کی خواہشات کی اتباع نہ کرو جو اس سے پہلے گمراہ ہوچکے ہیں یعنی تمہارے وہ پیشوا جنہوں نے تمہیں ایسے سبق پڑھائے۔
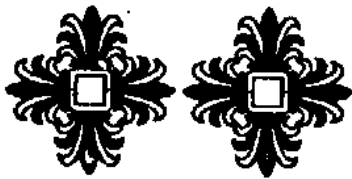
لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى

لعنت کیے گئے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا بنی اسرائیل میں سے داؤد کی زبان پر اور عیسیٰ

ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝۷۸ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ

ابن مریم کی زبان پر ، یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور وہ حد سے گزر تے تھے (۷۸) اور وہ رکتے نہیں تھے

عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝۷۹ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ

اس بری بات سے جس کو وہ کرتے تھے ، البتہ بری ہے وہ چیز جو وہ کرتے تھے (۷۹) تو دیکھتا ہے ان میں سے بہتوں کو دوستی لگاتے ہیں

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي

ان لوگوں کے ساتھ جنہوں نے کفر کیا ، البتہ بری ہے وہ چیز جو آگے بھیجی ان کے لیے ان کے نفسوں نے جو ثابت کرنے والی ہے اللہ کی ناراضگی کو ان پر اور

الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝۸۰ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ

عذاب کے اندر یہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے (۸۰) اور اگر یہ لوگ ایمان لاتے اللہ کے ساتھ اور نبی کے ساتھ اور اس چیز کے ساتھ جو

اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝۸۱

ان کی طرف اتاری گئی تو پھر یہ کافروں کو دوست نہ بناتے لیکن ان میں سے بہت سے لوگ اطاعت سے نکلنے والے ہیں (۸۱)

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ

اور البتہ ضرور پائے گا تو لوگوں میں سے زیادہ سخت از روئے عداوت کے مؤمنوں کے لیے یہود کو اور ان لوگوں کو جنہوں نے شرک کیا ،

وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ

اور البتہ ضرور پائے گا تو زیادہ قریب ان لوگوں میں سے از روئے محبت کے مؤمنوں کے لیے جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں ،

ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝۸۲

کہ بے شک ان میں سے قسیسین ہیں اور ان میں سے رہبان ہیں اور بے شک وہ لوگ تکبر نہیں کرتے (۸۲)

وَ اِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ

اور جب وہ سنتے ہیں اس بات کو جو رسول کی طرف اتاری گئی دیکھتا ہے تو ان کی آنکھوں کو کہ بہاتی ہیں

مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا

آنسوؤں کو حق کو پہچان لینے کی وجہ سے ، کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے ہمیں لکھ دے

مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَ مَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ

گواہی دینے والوں کے ساتھ ﴿۸۳﴾ اور ہمیں کیا ہوگیا کہ ہم اللہ کے ساتھ ایمان نہ لائیں اور ایمان نہ لائیں اس پہ جو ہمارے پاس آیا ہے

الْحَقِّ ۙ وَ نَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾

حق ، اور امید رکھیں ہم کہ داخل کرے گا ہمیں ہمارا رب نیک لوگوں کے ساتھ ﴿۸۴﴾

فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

پس بدلہ دیا انہیں اللہ تعالیٰ نے اس چیز کا جو انہوں نے کہی باغات کا جاری ہیں ان کے نیچے نہریں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

ہمیشہ اس میں رہنے والے ہوں گے ، اور یہ نیک لوگوں کی جزا ہے ﴿۸۵﴾ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا

وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۸۶﴾ ع

اور ہماری آیات کو جھٹلایا ، یہ جہنم والے ہیں ﴿۸۶﴾

تفسیر:

ماقبل سے ربط:

پچھلے رکوع میں یہود اور نصاریٰ دونوں کے کردار کے اوپر تفصیل سے روشنی ڈالی تھی جس کا حاصل یہ تھا کہ یہود رسولوں کے حق میں تفریط میں مبتلاء ہوئے کہ جو رسول ایسی بات لے کر آتا جو ان کی خواہشات کے خلاف ہوتی اس کو جھٹلاتے بھی تھے اور قتل بھی کرتے تھے انہوں نے رسولوں کو ان کے صحیح مقام پر نہ رکھا بلکہ اس سے نیچے گرادیا کہ اللہ کا رسول تو اللہ کی مشیت واضح کرنے کے لیے آیا کرتا ہے اور اس کی بات ماننا ہی اللہ کی

بات ماننا ہے اور انسانوں کے اوپر فرض ہوتا ہے کہ اس کے اوپر ایمان لائیں اور اس کے فرمودات کے سامنے اپنی خواہشات کو چھوڑ دیں۔

لیکن انہوں نے اپنی خواہشات کو اصل قرار دیا اور یہ اللہ کے بندے رجال اللہ کے جو مصداق تھے جو اللہ کی طرف سے آئے اللہ کی مشیت کو واضح کرنے کے لیے، مرضیات کو واضح کرنے کے لیے ان کو انہوں نے اپنی خواہشات کے اوپر پرکھا جو ان کی خواہشات کے مطابق تھا اس کو انہوں نے مانا اور جو بات یہ خواہشات کے خلاف کرتے اس کی یہ تکذیب کرتے اور اس کو جھٹلاتے یہ تو تفریط ہے۔

اور دسرے نمبر پر ذکر عیسائیوں کا تھا نصاریٰ کا کہ انہوں نے افراط کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو اللہ کے بندے اور اللہ کے رسول تھے ان کو اتنا بڑھایا کہ یا تو اللہ ہی قرار دے دیا یا اللہ کا ثلث اور ثالث ثلثہ کا عقیدہ اختیار کرلیا ان دونوں باتوں کی وضاحت کے بعد اللہ تعالیٰ نے جو خطاب کیا کہ اے کتاب والو! اپنے دین میں ناحق غلو اختیار نہ کرو یعنی افراط اور تفریط یہ دونوں ہی بری باتیں ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس بات کی وضاحت ہوگئی جو اعتدال کا راستہ ہے جو" سواء السبیل " کا مصداق ہے اس کی اتباع کرنی چاہئے ناحق اس کے اندر غلو اختیار نہ کرو" ولا تتبعوا اھوآء قومٍ " اھوآء قومٍ " قوم کی خواہشات اس سے اشارہ ان بدعات کی طرف ہے جو خصوصیات کے ساتھ نصاریٰ میں رائج تھیں کہ بعض لوگوں نے اپنی خواہشات کے ساتھ دین کے اندر کچھ ایسی باتیں جاری کر دیں جو دلیل سے ثابت نہیں اور ان کو دین بنا کر جاری کر دیا جس کے لیے ہماری اصطلاح میں بدعات کا لفظ استعمال ہوتا ہے وہ محض ان کے خیالات ہیں ان کی خواہشات ہیں دلائل کے ساتھ وہ باتیں مدلل نہیں ہیں۔

تو جس طرح وہ خواہشات پر چلے اب تم بھی ان کی خواہشات پر چلو گے اور ان کی ایجاد کردہ چیزوں کو اگر اپناؤ گے تو جس طرح سے وہ خود بھٹکے تمہیں بھی بھٹکا دیں گے تو ان بدعات کی اتباع نہ کرو بلکہ دیکھو کہ اللہ اور اللہ کے رسول نے کس طرح سے دین کی بات سمجھائی ہے جتنی سمجھائی ہے اتنی ہی رہنے دو اپنی طرف سے اس میں زیادتی نہ کرو۔

بدعت کی ابتداء ہمیشہ نیکی کے جذبہ سے ہوتی ہے:

اور یہ" غلوفی الدین" گمراہی کی ایک بہت بڑی بنیاد ہے کہ جب انسان اس حد پر نہیں رہتا جو حد اللہ کے رسول نے متعین کردی اور دین کے جذبے کے ساتھ ہی، نیکی کے جذبے کے ساتھ ہی اس کو عبور کرنا شروع کر دیتا ہے اور آگے تجاوز کرنا شروع کر دیتا ہے تو پھر یہ بدعات کی ایجاد شروع ہو جاتی ہے بدعت جب بھی شروع

ہوتی ہے اکثر و بیشتر اس کے پیچھے جذبات اچھے ہوتے ہیں نیکی کے جذبے کے ساتھ ہی انسان چلتا ہے اور اس نیکی میں اضافہ کرنا چاہتا ہے۔

لیکن اضافہ چونکہ اصل سے زائد ہو جاتا ہے تو اعتدال سے کسی چیز کو آگے بڑھا دیا جائے تو یہ عیب ہے چاہے اس کو نیکی کے انداز کے ساتھ ہی کیوں نہ بڑھایا جائے جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی زبانی ہمیں بتایا کہ فجر کی نماز کی دو رکعتیں ہیں۔

اب اگر کوئی شخص نیکی کے جذبے کے ساتھ ہی اس جذبے کے تحت وقت فارغ ہے اب اگر دو کی بجائے چار پڑھ لیں تو کیا ہوتا ہے؟ کیا حرج ہے؟ آخر نیکی ہی ہے رکوع سجدہ ہی ہے قرآن کریم اس میں پڑھنا ہے، ذکر و اذکار تسبیحات کا اضافہ ہی ہے تو اس میں کیا حرج ہے؟ تو یہ دو رکعات کا اضافہ اگرچہ وہ عبادت کے جذبے کے ساتھ کرتا ہے۔

لیکن یہ ہے اس کی مخفی خواہش نفس اور اس اضافے کے ساتھ نیکی میں اضافہ نہیں ہوا اس اضافے کے ساتھ اس نے بھلائی اور عبادت میں اضافہ نہیں کیا بلکہ اس نے اصل شکل بگاڑ دی دین کی اب وہ جو پہلی دو رکعتیں تھیں وہ ختم ہو جائیں گی اس اضافے کے ساتھ اور ان کی حیثیت بھی ختم ہو جائے گی تو دین میں جب بھی حد سے تجاوز کیا جائے چاہے وہ کتنے ہی اچھے جذبے کے تحت کیوں نہ ہو وہ اصل دین کی شکل کو بگاڑ کر رکھ دیتا ہے یہ اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو ظاہری شکل دی ہے یہ ناک کان آنکھیں جو اعتدال کے ساتھ اللہ نے بنا دیئے یہی حسن کا باعث ہے اب ناک اپنی جگہ ضروری ہے۔

لیکن اس کو آپ کھینچ کھینچ کر لمبا کرنے کی کوشش کرو یا یہ آنکھیں جو ہیں ان کے سوراخوں کو زیادہ وسیع کر کے زیادہ چوڑا کرنے کی کوشش کرو تو اپنے طور پر اگرچہ تم اپنے بدن کے اندر اضافہ کرو گے لیکن حقیت کے اعتبار سے شکل بگاڑ لو گے تو بدعت اسی طرح سے ہوا کرتی ہے کہ آتی ہے یہ نیکی کے جذبے کے ساتھ، انسان نیکی میں اضافہ کرنا چاہتا ہے، لیکن اس میں حد پر نہیں ٹھہرتا جو حد شریعت نے واضح کی جو کہ اس عمل کے لیے حسین ترین صورت ہے۔

بلکہ اس میں اپنی طرف سے اضافہ کر کے دین کی اصل شکل کو بگاڑ لیتا ہے عیسائیوں میں بھی اسی طرح سے بدعات جاری ہیں بظاہر دیکھنے میں اگرچہ وہ چیز مساوی ہوتی ہے جو اللہ کے رسول نے سمجھائی جیسے یہ اذان ہے مثال کے طور پر آپ کہتے ہیں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کہلوائی اور اپنے سامنے کہلوائی زندگی بھر آپ کے سامنے ہوتی رہی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کہتے رہے، حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کہتے رہے، حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کہتے رہے۔

اب یہ اللہ اکبر سے شروع ہوکر'' لاالٰہ الااللہ '' کے اوپر اس کا خاتمہ یہی اذان کا حسن ہے اگر اس کو اسی انداز کے ساتھ ادا کیا جائے گا تو یہ خوبصورت ہے اور اس کی اصل شکل باقی ہے اب ایک آدمی کو جوش چڑھے کہ یہ آخر کوئی بری بات تو ہے نہیں جب شروع کے اندر ''اشھد ان لا الٰہ الا اللہ" کے بعد'' اشھد ان محمد رسول اللہ'' ہے تو آخر میں بھی'' لاالٰہ اللہ '' کے بعد'' محمد رسول اللہ '' بھی پڑھ لیا کریں۔

اب چونکہ محمد رسول اللہ کتنی ہی واقعہ کی بات ہے لیکن اگر آخر کلمے میں'' لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' پورا کلمہ پڑھ دو گے تو یہ نیکی کے اندر اضافہ نہیں بلکہ اذان کی اصل شکل کو بگاڑ کے رکھ دیا اسی طرح سے اذان کے لب ولہجے کے ساتھ ابتداء کے اندر کسی چیز کو اگر بڑھا دو گے اپنے طور پر تو نیکی کے جذبے کے ساتھ بڑھا رہے ہو لیکن حقیقت کے اعتبار سے آذان کا حلیہ بگڑ جائے گا۔

ایک صحابی کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی تنبیہ:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک دفعہ مجلس میں بیٹھے تھے اور اس مجلس میں بیٹھے بیٹھے ایک شخص کو چھینک آ گئی مشکوٰۃ شریف میں روایت مذکور ہے جب اس کو چھینک آئی تو وہ کہنے لگا'' الحمد للہ والسلام علی رسول اللہ''اس کی زبان سے یہ زائد کلمہ بھی نکل گیا اس نے'' الحمد للہ '' کے ساتھ ''والسلام علی رسول اللہ'' کا بھی اضافہ کر دیا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً اس کو ٹوکا اور کہنے لگے کہ ''وانا اقول والسلام علی رسول اللہ'' میں بھی '' السلام علی رسول اللہ'' کہتا ہوں یہ نہ سمجھ لینا کہ میں ''السلام علی رسول اللہ '' کا منکر ہوں۔

لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تعلیم اس طرح سے نہیں دی کہ چھینکنے کے بعد تم کہو'' السلام علی رسول اللہ'' بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تعلیم یہ دی ہے کہ جس وقت چھینک آئے تو جیسے کلمات آتے ہیں'' الحمد للہ رب العالمین '' کا کلمہ آتا ہے''الحمد للہ علی کل حال '' کا کلمہ آتا ہے صرف'' الحمد للہ'' آتا ہے یہ کلمہ کہو ایسے موقع پر اگر'' السلام علی رسول اللہ '' کا اضافہ کر دو گے تو یہ دین کا حلیہ بگاڑنے والی بات ہے یہ نیکی کے اندر اضافہ نہیں ہے اس لیے انسان کی طبیعت اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے اس کے اندر افراط اور تفریط بہت جلدی آتا ہے حد سے بڑھنے کا جذبہ اس میں بہت ہے تو خاص طور پر یہ پابندی لگا دی گئی کہ دین کے معاملات میں اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف سے جو نقشہ بنا دیا جائے جتنی اس کی پابندی کرو گے اتنا ہی اس دین کے اندر حسن ہوگا اتنا ہی وہ قبول ہے اور اپنے طور پر جب تم اضافہ کرنے لگو گے تو دین کے ریشمی ٹکڑے کے اوپر تم ٹاٹ کا پیوند لگا دو گے اس کے ساتھ اصل کپڑا جو ہے وہ بھی بدنما ہو جائے گا۔

عیسائیوں کے اندر اصل بیماری یہی آئی تھی کہ پہلے لوگوں نے، ان کے مقتداؤں نے اس قسم کے عقیدے اس قسم کی باتیں تجویز کر لیں کہ جو کتاب اللہ کے دلائل سے مدلل نہیں تھیں نبی کے فرمان سے ماخوذ نہیں تھیں بلکہ محض ان کے خیالات تھے چاہے انہوں نے اچھے جذبات کے ساتھ یہ باتیں ایجاد کی ہوں لیکن وہ بدعات کا مصداق بن گئیں وہ دین کی باتیں نہیں تھیں اس لیے فرمایا پچھلوں کو نصیحت کی جا رہی ہے کہ ان لوگوں کی خواہشات کی اتباع نہ کرو جو اس سے قبل بھٹک گئے۔

اور انہوں نے اور بھی بہت سارے لوگوں کو بھٹکایا اور سیدھے راستے کو انہوں نے چھوڑ دیا غلطی کے اندر پڑ گئے ان لوگوں کے خیالات پر نہ چلو اور ہمیں جو یہ باتیں سنائی جا رہی ہیں تو ہمیں بھی یہی سمجھانا مقصود ہے کہ اگر پہلے ہمارے آباؤ اجداد نے کوئی طریقے ایسے ایجاد کر لیے جو کسی دلیل کے ساتھ مدلل نہیں ہیں۔

بلکہ محض ان کے خیالات ہیں محض ان کی خواہشات ہیں اور پیچھے آنے والوں نے ان کو دین سمجھ کر اپنا لیا تو یہ بات اچھی نہیں ہے اپنی خواہشات کو چھوڑ دو اور اللہ تعالیٰ کے اصل دین کی اتباع کرو اس غلو کو اگر اختیار کرو گے تو دین سے فارغ ہو جاؤ گے یہ غلو کی باتیں جو ہیں یہ دین نہیں ہیں ''اھوآء'' ہیں اتباع ''اھوآء'' کہلائے گا یہ اتباع ''ھدیٰ'' نہیں ہے یہ اتباع دین نہیں ہے۔

بنی اسرائیل ہمیشہ سے ملعون رہے:

''لعن الذین کفروا من بنی اسرائیل'' بنی اسرائیل میں سے جو کافر ہوئے جس طرح سے موجودہ یہود ونصاریٰ آنے والے پیغمبر کا انکار کر کے کافر ہو رہے ہیں اس طرح سے پچھلے زمانے میں بھی ہر دور میں بنی اسرائیل کی طرف جو پیغمبر آیا اس پیغمبر کی باتوں کو بعضوں نے مانا اور بعضوں نے انکار کیا تو انکار کرنے والے کافر ٹھہرے تو ان کافروں کے اوپر لعنت کی گئی یعنی اس قوم کا کفر کی بناء پر ملعون ہونا یہ آج کی ہی بات نہیں خاندانی طور پر پہلے بھی ان کے اوپر بہت سارے واقعات پیش آئے اور ان کی پچھلی تاریخ کو دہرا کر ان کو جو متنبہ کیا جا رہا ہے تو ان کو ہوشیار کرنا مقصود ہے کہ جیسے پہلے واقعات پیش آئے انبیاء علیہم السلام کی اتباع نہ کرنے کی بناء پر تمہارے اوپر لعنت ہوئی۔

اب بھی محتاط ہو جاؤ اگر اس موجودہ پیغمبر کو نہیں مانو گے تو ایسے پھر ملعون ٹھہرو گے بنی اسرائیل میں سے جنہوں نے کفر کیا وہ ملعون ہوئے ان کے اوپر لعنت کی گئی اس لعنت کا اظہار ہوا داؤد کی زبان پر اور عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی زبان پر، داؤد علیہ السلام پر کتاب اتری زبور اس کے اندر لعنت ہوئی ان پر چونکہ اس کا ظہور حضرت داؤد علیہ السلام کی زبان سے ہوا تو نسبت ان کی طرف کر دی گئی اور انجیل میں بنی اسرائیل کے کافروں کے اوپر

لعنت کی گئی تو اس کا ظہور چونکہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے ساتھ ہوا تو نسبت ان کی طرف کر دی گئی تو حضرت داؤد علیہ السلام ایسے پیغمبر ہیں کہ جن سے بنی اسرائیل میں سیاسی اقتدار کی ابتدأ ہوئی ہے یہ بادشاہت ان کی قائم ہوئی اور اس سے ان کو سیاسی اقتدار حاصل ہوا، شان وشوکت کا دور شروع ہوا ان کا حضرت داؤد علیہ السلام سے اور ان پیغمبروں کے سلسلے میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام یہ آخری پیغمبر ہیں، بنی اسرائیل کے نبیوں میں سے آخری نبی ہیں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام۔

تو مطلب یہ ہوگا کہ ان کے اول دور سے لے کر آخر دور تک جو بھی ان میں سے کفر کرنے والے تھے ہر نبی نے ان کے اوپر لعنت کی جس لعنت کی ابتداء حضرت داؤد علیہ السلام سے ہوئی اور عیسیٰ علیہ السلام کے اوپر ان کے پیغمبروں کے سلسلے میں آ کر انتہاء ہوئی تو گویا کہ ہر دور میں ان میں سے جو کفر کرنے والے تھے اور اللہ اور اللہ کے رسول کی باتوں کو نہیں ماننے والے تھے ان کے اوپر پھٹکار اور لعنت ہوئی ہے اور اب یہ نبی آخر الزمان آ گئے اب بھی بہتر ہے کہ یہ سدھر جائیں تو لعنت سے بچ سکتے ہیں ورنہ وہی کردار اگر انہوں اپنایا تو اس کتاب کے اندر بھی ان کے اوپر لعنت کی جائے گی۔

''ذلك بما عصوا كانوا يعتدون'' اور ان کا پھٹکارا جانا ان کے اوپر لعنت کا ہونا اس وجہ سے تھا کہ انہوں عصیان اختیار کیا نافرمانی اختیار کی تو اس کا تعلق ہو جائے گا اللہ کے احکام کے ساتھ اور حقوق العباد کے ساتھ یہ حد سے بڑھتے تھے اور عصیان اختیار کرتے تھے اس بناء پر انہیں ملعون ٹھہرایا گیا، پھر یہ نہیں کہ عصیان اگر اختیار کیا تو جب ان کو متنبہ کر دیا گیا تو یہ باز آ جائیں، نہیں، پھر اصرار کرتے تھے جو عادت ایک دفعہ اختیار کر لیتے کتنی بری عادت کیوں نہ ہوتی اور پھر اس سے ان کو کتنا ہی منع کیوں نہ کیا جاتا تو پھر یہ اڑ جاتے تھے اس عادت کو چھوڑتے نہیں تھے یہ وجوہ ہیں ان کے معلون ہونے کی۔

سعادت مند تو وہ ہوا کرتا ہے جو اول تو اللہ کی نافرمانی کرے ہی نہیں اور اگر کسی وجہ سے اس سے غلطی ہو گئی نفس کے تقاضے سے ماحول کے تقاضے سے، بے عملی سے اگر وہ کسی غلطی کے اندر پڑ گیا پھر جب اللہ کی طرف سے، اللہ کے رسول کی طرف سے، علماء کی طرف سے اس کو متنبہ کیا جائے تو وہ سمجھ جائے اپنی عادت کو چھوڑ دے لیکن یہ بدبخت ایسے تھے کہ ''كانوا لايتناهون عن منكر فعلوه'' جس برے کام کا یہ ارتکاب کر لیتے پھر یہ رکتے نہیں تھے۔

ایک دوسرے کو روکتے نہیں تھے اگر کوئی برا کام کرلیتا تو دوسرا آدمی اس سے مانع نہیں ہوتا تھا رکاوٹ نہیں ڈالتے تھے دونوں طرح سے اس کا مفہوم ادا کیا گیا'' لبئس ما کانوا یفعلون '' جو کچھ یہ کرتے تھے بہت ہی بری چیز ہے۔

اہل کتاب کی مشرکین سے دوستی کیوں؟

'' وتریٰ کثیراً منهم یتولون الذین کفروا '' یہ بھی ان کی اسی بدکرداری کا اظہار ہے، اہل کتاب خصوصیات کے ساتھ یہود ان کو مشرکین مکہ کے ساتھ ہمدردی تھی اہل ایمان کے مقابلے میں اور سورۃ نساء کے اندر یہ مضمون تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے جس میں آیا تھا کہ '' یؤ منون بالجبت والطاغوت'' ان آیات کے اندر یہ مضمون آیا تھا کہ مشرکین یہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے مقابلے میں تمہارا طریقہ زیادہ اچھا ہے اور ان کے ساتھ ساز باز کر کے اہل ایمان کو وہ نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے تھے۔

اور یہ بھی ان کے ملعون ہونے کی ایک وجہ ہے کہ چاہیئے تو یہ تھا کہ ان کا تعلق مسلمانوں کے ساتھ زیادہ ہوتا کہ جس طرح سے یہ مدعی توحید ہیں اور مسلمان بھی مدعی توحید، جس طرح اصولاً یہ رسالت کے قائل ہیں یہ بھی رسالت کے قائل، جس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتابیں اترنے کے یہ قائل ہیں وہ بھی قائل ہیں، جس طرح آخرت کے یہ قائل ہیں یہ بھی قائل، کتنی باتوں میں آپس میں مناسبت ہے اور کتنی باتوں میں آپس میں قرب ہے فرق اگر پڑا ہے تو اسی سے پڑا کہ حضور ﷺ کو انہوں نے قبول نہیں کیا اور مسلمانوں نے حضور ﷺ کو قبول کر لیا۔

ورنہ موسیٰ علیہ السلام جس طرح ان کے پیغمبر ہم بھی انہیں پیغمبر مانتے ہیں، عیسیٰ علیہ السلام جس طرح عیسائیوں کے پیغمبر ہم بھی ان کو پیغمبر مانتے ہیں ہمیں تو ان کی کسی بات کے ساتھ اختلاف ہے ہی نہیں اختلاف اگر کیا تو انہوں نے کیا ہم تو ان کی توراۃ کے بھی مصدق ہیں اور ان کے پیغمبر کو بھی اللہ کا پیغمبر مانتے ہیں اور ان کا عظمت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں تو پھر ہمارے مقابلے میں جا کر ان کا مشرکین کی تائید کرنا جو کہ سرے سے توحید کے مدعی نہیں، آخرت کے قائل نہیں، رسالت کے قائل نہیں، اللہ کی طرف سے کتابیں اترنے کے قائل نہیں تو یہ بات سمجھ میں آنے کی نہیں ہے۔

اس میں سوائے خباثت نفس کے اور کوئی توجیہ نہیں کی جاسکتی دیکھتا ہے تو ان میں سے بہتوں کو کہ دوستی لگاتے ہیں کافروں سے، کافروں سے وہی مشرکین مکہ مراد ہیں'' لبئس ماقدمت لهم '' بری ہے وہ چیز جو ان کے نفسوں نے ان کے لیے آگے بھیجی، وہ کیا آگے بھیجی کہ اللہ ناراض ہوا ان پر یعنی انہوں نے ایسی چیز آگے بھیجی

جس نے اللہ کی ناراضگی کو ثابت کر دیا اور عذاب کے اندر یہ ہمیشہ رہنے والے ہیں تو اس طرح کافروں کی طرف ان کا رجحان مسلمانوں کے مقابلے میں یہ ان کے باطن کے خراب ہونے کی دلیل ہے۔

"ولو کانوا یؤمنون باللہ" اگر ان کا اللہ پر ایمان ہوتا اور نبی پر ایمان ہوتا یہاں نبی سے موسیٰ علیہ السلام مراد ہیں اگر ان کا اللہ پر صحیح ایمان ہوتا اور موسیٰ علیہ السلام پر ایمان ہوتا اور تورات پر ایمان ہوتا جو موسیٰ علیہ السلام کی طرف اتاری گئی تھی اگر صحیح طور پر وہ ان باتوں پر ایمان رکھتے تو کبھی مشرکین کو دوست نہ بناتے، ان کافروں کو دوست نہ بناتے کیونکہ ایک ایک بات میں ان کافروں کے ساتھ اختلاف ہے تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ کو ماننے والے مشرکوں سے دوستی لگائیں، نبیوں کو ماننے والے منکرین نبوت سے دوستی لگائیں اور اس طرح اللہ کی کتاب کو ماننے والے ان لوگوں سے دوستی لگائیں جو سرے سے اللہ کی طرف سے کتاب آنے کے قائل ہی نہیں ہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ ان کا صحیح طور پر اللہ پر بھی ایمان نہیں، موسیٰ علیہ السلام پر بھی ایمان نہیں اور تورات پر بھی ایمان نہیں اگر ان چیزوں پر ان کا صحیح ایمان ہوتا تو یہ کافروں کو مشرکوں کو کبھی دوست نہ بناتے" ولکن کثیرا منھم فسقون" لیکن ان کا مزاج ہی فسق و فجور ہے اس لیے ان کا رجحان جب ہوتا ہے غلط بات کی طرف ہوتا ہے ان میں بہت سارے لوگ حد اطاعت سے نکلنے والے ہیں فاسق ہیں۔

"اشد الناس عداوۃ" کا مصداق:

"لتجدن اشد الناس" صرف یہ نہیں کہ مؤمنوں کے ساتھ مخالفت ہے بلکہ سب دنیا کے مقابلے میں عداوت زیادہ سخت رکھنے والے ہیں اے مخاطب پائے گا تو سب لوگوں میں سے سخت از روئے عداوت کے مؤمنوں کے لیے یہود کو اور ان لوگوں کو جنہوں نے شرک کیا یہ مشرکین اور یہود سب لوگوں سے زیادہ عداوت رکھتے ہیں مؤمنوں کے ساتھ، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی بات ہے ہمیشہ کے لیے یہ کلیہ نہیں اس آیت کے اندر جو ظاہر کیا گیا کہ یہود سب سے زیادہ عداوت رکھتے ہیں اور مشرک سب سے زیادہ عداوت رکھتے ہیں تو اس مشرک سے مراد مشرکین مکہ ہیں آنے والے دور میں ایسا وقت آ سکتا ہے کہ کوئی مشرک قوم مؤمنوں کے ساتھ یہود کے مقابلہ ہمدرد ہو۔

یا جیسا اگلی آیت میں کہا جا رہا ہے کہ جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں وہ مؤمنوں کے لیے محبت کے اعتبار سے زیادہ قریب ہیں، یہ بھی اس دور کی بات ہے اور ہو سکتا ہے کہ ایک وقت ایسا آ جائے جیسا کہ تاریخ میں آیا کہ سب سے زیادہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے والی یہی قوم ہو گی جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہے عیسائیوں کے ہاتھوں ہی مسلمانوں کو زیادہ نقصان پہنچا۔

لیکن سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں حالات ایسے تھے کہ یہود اور مشرکین یہ اول درجے کے دشمن تھے مسلمانوں کے اور اس وقت کے نصاریٰ جو ہیں وہ اقرب ہوں گے مودت کے اعتبار سے اور مشرکین جو ہیں وہ دشمن ہوں گے یعنی دشمنی کے اعتبار سے زیادہ سخت ہوں گے یہ ہمیشہ کے لیے قاعدہ نہیں ہے اس لیے دنیا کی ساری قوموں کے اوپر یہ بات صادق نہیں آتی یہ بات میں اس لیے کہہ رہا ہوں کہ آپ کے سامنے ایک بات کا پس منظر نہیں ہے اس لیے اس حقیقت کو آپ سمجھ نہیں رہے۔

انگریز کے خلاف ہندو مسلم اتحاد اور قرآنی آیات:

ہندوستان میں جس وقت انگریز کی حکومت آئی اور یہ انگریز جو ہیں یہ اپنے آپ کو مذہباً عیسائی قرار دیتے ہیں'' انا نصاریٰ '' کے یہ مصداق ہیں اور یہاں جس وقت یہ غاصبانہ آئے اور انہوں نے ہندوستانیوں کو لڑا کر پھوٹ ڈال کر حکومت قائم کر لی غلبہ انہوں نے پالیا جس طرح سے ڈاکو آتے ہیں اور آ کر کسی جگہ پر قابض ہو جاتے ہیں تاجر بن کر آئے تھے اور آ کر مسلمانوں کے اور ہندوؤں کے اور دوسرے لوگوں کے اختلاف سے فائدہ اٹھا کر انہوں نے اس ملک پر قبضہ کر لیا تو اس کے بعد ان کے ساتھ مزاحمت شروع ہوئی ہندوستانیوں کی طرف سے ملک کو آزاد کروانے کے لیے (ذرا بات کو سمجھیں مختصر سی عرض کرتا ہوں) جس وقت مزاحمت شروع ہوئی تو اس وقت اس جابر اور ظالم قوم سے جان چھڑانے کے لیے نہ تو اکیلے مسلمان کوشش کر کے کامیاب ہو سکتے تھے اور نہ ہی کوئی دوسری قوم انفرادی کوشش کرنے کی وجہ سے کامیاب ہو سکتی تھی اس لیے یہاں نعرہ لگا ہندوستان کے اندر ہندو مسلم اتحاد کا کہ ہندو اور مسلمان مل کر ہندوستان سے انگریز کو نکالیں تب یہ نکل سکتا ہے اور اس کے مقابلے میں ہمیں آپس میں متحد ہو جانا چاہیئے تو کانگریس کے اسٹیج سے اور اسی طرح سے جمعیت علماء ہند والے ہمارے اکابران کا ذہن جو تھا یہ بھی اتحاد کا تھا ہندو مسلم اتحاد انگریز کو نکالنے کے لیے۔

اتنی بات تو آپ جانتے ہیں یہ جس وقت نعرہ لگایا گیا تو کچھ لوگ ایسے تھے جو دل و دماغ کے اعتبار سے انگریز کے حامی تھے یا انگریز نے انہیں خریدا ہوا تھا اور اپنے مقاصد کے لیے انہیں آلہ کار بنایا گیا تھا ان کی طرف سے مزاحمت ہوئی اس جماعت کے ساتھ ان کا نعرہ یہ تھا کہ ہندو مشرک ہیں اور انگریز جو ہیں یہ'' انا نصاریٰ '' کا مصداق ہیں اس لیے قرآن کریم کی روشنی میں ہندو تو کبھی مسلمان کا خیر خواہ ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ یہ'' الذین اشرکوا '' کا مصداق ہے اور قرآن کہتا ہے کہ سب سے زیادہ عداوت مسلمانوں کے ساتھ مشرکین کو ہوتی ہے اور یہ جو قوم ہمارے اوپر مسلط ہے یہ'' انا نصاریٰ'' کا مصداق ہے یہ ہمارے لیے محبت کے اعتبار سے زیادہ قریب ہیں

اس لیے جہاں مقابلہ آجائے کہ ایک طرف ہندو ہوں اور ایک طرف عیسائی ہوں'' انا نصاریٰ '' کہنے والے تو ہمیں چاہیئے کہ ہم عیسائیوں کا ساتھ دیں اور مشرکین کا ساتھ نہ دیں۔'

اس لیے ہندو کے مقابلے میں ہمارے لیے انگریز بہتر ہے تو انگریز کی محبت کا انہوں نے نعرہ لگایا اور قوم کو ان کے قریب کرنے کی کوشش کی یہ کہہ کر کہ مشرکوں کے مقابلے میں نصاریٰ جو ہیں یہ مسلمانوں کے لیے زیادہ مفید ہیں قرآن کہتا ہے کہ یہ اقرب مودۃ ہیں اور مشرکوں کے متعلق کہتا ہے کہ یہ اشد عداوۃ ہیں اس لیے اگر ایک طرف ہندو ہو اور دوسری طرف انگریز ہو تو قرآن کریم کی روشنی کے مطابق انگریز کو ہندو کے مقابلے میں ترجیح دینی چاہیئے تو بعضے لوگ اس طرح سے استدلال کرتے تھے اور ہندو کے ساتھ اتحاد کر کے انگریز کے خلاف کوشش کرنے کے وہ قائل نہیں تھے وہ یا خریدے ہوئے تھے انگریز کے یا وہ علمی طور پر گمراہی میں مبتلاء تھے اور ان کا دل جو تھا وہ انگریز کی طرف زیادہ مائل تھا۔

اور جو صاحب بصیرت لوگ تھے وہ دیکھ رہے تھے کہ اس دور میں سب سے زیادہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے والے یہی عیسائی ہیں، کہاں برطانیہ انگلستان وہاں سے لے کر ہندوستان تک درمیان کے اندر سارے کا سارا مشرق وسطیٰ اس کے اوپر یہ لوگ مسلط ہو گئے تھے اور اسلام کو مسلمانوں کو دینی و دنیاوی دونوں طرح سے ہی برباد کر رہے تھے اور ہمارے حضرات کا رجحان یہ تھا کہ جب تک ان کا اڈا یہاں سے نہیں اکھڑے گا ہندوستان سے کیونکہ ان کی حکومت بہت بڑی قوت کا باعث تھی جو کہ ہندوستان میں تھی اسی کے ساتھ ہی وہ سارے راستے کے اوپر قابض ہیں جب تک ان کے قدم ہندوستان سے نہیں اکھیڑے جائیں گے اس وقت تک عالم اسلام کی جان ان ظالموں سے نہیں چھوٹ سکتی اس لیے ان کو ہندوستان سے اکھیڑنا ضروری ہے تو ساری کوشش ان کی یہ تھی کہ یہاں سے ان کے قدم اکھیڑے جائیں اور ان لوگوں کی بصیرت کتنی صحیح ثابت ہوئی کہ دنیا نے دیکھ لیا کہ ہندوستان سے ان کے قدم اکھڑنے ہی تھے کہ یکے بعد دیگرے سلسلہ وار سارے کے سارے ممالک آزاد ہو گئے۔

ورنہ ہندوستان کی قوت کے ساتھ ہی سارے عالم اسلام پر قوت جمائے بیٹھے تھے یہیں کی فوجیں تھی جو ہر محاذ کے اوپر لڑتی تھیں اور یہیں کا سرمایہ تھا جو ہر جگہ ان کے لیے مددگار ثابت ہوتا تھا تو ہندوستان سے ان کے قدم کا اکھڑنا تھا کہ سارا عالم اسلام جو تھا وہ ان کے چنگل سے آزاد ہو گیا اور یہاں جو ان کے قدم جمے ہوئے تھے بہت بڑی ان کی چھاؤنی تھی بہت بڑی قوت تھی اور اس کے ذریعے سے یہ سارے راستے کے اوپر قابض تھے تو ہمارے

حضرات کا رجحان یہ تھا کہ عالم اسلام کے لیے سب سے زیادہ نقصان دہ یہی ہیں جو اپنے آپ کو عیسائی کہتے ہیں انگریز ان کے ساتھ مزاحمت ضروری ہے اور ان کو ملک سے نکالنے کے لیے اپنے ملک کے رہنے والے ہندو چاہے وہ مشرک ہیں ان کے ساتھ اتحاد عمل ضروری ہے اور ان بزرگوں کو مزاحمت کرنے والے جو لوگ تھے وہ ان آیتوں کو پڑھ پڑھ کے انگریز دوستی کا سبق دیا کرتے تھے۔

اس لیے میں عرض کر رہا ہوں کہ مفسرین نے یہاں جو صراحت کی ہے یہ کوئی کلیہ نہیں کہ ہمیشہ سخت عداوت رکھنے والے یہود اور مشرک ہی ہوں گے اور ہمیشہ مسلمانوں کے ساتھ محبت کے اعتبار سے اقرب جو ہیں وہ نصاریٰ ہی ہوں گے یہ کوئی کلیہ نہیں حضور ﷺ کے زمانے میں حالات ایسے ہی تھے کہ جتنی سخت مزاحمت آپ کو یہود کی کرنی پڑی اور مشرکین مکہ کی کرنی پڑی اتنا ٹکراؤ آپ کا عیسائیوں کے ساتھ نہیں ہوا، عیسائیوں کی معتدل حکومت اس وقت حبشہ میں تھی شاہ حبشہ نجاشی اسمی جس کا نام ہے نجاشی اس کا لقب تھا بہت نیک دل بادشاہ تھا مکہ معظمہ میں جس وقت مسلمانوں پر مشرکین کے مظالم کی انتہاء ہوگئی تو آپ نے مشورہ دیا تھا کہ یہاں سے حبشہ چلے جاؤ میں نے سنا ہے کہ وہاں کا بادشاہ بڑا نیک دل ہے نہ کسی کے اوپر ظلم کرتا ہے اور نہ ظلم کرنے دیتا ہے۔

چنانچہ پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کی صاحبزادی رقیہ رضی اللہ عنہا اور اس طرح سے دس گیارہ افراد جو تھے وہ مکہ معظّمہ سے سب سے پہلے ہجرت کر کے گئے ہیں حبشہ میں اور پھر اسی بیاسی آدمیوں کا قافلہ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی قیادت میں گیا ہے، مشرکین نے ان کو واپس لانے کے لیے شاہ حبشہ کے اوپر ہر طرح سے دباؤ ڈالنا چاہا لیکن جس وقت شاہ حبشہ نے حالات ان سے سنے تو اس نے تائید کی کہ یہ وہی حق ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لے کر آئے تھے اور جو یہ پیغمبر بیان کر رہا ہے اس نے تائید کی اور مشرکین کو جواب دے دیا تھا اور مسلمانوں کو واپس نہیں کیا ہر طرح سے ان کی دلداری کی اور جب سرور کائنات ﷺ مدینہ منورہ میں تشریف لے آئے پھر یہ مسلمان مدینہ منورہ میں آئے تو پھر شاہ نجاشی نے ایک وفد بھیجا تھا اہل علم کا جو حضور ﷺ کے پاس آیا حالات کی تحقیق کے لیے ستر آدمیوں پر مشتمل تھا جب حضور ﷺ نے انہیں قرآن کریم پڑھ کر سنایا ہے تو پھر وہ سنتے بھی تھے اور پھر روتے بھی تھے اور اقرار کرتے تھے کہ واقعی یہ وہی حق ہے جس کی نشاندہی ہمیں ہماری کتابوں میں کی گئی ہے۔

اور پھر ایمان قبول کر کے انہوں نے محبت کا اظہار کیا مسلمانوں کے لیے نرم گوشے کا اظہار کیا اس لیے اس وقت کے عیسائیوں کا مقابلہ یہود اور مشرکوں کے اقرب مودۃً قرار دیا جا رہا ہے اس وقت کے حالات یہ تھے ماضی

کے صیغے کے ساتھ ان کو تعبیر کیا گیا پھر نصاریٰ سے مراد یہاں وہ نصاریٰ ہیں جن کے اندر علم دوست عالم ہتارک دنیا اور متوازی لوگ موجود تھے جیسے آگے کہا گیا کہ ان کے اندر کچھ علم کا چرچا ہے علم دوست لوگ ہیں تارک دنیا ہیں دنیا کی محبت کے اندر زیادہ مبتلاء نہیں اور یہ متکبر نہیں ہیں علم کی وجہ سے اور اس رہبانیت کی وجہ سے دنیا کی محبت میں مبتلاء نہیں اور تواضع کی وجہ سے جو ان کے دلوں کے اندر ہے حق قبول کرنے کی طرف زیادہ قریب ہیں اور موجودہ عیسائی اول تو نام کے عیسائی ہیں پوری طرح سے نہ اللہ کے قائل، نہ انجیل نہ کسی دوسری چیز کے پھر نہ ان کے اندر وہ علم دوستی نہ وہ ترک دنیا والی بات اور نہ وہ تواضع۔

بلکہ سب سے زیادہ متکبر یہی لوگ ہیں، سرکش یہی لوگ ہیں تو جو صفتیں یہاں ذکر کی گئی ہیں نصاریٰ کی یہ بھی موجودہ عیسائیوں کے اوپر صادق نہیں آتیں جس کی بناء پر ان عیسائیوں کو مسلمانوں کے لیے اقرب مودۃً قرار نہیں دیا جا سکتا اور ہر مشرک قوم کو مسلمانوں کے لیے اشد عداوۃً نہیں قرار دیا جا سکتا تو یہ آیت مستدل تھی ان لوگوں کی جو کہ انگریز دوستی کا دعویٰ کرتے تھے اس لیے میں آپ کے سامنے ان لفظوں کی وضاحت کر رہا ہوں۔

دور نبوت کے نصاریٰ:

اب ان نصاریٰ کی یہ شان ذکر کی ہے جو کہ علم دوست تھے، تارک دنیا تھے، متکبر نہیں تھے کہ جب سنا ان لوگوں نے اس چیز کو جو رسول کی طرف اتاری گئی تھی رسول سے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اور اس سے اس واقعے کی طرف اشارہ ہے جو شاہ حبشہ کا وفد آیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اور آپ نے ان کے سامنے قرآن کریم پڑھا تھا بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ یٰسین سنائی تھی جب سنا انہوں نے اس چیز کو جو اتاری گئی رسول کی طرف دیکھتا ہے تو ان کی آنکھوں کو کہ آنسو بہاتی ہیں اس حق کی وجہ سے جو انہوں پہچان لیا تھا، حق کو پہچان لینے کی وجہ سے ان کی طرف خوشی طاری ہوئی اور اس خوشی کی وجہ سے ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے۔

اب موجودہ عیسائی کون ایسے ہیں جو کہ حق بات کو پہچان لیں اور پہچان کر رونے لگ جائیں اور قرآن کریم سننے کے بعد ان کے اوپر رقت طاری ہو جائے اور وہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے'' فاکتبنامع الشاھدین '' ہمیں گواہی دینے والوں کے ساتھ لکھ لے، کیا مطلب کہ تو نے ہمیں جو شہداء للہ بنایا ہے اور ہمیں تو نے اپنی کتاب کے اندر مکلّف کیا ہے کہ ہم ہمیشہ حق کے اوپر گواہی دیں آج ہم اس حق کو پہچان کر گواہی دیتے ہیں کہ یہ تیری طرف سے آیا ٹھیک ہے ہم کو گواہوں کے اندر لکھ لے ہم شہداء للہ کا منصب جو ہے وہ ادا کر رہے ہیں ہمارے اوپر جو ذمہ داری آتی ہے حق کی شہادت دینے کی ہم اس شہادت کے ساتھ اپنی ذمہ داری کو ادا کر رہے

ہیں لکھ لے ہمیں شاہدین کے ساتھ اور پھر اپنے آپ کو کہتے ہیں کہ کیا وجہ ہے کہ ہم ایمان نہ لائیں اللہ پر اور اس چیز پر جو حق ہمارے پاس آ گیا امید یہ رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں داخل کرے قوم صالحین میں قوم صالحین کے ساتھ شامل کرے اللہ پاک امید تو ہمیں یہ ہو اور ایمان ہم لائیں نہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

اگر صالحین لوگوں کے ساتھ داخل ہونا چاہتے ہیں تو پھر چاہیے کہ ہم اللہ پر ایمان لائیں اور اس حق پر ایمان لائیں جو ہمارے پاس آ گیا تو جب انہوں نے زبان سے اقرار کیا دل سے عقیدہ ان کے مطابق رکھ لیا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں " فاثابھم اللہ بما قالوا " " بما قالوا بما تعقدوا " جو انہوں نے عقیدہ بنایا کیونکہ صرف قول کافی نہیں جب تک کہ قلب سے عقیدہ نہ ہو اور انہوں نے جو کچھ کہا یہ صرف ایمان کے اظہار پر قول نہیں تھا بلکہ دل میں عقیدہ بھی تھا جو بات انہوں نے کہی یہی کہ اے اللہ ہم ایمان لے آئے جو بات انہوں نے کہی یعنی جس عقیدہ کا اظہار انہوں نے لفظوں میں کیا اس کی وجہ سے ان کو اللہ تعالیٰ نے بدلہ دیا باغات کا جاری ہیں ان کے نیچے نہریں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اس میں '' وذالك جزأ المحسنين '' اور جو بھی احسان کا کردار ادا کرتا ہے احسان کی کیفیت پیدا کر لیتا ہے نیکو کاروں میں سے ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بدلہ ایسے ہی دیتے ہیں یہ جزا ہے نیکو کاروں کی '' والذين كفروا و كذبوا بايتنا '' اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا، یا جو لوگ کفر کرتے ہیں اور ہماری آیات کی تکذیب کرتے ہیں یہی جہنم والے ہیں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ہندو مسلم اتحاد سے اختلاف:

یہ سوال بھی اپنی جگہ پر ہے کہ مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ تو ہندو مسلم اتحاد کے قائل نہیں تھے تو وہ ہندو مسلم اتحاد کے تو واقعی قائل نہیں تھے اس میں کوئی شک نہیں لیکن وہ انگریزوں کے ساتھ بھی اتحاد کے قائل نہیں تھے ان کا خیال یہ تھا کہ ہندو قابل اعتماد نہیں یہ وقت پر دھوکہ دے جائے گا اس لیے مسلمانوں کو چاہیئے کہ سارے کے سارے اکٹھے ہو کر اپنی انفرادی کوشش کریں ورنہ میں نے یہ مضمون جو آپ کے سامنے ادا کیا کہ قرآن کریم کی یہ آیت جس سے ان لوگوں نے استدلال کیا کہ نصاریٰ اقرب مودۃ ہیں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس نظریہ کی بیان القرآن کے اندر پوری تردید کی ہے اور یہ ساری کی ساری تقریر جو میں آپ کے سامنے کر رہا ہوں یہ ساری بیان القرآن سے ماخوذ ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ اس سے اس طرح استدلال نہیں کیا جا سکتا کہ ہر دور کے اپنے آپ کو نصاریٰ کہلوانے والے ایسے ہی ہوں گے اول تو جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہلواتے ہیں ان کے وہ عقائد نظریات نہیں ہیں۔

دوسرا ان کے اندر صفت نہیں پائی جاتی قسین والی، رہبان والی اور عدم استکبار والی نہیں پائی جاتیں لہٰذا استدلال جن لوگوں نے کیا ہے وہ صحیح نہیں کیا اس بات کی تردید انہوں نے کی ہے تو جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ مسلمانوں کے متعلق یہ خیال رکھتے تھے کہ ان کو آپس میں متحد ہو کر انفراداً کوشش کرنی چاہیئے اور اگر ہندوؤں کے ساتھ مل کر کوشش کریں گے تو ہندوؤں کو چونکہ اکثریت حاصل ہے اور یہ مسلمانوں کے حق میں مخلص نہیں ہیں تو انگریز کو نکالنے کے بعد مسلمانوں پر یہ قبضہ جما کر مسلمانوں کو اسی طرح سے ذلیل کریں گے جس طرح کہ انگریز کر رہا ہے اس خیال سے وہ مسلمانوں کے انفراداً کوشش کرنے کے قائل تھے اور ہندوؤں کے ساتھ اتحاد کے قائل نہیں تھے۔

ورنہ اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ وہ انگریزوں کے ساتھ اتحاد کے قائل تھے اور ہندوؤں کے مقابلے میں وہ انگریزوں کی حکومت کو پسند کرتے تھے اس قسم کی بات بھی نہیں ہے لیکن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو چونکہ عملی سیاست کا تجربہ نہیں تھا عملی سیاست میں انہوں نے کام کیا نہیں اور سیاست ایک میدان ہی ایسا ہے کہ جس وقت تک انسان اس میں نہ اترے اس کے نشیب وفراز سے واقف نہیں ہوسکتا۔

اس لیے علماءِ دیوبند کی اکثریت قریب الکل حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ان نظریات سے اتفاق نہیں رکھتی تھی ان کے سامنے شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا جو نظریہ تھا وہ رائج تھا کہ یہ وقت ایسا ہے کہ مسلمان اکیلے کوشش کر کے اس ظالم جابر حکومت سے جان نہیں چھڑا سکتے ان کو نکالنے کے لیے اپنے ہم وطنوں کے ساتھ کوشش کے اندر اتحاد ضروری ہے تو حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا جو نظریہ تھا علماءِ دیوبند نے اسی کو قبول کیا اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے نظریے کا ساتھ علماءِ دیوبند نے نہیں دیا۔

آپ کے مرید اور آپ سے تعلق رکھنے والے وہ تو حامی تھے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے لیکن حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہم پایہ علماء یا آپ سے بڑے جتنے بھی تھے دیوبند سے تعلق رکھنے والے وہ سارے کے سارے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے خیال کے حامی تھے اور نتیجتاً صورت یہی مفید رہی کہ جس درجے میں اتحاد ہوا اتنے درجے میں ہی گویا کہ کامیابی ہوئی اور واقعہ ایسے ہی ہے کہ اگر ہندو مسلم مل کر آزادی کی کوشش نہ کرتے تو شاید انگریز سے جان نہ چھوٹتی اس لیے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ پر یہ بات صادق نہیں آتی کہ وہ انگریز کے حامی تھے انگریز کے حامی نہیں تھے البتہ ہندوؤں کے اوپر اعتماد نہ ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کے لیے انفراداً کوشش کرنے کے حامی تھے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ

اے ایمان والو! جو چیزیں اللہ نے تمہارے لیے حلال کی ہیں ان میں سے پاکیزہ ستھری چیزوں کو حرام نہ ٹھہرایا کرو اور حد سے تجاوز نہ کرو،

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا

بے شک اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں سے محبت نہیں رکھتا ﴿۸۷﴾ اور کھایا کرو اس چیز میں سے جو اللہ نے تمہیں دی ہے حلال

طَيِّبًا ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْۤ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ

پاکیزہ ، اور اللہ سے ڈرتے رہو ایسا اللہ کہ جس کے ساتھ تم ایمان لاتے ہو ﴿۸۸﴾ نہیں مواخذہ کرے گا اللہ تعالیٰ تم سے

بِاللَّغْوِ فِيْۤ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ

بسبب لغو کے جو تمہاری قسموں میں پیش آ جاتی ہیں لیکن مواخذہ کرے گا تم سے تمہاری قسموں کو پختہ کرنے کے لیے

فَكَفَّارَتُهٗۤ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ

پھر کفارہ اس قسم کا دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے اس کے درمیانے درجے سے جو کچھ کھلاتے ہو تم

اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ؕ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ

اپنے اہل وعیال کو یا ان دس مسکینوں کا لباس ہے یا غلام کا آزاد کرنا ہے، پھر جو شخص نہ پائے تو پھر اس کے ذمے روزہ رکھنا ہے

ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ وَاحْفَظُوْۤا

تین دن کا ، یہ تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جس وقت کہ تم قسمیں اٹھاؤ ، اور نگرانی کرو

اَيْمَانَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾

اپنی قسموں کی ، ایسے ہی واضح کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی نشانیاں تاکہ تم شکرگزار ہو جاؤ ﴿۸۹﴾

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ

اے ایمان والو! اس کے سوا کچھ نہیں کہ خمر اور جوا اور بت اور جوئے کے تیر

رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَا

یہ ناپاک ہیں اور شیطان کے عمل سے ہیں پس ان میں سے ہر کام سے بچو تاکہ تم فلاح پا جاؤ ﴿۹۰﴾ اس کے سوا کچھ نہیں

يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ

کہ شیطان یہی چاہتا ہے کہ تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈال دے شراب

وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾

اور جوئے کے سبب سے اور روک دے تمہیں اللہ کی یاد سے اور نماز سے ، پھر تم کیا رکنے والے ہو ﴿۹۱﴾

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا

اور اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو اللہ کے رسول کی اور ڈرتے رہو ، پھر اگر تم نے پیٹھ پھیری تو یقین کرلو

اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۹۲﴾ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

کہ ہمارے رسول کے ذمے تو صرف کھول کھول کر پہنچا دینا ہے ﴿۹۲﴾ اور نہیں ہے ان لوگوں پر جو ایمان لے آئے اور انہوں نے عمل کیے

الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

نیک کوئی گناہ اس چیز میں جو انہوں نے کھائی جس وقت کہ انہوں نے تقویٰ اختیار کیا اور ایمان لائے اور نیک عمل کیے

ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۳﴾ ع

پھر تقویٰ اختیار کیا اور ایمان لائے اور پھر تقویٰ اختیار کیا اور نیکی کی ، اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتے ہیں ﴿۹۳﴾

تفسیر:

ماقبل سے ربط:

" یا ایھا الذین أمنوا لاتحرموا طیبات ما احل الله " شروع سورۃ میں آپ کے سامنے اللہ تعالیٰ نے حلال وحرام کے متعلق کچھ احکام دیے تھے اور تاکید کی تھی کہ حرام سے بچو اور حلال کھاؤ اب ان آیات کے اندر پھر کچھ انہیں احکام کی وضاحت کی طرف عود ہے ماقبل کے ساتھ قریبی مناسبت یوں ہوسکتی ہے کہ پچھلے پارے کی آخری آیت میں رہبان کا ذکر آیا تھا اور یہ تقریباً مقام مدح میں ہے اہل علم رہبان" وانھم لا یستکبرون " یہ ذکر جو آیا تھا یہ مدح کے مقام میں ہے اور رہبانیت کی تعریف بایں معنیٰ جو ہے کہ اس میں دنیا کی محبت نہیں ہوتی اور ترک دنیا ان لوگوں نے اپنایا تھا دنیا کو چھوڑ دیا دنیا کی محبت میں مبتلاء نہ ہوئے اس پہلو کے ساتھ وہ قابل تعریف ہیں کہ حب

دنیا کے اندر مبتلا نہیں اور انہوں نے دنیا کو اپنے سے دور کر دیا اور مجاہدہ اور ریاضت کر کے اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے انہوں نے یہ طریقہ اپنالیا جیسا کہ آپ کے سامنے ستائیسویں پارے کے آخری رکوع میں آئے گا کہ ''ورھبانیة ن ابتدعوھاما کتبناھاعلیھم '' کہ رہبانیت ہم نے ان کے اوپر فرض نہیں کی تھی بلکہ انہوں نے خود کھڑی کی ہے ''ابتدعوھا'' یہ نیا طریقہ انہوں نے خود نکالا۔

لیکن نکالا کس جذبے سے تھا'' ابتغاء رضوان اللہ '' اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے کے لیے'' فمارعوھا حق رعایتھا '' پھر وہ اس کی رعایت نہیں رکھ سکے کہ جس طرح سے رعایت رکھنی چاہیئے تھی جذبہ بہر حال اچھا تھا'' ابتغاء رضوان اللہ '' اس لیے انہوں نے یہ طریقہ کھڑا کیا تھا کہ دنیا کو چھوڑ کر ایک طرف ہو گئے اور رہبانیت کے اندر یہ بات بھی خاص طور پر موجود تھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ بہت ساری نعمتیں بہت سارے لذائذ ان سے وہ لوگ فائدہ نہیں اٹھاتے تھے ان کو اپنے اوپر حرام کر لیتے مثلاً وہ شادی نہیں کرتے تھے اچھا کھانا نہیں کھاتے تھے، اچھا لباس نہیں پہنتے تھے۔

اور یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی نعمت ہیں جو اس نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہیں یہ پہلو اس میں قابل اعتراض ہے تو اب یہ چونکہ رہبانیت کا ذکر آیا تھا تو کوئی یہ سمجھ سکتا ہے کہ شاید اس میں جمیع عنوان قابل تعریف ہے رہبانیت کا طریقہ راہب بننا کوئی اچھی بات ہے اس لیے یہاں مسلمانوں کو احکام دے دیے گئے، کہ راہبوں کی طرح حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام نہ ٹھہرایا کرو بلکہ اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں تمہارے لیے حلال کی ہیں ان سے فائدہ اٹھایا کرو اس طرح سے مناسبت ہو جائے گی ماقبل کی ساتھ قریبی آیات کے ساتھ۔

ورنہ شروع سورۃ میں ایفائے عہد کی تاکید آئی تھی اور اس کے تحت حرام اور حلال کا تذکرہ ہوا تھا تو یہ آیات اسی کی وضاحت پر مشتمل ہیں۔

حلال چیز کو حرام ٹھہرا لینے کی مختلف صورتیں اور ان کا حکم:

حرام نہ ٹھہرایا کرو حرام ٹھہرانے کی تین صورتیں ہیں ایک تو یہ ہے کہ کسی حلال چیز کو عقیدتاً ہی حرام سمجھنے لگ جائیں اور ایک ہے کہ قسم کھا کر اس کو اپنے اوپر حرام کر لیں عقیدۃً تو ہم سمجھتے ہیں وہ حلال ہے لیکن قسم کے ذریعے ہم اس کو اپنے اوپر حرام کر لیں اور تیسری صورت یہ ہے کہ قسم کے ذریعے سے بھی حرام نہ کریں اور عقیدۃً بھی حرام نہ جانیں لیکن اس کے ساتھ معاملہ حرام جیسا کریں کہ اس کو استعمال بالکل نہ کریں یہ تین درجے ہیں اور ان تینوں کا حکم یہ ہے کہ پہلا درجہ کسی حلال چیز کو حرام قرار دینا عقیدۃً اس میں دیکھنا یہ ہے کہ وہ حلال چیز قطعی طور پر حلال ہے یا ظنی اور اجتہادی طور پر حلت اس کی ثابت ہے۔

اگر وہ چیز ایسی ہے کہ اس کی حلت قطعیت کے درجے کی ہے، دلائل قطعیہ سے ثابت ہے، قرآن کریم میں یہ صاف آ گیا کہ یہ چیز حلال ہے جیسے بکری حلال ہے، بھیڑ حلال ہے، گائے حلال ہے بشرطیکہ اللہ کے نام پر ذبح کی گئی ہو اور غیر اللہ کے لیے اس کی نذر و نیاز نہ مانی گئی ہو جس قسم کی قیود آپ کے سامنے آئی ہیں تو جو چیزیں قطعی طور پر حلال ہیں ایسی کسی چیز کو اگر کوئی شخص عقیدۃً حرام قرار دے لے تو وہ شخص کافر ہو جاتا ہے۔

کیونکہ اس میں پھر قطعیات کا انکار ہے یہ تحریم تو پھر کفر ہے اگر وہ چیز ہے حلال، قطعی طور پر اس کا حلال ہونا دلائل قطعیہ کے ساتھ ثابت ہے تو اس کو حرام قرار دینا عقیدۃً کفر ہے کیونکہ تحریم یا تحلیل یہ دونوں منصب اللہ تعالیٰ کے ہیں کسی دوسرے کو حق نہیں ہے کہ کسی حلال چیز کو حرام ٹھہرادے یا کسی حرام چیز کو حلال ٹھہرادے یہ شخص تو کافر ہے اگر ایسی چیز کو وہ حرام سمجھتا ہے جس کا حلال ہونا قطعیت کے ساتھ ثابت ہے۔

دوسرے نمبر پر کہ عقیدۃً تو حلال جانتا ہے لیکن اپنے اوپر پابندی لگالیتا ہے اور اپنے اوپر اس کو حرام کر لیتا ہے لفظ قسم کا بولے یا نہ بولے کیونکہ کسی حلال چیز کو اپنے اوپر حرام ٹھہرالینا یہ خود قسم ہے مثلاً دودھ کے متعلق کوئی کہتا ہے کہ میں اس کو اپنے اوپر حرام قرار دیتا ہوں میں دودھ نہیں پیوں گا یا قسم کھالیتا ہے کہ میں گوشت نہیں کھاؤں گا یہ دونوں چیزیں جو ہیں یہ قسم کے کلمہ میں ہیں چاہے صراحتاً اس میں قسم کا لفظ آیا ہے چاہے قسم کا لفظ نہیں آیا تحریم حلال یہ قول کے ذریعے سے چاہے عقیدۃً وہ اس کو حلال سمجھتا ہے یہ قسم ہے تو پھر ایسی قسم کا توڑنا ضروری ہے اور قسم کے توڑنے کی صورت میں پھر اس کو کفارہ دینا پڑے گا جس کی تفصیل اگلی آیات میں آرہی ہے اور یہ قسم کے کفارہ کی آیت کی مناسبت ماقبل کے ساتھ ہی ہے کہ چونکہ تحریم کی بعض قسمیں ایسی ہیں جو قسم کے ذریعے سے انسان اپنے اوپر عائد کرتا ہے تو اس قسم کے ازالے کی تدبیر بتادی کہ اس کا کفارہ دیا جائے گا کفارے کی تفصیل آپ کے سامنے آرہی ہے۔

اور تیسری صورت یہ ہے کہ عقیدۃً بھی اس کو حلال جانتا ہے اور قول کے ساتھ بھی اپنے اوپر اس کو حرام نہیں ٹھہرایا لیکن معاملہ اس کے ساتھ ایسے کرتا ہے جس طرح سے حرام کے ساتھ کیا جاتا ہے اس سے پرہیز کرتا ہے احتیاط کرتا ہے اس کو زندگی بھر استعمال نہیں کرتا یہ اگر کسی مصلحت شرعی یا طبعی کی وجہ سے ہے تو جائز ہے اور ورنہ پھر یہ ریا ہے مصلحت شرعی کا مطلب یہ ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اگر میں یہ کھاؤں گا تو شرعی طور پر میں کسی قباحت میں مبتلاء ہو جاؤں گا اس کا ترک کرنا ہی میری روحانیت کے لیے مفید ہے۔

جیسے ایک آدمی غیر شادی شدہ ہے اور شادی کے اسباب اسے مہیا نہیں ہیں اور وہ سمجھتا ہے کہ اگر انڈے گوشت اس قسم کے مقویات میں استعمال کروں گا تو کسی فتنے میں واقع ہونے کا ڈر ہے طبیعت میں قوت آجانے کی

وجہ سے وسوسے آئیں گے اور آگے تدبیر میرے بس کی بات نہیں اگر وہ اس لیے ان گرم اشیاء کو مقوی اشیاء کو چھوڑتا ہے تاکہ میں کسی پریشانی میں مبتلاء نہ ہو جاؤں فتنوں کا شکار نہ ہو جاؤں اس لیے اس کا ترک کرنا جائز ہے۔

بلکہ بعض صورتوں میں باعث ثواب ہے اسی طرح سے طبعی مصلحت کے طور پر کہ تجربے کے ساتھ ثابت ہو گیا کہ دودھ آپ کے لیے نقصان دہ ہے جس وقت آپ دودھ استعمال کرتے ہیں بیمار ہو جاتے ہیں یا کوئی دال آپ استعمال کرتے ہیں تو دال کے ساتھ آپ کو تکلیف ہو جاتی ہے کوئی سبزی آپ استعمال کرتے ہیں موافق نہیں آتی تو یہ تجربہ ہو جانے کے بعد زندگی بھر اس کو ترک کر دیا جائے اور استعمال نہ کیا جائے جب کہ زبان سے اس کو حلال بھی کہا جائے اور عقیدۃً اس کا حلال ہونا بھی جانا جائے تو طبعی مصلحت کے طور پر بھی کسی چیز کو عملاً چھوڑ دیا جائے تو یہ ٹھیک ہے۔

ہاں البتہ اس کے ترک کو ثواب سمجھنا کہ اس کا نہ کھانا جو ہے یہ باعث ثواب ہے اس کے اندر پھر بدعت والا معنی پیدا ہو جائے گا یہ ٹھیک نہیں یعنی ایک دنیوی تدبیر کے طور پر چاہے روحانی ہے چاہے وہ جسمانی ہے آپ اس کو ترک کر دیں لیکن اس ترک کرنے کو ثواب نہ قرار دیں کہ شریعت کا مسئلہ ہے کہ اس کو استعمال نہیں کرنا ایسی صورت میں جائز ہے اگر اس کو ثواب سمجھنے لگ جائیں گے پھر اس میں بدعت والا معنی پیدا ہو جائے گا۔

یہ تحریم کی تینوں صورتیں جو ہیں ان کے احکام آپ کے سامنے ذکر کر دیئے گئے اور یہاں یہ تینوں ہی شامل ہو سکتے ہیں حاصل اس کا یہ ہے کہ اللہ نے جو چیزیں تمہارے لیے حلال ٹھہرائی ہیں وہ پیدا ہی تمہارے لیے کی ہیں پیدا ہی تمہارے نفع کے لیے کی ہیں اس لیے ان سے فائدہ اٹھاؤ اور فائدہ اٹھانے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگو ان میں سے جو عمدہ چیزیں ہیں پاکیزہ چیزیں ہیں تمہاری مرغوب فیہ ہیں ان کو تم حرام نہ ٹھہرایا کرو نہ تو عقیدۃً ان کو حرام جانو اور نہ قسم کے ذریعہ سے اپنے اوپر ان کو حرام کرو اور نہ زندگی بھر ان کے ساتھ نیکی سمجھ کر ثواب سمجھ کر حرام والا معاملہ کرو تینوں صورتوں کو یہ لفظ شامل ہو سکتا ہے۔

طیبات کا ذکر ترغیب کے طور پر کر دیا کہ ''ما احل له'' میں جو مرغوب فیہ چیزیں ہیں، پاکیزہ چیزیں ہیں، لذیذ چیزیں ہیں ان کو اپنے اوپر حرام ٹھہرا کر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے خواہ مخواہ محروم کیوں ہوتے ہو ''ولا تعتدوا'' حد سے تجاوز نہ کرو ''ان الله لا يحب المعتدين'' بے شک اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا اور اگر ''لا تعتدوا'' سے دوسرا پہلو مراد لے لیا جائے تو اس کی بھی گنجائش ہے اگرچہ یہاں میں ''لا تعتدوا'' کا مفہوم یہی ہے کہ حلال کو حرام ٹھہرا کر حد سے نہ گزرو۔

دوسرے پہلو کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح سے حرام کو حلال ٹھہرانے کی ممانعت آ گئی اسی طرح سے ایسا بھی نہ ہو کہ کسی حرام کے ساتھ حلال جیسا معاملہ کرنے لگ جاؤ یہ بھی حد سے تجاوز ہے حلال چیز کو حرام بھی نہ کیا کرو اور اس طرح سے اللہ تعالیٰ کی جو حرام کی ہوئی چیز ہے اس کے ساتھ حلال والا برتاؤ بھی نہ کیا کرو'' لا تعتدوا'' کے مفہوم میں اس کو بھی داخل کیا جا سکتا ہے'' و کلوا مما رزقکم الله'' اور جو کچھ اللہ نے تمہیں دیا ہے اس میں سے حلال اور طیب کھایا کرو حلال اور طیب پاکیزہ ستھر الذیز جس کی طرف تمہاری طبیعت راغب ہے کھایا کرو اس سے فائدہ اٹھایا کرو'' واتقوا الله'' اور اللہ سے تم ڈرتے رہا کرو جس کے ساتھ تم ایمان لانے والے ہو، جس اللہ پر تمہارا ایمان ہے اسی سے ڈرتے رہو، ڈرنے کا بھی یہاں یہی معنی ہے کہ اس کے اس منصب کے اندر دخل نہ دو تحریم حلال یہ اللہ کا کام ہے، کسی چیز کو حرام ٹھہرانا یہ اللہ کا منصب ہے ڈرتے رہو اس کے اندر کسی چیز کی گڑبڑ نہ کرو، تصرف نہ کرو یہ تاکید اس لیے کی جا رہی ہے کہ مشرکین بہت ساری چیزوں کو اپنے اوپر حرام ٹھہرا لیتے تھے اپنے بتوں کی خوشی کے لیے اور اس طرح سے نذر و نیاز کے ذریعے سے جس طرح سے آگے آئے گا۔

''ماجعل الله من بحيرةٍ ولاسائبة ولا وصيلة'' یہ الفاظ آگے آ رہے ہیں تو وہ ایسے جانور تھے جن کو بتوں کی طرف منسوب کر کے اپنے اوپر حرام ٹھہرا لیتے تھے اور سورۃ انعام کے اندر بھی کچھ تفصیل آئے گی اور اسی طرح سے بعض موقعوں پر لباس پہننے کو بھی وہ حرام قرار دے دیتے تھے، جیسے بیت اللہ کا طواف کرنے کے لیے جاتے تو لباس نہیں پہنتے تھے اس کی تفصیل آپ کے سامنے سورۃ اعراف میں آئے گی تو اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں جو پیدا کی ہیں جن سے نفع اٹھانا تمہارے لیے حلال کر دیا ہے چاہے وہ برتنے کی چیزیں ہیں، چاہے کھانے کی ہیں، چاہے پینے کی ہیں ان کو استعمال کرو اور اللہ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاؤ۔

قسم کی مختلف اقسام اور ان کا حکم:

''لا یواخذ کم الله باللّغوفي ایمانکم'' اب تحریم کی ایک صورت چونکہ قسم سے بھی تعلق رکھتی ہے تو اسی مناسبت سے آگے قسم کا مسئلہ واضح کیا جا رہا ہے اور پہلے اس کے متعلق کچھ احکام آ چکے ہیں سورۃ البقرۃ میں، قسم ہوتی ہے تین قسم پر، فقہی نکتہ نظر سے قسم کی تین قسمیں ہیں۔

ایک یمین لغو اور ایک یمین غموس اور ایک یمین منعقدہ

یمین لغو بے ہودہ قسم اس کا مطلب دو طرح سے ادا کیا جاتا ہے یا تو یہ ہے کہ قسم اٹھانے کا ارادہ نہیں قلب متوجہ نہیں ایسے عادت کے مطابق زبان پر قسم جاری ہو گئی، بات کرتا ہے انسان اور بلا مقصد زبان کے اوپر قسم کے الفاظ جاری ہو جاتے ہیں وہاں کوئی قسم اٹھانی مقصود نہیں ہوتی لغو کا مطلب ہے کہ اس پر نہ گرفت دنیا میں اور نہ

آخرت میں اگر چہ یہ عادت اچھی نہیں ہے اس میں اللہ تعالیٰ کے نام کی عظمت کو ٹھیس پہنچتی ہے کیونکہ قسم ایک بہت بڑی بنیاد ہے آپس میں معاہدے کو پختہ کرنے کے لیے اور دوسرے معاملات کو طے کرنے کے لیے اس کو زیادہ استعمال کرنا اس کو بے وقعت کرنا ہے اس لیے زیادہ قسمیں اٹھانا اچھی بات نہیں ہے لیکن اگر کسی کی زبان سے اس طرح کے لفظ جاری ہو جاتے ہیں اور ارادہ قسم اٹھانے کا نہیں ہے تو شریعت اس کو کسی اعتبار میں نہیں لاتی نہ دنیا میں اس پر کوئی گرفت ہے اور نہ آخرت میں اس پر کوئی گرفت ہوگی ایک صورت تو یہ ہے یمین لغوی کی۔

اور دوسری صورت یمین لغوی کی یہ ہے کہ آپ ماضی کے کسی واقعہ پر قسم کھاتے ہیں اور اپنے خیالات کے مطابق ٹھیک قسم کھاتے ہیں لیکن تحقیق سے وہ بات غلط ثابت ہو جاتی ہے یہ یمین بھی لغو ہے اس کے اوپر بھی کوئی گرفت نہیں جیسے آپ نے ایک آدمی کو آتے ہوئے دیکھا اور آپ نے اپنے خیال کے مطابق یہ سمجھ لیا کہ یہ زید ہے اور یہ گھر گیا ہوا تھا آ گیا آپ اپنے طور پر صحیح سمجھ بیٹھے کہ وہ آگے زید جا رہا ہے کسی نے آپ سے پوچھ لیا کہ زید آ گیا آپ نے فرمایا کہ ہاں آ گیا اور اپنی بات کو پختہ کرنے کے لیے آپ نے قسم بھی کھالی اور یہ کہہ دیا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ وہ آ گیا اب آپ اپنے خیال کے مطابق بات ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن بعد میں تحقیق ہوئی تو معلوم ہوا کہ آپ کو اشتباہ ہوا وہ تو کوئی دوسرا آدمی تھا جس کو آپ نے زید سمجھ لیا تو چونکہ آپ اپنے خیال کے مطابق قسم ٹھیک کھا رہے ہیں اس لیے شریعت اس کو عذر قرار دیتی ہے اور دنیا اور اخرت میں اس قسم پر کوئی کفارہ نہیں ہے یمین لغوی تو یہ دو صورتیں ہیں ان پر مواخذہ بالکل نہیں نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔

اور ایک ہے یمین غموس غمس کا معنی ہوتا ہے ڈبو دینا'' لا یغمسن احد کم الخ'' فقہ میں جو عبارت آیا کرتی ہے حدیث شریف میں جو الفاظ آیا کرتے ہیں سوئے ہوئے اٹھو تو بغیر ہاتھ دھوئے ہوئے برتن میں نہ ہاتھ ڈال دیا کرو غمس ڈبو دینے کو کہتے ہیں تو غموس یہ مبالغے کا صیغہ ہے یمین غموس کا معنی ہوگا کہ ڈبو دینے والی، اللہ کے غضب میں غوطہ دے دینے والی، جہنم کے عذاب میں غوطہ دے دینے والی قسم یہ ہے جس کو انسان قصداً ماضی کے واقعہ پر جھوٹی قسم اٹھاتا ہے قصداً جھوٹ بولتا ہے یہ کام آپ نے کیا ہے آپ کو پتہ ہے کہ آپ نے کیا ہے اور آپ کو یاد ہے کہ کیا ہے اور کوئی پوچھتا ہے کہ یہ کام آپ نے کیا ہے اور آپ قسم کھا کر کہہ دیتے ہیں کہ میں نے نہیں کیا ہے اور ایک کام آپ نے نہیں کیا جو آپ کے ذمے لگایا گیا تھا اور پھر آپ سے پوچھا گیا کہ آپ نے کر لیا آپ کہتے ہیں کہ ہاں جی کر لیا اور قسم اٹھا دیتے ہیں اور آپ جانتے ہیں کہ آپ غلط بیانی کر رہے ہیں اس کو یمین غموس کہتے ہیں۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کبائر گناہوں کے اندر شمار کیا ہے یہ کبیرہ گناہ ہے اور اس کی سزا آخرت میں ہوگی اور اس سے مطالبہ توبہ کا ہے اور استغفار کا آپ سے مطالبہ ہے توبہ اور استغفار کے علاوہ اس کا کوئی علاج نہیں باقی اگر صحیح معنی میں آپ نے ندامت اختیار کر لی یا آئندہ کے لیے عہد کر لیا کہ ہم جھوٹی قسم نہیں کھائیں گے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے توقع ہے کہ گناہ معاف ہو جائے گا لیکن ضابطہ کوئی نہیں اس لیے یہ قسم انتہائی خطرناک ہوتی ہے جو جھوٹی اٹھائی جائے اس کو اسلامی معاشرے میں برداشت نہیں کیا جا سکتا۔

کیونکہ قسم بنیاد ہے بہت سارے عقد اور معاہدوں کی اور جس میں آپس میں ایک دوسرے کی بات پر یا معاملے پر اعتماد کیا جاتا ہے تو اگر اسی کو لوگ غلط استعمال کرنے لگ جائیں تو پھر معاملات کے صحیح ہونے کی بنیاد کیا رہ جائے گی کسی کے قول اور اقرار کا فائدہ کیا ہوگا اور کسی کے قول اور اقرار پر اعتماد کیا کیا جائے گا اس لیے جھوٹی قسم قابل برداشت نہیں ہے یہ یمین غموس ہے۔

اور تیسری قسم آپ کے سامنے ذکر کی یمین منعقدہ، یہ ہوتی ہے مستقبل کے متعلق کہ میں ایسا کروں گا یا میں ایسا نہیں کروں گا آئندہ کے لیے آپ نے قسم اٹھائی اور قصد کے ساتھ اٹھالی پھر آپ پابند ہو گئے اس طرح سے کرنے پر یا نہ کرنے پر اگر آپ اس کے مطابق چلیں گے جس طرح سے آپ نے قسم اٹھائی ہے پھر تو کوئی مواخذہ نہیں ہے یہ علیحدہ بات ہے کہ اگر معصیت پر قسم اٹھائی ہے تو پھر اس قسم کا توڑنا ضروری ہے کسی گناہ کے کام پر قسم اٹھالی ہے تو اس کا توڑنا ضروری ہے۔

اور اگر کسی جائز کام پر قسم اٹھائی ہے تو اس کے مطابق اگر چلو گے تو کوئی کفارہ نہیں اور اگر اس کے خلاف کر لیا اور قسم توڑ دی تو توڑنے کے ساتھ پھر کفارہ دینا پڑے گا دنیوی سزا اس کی یہی ہے۔

قسم توڑنے کا کفارہ:

اور کفارے کی تفصیل یہ ہے کہ یا تو دس مسکینوں کو کھانا کھلاؤ، کھانا کھلانا ہو تو صبح شام دو وقت کھانا کھلانا پڑے گا درمیانے درجے کا جس قسم کا آپ اپنے گھر کے اندر اپنے اہل و عیال کے لیے استعمال کرتے ہیں۔

یا پھر ان کو لباس دے دو اتنا جس کے ساتھ ان کے جسم کا اکثر حصہ چھپ جائے اور یا پھر غلام آزاد کر دو ان تینوں میں برابر سرابر اختیار ہے جو چیز ہی مل جائے آپ اس کو ادا کر سکتے ہیں اور اگر ان تینوں چیزوں میں سے کسی چیز پر اختیار نہ ہو قدرت نہ ہو مثلاً آپ فقیر ہیں آپ کے پاس اتنی گنجائش نہیں ہے کہ آپ دس مسکینوں کو کھانا

کھلائیں یا دس مسکینوں کو کپڑا پہنادیں یا کوئی غلام آزاد کریں تو ایسی صورت میں پھر تین روزے رکھے جائیں گے مسلسل، درمیان میں ناغہ نہیں کیا جائے گا، تو یہ یمین منعقدہ کا کفارہ ہے۔

قسم کا کفارہ قسم توڑنے کے بعد ہے:

لیکن یہ آیا کرتا ہے قسم کو توڑنے کے بعد اس کا وجود جو ہے وہ صرف حِنث سے متعلق ہے صرف قسم کھانے سے یہ نہیں آتا کیونکہ قسم کھانا تو تقاضہ کرتا ہے ایفاء کا کہ اس مطالبہ پر چلو جب مطالبہ پر چلو گے تو پھر کفارے کا کیا سوال اور جب اس کے خلاف حِنث آجائے گا تو حِنث کے ساتھ وجوب آئے گا۔

اس لیے احناف کے نقطۂ نظر کے مطابق جس وقت تک قسم کو توڑا نہ جائے اور اس کے خلاف نہ کیا جائے اس کا کفارہ دینا جائز نہیں ہے اگر کفارہ دے گا تو ادا نہیں ہوگا کیونکہ سبب وجوب کے پائے جانے سے قبل کوئی چیز ادا نہیں ہوا کرتی اور سبب وجوب یہاں حنث ہے تو جب تک حِنث نہیں پایا جائے گا تو کفارہ واجب ہی نہیں ہوا جب واجب ہی نہیں ہوا تو ادا کیسے ہوگا جیسے نماز کا وقت آنے سے قبل نماز نہیں پڑھی جاسکتی اسی طرح سے قسم کے توڑنے سے قبل قسم کا کفارہ نہیں دیا جاسکتا جس وقت قسم ٹوٹ جائے گی تب وہ کفارہ واجب ہوگا اور پھر اس کی ادائیگی ہوگی چاہے وہ کفارہ مالی ہو چاہے وہ کفارہ بدنی ہو۔

اور آگے تاکید کر دی اللہ تعالیٰ نے کہ اپنی قسموں کی حفاظت کیا کرو، حفاظت کا یہ معنی ہے کہ اول تو کھاؤ نہیں اور اگر اٹھالی ہے تو اس کے مطابق حفاظت کرو اور اگر توڑ دی ہے تو کفارہ دو یہ ساری کی ساری صورتیں حفاظتِ قسم کی ہیں۔

تفسیر باللفظ:

" لایؤاخذکم اللہ باللّغوفی ایمانکم "نہیں مواخذہ کرے گا اللہ تعالیٰ تم سے لغو کے سبب سے جو تم سے تمہاری قسموں میں پیش آجاتا ہے اس کی تشریح آپ کے سامنے آگئی" ولکن یؤاخذکم بما عقدتم الایمان " لیکن مواخذہ کرے گا اللہ تعالیٰ تم سے تمہاری قسموں کو پختہ کرنے کے سبب سے یعنی قصد کے ساتھ تم جو مستقبل کے لیے قسموں کو پختہ کر لیتے ہو تو اس پر اللہ تعالیٰ مواخذہ کرے گا۔

یہاں چونکہ مواخذہ دنیاوی مذکور ہے تو یہ دنیاوی مواخذہ یمین منعقدہ پر ہوتا ہے تو معلوم ہوگیا کہ " بما

عقدتم الایمان ‘‘ سے وہی مستقبل کے لیے قسم اٹھانا مقصود ہے اور لغو پر مواخذہ نہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں مواخذہ نہیں تو اس لغو میں یمین غموس بھی آسکتی ہے اور اصطلاحی یمین لغو بھی آسکتی ہے کیونکہ یمین غموس پر بھی دنیا میں کوئی کسی قسم کا مواخذہ نہیں ہے اس معنی کی وجہ سے وہ یمین لغو میں شامل ہے۔

’’ ذٰلك كفارة ایمانکم ‘‘ یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا ’’ اذاحلفتم ‘‘ جس وقت کہ تم قسم کھاؤ اور پھر اس کے خلاف کرلو جیسے میں نے عرض کیا کہ صرف قسم کھانے کے ساتھ ہی کفارہ نہیں آیا قسم کا کھانا تو تقاضہ کرتا ہے ایفاء کا اور کفارہ تب آئے گا جس وقت کہ آپ نے اپنی غلطی کی تلافی کرنی ہے اور وہ یہ ہے کہ قسم توڑ دی اس ’’ اذا حلفتم وحنثتم ‘‘ جب تم قسم اٹھالو اور حانث ہو جاؤ تو ایسی صورت میں پھر تمہارے ذمے یہ کفارہ ہے اس میں چونکہ دس مسکینوں کی صراحت آگئی اس لیے یہاں ایک دن میں ایک ہی مسکین کو اگر کفارے کی پوری مقدار ادا کر دی جائے تو کفارہ ادا نہیں ہوگا یا تو حکماً دس بن جانے چاہئیں یا حقیقتاً، حکماً دس کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی متعین کرلو جو دس دن آپ کے ہاں صبح شام کھانا کھاتا رہے تو یہ حکماً دس ہو گئے تب بھی کفارہ ادا ہو گیا یا گنتی کے دس آدمی لے کر ان کو صبح وشام کھانا کھلادو۔

اور اگر کھانا کھلانا نہیں چاہتے گھر بیٹھ کر دینا ہے تو صدقۃ الفطر کی مقدار ایک ایک مسکین کو دے دو، دس مسکینوں کو علیحدہ علیحدہ دو اور اگر ایک ہی مسکین کو دینا ہے تو یومیہ ایک دن کے کفارے کی مقدار دو بیک وقت ایک مسکین کو سارے کے سارے کفارے کے پیسے یا کفارے کا غلہ دے دیا تو ایسی صورت میں چونکہ عشرۃ کا لفظ نہیں پایا گیا، دس مسکین نہیں پائے گئے تو یہ کفارہ ایک مسکین کے حصے کا سمجھا جائے گا یہ دس کا ادا نہیں ہوا جیسے کہ روزوں کے کفارے میں فقہ کے اندر مسئلہ یہی ہے۔

اگر کسی نے روزہ توڑ دیا تو وہاں چونکہ صراحت ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا دینا ہے وہاں بیک وقت ایک ہی دن اگر ساٹھ مسکینوں کا ایک ہی مسکین کو دے دیا جائے تو کفارہ ادا نہیں ہوگا یا تو ساٹھ دن تک ایک مسکین کو کھانا کھلاؤ صبح شام یا ساٹھ مسکین لے کر ان کے درمیان اس مقدار کو تقسیم کردو فدیہ میں البتہ ایسا ہوتا ہے کہ اگر روزوں کا فدیہ دینا ہے وہاں چونکہ صراحت نہیں ہے کتنے مسکینوں کو دو اس لیے وہاں چند روزوں کا فدیہ ایک مسکین کو بیک وقت دیا جاسکتا ہے فقہ کے اندر یہ احکام مذکور ہیں ’’ ذٰلك كفارة ایمانکم اذا حلفتم واحفظوا ایمانکم ‘‘ اپنی قسموں کی نگرانی رکھو اپنی قسموں کی حفاظت کرو ’’ کذلك یبین الله لکم ایٰته ‘‘ اسی طرح سے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے اپنی آیات کو واضح کرتا ہے ’’ لعلکم تشکرون ‘‘ تاکہ تم شکر گزار ہو جاؤ، تاکہ تم قدر کرو، اللہ کا احسان مانو۔

خمر کا مصداق اور حرمت کی تاریخ:

اے ایمان والو! اس کے سوا کچھ نہیں کہ "خمر، میسر، ازلام، انصاب" یہ سب گندی چیزیں ہیں اور شیطان کی کاروائیاں ہیں خمر جس کو ہم اپنی اصطلاح میں شراب کہتے ہیں عربی میں تو شراب ہر مشروب کو کہا جاتا ہے چاہے وہ حلال ہو چاہے وہ حرام ہو ہماری اصطلاح میں شراب یہی نشے والی چیز کو کہتے ہیں۔

فقہ حنفی کے اندر یہ لکھا ہے کہ خمر خاص ہے انگوری شراب کے ساتھ اور باقی فقہاء کے نزدیک اور احناف میں سے بھی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خمر کا اطلاق عام ہے ہر اس مسکر کے لیے جو بھی نشہ دینے والا مشروب ہے اس کو خمر کہہ دیں گے اور یہاں عام ہی معلوم ہوتا ہے جیسے کہ روایات کی طرف دیکھ کر یہی چیز سمجھ میں آتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے خمر کو حرام کیا تھا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ اس وقت ہمارے ہاں انگور سے بنی ہوئی شراب بہت کم تھی زیادہ تر شراب وہی تھی جو کہ کھجوروں وغیرہ سے ہم تیار کرتے تھے اور وہ شراب جو تھی اسی کو بہایا گیا، اسی کے مٹکے توڑے گئے اس کو ضائع کیا گیا جس سے معلوم ہو گیا کہ خمر کا لفظ ان کو بھی شامل ہے جس کے اندر سکر والی کیفیت ہو راجح قول یہی معلوم ہوتا ہے اس لیے فقہ حنفی میں بھی فتویٰ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر ہے کہ ہر مسکر کے متعلق یہی حکم ہے اس لیے قلیل وکثیر ہر مسکر حرام ہے اگرچہ حد اس وقت تک نہیں لگے گی مسکرات میں جس وقت تک کہ نشے کی کیفیت نہ پیدا ہو جائے۔

اور انگوری شراب اگر تھوڑی سی بھی پی لی جائے چاہے نشہ نہ بھی آئے تو بھی اس کے اوپر حد لگ جائے گی اور یہ انگوری شراب ہوتی ہے کہ انگوروں کا نچوڑ لے کر اس کو آگ پر پکایا نہ جائے ویسے ہی اس کو رکھ کر کسی طرح سے گرمی سے جوش دلایا جائے یہ آیت آخری آیت ہے خمر کے بارے میں جیسا کہ سورۃ البقرہ میں آپ کے سامنے تفصیل آئی تھی کہ پہلے لوگ شراب پیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جوئے اور شراب کے بارے میں یہ کہا گیا کہ اس میں نفع کم ہے اور نقصان زیادہ ہے جس سے ہوا کا رخ بعض لوگوں نے پہچان لیا کہ عنقریب اس کی ممانعت آئے گی اور بہت سارے لوگوں نے اس آیت کو سن کر ہی شراب کا استعمال چھوڑ دیا اور جوئے کی عادت چھوڑ دی اور بعضے اس خیال سے کہ جب حرام نہیں ٹھہرایا گیا تو اس میں کچھ نفع کے پہلو بھی ہیں تو اس نفع کو مدنظر رکھتے ہوئے استعمال کرتے رہے اور نقصان سے بچنے کے لیے کوئی تدبیر کر لی جیسے بھی تھا۔

بہرحال اس میں حرام نہیں ٹھہرایا گیا اگرچہ اس کے ترک کے اولیٰ ہونے کی طرف اشارہ نکلتا ہے پھر دوسرے وقت میں پابندی لگا دی کہ ایسے وقت میں اس کو استعمال نہ کرو کہ جس کا نشہ نماز کے وقت تک باقی رہ

جائے اس میں اوقات کی تحریم ہوگئی کہ ظہر کے بعد عصر کا وقت قریب آجاتا ہے تو ایسے وقت میں بھی شراب نہیں پئیں گے عصر کے بعد مغرب کا وقت قریب آجاتا ہے، مغرب کے بعد عشاء کا وقت قریب ہے تو پھر اگر اجازت ملی تو پھر دو وقتوں میں رہ گئی کہ عشاء کے بعد پی لو کیونکہ فجر کا وقت دیر سے آتا ہے یا فجر کے بعد استعمال کرلو کہ ظہر کا وقت دیر سے آتا ہے تو ایسے وقت میں شراب استعمال کرنا جس کے بعد نماز کے وقت تک نشہ باقی رہ جائے منع کر دیا گیا ''لاتقربواالصلوٰۃ وانتم سکاریٰ'' کے تحت یہ بات آپ کے سامنے ذکر کر دی گئی نماز وقت پر پڑھنی ہے اور نشے کی حالت میں پڑھنے کی اجازت نہیں۔

جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے وقت میں شراب پیؤ کہ نماز کے وقت تک نشہ باقی نہ رہ جائے تو اس میں بھی قطعاً اس کو حرام نہیں ٹھہرایا گیا بلکہ اوقات کی تحویل کر دی گئی اور یہ آیت ہے جس کے اندر اس کو پھر قطعاً حرام ٹھہرادیا گیا تو اب یہ شراب حرام قطعی ہے جو شخص اس کو حلال کہے گا وہ کافر ہے اور حرام سمجھتے ہوئے اگر اس کو استعمال کرے گا تو فاسق ہے۔

میسر کی تعریف اور اس کا حکم:

میسر جوا ہو گیا، جوئے کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ ایسا معاملہ کرنا آپس میں کہ جس میں نفع نقصان متردد ہوتا ہے پتہ نہیں نفع آپ کو حاصل ہو جائے پتہ نہیں نفع مجھے حاصل ہو جائے ایسا جو بھی معاملہ ہو جس کا نفع نقصان متردد ہو فریقین کے لیے تو اس کو جواُ کہہ دیتے ہیں اس کی مختلف صورتیں ہیں جو لوگ اختیار کرتے ہیں گھوڑ دوڑ ہوگئی یا تاش کے اوپر بازی لگانا ہو گیا شطرنج کے اوپر بازی لگانا ہو گیا اور یہ لاٹری وغیرہ ہوگئی یہ جو کچھ بھی ہے اور اسی طرح سے یہ بونڈ کا سلسلہ ہو گیا یہ سب اسی میں شامل ہے اور یہ میسر میں شامل ہے کیونکہ ایسا ہوسکتا ہے کہ آپ دس روپے خرچ کر کے دس ہزار کمالیں اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ ان دس روپے سے بھی ہاتھ دھو بیٹھیں اور جس وقت تاش پر بازی لگاتے ہیں پانچ پانچ روپے کی بازی جو لگائی ہے تو ہوسکتا ہے کہ دس آپ کو حاصل ہو جائیں ہوسکتا ہے کہ آپ کے پانچ اُدھر چلے جائیں تو جس معاملے میں نفع نقصان یوں متردد ہوتا ہے وہ سب اس میسر میں داخل ہے اور قطعاً حرام ہے اس لیے گھوڑ دوڑ پر بازی لگانا، تاش پر بازی لگانا، لاٹری اور یہ بونڈ وغیرہ سب جوئے کی قسمیں ہیں اور یہ جائز نہیں ہیں۔

بت پرستی اور قرعہ اندازی کے تیر:

''انصاب'' بت پرستی، بتوں کو بھی نجس اور ناپاک قرار دیا گیا'' ازلام '' یہ بھی تیر ہوتے تھے ان کے ہاں جن کے ذریعے سے وہ حصے طلب کیا کرتے تھے جس کا ذکر پہلے آپ کے سامنے آچکا اور یہ بھی ایک جوئے کی صورت تھی اونٹ خریدتے مشترکہ برابر پیسے دے کر اور جب اس کو ذبح کر لیتے تھے تو پھر اس کو تقسیم کرتے قرعہ اندازی کے ساتھ اور وہ تیر جو دس ہوتے تھے ان میں کسی کے اوپر تھوڑا سا گوشت لکھا ہوا ہوتا تھا تھوڑی مقدار جیسے بیسواں حصہ مثال کے طور پر کسی کے اوپر زیادہ مقدار لکھی ہوئی ہوتی اور کوئی خالی ہوتے تھے اور جس کے نام پر تیر آتا ویسے معاملہ کیا جاتا تھا اگر خالی تیر آ گیا اس کو کچھ نہیں ملے گا حالانکہ اس نے پیسے دیے ہیں اور ایک حصے میں تیر نکل آیا کہ جس میں حصہ مقدار سے زیادہ ہے وہ نفع میں رہ گیا کسی کو تھوڑا ملا وہ نقصان میں رہ گیا کوئی بالکل خالی رہ گیا یہ بھی میسر کی قسم ہے، جوئے کی قسم ہے۔

تو استقسام بالازلام کو بھی حرام ٹھہرایا یہ رجس ہے، ناپاک ہے، گندی چیز ہے، سلیم الفطرت انسان کو نفرت ہونی چاہیئے جس طرح سے کہ پیشاب پاخانے سے ہوتی ہے ناپاک چیز ہے گندی چیز ہے'' من عمل الشیطان'' شیطان کا کردار ہے اس سے مؤمنوں کو دور ہونا چاہیئے۔

مذکورہ اشیاء کی حرمت کی حکمت:

''فاجتنبوہ'' اس سے بچ کر رہو یعنی اس میں سے ہر کام سے بچ کر رہو تاکہ تم فلاح پا جاؤ اور اس فلاح میں دینی فلاح بھی ہے اور دنیوی فلاح بھی، کیونکہ یہ چیزیں ایسی ہیں جو دین کو بھی برباد کرتی ہیں دنیا کو بھی برباد کرتی ہیں، اور آپ کی آنکھوں کے سامنے کہ جو لوگ شراب نوشی میں لگ جاتے ہیں، جوئے بازی میں لگ جاتے ہیں اکثر و بیشتر ان کو برباد ہی دیکھو گے، خوشحال بہت کم دیکھو گے جس کو دیکھو کہتے ہیں کہ جوئے میں ہار گیا جیتا ہوا آدمی شاید ہی آپ کو نظر آیا ہوگا۔

بہر حال اس قسم کے آپ کے سامنے آئیں گے جس کے متعلق لوگ کہیں گے کہ یہ ہارا ہوا ہے دنیا بھی برباد ہوتی ہے اور خمر یہ بھی برباد کرنے والی چیز ہے کہ عقل اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے کہ جس کے ساتھ انسان اپنا نفع نقصان سوچتا ہے ہے اور خمر عقل کی دشمن ہے کہ اس کو پی لینے کے بعد انسان کی عقل ٹھکانے نہیں رہتی۔

باقی شرک بت پرستی وہ تو ہے ہی'' فاجتنبوہ'' ان میں سے ہر کام سے بچ کر رہو'' لعلکم تفلحون'' تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔

مذکورہ اشیاء کے نقصانات:

''انما یرید الشیطان ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء'' شیطان نے تم کو جوان کاموں میں لگا رکھا ہے تو اس کا تو مقصد یہی ہے کہ تمہارے اندر بغض اور عداوت قائم کر دے، خمر اور میسر کے سبب سے بغض اور عداوت آپس میں قائم کس طرح سے ہوتی ہے، یہ بہت واضح بات ہے کہ خمر جس وقت استعمال ہوگی تو عقل ٹھکانے نہ رہنے کی وجہ سے گالی گلوچ بکواس ایک دوسرے کی عزت پر ہاتھ ڈالنا یہ عام ہوتا ہے۔

اب اس کے دو اثر ہیں یا تو معاشرہ اتنا بے حس ہو جائے، بے غیرت ہو جائے، دیوث ہو جائے کہ کوئی کسی کی بہن کو بیٹی کو بیوی کو ہاتھ ڈالتا رہے اور پرواہ ہی نہ کی جائے یہ روحانی موت ہے جو طاری ہو جاتی ہے جس طرح سے کہ یورپین سوسائٹی میں یہ بات پائی جاتی ہے جو لوگ ان کی تہذیب سے متاثر ہیں کلب گھروں میں جاتے ہیں اور جا کر شراب نوشی کرتے ہیں اور پھر وہ شراب نوشی کے نتیجے میں کسی کی بیوی کسی کے ہاتھ میں آ گئی، کسی کی بیوی کسی کے ہاتھ میں آ گئی ان کو کوئی پرواہ نہیں ہوتی اس بات کی اور ان کی بہو بیٹیاں جو ہیں وہ لوگوں کے ساتھ اپنی محبت کی پینگیں چڑھاتی رہیں ان کو کوئی پرواہ نہیں ہے۔

تو اس کا مطلب ہے کہ روحانی موت طاری ہوگئی معاشرے پر، ان کے اندر غیرت رہی نہیں جس سے انسانیت جو تھی وہ ختم ہوگئی حیوانی زندگی اختیار کر لی کہ جس طرح سے حیوان میں حرام اور حلال کا کوئی امتیاز نہیں، نر مادہ جو آپس میں خلط ملط ہوتے رہیں چاہے کوئی ایک ہی ماں کی اولاد ہوں چاہے کیسے بھی ہوں تو یہ کیفیت اگر پیدا ہو جائے یہ تو روحانی موت ہے یہ تو انسانیت کے درجے سے گری ہوئی بات ہے جس کا کہنا ہی کیا۔

لیکن اگر انسانیت باقی ہے تو یقیناً عزت کا احساس ہے، کوئی گالی دے گا تو دوسرا آدمی مشتعل ہو جائے گا، کسی کی عزت کو کوئی آدمی ہاتھ ڈالے گا تو مشتعل ہوگا پھر اس کے نتیجے میں قتل و قتال بھی ہوگا، لڑائی بھی ہوگی تو جس معاشرے کے اندر یہ ایمانی حس موجود ہو کہ وہ عزت اور ناموس کی کوئی قیمت سمجھتے ہیں تو وہاں شراب کے نتیجے میں فساد ہونا لڑائی ہونا ایک عام سی بات ہے یا وہ معاشرہ ہی اس قسم کا ہو جائے کہ روحانی طور پر مر گیا، مایوس ہو گیا، بے غیرت ہو گئے ان کے ہاں عزت و ناموس کوئی چیز ہے ہی نہیں تو پھر بظاہر آپ کو معلوم ہوگا کہ دیکھو یہ لوگ شراب نوشی بھی کرتے ہیں۔

ان میں لڑائی بھی نہیں ہوتی، ان میں لڑائی ہو کیسے؟ کوئی انسانیت ان میں باقی ہو کوئی ایمانی غیرت ان میں باقی ہو تو انسان دفاع کی کوشش کرتا ہے اور جب ان میں ایمانی غیرت ہے ہی نہیں کہ کوئی ان کے

سامنے ان کی بیٹی کو لیے پھرے، کوئی بیوی کو لیے پھرے تو یہ محسوس ہی نہیں کرتے تو پھر انہوں نے لڑنا کیا ہے تو نہ لڑنا خوبی نہیں بلکہ یہ تو انسانیت کے دائرے سے باہر نکل جانے کی نشانی ہے یہ تو بربادی کی آخری حد ہے کہ غیرت کا نام ونشان مٹ گیا۔

اور اگر یہ غیرت ہو اور عزت کا احساس باقی ہو تو لازماً اس گالی گلوچ کے نتیجے میں دوسرے پر ہاتھ ڈالنے کے نتیجے میں لڑائیاں ہوں گی اور ایسے ہی جواء ہارنے والا جیتنے والے کے متعلق اپنے دل میں کبھی بھی محبت کے جذبات نہیں رکھ سکتا ان کے درمیان میں اس قسم کا بغض پیدا ہوگا تو اس طرح سے معاشرہ جس کی بنیاد محبت پر ہونی چاہیئے آپس میں خیر خواہی اور ہمدردی پر ہونی چاہیئے خمر اور میسر اس بنیاد کو ڈھا دیتے ہیں اور معاشرے کی خوبی جو ہے وہ ختم ہو جاتی ہے کہ آپس میں محبت اور ہمدردی کی بجائے خود غرضی اور لڑائی وغیرہ عام ہو جاتی ہے یہ شیطان تمہارے درمیان خمر اور میسر کی وجہ سے بغض اور عداوت پیدا کرنا چاہتا ہے اور تمہیں اللہ کے ذکر سے روکنا چاہتا ہے اس کا ارادہ یہی ہے کہ تم اللہ کے ذکر سے دور ہو جاؤ اور اللہ کا ذکر یہ روحانی صحت ہے، روحانی حیات ہے، اور اللہ کے ذکر سے رکنا روحانی موت ہے۔

آپ مشاہدہ کرلیں یعنی اگر آپ کے سامنے کوئی شرابی نہیں ہے جوا باز نہیں ہے تو تاش کھیلنے والوں کو دیکھ لیا کرو کہ جس وقت یہ اس قسم کے کھیلوں میں لگے ہوئے ہوتے ہیں ان کو کوئی دھیان ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی نماز کے وقت کا ان کو خیال ہوتا ہے یا کسی دوسری نیکی کی طرف ان کی توجہ رہتی ہے اس طرح سے مست ہو کر اس میں لگے ہوئے ہیں کہ وقت یہ وقت گزرتا جا رہا ہے ان کو ذرہ برابر بھی احساس نہیں اور شراب میں تو جب عقل ہی ٹھکانے نہیں تو کیا اللہ یاد رہے گا اور کیا نماز یاد رہے گی اور اس طرح دوسرے یہ عبث کام یہ بھی اللہ کے ذکر سے غفلت اور نماز سے غفلت کا باعث بنتے ہیں، نماز کو خصوصیت سے ذکر کر دیا کیونکہ اللہ کے ذکر کی بہترین اور سب سے زیادہ پاکیزہ صورت جو ہے وہ نماز ہے تو جو چیز اللہ کے ذکر سے غافل کر دے اللہ کو بھلا دے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں بھی اپنے آپ کو بھلا دے گی۔

''لا تکونوا کالذین نسوا اللہ فانسھم انفسھم ''ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا اور اللہ نے ان کو اپنا آپ ہی بھلا دیا اللہ کو بھول جانے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کو اپنا بھی یاد نہیں رہا اپنے نفع ونقصان کی بھی فکر نہیں رہی۔

چنانچہ ایسے ہوتا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل لوگ ہیں حقیقت ہے ہر وقت وہ پریشان رہتے ہیں اوران کو اپنا نفع نقصان کی قطعاً خبر نہیں ہوتی کہ ہم اپنی آخرت برباد کر رہے ہیں کیا کر رہے ہیں کیا نہیں کر رہے جس وقت آپ ان کو دیکھیں گے تو یوں معلوم ہوگا جیسے روحانی طور پر ان لوگوں کو کچھ بھی سکون نہیں اور ان کو پتہ بھی نہیں کہ ہمارا مقصد حیات کیا ہے ہم نے کدھر کو جانا ہے اور کدھر کو جا رہے ہیں اس طرح سے غفلت طاری ہو کر روحانی موت طاری ہو جاتی ہے اور یہ خمر میسر اس قسم کی چیزیں اللہ کے ذکر سے اور نماز سے روکنے کا باعث بن جاتی ہیں تو جب ان کے اندر اتنی قباحتیں ہیں کہ معاشرہ ان سے برباد ہوتا ہے کہ بغض عداوت آ گیا محبت ایثار ہمدردی کی بجائے اور عاقبت اس سے برباد ہوتی ہے اور اپنی شخصی زندگی اس سے برباد ہوتی ہے کہ اللہ کے ذکر سے غفلت ہوگی نماز سے غفلت ہوگی اتنے نقصانات سامنے آنے کے بعد پھر بھی تم باز آنے والے ہو یا نہیں؟ ان چیزوں سے رکو گے یا نہیں ''فھل انتم منتھون'' کے اندر یہی تنبیہ ہے کہ کیا تم باز آنے والے ہو یعنی ان باتوں کو سمجھ جانے کے بعد تمہیں باز آ جانا چاہیئے یہ استفہام اپنے اندر امر کا معنی لیے ہوئے ہے جب اتنے نقصانات اس میں ہیں تو تمہیں چاہیئے کہ اس سے باز آ جاؤ۔

اللہ اور رسول کی اطاعت سے اعراض میں نقصان کس کا ہے؟

''واطیعوا اللہ'' اور اللہ کا کہنا مانو ''واطیعوا الرسول'' اور رسول کی اطاعت کرو ''واحذروا'' اور ان کی مخالفت سے ہر وقت بچتے رہو ''فان تولیتم'' اگر تم نے پیٹھ پھیر لی، اللہ اور اللہ کی اطاعت سے رخ پھیر لیا پھر یقین کر لو کہ اس میں نقصان تمہارا ہے ہمارا یا ہمارے رسول کا کوئی نقصان نہیں ہے یہ جو باتیں تمہیں کہہ رہے ہیں تمہاری ہمدردی اور تمہاری خیر خواہی کے لیے کہہ رہے ہیں ان کے ذمے تو صرف یہ دین پہنچا دینا لگایا ہے اور وہ اس ذمہ داری کو ادا کر بیٹھے جب انہوں نے اس ذمہ داری کو ادا کر دیا کھول کھول کر اللہ کے احکام پہنچا دیئے۔

اب اگر عمل کرو گے تو تمہارا فائدہ ہے اور نہیں کرو گے تو تمہارا نقصان ہے ہمارے رسول کا ہمارے دین کا کوئی نقصان نہیں ہے یقین کر لو کہ ہمارے رسول کے ذمے تو کھول کھول کر پہنچا دینا ہی ہے۔

شراب کے حرام ہونے سے پہلے شراب کا استعمال:

اگلی آیت کے متعلق یہ ذکر کیا گیا ہے کہ جب اس شراب کا نجس ہونا مذکور ہوا تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم

جو شراب کے حرام ہونے سے قبل شراب استعمال کرتے رہے اور اس کے حرام ہونے سے قبل وہ وفات پا گئے گویا کہ شراب نوشی کے زمانے میں ہی ان کا انتقال ہو گیا یا جہاد میں گئے اور شراب استعمال کی اور اسی حالت میں شہادت ہوگئی تو اب حکم آ گیا کہ یہ تو بڑی گندی چیز ہے یہ تو شیطانی کاروائی ہے۔

اب بعضوں کے دل میں خیال آیا کہ ان کا کیا ہوگا؟ وہ ان کا کردار جو تھا وہ ان کے لیے نقص کا باعث ہوگا اس آیت کے اندر اس کی وضاحت کر دی گئی کہ نہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عادت یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایمان لے آئے ایمان لے آنے کے بعد جو احکام اس کو دیے جائیں اس کے مطابق چلتا ہے جو چیز حرام ٹھہرائی گئی اس کو وہ حرام سمجھتا ہے تو پھر وہ جو کچھ کھاتا پیتا رہے اس کے اوپر کوئی گناہ نہیں چاہے وہی چیزیں ہوں جو بعد کے زمانے میں جا کر حرام ہو گئیں۔

لیکن جب وہ حلال تھیں وہ اس نے اس وقت استعمال کی ہیں اور حرام ہونے کے بعد ترک کر دیں ایسی صورت میں اس کے اوپر کوئی گناہ نہیں لہٰذا جن لوگوں نے حلال ہونے کے زمانے میں شراب استعمال کی ہے چاہے وہ بعد میں حرام ہی ہوگئی لیکن وہ چونکہ زمانہ ایسا تھا کہ جس میں حرام نہیں ٹھہرائی گئی تھی جو احکام اس وقت تھے جو عمل صالح کا مصداق تھے وہ لوگ اس کے پابند تھے، اللہ سے ڈرتے تھے، ایمان لاتے تھے ان کے اوپر اس کھائے پیئے کا کوئی گناہ نہیں ہے۔

یہ بار بار تقویٰ کا ذکر کیا، مطلب یہ ہے کہ جیسے جیسے احکام آتے جائیں اللہ کے تقویٰ کے تحت ان احکام کو قبول کرتے جائیں حتیٰ کہ ان کو صفت احسان حاصل ہو جائے ہر کام میں ان کے حسن پیدا ہو گیا اور ان کی روح اس درجے پر چلی گئی کہ جس کو کہتے ہیں کہ ''ان تعبد اللہ کانک تراہ'' کہ ایسے اللہ کی عبادت کرو گویا کہ اللہ سامنے ہے یہ درجہ حاصل ہو گیا، ہر معاملہ میں انہوں نے حسن ہی حسن پیدا کر لیا احسان کی صفت پیدا کر لی تو اس کھائے پیئے کا ان کے اوپر کوئی گناہ نہیں ہے تو یہ جو بار بار تقویٰ کا اور ایمان کا اعادہ کیا گیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی طرف سے جیسے جیسے احکام آتے گئے وہ قبول کرتے چلے گئے ہیں۔

ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے یعنی جو احکام ان کو دیئے گئے وہ ان کے مطابق چلے کوئی گناہ نہیں اس چیز میں جو انہوں نے کھائی جب کہ وہ کفر و شرک سے بچے اور ایمان لائے اور نیک عمل کیے اور پھر انہوں نے تقویٰ اختیار کیا کہ اللہ کی طرف سے جو احکام آتے رہے اس کی مخالفت سے وہ

ڈرتے رہے اور جس چیز کا ان کو مکلّف کیا گیا اس پر وہ ایمان لاتے رہے اسی طرح سے تقویٰ کے درجات میں ترقی کرتے رہے اور انہوں نے نیکی کی اور صفت احسان کو حاصل کرلیا ان لوگوں پر کھائے پیئے کا کوئی گناہ نہیں جو پہلے کھا گئے تفسیر مظہری کے اندر پہلے تقویٰ کا مصداق ذکر کیا گیا ہے مشتبہات سے بچے اور اس کے نتیجے میں پھر ان کو صفت احسان حاصل ہوگئی تو ایسے لوگ جو ہیں وہ اللہ کے محبوب ہیں'' واللہ یحب المحسنین ''اس لیے اگر ایک وقت میں انہوں نے ایک چیز استعمال کی جو دوسرے وقت میں حرام ٹھہرا دی گئی وہ ان کے لیے کوئی کسی قسم کے نقص کا باعث نہیں ہے۔

جوئے کے بغیر گھوڑ دوڑ کا حکم:

گھوڑ دوڑ پر اگر بازی نہ لگائی جائے یعنی پیسے متعین نہ کیے جائیں اور اس طرح سے مقابلہ کیا جائے یہ شوق جہاد کے ساتھ ہو تو عبادت ہے حدیث شریف میں آتا ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے گھوڑوں کو مقابلے میں دوڑایا کرتے تھے حدیث شریف میں قصے آتے ہیں ''باب اعداد آلة الجهاد مشکوٰۃ شریف'' کے اندر یہ روایتیں موجود ہیں کہ گھوڑے ہوتے تھے صرف مقابلہ کرواتے تھے۔

اگر وہ جہاد کی تیاری نہ ہو ویسے دل لگی اور کھیل کود کے طور پر ہو تو جس قسم کی باقی کھیلیں ہیں اسی طرح کی یہ بھی کھیل ہے پھر وہ حرام نہیں ہے چاہے اس کی بعض صورتوں کو عبث کے اندر شامل کیا گیا ہے دنیوی فائدہ ہے ویسے دل بہلانے کے لیے جس طرح باقی کھیلیں ہیں اسی قسم کی یہ بھی ایک کھیل ہے پھر اس کو حرام نہیں ٹھہرائیں گے اور اگر بازی رکھ لی جو جیت جائے دوسرے سے اتنا لے لے یہ صورت صراحتاً حرام ہے اور اگر انعام کسی تیسرے آدمی کی طرف سے ہو تیسرا آدمی کھڑا ہوا اور زید کو کہتا ہے اپنا گھوڑا لاؤ بکر کو کہتا ہے اپنا گھوڑا لاؤ انہوں آپس میں کچھ نہیں لینا دینا اور جس کا گھوڑا آگے نکل جاتا ہے تو اس کو تیسرا آدمی انعام دیتا ہے اپنی طرف سے یہ صورت جائز ہے جیسے والی بال فٹ بال وہاں بھی یہی صورت ہے اگر کامیاب ہونے والوں کو انعام کسی تیسری طرف سے دیا جائے تو جائز اور اگر آپس میں متعین کرلیں کہ جو جیت جائے وہ دوسرے سے اتنے پیسے لے گا پھر یہ بھی وہی قمار کی صورت پیدا ہو جائے گی اور یہ بھی حرام ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللَّهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ

اے ایمان والو! البتہ ضرور آزمائش کرے گا تمہاری اللہ تعالیٰ شکار میں سے کسی شئی کے ساتھ

تَنَالُهُ أَيْدِيكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللَّهُ مَن يَخَافُهُ بِالْغَيْبِ ۚ

پہنچائے گئے اس شکار کو تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے تاکہ اللہ تعالیٰ ظاہری طور پر معلوم کرلے اس شخص کو جو اس سے بن دیکھے ڈرتے ہیں،

فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٩٤﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

پھر کوئی شخص حد سے تجاوز کرے گا اس کے بعد تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے (۹۴) اے ایمان والو!

لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنتُمْ حُرُمٌ ۚ وَمَن قَتَلَهُ مِنكُم مُّتَعَمِّدًا

شکار کو قتل نہ کیا کرو اس حال میں کہ تم محرم ہو ، اور جو شخص تم میں سے اس شکار کو قتل کرے گا جان بوجھ کر

فَجَزَاءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ

اس کے ذمے جزا ہے جو جزا مثل ہوگی اس چیز کے جس کو اس نے قتل کیا ہے فیصلہ کریں گے اس مثل کا تم میں سے دو آدمی

هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ أَوْ عَدْلُ ذَٰلِكَ صِيَامًا

اس حال میں کہ وہ ہدی پہنچنے والی ہو کعبہ کو یا وہ مثل کفارہ ہو طعام مسکین یا وہ اس کے برابر از روئے روزے کے

لِّيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهِ ۗ عَفَا اللَّهُ عَمَّا سَلَفَ ۚ وَمَنْ عَادَ فَيَنتَقِمُ

تاکہ چکھ لے وہ شخص اپنے امر کی سزا ، اللہ تعالیٰ نے درگزر کیا اس چیز سے جو گزر گئی ، اور جو کوئی عود کرے گا انتقام لے گا

اللَّهُ مِنْهُ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انتِقَامٍ ﴿٩٥﴾ أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ

اللہ اس سے ، اور اللہ تعالیٰ زبردست ہے انتقام لینے والا ہے (۹۵) حلال کردیا گیا تمہارے لیے سمندر کا شکار اور اس کا کھانا

مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۖ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ

تمہارے نفع کے لیے اور قافلہ کے نفع کے لیے ، اور حرام کردیا گیا تم پر خشکی کا شکار جس وقت تک کہ تم

حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٩٦﴾ جَعَلَ اللَّهُ الْكَعْبَةَ

محرم ہو ، ڈرو اس اللہ سے جس کے سامنے تم جمع کیے جاؤ گے (۹۶) بنایا اللہ نے کعبہ کو

الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ؕ

جو بیت حرام ہے لوگوں کے لیے قائم ہونے کا ذریعہ اور شہر حرام کو اور ہدی کو اور قلادہ ڈالے ہوئے جانور ،

ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ

یہ اس لیے تاکہ تم معلوم کرلو کہ بے شک اللہ جانتا ہے ان سب چیزوں کو جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں اور بے شک

اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۹۷﴾ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ

اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے ﴿۹۷﴾ یقین کرلو کہ بے شک اللہ تعالیٰ سخت سزا والا ہے اور بے شک

اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۸﴾ ؕ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ

اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا ہے رحم کرنے والا ہے ﴿۹۸﴾ نہیں ہے رسول کے ذمے مگر پہنچا دینا ، اللہ جانتا ہے اس چیز کو جس کو تم ظاہر کرتے ہو

وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۹۹﴾ قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ

اور جس کو تم چھپاتے ہو ﴿۹۹﴾ آپ کہہ دیجیے کہ ردی چیز اور اچھی چیز برابر نہیں اگرچہ تجھے تعجب میں ڈال دے کثرت

الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ ع

خبیث کی ، پھر اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اے عقل والو! تاکہ تم فلاح پا جاؤ ﴿۱۰۰﴾

تفسیر:

ماقبل سے ربط:

شروع سورۃ میں ''غیر محل الصید وانتم حرم'' کا لفظ آیا تھا کہ شکار کو حلال نہ قرار دیا کرو احرام کی حالت میں، اب اسی حکم کی کچھ ان آیات میں وضاحت ہو رہی ہے۔

شکار کے متعلق اہل حرم کی آزمائش:

اللہ تعالیٰ نے احرام کی حالت میں شکار کرنے کی ممانعت کردی اور اسی طرح سے حرم کے اندر بھی شکار کرنے کی ممانعت ہے چاہے انسان محرم نہ بھی ہو۔

یہ ممانعت خصوصیت کے ساتھ اہل عرب کے لیے ایک بہت بڑی امتحان کی چیز ہے اس وجہ سے کہ

اس معاشرے میں شکار کرنا ایک معاشی ضرورت بھی تھی اور ان لوگوں کا ایک دل لگی کا مشغلہ بھی تھا اپنا وقت گزارنے کے لیے وہ جنگل میں جاتے شکار کرتے اور گھوڑے پر سوار ہو کر تیر کے ذریعے سے بھی نیزوں کے ذریعے سے بھی یہ ان کا ایک مشغلہ تھا اور اس طرح سے ان لوگوں کا ایک معاشی ذریعہ بھی تھا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے اوپر پابندی لگ گئی پابندی بھی مدت احرام میں آپ جانتے ہیں کہ مدت احرام یہ مہینوں پر مشتمل ہے کہ اگر کوئی شخص شوال کے بعد احرام باندھ لے حج کا بلا کراہت درست ہے تو دس ذی الحج تک دو مہینے دس دن بنتے ہیں، اور اگر یہ پوری مدت نہ ہو تو جتنی بھی ہو۔

بہر حال یہ مسلسل کئی ہفتوں پر کئی مہینوں پر مشتمل ہو سکتی ہے کئی دنوں پر مشتمل ہو سکتی ہے یہ پابندی اور حرم کے اندر رہتے ہوئے ہمیشہ کے لیے اور یہ پابندی اس قسم کی پابندی ہے جیسا کہ بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے دن مچھلیوں کے شکار پر پابندی لگادی جس کا ذکر تفصیل کے ساتھ آپ کے سامنے سورۃ اعراف میں آئے گا اور اشارۃً اس کا ذکر سورۃ البقرہ میں آچکا ہے۔

"ولقد علمتم الذین الخ" تم نے ان لوگوں کا حال معلوم کر لیا جنہوں نے تم میں سے ہفتہ کے دن کے بارے میں تجاوز کیا تھا تو یہ اعتدوا فی السبت کی طرف اشارہ سورۃ البقرۃ میں گزرا ہے اور واقعہ کی تفصیل آپ کے سامنے سورۃ اعراف میں آئے گی کہ صرف سات روز میں سے ایک دن کے لیے پابندی اللہ تعالیٰ نے ان اسرائیلیوں پر لگائی تھی کہ شکار نہ کیا کریں اور خصوصیت کے ساتھ مچھلی کا۔

اور وہ لوگ چونکہ سمندر کے کنارے پر رہنے والے تھے یا کسی دریا کے کنارے پر رہنے والے تھے ان کا بھی یہ معاشی مسئلہ تھا تو مچھلی کا شکار کر کے اپنا وقت گزارتے تھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش کے طور پر یہ پابندی لگ گئی اور پھر ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے آزمایا کہ جب ہفتہ کا دن ہوتا تھا تو مچھلیاں کثرت کے ساتھ آتیں اور منہ پانی سے اوپر اٹھا اٹھا کر تیرتیں تو سب کو نظر آتیں اور ہفتہ کے علاوہ دوسرے دنوں کے اندر اتنی کثرت سے نہیں آتی تھیں اور وہ لوگ جو تھے ویسے ہی حیلہ جو تھے اور وہ اس کیفیت کو برداشت نہ کر سکے کہ باقی ایام میں تو مچھلی نہ ملے یا کم ملے اور ہفتے کے دن یہ اس طرح سے اچھل اچھل کر سامنے آتی ہوں اور پھر یہ بچ کر چلی جائیں یہ انہوں نے گوارہ نہ کیا حیلہ تلاش کیا کوئی صورت پیدا کر لی کہ دین بھی ہاتھ سے نہ جائے اور مچھلیاں بھی بچنے نہ پائیں۔

تو جیسے مفسرین نے لکھا ہے کہ انہوں نے صورت یوں کر لی کہ دریا کے کنارے پر تالاب بنا لیئے

گڑھے کھود لیے اور ہفتہ کے روز اس میں پانی چھوڑ دیتے تو جب مچھلیاں اس پانی کے ساتھ ان گڑھوں میں آجاتیں تو ان کے دروازے بند کر لیتے جب ان کے نکے بند کر دیتے تو جو مچھلیاں ادھر آجاتیں وہ مقید ہو جاتیں ہفتہ کا دن گزرنے کے بعد ان کو پکڑ لیتے۔

اب اس طرح سے وہ مچھلیوں کو قابو میں بھی لے آتے اور بظاہر یہ بھی سمجھتے کہ ہماری دین داری میں فرق نہیں آیا اور ہم اس قانون کو بھی پورا کر رہے ہیں کہ ہفتے کے دن شکار نہیں کرنا تو اس پر تنبیہ کی گئی کہ نہیں مچھلی کو اس طرح پانی کے اندر روک لینا کہ جس کے بعد پکڑنے پر انسان قادر ہو جائے یہ بھی شکار ہے اور اس سے باز آجانا چاہیئے لیکن وہ باز نہ آئے ''قلنالھم کونوا قردۃً خاسئین'' تو پھر ہم نے ان کو کہہ دیا کہ تم ذلیل بندر ہو جاؤ یہ کہنا چونکہ تکوینی تھا تو حکم تکوینی کے ساتھ وہ قوم جو تھی وہ بندر کی شکلوں میں مسخ ہو گئی اور پھر تین دن کے بعد وہ سارے کے سارے ہلاک ہو گئے۔

یہ آزمائش پہلے اسرائیلیوں پر آچکی ہے اس کے مقابلے میں پھر یہ آزمائش جو اہل اسلام کے لیے آنے والی تھی یہ زیادہ سخت تھی یہ ایک دن کی بات نہیں یہ پابندی مہینوں پر مشتمل ہے اور جن پر یہ پابندی لگائی ہے ان کا بھی یہ معاشی مسئلہ ہے اور دل لگی بھی ہے تو اللہ تعالیٰ نے پہلے متنبہ کر دیا کہ ہم تمہاری آزمائش کریں گے شکار کے ذریعے سے اور آزمائش کی صورت وہی ہوگی کہ جس وقت تم پر پابندی لگی ہوئی ہوگی اور تم احرام کی حالت میں ہو گے تو کثرت کے ساتھ شکار تمہارے سامنے آئیں گے ڈاروں کی ڈاریں پھریں گی ہرنوں کی نیل گاؤں کی ایسے طور پر کہ اگر تم چاہو تو ان کو ہاتھ کے ساتھ آرام کے ساتھ پکڑ لو اور اگر چاہو تو تم ان کو نیزوں سے مار لو اس طرح سے تمہارے آس پاس اردگرد کثرت کے ساتھ شکار آئے گا۔

لیکن یاد رکھنا! اگر کسی نے کوتاہی کی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پھر اس پر گرفت ہوگی یہ پابندی لگا دی گئی اور تاریخ شاہد ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے رفقاء اس امتحان کے اندر پوری طرح سے کامیاب ہوئے تو ایسے ہی واقعہ ہوا کہ جب وہ احرام کی حالت میں جاتے تو شکار ان کے سامنے پھرتا اگر ان کے پیچھے آتے تو ہاتھ کے ساتھ پکڑ لیتے مارنا چاہتے تو نیزے کے ساتھ مار لیتے۔

لیکن انہوں نے اللہ سے ڈرتے ہوئے اس کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کی تو یہ آیات اس آئین کی دفع پر مشتمل ہیں کہ شروع کے اندر جو کہا گیا تھا کہ شکار کو حلال نہیں سمجھنا احرام کی حالت میں اس کی وضاحت کی جارہی ہے کہ اگر کسی سے یہ غلطی ہو جائے تو پھر اس کا تدارک کیسے کیا جائے گا جماعتی طور پر تو غلطی نہیں ہوئی کہ جماعت کی جماعت ہی اس آئین کو مسخ کر کے رکھ دے جس طرح سے اسرائیلیوں نے کیا تھا۔

لیکن ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی فرد لغزش کھا جائے عمداً بھی ہو سکتا ہے اور خطاءً بھی ہو سکتا ہے تو پھر آگے اس کی تلافی کی تدبیر بتا دی گئی جو ایک سزا کی صورت میں ہے تاکہ اس کے ذریعے سے اپنی اس غلطی کو معاف کروالیا جائے اور اس کی تلافی ہوائے ایمان والو! البتہ ضرور آزمائے گا اللہ تعالیٰ کچھ شکار کے ذریعے سے ''تنالہ ایدیکم ورماحکم'' نال ینال پہنچنا حاصل کرنا، پہنچائے گئے اس شکار کو تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے یعنی اتنا کثرت کے ساتھ آجائے گا اتنا قریب آئے گا کہ تم ہاتھوں سے بھی پکڑ سکو گے اور نیزوں سے بھی مار سکو گے اور یہ آزمائش اللہ کیوں بھیجے گا۔

''لیعلم اللہ من یخافہٗ بالغیب'' جہاں اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسے موقع پر علم کی نسبت آتی ہے کہ تاکہ اللہ جان لے اس کی توجیہ آپ کے سامنے کئی دفعہ کی جاچکی کہ یا تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ معلوم کرلے جس کو آپ ان الفاظ میں ادا کر سکتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ کا علم ظاہر ہو جائے ویسے تو اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ کس کے دل میں فرمانبرداری کا جذبہ ہے کس کے دل میں فرمانبرداری کا جذبہ نہیں ہے۔

لیکن اس کا یہ علم ظاہر نہیں تو جب یہ واقعہ پیش آجائے گا تو اللہ کا علم ظاہر ہو جائے گا ہمیں بھی پتہ چل جائے گا کہ اللہ کے علم میں تھا کہ اس نے یہ غلطی کرنی ہے اور اس نے نہیں کرنی اللہ تعالیٰ کا علم اس طرح سے ظاہر ہو جاتا ہے یا اس میں امتیاز والا معنی ہوتا ہے'' من'' اس کا صلہ بنایا جائے تو اس کا امتیاز والا معنی ہو جاتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ ممتاز کرلے اپنے سے ڈرنے والوں کو ان لوگوں سے جو کہ ڈرتے نہیں ہیں تو جب علم کا صلہ ''من'' آجائے تو اس میں امتیاز اور غیر امتیاز والا معنی پیدا ہو جائے گا۔

پھر اس کے اندر کوئی کسی قسم کا ظاہری طور پر بھی اشکال نہیں رہتا یعنی یہ واقعات اللہ تعالیٰ بھی بھیجیں گے اور یہ صورت حال پیش آئے گی تاکہ دونوں فریق ممتاز ہو جائیں کہ کون بن دیکھے ڈرتا ہے اور کون بن دیکھے نہیں ڈرتا ڈرنے والوں سے اللہ تعالیٰ نہ ڈرنے والوں کو ممتاز کرلے ظاہری طور پر ان کے اندر امتیاز ہو جائے یہ صورت ہے یہاں اللہ تعالیٰ کے جاننے کی تو علم کا معنی ممتاز کرنا ہو جائے گا جب اس کا صلہ'' من'' آئے یہاں ایک فریق کا ذکر ہے دوسرا فریق ''من'' کے بعد ہو جائے گا تاکہ اللہ تعالیٰ ممتاز کرلے ان لوگوں کو جو اس سے ڈرتے ہیں بن دیکھے ان لوگوں سے جو نہیں ڈرتے اور نہ ڈرنے کی بناء پر وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔

تاکہ اللہ تعالیٰ ان دونوں فریقوں کو ظاہری طور پر ممتاز کردے یہ مقصد ہے اللہ تعالیٰ کے امتحان کا'' فمن اعتدیٰ بعد ذٰلک'' اس حکم کی وضاحت کے بعد جو کوئی شخص حد سے تجاوز کرے گا یعنی شکار پر ہاتھ اٹھائے گا اس کو کوئی نقصان پہنچائے گا'' فلہ عذاب الیم'' اس کے لیے دردناک عذاب ہے دردناک عذاب ہے، اگر اس نے

دنیا کے اندر توبہ نہ کی اس کی تلافی نہ کی تو آخرت میں اسے سزا ہوگی اور اگر دنیا کے اندر توبہ کر لیتا ہے اس کی تلافی کر لیتا ہے جس طرح سے باقی گناہ جو اپنے اصل کے اعتبار سے عذاب کا باعث ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے وہ معاف ہو جاتے ہیں اسی طرح سے یہاں بھی۔

احرام کی حالت میں شکار کی سزا:

اے ایمان والو! ''لا تقتلوا الصید'' شکار کو قتل نہ کیا کرو اس حال میں کہ تم محرم ہو، محرم ہونے کی حالت میں شکار کو قتل نہ کیا کرو مسئلہ فقہ کے اندر آپ نے پڑھا ہے کہ محرم کے لیے شکار کرنا اور اسی طرح سے جو شکاری جانور ہے جس کو ہم وحشی جانور کہتے ہیں اگر وہ زندہ محرم کے ہاتھ میں آجائے تو محرم کے لیے اس کا ذبح کرنا حرام ہے۔

کیونکہ اس کو ذبح کرنا یہ بھی قتل کی صورت ہے اس لیے ہماری فقہ کے اندر یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے کہ محرم کا ذبیحہ میتہ ہے اگر محرم کسی شکاری جانور کو ذبح کرے تو وہ میتہ کے حکم میں ہے اور مردار ہے نہ محرم کے لیے کھانا جائز نہ غیر محرم کے لیے کھانا جائز لیکن یہ مسئلہ صید سے تعلق رکھتا ہے اور جو جانور صید نہیں ہیں بلکہ وہ ایسے ہیں جو گھروں کے اندر پالے جاتے ہیں مانوس جانور ہیں ان کو محرم ذبح بھی کر سکتا ہے اور کھا بھی سکتا ہے یہ ممانعت وحشی جانوروں کے متعلق ہے یہ گھریلو جانوروں کے متعلق نہیں ہے مرغی کو ذبح کر سکتا ہے، بکری بھیڑ کو ذبح کر سکتا ہے پھر اس کا ذبیحہ حلال ہے خود بھی کھا سکتا ہے اور دوسرے لوگ بھی کھا سکتے ہیں ''ومن قتله منکم متعمداً'' اور جو کوئی قتل کرے اس شکار کو جان بوجھ کر، جان بوجھ کر کی قید لگا دی اس میں شناعت پیدا کرنے کے لیے ورنہ اگر کوئی نسیاناً قتل کر دے بھول چوک ہو جائے بدلہ تو بھی دینا پڑے گا۔

لیکن آخرت کا گناہ نہیں ہوگا اور جان بوجھ کر کرنے کی صورت میں آخرت کا گناہ ہے ورنہ بدلہ دیا جائے گا نسیاناً اگر قتل کر دے تو جزا جو ہے وہ ساقط نہیں ہے جزا پھر بھی دی جائے گی لیکن شناعت زیادہ جو ہے گرفت زیادہ اس بات پر ہے کہ جان بوجھ کر تم ایسا کرو یعنی تمہیں یاد ہے کہ تم محرم ہو اور تمہیں معلوم ہے کہ محرم کے لیے شکار کرنا ٹھیک نہیں پھر بھی تم نے یہ اقدام کر لیا'' فعلیه جزاء'' اس قتل کرنے والے کے ذمے بدلہ ہے کتنا بدلہ'' مثل ماقتل'' جو ماقتل کا مثل ہے اس آیت کا ترجمہ ترکیب اچھی طرح سے سمجھ لیجئے ماقتل کا مثل ہو مثلیت مالیت کے اعتبار سے یعنی اس کی مالیت اتنی ہونی چاہیئے کہ جو اس مقتول کے برابر ہو اور یہ صفت لازمہ ہے جزا کی اس صورت میں اس کا لحاظ رکھا جائے گا کہ قتل کیے ہوئے جانور کی مالیت کے برابر جزا دی جائے گی یہ صفت لازمہ ہے جزا کے لیے اور دوسری صفت لازمہ ہے'' یحکم به ذوا عدل منکم'' اس مثلیت کا فیصلہ کریں گے تم میں سے دو عادل آدمی۔

عادل کا مطلب یہ ہے کہ نیک بھی ہوں پھر خاص طور پر چونکہ یہاں قیمت کا اندازہ لگانا ہے تو وہ اشیاء کی قیمت کے اندر بصیرت بھی رکھنے والے ہوں کیونکہ معاملات کے اندر جیسے آپ فقہ کے اندر پڑھا کرتے ہیں کہ کنواں پاک کرنے کی ضرورت ہو سارا پانی نکال لیں تو صاحب بصیرت لوگوں سے پوچھ لیا جائے کہ کتنے ڈول ہوں گے تو ڈول نکال دیے جائیں جو مہارت رکھتے ہیں اندازہ لگانے کی اس طرح سے جن کو اشیاء کی قیمت کا اندازہ ہے کہ یہ ہرن کتنے کا بک سکتا ہے اور یہ فلانی چیز کتنے کی بک سکتی ہے جو اس قسم کی چیزوں سے واقفیت رکھنے والے ہیں ان میں سے دو آدمی فیصلہ کریں دو کا ہونا افضل ہے ورنہ ایک آدمی کی تحقیق پر بھی مدار رکھا جا سکتا ہے کوئی قیمت کا اندازہ لگا لیں تو اس کا اعتماد کیا جا سکتا ہے تفسیروں میں یہ بات موجود ہے یہ دو آدمی فیصلہ کریں۔

''یحکم به ذوا عدل منکم'' کا مطلب یہ ہوا کہ تم میں سے دو آدمی اس مثلیت کا فیصلہ کریں گے کہ اس شکار کیے ہوئے جانور کی مثل کتنی رقم ہے، اس کی مالیت کتنی ہے یہ بھی صفت لازمہ ہے اب یہ بات ہوگی کہ دو آدمیوں کے فیصلہ کرنے پر طے پا گیا کہ یہ جانور اتنی مالیت کا ہے اور اتنی مالیت اس کی مثل ہے اس کی رعایت تو ہر حال میں رکھی جائے گی۔

اب آگے تین اختیار دے دیے گئے کہ چاہے اب اس مالیت کو آپ ایک چوپائے کی شکل میں بدل لیں اور اس کو کعبۃ اللہ میں ہدی بنا کر بھیج دیں وہاں جا کر اس کو ذبح کیا جائے ذبح کر کے اس کا گوشت فقراء میں تقسیم کر دیا جائے اور یا یہ ہے کہ اس مالیت کا غلہ خرید کر ایک مسکین کو ایک صدقۃ الفطر کی مقدار دے دیں اور یا اندازہ لگا کر کہ اس مالیت کا کتنا غلہ آئے گا۔

اور اگر ہم ان کو مساکین پر تقسیم کریں تو کتنے مسکینوں پر تقسیم ہوگا ایک مسکین کے حصہ کا ایک روزہ رکھ لیا جائے تو اس طرح سے بھی وہ کفارہ ادا کیا جا سکتا ہے اس کا بدل جو ہے وہ ادا کیا جا سکتا ہے تو طعام مسکین ہو یا روزے ہوں ان کے اندر بھی عادل کے فیصلے کا دخل بایں معنی ہوا کہ وہ مالیت کا فیصلہ کریں گے اور پھر اس مالیت کو مساکین پر تقسیم کیا جائے گا اور تقسیم کر کے اگر چاہیں تو اتنا غلہ لے کے دے دیں اور اگر چاہیں تو جتنے مسکینوں پر وہ غلہ تقسیم ہو سکتا ہے ان میں سے ہر مسکین کے حصے کا ایک روزہ رکھ لیا جائے ایک مسکین کے حصے کا ایک روزہ رکھ لیا جائے تو اس طرح سے بھی وہ کفارہ ادا کیا جا سکتا ہے۔

صرفی نحوی فوائد:

اب یہ تین صورتیں ہو گئیں ان میں سے پہلی صورت ہے ''من النعم'' یہاں مبتدأ محذوف ہے ''ھو من

النعم ''وہ مثل جو ہے وہ نعم میں سے ہو نعم کہتے ہیں ان جانوروں کو جو کہ گھر میں رکھے جاتے ہیں پہلے بھی اس کا ذکر آپ کے سامنے آچکا بھیڑ بکری اونٹ گائے یہ نعم کا مصداق ہیں تو وہ مثل اس کی نعم میں سے ہو جائے جس وقت وہ نعم میں سے ہوگی تو پھر اس کی صورت ہے'' ھدیا بالغ الکعبۃ ''ہدی اس سے حال واقع ہو رہا ہے اس حال میں کہ وہ ہدی ہو کعبہ کو پہنچنے والی'' بالغ الکعبۃ '' کے اندر کیونکہ اضافت لفظی ہے اس لیے اضافت کے باوجود یہ معرفہ نہیں ہوگا ھدیاً کی صفت بن جائے گی یہ ھدیاً موصوف اور'' بالغ الکعبۃ ''صفت، صفت موصوف مل کر یہ حال ہیں نعم سے اس حال میں کہ وہ چوپایہ ہدی ہو کعبہ کو پہنچنے والی۔

چونکہ مسئلہ یہی ہے کہ پھر اگر بکری وغیرہ آپ نے لی ہے اس مالیت کی تو پھر اس کو حرم کے اندر لے جا کر ذبح کرنا ضروری ہے ذبح کرنے کے بعد پھر اس کا گوشت وہیں فقراءً کے اندر تقسیم کیا جاتا ہے اور اس کو جو مقدم کر کے ذکر کیا ہے دونوں صفات لازمہ کے درمیان میں حالانکہ ترتیب کا تقاضہ یہ تھا کہ دونوں صفتیں جو کہ لازم ہیں جزا کے لیے ان کو اکٹھا ذکر کیا جاتا اور بعد میں'' من النعم ''اس کو ذکر کرتے۔

لیکن یہاں'' من النعم ''کو مقدم کر دیا اس کے افضل ہونے کی طرف اشارہ کرنے کے لیے کہ یہ'' نعم ''میں سے اس کا ہونا افضل ہے تو اس کا بدلہ جو دیا جائے تو اس کو چوپائے کی شکل میں تبدیل کر کے کعبۃ اللہ میں بھیج دیا جائے وہاں جا کر یہ وہاں کے فقراء پر تقسیم ہو جائے تو اس لحاظ سے یہ افضل ہے افضل ہونے کی وجہ سے اس کو مقدم کر کے ذکر کر دیا تو اگر جانور لیں گے تو اس کو ہدی بنا کر کعبۃ اللہ میں بھیجنا ضروری ہے۔

تو وہاں جا کر اسکو ذبح کیا جائے ذبح کرنے کے بعد پھر فقراء میں اس کا گوشت تقسیم کر دیا جائے اور دسری صورت یہ ہے کہ'' کفارۃ طعام مسکین '' وہ مثلیت جو ہے اس کو طعام مسکین کے طور پر کفارہ ادا کر دیا جائے، طعام مسکین یہ کفارہ کا بیان ہے اب یہ مسکین کو کتنا کھانا دینا ہے،''کفارۃ طعام مساکین'' طعام مساکین کتنا ہونا چاہیے اس کا اندازہ بھی وہی عادلوں کے فیصلوں کے تحت ہوگا کہ وہ کتنی مالیت تجویز کرتے ہیں اور اس مالیت کو پھر ایک فقیر پر بقدر صدقۃ الفطر تقسیم کریں تو کتنے مسکینوں کو آ سکتا ہے اتنے مسکینوں کو دے دیا جائے اور اگر آخر میں تھوڑی سی مقدار رہ جائے تو تھوری سی مقدار دے دی جائے گی مثال کے طور پر صدقۃ الفطر پونے دو سیر گندم بنتی ہے تو پونے دو سیر پونے دو سیر دیتے گئے تو آخر میں جا کر سیر بچ گئی ایک سیر ہی کسی مسکین کو دے دو پھر اس کو پونے دو سیر کرنا ضروری نہیں تو عادلوں نے فیصلہ مثلیت کا کیا مثلیت کا غلہ خرید کر پھر اس طرح سے مساکین پر تقسیم کر دو یہ بھی ہو سکتا ہے۔

اور کہہ دیں گے ھو کی ضمیر مثل کی طرف لوٹ جائے گی یا وہ مثل کفارہ ہو مساکین کا کھانا مرجع کی رعایت کرتے ہوئے مذکر کا لفظ بول سکتے ہیں اور خبر کی رعایت رکھتے ہوئے ''ھی کفارۃ'' بھی کہہ سکتے ہیں کیونکہ جو ضمیر دائر ہو جائے مرجع کے درمیان اور خبر کے درمیان اس میں دونوں کی رعایت رکھنی جائز ہے اگر چہ اولیت میں فرق ہے کہ مرجع کی رعایت رکھنا ضروری ہے یا خبر کی رعایت رکھنا ضروری ہے تو مرجع کی رعایت رکھیں گے تو ''ھو کفارۃٌ'' کہہ دیں گے اور خبر کی رعایت رکھیں گے تو ''ھی کفارۃٌ'' کہہ دیں گے مساکین کا کھانا'' او عدل ذلك'' عدل ذٰلك کا اشارہ جو ہے یہ طعام مساکین کی طرف ہے کیونکہ روزوں کا اندازہ جو کرنا ہے تو اس کا مدار ہے طعام مساکین پر کہ کتنے مساکین کو وہ کھانا دیا جا سکتا ہے اس کے برابر روزے رکھ لیے جائیں اس طعام کے برابر۔

اس اضافت کے اندر چونکہ ابہام آ گیا صیاماً بطور تمیز کے یہ منصوب ہے مطلب یہ ہو گیا کہ اس کے برابر از روئے روزہ رکھنے کے اور روزوں کے ساتھ برابری یوں ہوگی کہ ایک مسکین کے حصہ کا ایک روزہ لیا جائے تو یہ تین صورتیں ہو گئیں ان تینوں صورتوں میں سے جو صورت بھی اختیار کر لی جائے اس کی جزا ادا ہو جاتی ہے ''لیذوق وبال امرہ'' یہ اللہ تعالیٰ نے جزا شروع کی اور یہ حکم دیا کہ بدلہ دیا جائے تا کہ قاتل آدمی جانور کو قتل کرنے والا اپنے امر کی سزا چکھ لے یہ ایک سزا ہے جو اس کو دی گئی ہے ''عفا اللہ عما سلف'' جو کچھ پہلے ہو گیا اللہ تعالیٰ اس سے درگزر کر گیا آئندہ کے لیے محتاط رہیں اس قانون کی وضاحت کے بعد آئندہ یہ غلطی نہ ہونے پائے اللہ تعالیٰ زبردست ہے انتقام والا ہے۔

یہ ہمیشہ آپ کے سامنے عرض کرتا رہتا ہوں کہ احکام کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی صفات کو جو ذکر کیا کرتے ہیں اس میں وہی ترہیب والا پہلو ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو تمہارا خالق ہے، جو تمہارا مالک ہے، جو تمہارے اوپر حاکم ہے، جو تمہیں یہ احکام دے رہا ہے اس کو سمجھ لیجئے کہ وہ عزیز بھی ہے اور انتقام والا بھی ہے تو اس سے بچ نہیں سکو گے اگر اس کے احکام کی مخالفت کرو گے۔

حالت احرام میں خشکی اور بحری شکار کا حکم:

''احل لکم صید البحر وطعامہ'' اب یہاں خشکی کے شکار کا حکم آیا تو ساتھ ہی بحری شکار کا ذکر بھی آ گیا سمندر میں شکار کرنا تمہارے لیے حلال کر دیا گیا اور اس کا کھانا بھی حلال کر دیا گیا، دو باتیں ذکر کر دیں خشکی میں تو شکار کرنا ہی جائز نہیں تھا اور اگر کوئی شخص محرم نہ ہو اور وہ محرم کے کہنے کے بغیر شکار کرے تو اس خشکی کے شکار کا کھانا جائز تھا اور اگر محرم کی طرف سے اشارہ ہے دلالت ہے حکم ہے تو ایسی صورت میں محرم کے لیے خشکی کا شکار کھانا بھی حرام ہے چاہے کسی دوسرے کا کیا ہوا ہو۔

یہ مسئلہ فقہ کے اندر آپ پڑھتے رہتے ہیں اگر محرم نے حکم نہیں دیا، نہ اس نے کوئی اشارہ کیا، نہ کوئی دلالت کی، نہ کوئی اعانت کی اپنے طور پر کسی غیر محرم نے شکار کیا اور پھر خود ذبح کیا ذبح کرنے کے بعد اگر وہ ہدیہ محرم کو دے دے تو محرم کھا سکتا ہے اور اگر اس کی طرف سے امر ہو جائے یا اشارہ دلالت ہو یا کسی قسم کی اس شکار کے اندر اعانت ہو تو پھر غیر محرم کا کیا ہوا شکار بھی محرم کے لیے حلال نہیں ہے۔

لیکن سمندری شکار خود بھی پکڑ سکتا ہے اور پکڑنے کے ساتھ ساتھ اس کو کھا بھی سکتا ہے باقی شکار کا مصداق ہمارے ہاں صرف مچھلی ہے اور یہ اجازت کیوں دے دی؟ تمہارے نفع کے لیے بھی اور مسافرین کے نفع کے لیے بھی کہ جب کوئی مسافر خشکی کے اندر سفر کرتا ہے اور اس سے زادِ راہ ختم ہو جائے اس کے پاس زادِ رہ نہ رہے تو ہزار حیلے کر سکتا ہے انسان اپنے گزران کے لیے۔

لیکن دریا میں سفر ہو رہا ہو، سمندر میں سفر ہو رہا ہو اور کسی قسم کی ایسی ضرورت پیش آ جائے تو وہاں اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ سمندر کے شکار پر ہی گزارہ کیا جائے اس لیے عام مسافرین کی سہولت کے لیے اللہ تعالیٰ نے چھٹی دے دی کہ سمندر میں شکار کر بھی لیا کرو اور اس کو کھا بھی لیا کرو تمہارے نفع کے لیے بھی ہے خصوصیت کے ساتھ جو احرام باندھ کر آئے ہوئے ہیں اور عام مسافرین کے نفع کے لیے کہ جو سمندر میں سفر کرنے والے ہیں ان کے لیے سمندر کے شکار کی اور اس کے کھانے کی اہمیت زیادہ ہے تو صید سے دریائی جانور مراد لے لیں تو پھر مضاف محذوف نکالیں گے بیان القرآن میں یہی توجیہ اختیار کی گئی کہ صید سے مصید مراد ہے شکار کیا ہوا اور پھر مضاف محذوف نکالیں گے ''احل لکم اخذ صید البحر'' کہ بحر کے صید کا پکڑنا تمہارے لیے ٹھیک اور صید کا مصداق وہ مچھلیاں وغیرہ ہیں ان کا پکڑنا ٹھیک، پکڑ سکتے ہو اور پھر ان کا کھانا بھی ٹھیک، پکڑنے کی بھی اجازت ہے اور پھر کھانے کی بھی اجازت ہے اور اگر مصدر کے معنی میں لیں تو ترجمہ اس طرح سے ہو گیا کہ سمندر میں شکار کرنا بھی حلال کر دیا گیا اور اس کا کھانا بھی حلال کر دیا گیا ''متاعاً لکم'' تمہارے نفع کے لیے۔

ہاں البتہ باقی رہ گیا خشکی کا شکار یہ خود شکار کر کے کھانا بھی حرام اور اگر کوئی دوسرا شکار کر لے بغیر آپ کی شمولیت کے کہ آپ کا امر ہے نہ اشارہ ہے نہ دلالت ہے تو ایسی صورت میں کسی دوسرے کا شکار کیا ہوا محرم کھا سکتا ہے اس لیے یہاں صرف حرمت کی نسبت صید کی طرف کی گئی ہے کہ یہاں مصدری معنی کے طور پر بات ہوگی خشکی میں شکار کرنا تم پر حرام کر دیا گیا جب تک کہ تم محرم ہو ''واتقوا اللہ الذی الیہ تحشرون'' اور ڈرتے رہو تم اس اللہ سے جس کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے۔

ماقبل سے ربط:

اب یہ احرام کی حالت میں شکار کا ذکر تھا احرام کو چونکہ بیت اللہ کے ساتھ مناسبت ہے تو یہاں بیت اللہ اور اس کے متعلقات کا ذکر کیا گیا جیسے اسی سورۃ میں ''غیر محل الصید وانتم حرم'' کے بعد بھی بیت اللہ اور اس کے متعلقات کا ذکر تھا۔

کعبۃ اللہ کی عظمت:

اللہ تعالیٰ نے کعبہ کو جو بیت حرام ہے حرمت والا گھر ہے لوگوں کے لیے قیام کا ذریعہ بنایا، لوگوں کی مصلحتوں کے قائم ہونے کا ذریعہ بنایا، لوگوں سے کیا مراد ہے؟ اگر تو ساری دنیا کے مسلمان مراد ہوں پھر تو ایک معنوی چیز کی طرف یہاں اشارہ ہے جس کو ہم حسی طور پر معلوم کرنے سے عاجز ہیں پھر یہ وہ مضمون ہے جو کہ احادیث سے ثابت ہے کہ جس وقت تک یہ قائم ہے اس وقت تک دنیا قائم ہے اور انسان باقی ہیں اور جس وقت یہ بیت اللہ ختم ہو جائے گا لوگ اسکی نسبت کے ساتھ اللہ کو یاد کرنا چھوڑ دیں گے ایسی صورت میں پھر ساری کی ساری کائنات برباد ہو جائے گی، تباہ ہو جائے گی اور قیامت آ جائے گی۔

تو گویا کہ بیت اللہ کا اس دنیا سے اٹھ جانا اس کا گر جانا یہ علامت ہے اس بات کی کہ اب جہان ختم ہونے والا ہے چنانچہ حدیث میں یہ مضمون وضاحت کے ساتھ آتا ہے آخر وقت میں ایک حبشی آئے گا بادشاہ ہوگا اس وقت کا وہ پتھر پتھر کر کے جس طرح سے حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک ایک پتھر کر کے اکھیڑ دے گا اور یہ بیت اللہ جو ہے یہ ختم ہو جائے گا تو جب بیت اللہ ختم ہو جائے گا تو اس کے ساتھ متصل ہی دنیا کو برباد کر دیا جائے گا پھر یہ دنیا باقی نہیں رہ سکتی۔

گویا کہ اس عالم کی بقا اگر ہے تو بیت اللہ کی بقا کے ساتھ ہے اس اعتبار سے تو بیت اللہ گویا کہ عمود ہے اس دنیا کا جس طرح سے عمارت کا درمیان میں ستون ہوتا ہے کہ جب وہ گر جائے تو پھر عمارت گر جاتی ہے اسی طرح سے کائنات کا درمیانی ستون یہ بیت اللہ ہے کیونکہ یہ عمود ہے عالم کا اور اس کے اٹھ جانے کے بعد یا اس کے برباد ہو جانے کے بعد عالم باقی نہیں رہ سکتا یہ حسًا معلوم کرنے کی چیز نہیں یہ شارع علیہ السلام کی اطلاع دینے کے ساتھ ہی ہمیں اس کا پتہ چلا۔

باقی اس کی صداقت معلوم ہوگی اس وقت جب یہ واقعہ پیش آئے گا اس سے پہلے ہمارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ جس کے ذریعے سے ہم یہ مشاہدہ کریں کہ اس کی حیثیت کائنات کے لیے عمود کی سی ہے

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کی صداقت پر ہمارا ایمان ہے اور ہم یہ یقین رکھتے ہیں کہ بیت اللہ کی حیثیت یہی ہے جس طرح سے شارع علیہ السلام کے بیان کے ساتھ اور حقائق غیبیہ کو ہم قبول کرتے ہیں جن کو ہمارے عقل اور ادراک پا نہیں سکتا۔

اس طرح سے ہم ان کے بیان پر اعتماد کرتے ہوئے اس حقیقت کو بھی قبول کرتے ہیں اور اگر الناس سے مراد خاص طور پر عرب مراد لے لیا جائے تو پھر یہ بات بالکل ہی واضح ہے کہ عرب جو کہ اس وقت خانہ جنگی میں مبتلاء تھے اور ہر لحاظ سے افراتفری تھی تو بیت اللہ ایک ایسی چیز تھی جس کے ذریعے سے ملک کے اندر کچھ امن تھا کہ بیت اللہ کی نسبت سے حرم کا علاقہ ہی مامون تھا۔

اور جو لوگ بھی بیت اللہ کا حج کرنے کے لیے یا عمرہ کرنے کے لیے آتے اور اپنے اوپر وہ حاجی اور معتمر ہونے کی علامت لگا لیتے ان کو کوئی شخص چھیڑا نہیں کرتا تھا، کوئی لوٹتا نہیں تھا، کوئی مارتا نہیں تھا اور جن جانوروں کو بیت اللہ کی طرف ہدی بنا کر بھیجا جاتا تھا وہ بھی محفوظ ہو جاتے تھے اور بیت اللہ کے ساتھ نسبت کی وجہ سے ان سب کی جان اور مال کو تحفظ حاصل ہو جاتا تھا اس دور میں یعنی باوجود اس بات کے کہ وہ دور جاہلیت کا تھا۔

لیکن بیت اللہ کی محبت اور بیت اللہ کی عظمت اللہ تعالیٰ نے ان کے قلوب کے اندر پیوست کر رکھی تھی اپنے مقتولوں کا بدلہ لینے میں وہ لوگ بہت ہی اچھے انداز کے ساتھ کوشش کرتے تھے لیکن اگر باپ کا قاتل بھی حرم کے اندر مل جائے تو بیٹا آنکھ نیچی کر کے پاس سے گزر جاتا تھا اس کے ساتھ بھی تعرض نہیں کرتا تھا اور اسی طرح سے ''اشھر حرم'' تو اللہ تعالیٰ نے ان کی فطرت میں یہ بات ان کے دل میں ڈال دی تھی ان کے قلوب میں پیوست کر دی تو گویا کہ اس علاقے کے لیے تمام مصلحتوں کے قائم ہونے کا ذریعہ بیت اللہ تھا اس میں بھی بیت اللہ کی عظمت بیان کرنا مقصود ہے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے یعنی اہل عرب کے لیے خصوصاً اور پھر جو بیت اللہ کے ساتھ مجاورت رکھتے تھے قریش جو کہ اولین مخاطب ہیں قرآن کے وہ تو علی الخصوص فائدہ اٹھاتے تھے بیت اللہ کی برکات کا اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے قرآن کے اندر سورۃ قریش میں خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ اس رب بیت کی عبادت کرو جس نے تمہیں بھوک کے وقت کھانا کھلایا اور خوف کے وقت میں امن دیا اور یہ بھوک کے وقت کھانا یہ بیت اللہ کی برکت سے ان کو ملتا تھا کہ بیت اللہ کے مجاور ہونے کی وجہ سے یہ لوگ تجارتی سفروں میں جاتے کوئی ان سے تعارض نہیں کرتا تھا۔

اور ان کو بیت اللہ کا مجاور سمجھ کر ان کو احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا اس طرح سے ان کی معاش کا مسئلہ بھی حل ہوتا تھا اور ان کے جان اور مال کو بھی تحفظ حاصل تھا پھر یہ لوگ جو بیت اللہ کی برکت حاصل کرتے تھے خصوصیت

کے ساتھ ان کے لیے یہ نام ذکر کیا جارہا ہے اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کو کعبہ کو جو کہ بیت حرام ہے حرمت والا گھر ہے لوگوں کی مصلحتوں کے قائم ہونے کا ذریعہ بنایا اور ''شھر حرام ''کو اور ہدی کو اور قلائد کو اس کو بھی ایسے ہی کہ ہدی اور قلائد یہ بھی اس وقت امن کا باعث تھے کہ جب کسی جانور کے اوپر یہ علامت لگادی جائے جس سے معلوم ہو جائے کہ یہ ہدی ہے اور بیت اللہ کی طرف جارہا ہے جانور تو ایسی صورت میں لوگ اس سے تعارض نہیں کرتے تھے قلائد ذوات القلائد جن کے گلے کے اندر قلادہ ڈال دیا جائے یہ بھی علامت ہوتی تھی اس کے ہدی ہونے کی ہدی عام ہے اور اس میں ذوات القلائد خاص ہے چھوٹے جانوروں کے گلے میں عموماً قلادے نہیں ڈالے جاتے تھے بڑے جانوروں کو قلادے ڈال کر عموماً روانہ کیا جاتا تھا۔

کعبۃ اللہ کی عظمت ظاہر کرنے کی حکمت:

'' ذلك لتعلموا '' یہ احکام جو تمہیں دیے جارہے ہیں یہ اس لیے دیے جارہے ہیں تا کہ تم ان کی مصلحتوں میں غور کر کے یقین کرلو کہ اللہ تعالیٰ کا علم کائنات کے ذرے ذرے پر حاوی ہے اس لیے وہ اپنی کائنات کی مصالح کی رعایت رکھتا ہوا کیسی کیسی ہدایات دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے علم کا یقین ہی ایک ایسا ہے کہ جو انسان کو عمل پر بھی برانگیختہ کرتا ہے کہ جب یہ بات ہو جائے گی کہ اللہ تعالیٰ ذرے ذرے کو جانتا ہے اور ہمارا کوئی حال اس سے مخفی نہیں تو پھر جو شخص اللہ تعالیٰ کی عظمت کا معتقد ہے وہ کبھی اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرنے کی کوشش نہیں کرے گا، احکام کی خلاف ورزی نہیں کرے گا چاہے اس کو کوئی دیکھنے والا ہو چاہے دیکھنے والا نہ ہو۔

تو اللہ تعالیٰ کے علم کا مراقبہ اللہ تعالیٰ کے علم کا یقین یہ انسان کو نیکی پر برانگیختہ کرتا ہے اور برائی سے روکتا ہے اور اگر یہ یقین نہ ہو یا عقیدے کے اندر پختگی نہ ہو تو پھر خلوت میں رات کی تاریکی میں اندھیرے میں کسی ایسی جگہ کہ جہاں کوئی دیکھنے والا موجود نہ ہو انسان اپنے اوپر کوئی کسی قسم کی پابندی نہیں لگا سکتا اور اللہ کے علم کے متعلق عقیدہ اگر پختہ ہو جائے تو پھر انسان کسی جگہ بھی کسی وقت بھی کوئی گڑبڑ نہیں کرسکتا اور اللہ کے احکام کی خلاف ورزی نہیں کرسکتا تا کہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے ان سب چیزوں کو جو کہ آسمان میں ہیں اور جو زمین میں ہیں۔

'' وان الله بكل شئ عليم '' اور اس بات کا یقین کرلو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے گویا کہ یہ '' يعلم ''، فعل کی صورت میں ذکر کر دیا اور یہ '' عليم '' یہ صفت کی صورت میں ذکر کر دیا تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کا علم تمام زمانوں پر اور تمام مکانوں پر حاوی ہے اس میں ماضی مستقبل حال کی کوئی تقسیم نہیں ہر وقت ہر چیز کا علم اللہ تعالیٰ ہر طرح سے حاصل ہے۔

اللہ کے عذاب کا خوف اور رحمت کی امید:

اور یہ بھی یقین کرلو کہ بے شک اللہ تعالیٰ ''شدید العقاب'' ہے اور یہ بھی یقین کرلو کہ اللہ تعالیٰ بے شک ''غفور رحیم'' ہے یعنی اس میں دو صفتیں ہیں اگر گڑ بڑ کرنے کی کوشش کرو گے تو ادھر ''شدید العقاب'' بھی ہے اس سے خوف پیدا ہوتا ہے اور ''غفور رحیم'' بھی ہے اس سے رجاء پیدا ہوتی ہے اور ''الایمان بین الخوف والرجاء'' جس طرح سے آپ کہا کرتے ہیں کہ ایمان کا کمال یہ ہے کہ اللہ سے ڈرو بھی اور اللہ کی رحمت سے امید بھی رکھو صرف ڈرنا کہ بالکل مایوسی پیدا ہو جائے یہ بھی شرعاً محمود نہیں ہے کہ خوف ہی خوف کی کیفیت ہے اور امید اللہ تعالیٰ سے بالکل نہیں اور بالکل امید ہی لگالینا یہ بھی انسان کو جری کر دیتا ہے اور بے عملی کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے یہ بھی ٹھیک نہیں۔

''الایمان بین الخوف والرجاء'' ایمان خوف اور رجاء کے درمیان ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو بھی اور اللہ تعالیٰ سے رحمت کی امید بھی رکھو، خوف کی شدت انسان کو مایوس کر دیتی ہے اور مایوسی کے نتیجے میں بھی بے عملی آجاتی ہے اگر انسان کے دل میں یہ آجائے جیسے کسی پر کوئی استاذ ناراض ہو گیا اور وہ اس طالب علم پر ناراض ہونے کے بعد راضی نہیں ہوتا کسی صورت میں، طالب علم کے دل میں یہ بات آ گئی کہ تو ہزار کوشش کرے وہ مانے گا ہی نہیں جب مانے گا ہی نہیں تو اس کے نتیجے میں لا پرواہی آجاتی ہے کہ اچھا نہیں مانتے تو پھر ہمیں منانے کی ضرورت بھی کیا ہے اور یہ لا پرواہی جو ہے یہ بھی انسان کو دور کر دیتی ہے۔

اس طرح سے اگر اللہ سے انسان یوں ڈرنے لگ جائے کہ ہم ہزار کوشش کریں اللہ کے عذاب سے بچ ہی نہیں سکتے ہمارا تو رگڑا نکلا ہی نکلا اس قسم کی کیفیت اگر ہو جائے تو پھر اس کے بعد انسان کہتا ہے کہ چلو جہنم میں تو جانا ہی ہے دنیا میں تو عیش کرلو اور اللہ تعالیٰ کے احکام سے پھر لا پرواہی شروع ہو جاتی ہے اور اس طرح سے جو رجا کا غلبہ ہے کہ انسان اپنے دل میں یہ بٹھالے کہ بس اللہ تو غفور رحیم ہے اس نے تو معاف کرنا ہی کرنا ہے تو پھر یہودیوں کی طرح بے باکی آجائے گی اور اس بے باکی کے نتیجے میں پھر اللہ کے احکام کی پرواہ نہیں رہے گی تو ایمان کے کمال کے لیے یہ دونوں حدیں ہیں کہ ڈرو بھی اور اللہ کی رحمت کی امید بھی رکھو تب جا کے ایمان کا کمال پیدا ہوتا ہے نہ تو مایوسی آنی چاہیئے اور نہ انسان کے اندر کسی قسم کی جرأت اور دلیری پیدا ہونی چاہیئے۔

رسول کی ذمہ داری:

''ماعلی الرسول الا البلاغ'' رسول کے ذمے پہنچا دینا ہے اس نے اپنی ذمہ داری ادا کر دی، اب تم

ذمہ دار ہو کہ ان احکام کے اوپر عمل کرتے ہو یا نہیں کرتے عمل کرو گے تو فائدہ اٹھالو گے نہیں کرو گے تو پکڑے جاؤ گے، اب اس سے زائد ہمارے رسول پر ذمہ داری کوئی نہیں ہے اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو دیکھو اس صفت کا اظہار کتنا کیا جارہا ہے کہ یہ انسان کے باطن کے اوپر گرفت کرنے والی بات ہے کہ اب یہ باطن کے اندر بات بیٹھ جائے گی کہ ہمارا کوئی حال اللہ سے مخفی نہیں اور عقیدہ یہ صحیح ہو جائے گا تو ایسے وقت میں پھر احکام پر عمل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔

بروں کی کثرت دیکھ کر برائی اختیار کرنا:

''قل لایستوی الخبیث والطیب ولوا عجبك كثرة الخبيث'' یہاں بھی ایک فتنے کا سد باب کرنا مقصود ہے کہ بسا اوقات انسان اپنی عقل کے ساتھ یا اپنی فطرت صحیحہ کے ساتھ یا علمی دلیل کے ساتھ یہ سمجھتا ہے کہ فلاں کام غلط ہے اور یہ خبیث ہے یقین کر لیتا ہے انسان کسی کام کے برے ہونے کا اور اسی طرح سے علم کے ساتھ عقل کے ساتھ فطرت کے ذریعے سے کسی کام کو اچھا بھی قرار دے لیتا ہے۔

اب چاہیئے تو یہ کہ اچھائی کو اختیار کیا جائے اور برائی سے بچا جائے اچھوں میں شامل ہونے کی کوشش کی جائے اور بروں سے دور رہا جائے لیکن کبھی ایسے ہوتا ہے کہ برائی کثرت پکڑ جاتی ہے اور وہ عام ہو جاتی ہے اتنی عام ہو جاتی ہے کہ یوں سمجھو کہ انسان جدھر دیکھے برائی ہی برائی ہے اور اس برائی کے حامل برے لوگ اتنی کثرت کے ساتھ ہو جاتے ہیں کہ انسان کو دنیا بھری ہوئی نظر آتی ہے تو پھر بسا اوقات انسان کی کمزوری اس ماحول کے مقابلے میں انسان کو جھکا دیتی ہے اور انسان کہتا ہے کہ جب زمانے کا چلن ہی یہی ہو گیا اب طرز یہی ہے اب کیا کریں ہم ان کے ساتھ نہیں چلیں گے تو قدم قدم پر مزاحمت ہوتی ہے قدم قدم پر ہمارے لیے مصیبت ہوتی ہے۔

تو انسان اس ماحول کے مطابق چل پڑتا ہے، خبیث اس کی نظر میں خبیث نہیں ہوتا بلکہ زمانے کی ہوا کے ساتھ اسی گندے راستے پر چل کر وہ بھی ان خبیثوں میں شامل ہو جاتا ہے جیسے کہتے ہیں کہ حمام میں ننگے دیکھ کر انسان کا جی بھی چاہنے لگ جاتا ہے کہ میں بھی کپڑے اتار ہی دوں اور جب یہ رواج عام ہو جائے ننگے رہنے کا تو پھر ننگوں سے نفرت نہیں ہوگی۔

برائی کی کثرت اور خبیثوں کی کثرت کبھی کبھی انسان کو تعجب میں ڈال دیتی ہے اور اس وقت وہ اپنے باطن سے مزاحمت کو ختم کر کے اسی لائن اور قطار میں شامل ہونے کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے جیسے کہ عام طور پر لوگ کہا کرتے ہیں کہ چلو ادھر کو جدھر کی ہوا ہو کہ جدھر کی ہوا رخ اختیار کیے ہوئے ہے تم بھی ادھر کو چلو گے تو آسانی سے

چلتے چلے جاؤ گے اور اگر ہوا کے رخ کے خلاف چلنے کی کوشش کرو گے تو پھر تمہیں مزاحمت اختیار کرنی پڑے گی تو کیا ضرورت ہے کہ ہر وقت تم اس ادھیڑ پن میں مبتلاء رہو، جو زمانے کی روش ہے اس کو اختیار کرو تا کہ زندگی آسانی کے ساتھ گزرتی چلی جائے تو گمراہی کا بہت بڑا اصول ہے زمانہ سازی جس کو کہتے ہیں کہ زمانے کے ساتھ موافقت کرو جس وقت کے حالات ہوں انسان کو انہی حالات میں شامل ہو جانا چاہیئے تا کہ انسان کی زندگی آسانی کے ساتھ گزرے، بے دینی کے ساتھ یہ اصول موافقت رکھ سکتا ہے دین داری کے ساتھ یہ اصول موافقت نہیں رکھ سکتا۔

انبیاء علیہم السلام کا اسوہ اور علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت:

انبیاء علیہم السلام جب آیا کرتے ہیں مخالف ماحول میں آیا کرتے ہیں اور ہر ماحول کے ساتھ ان کا ٹکراؤ ہوتا ہے تو شرافت کا تقاضہ یہ ہے، علم کا تقاضہ یہ ہے، عقل کا تقاضہ یہ ہے کہ صحیح اصول کو اختیار کر کے اس کے مطابق اپنا ماحول بنایا جائے نہ کہ غلط ماحول کے اندر جا کر انسان اس کے مطابق بدل جائے جیسے کہ حدیث شریف میں آتا ہے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''لا تکون امعاۃ'' امعاۃ کا معنی یہ ہے کہ یہ نہ نعرہ اختیار کرو ''انا مع الناس'' کہ ہم تو لوگوں کے ساتھ ہیں'' ان احسنو احسنا ''اگر لوگ اچھائی اختیار کریں گے تو ہم بھی اچھائی اختیار کریں گے ''ان ظلموا ظلمنا'' اور اگر لوگ ظلم کریں گے تو ہم بھی ساتھ ظلم کرنے لگ جائیں گے یہ نظریہ ٹھیک نہیں ہے ''لاتکون امعاۃ'' انا مع الناس یہ نظریہ نہ اختیار کرو بلکہ فرمایا کہ'' وطعنو اانفسکم ''اپنے نفسوں کو اس بات کا عادی بناؤ اس مؤقف کے اوپر ٹھہراؤ کہ ''ان احسن الناس فاحسنوا معھم '' کہ اگر لوگ اچھے کام کرتے ہیں تو ان کے ساتھ مل کر تم اچھے کام کرو اور اگر وہ لوگ ظلم کرتے ہیں تو پھر ان کا ساتھ نہ دو، ان کے ساتھ مل کر ظلم کی کیفیت اختیار نہ کرو اچھائی میں تو لوگوں کے ساتھ رہو برائی میں لوگوں کے ساتھ نہ رہو اپنے نفسوں کو اس بات کا عادی بناؤ اپنے نفسوں کو اس موقف کے اوپر ٹھہراؤ۔

اب اگر کثرت خبیث بھی ہو جائے اور یہ تمہیں تعجب میں بھی ڈالتی ہے لیکن یہ خبیث چیز خبیث ہی ہے اور خبیث چیز جہنم میں لے جانے والی ہے اور اگر تم اس کے ساتھ شامل ہو جاؤ گے تو جہنم میں جاؤ گے کسی چیز کا کثرت اختیار کر جانا اس کے اچھے ہونے کی دلیل نہیں ہے اچھائی ثابت ہوتی ہے اس کی ذاتی کیفیات کے ساتھ کسی چیز میں اچھائی ثابت ہو گی علمی دلیل کے ساتھ، عقلی دلیل کے ساتھ جس میں اچھائی ثابت ہو جائے اس کو اختیار کرو باقی کسی چیز کا بہتات اختیار کر جانا، کسی فیشن کا عام ہو جانا اور کسی رسم کا گھر گھر داخل ہو جانا یہ اس کے اچھے ہونے کی علامت نہیں ہے جب وہ چیز بری ہے آخر کار جہنم میں جانے والی ہے اگر ساری دنیا بھی اس کو اختیار کرے گی تو اس کی

اچھائی کا ثبوت نہیں بلکہ وہ ساری دنیا کو لپیٹ کر جہنم کے اندر لے جائے گی تو یہ گمراہی کا ایک بہت بڑا اصول ہے کہ انسان ماحول سے متأثر ہو کر کثرت کو دیکھ کر اس قسم کا کردار اپنانے کی کوشش کرے جس قسم کا عام لوگوں نے اپنایا ہوا ہے اور یہی بات ہے جس کے متعلق علامہ اقبال کہتے ہیں کہ

حدیث بے خبراں است
کہ تو بزمانہ ساز

یہ تو بے خبروں والی بات ہے کہ تم زمانے کے ساتھ موافقت کرو

زمانہ باتو نہ سازد
تو نہ زمانہ ثیس

اگر زمانہ تیرے ساتھ موافقت نہیں کرتا تو تو زمانے کے ساتھ لڑتا رہ اور لڑتا ہوا اس دنیا سے چلا جا یہ ہے اہل حق کا کام یہ نہیں کہ زمانے کی روش کو دیکھ کر اپنا مؤقف چھوڑ کر انسان ان کے ساتھ شامل ہو جائے۔

خبیث اور طیب برابر نہیں ہو سکتے:

تو اس لیے اللہ تعالیٰ متنبہ کرتے ہیں کہ خبیث اور طیب برابر نہیں، اس سے چیز بھی مراد ہو سکتی ہے اور انسان بھی مراد ہو سکتے ہیں یہ دونوں برابر نہیں ہیں اگر چہ کثرت خبیث تجھے تعجب میں ہی ڈالے یعنی کتنی کثرت کیوں نہ پیدا ہو جائے جس کو دیکھ کر تیرے اوپر اثر پڑے کہ یہ تو سارے کے سارے ہی ایسے ہو گئے تو بھی آپ خبیث کو اختیار نہ کیجئے ''فاتقوا الله یا اولی الالباب'' معلوم ہو گیا کہ عقلی اصول یہی ہے عقل کا تقاضہ یہ ہے کہ اچھی چیز کو اختیار کرو چاہے اس کے اختیار کرنے والے کتنے ہی کم کیوں نہ ہوں اور بری چیز سے بچو چاہے اس کی کثرت کتنی ہی پیدا کیوں نہ ہو جائے ''لعلکم تفلحون'' تاکہ تم فلاح پا جاؤ، فلاح اسی میں ہے کہ طیب کو اختیار کیا جائے طیبین کے گروہوں کے اندر شامل ہو جائے، خبیث کو اختیار کرنا یہ فلاح کے خلاف ہے۔
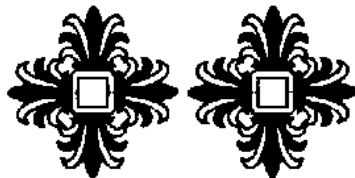
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ

اے ایمان والو! سوال نہ کیا کرو اشیاء کے متعلق کہ اگر وہ تمہارے لیے ظاہر کردی جائیں تو تمہیں ناگوار گزریں گی ، اور اگر

تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ۗ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ۗ وَاللّٰهُ

تم سوال کروگے ان کے متعلق جب کہ قرآن اتارا جارہا ہے تو وہ تمہارے لیے ظاہر کردی جائیں گی ، اللہ تعالیٰ نے ان سے درگزر کیا ، اور اللہ تعالیٰ

غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿١٠١﴾ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا

بخشنے والا ہے تحمل والا ہے ﴿١٠١﴾ تحقیق سوال کیا تھا ایسے ہی اشیاء کے متعلق کچھ لوگوں نے تم سے قبل پھر ہوگئے وہ ان اشیاء کے متعلق

كٰفِرِيْنَ ﴿١٠٢﴾ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ

کفر کرنے والے ﴿١٠٢﴾ نہیں متعین کیا اللہ تعالیٰ نے کوئی بحیرہ نہ سائبہ نہ وصیلہ

وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۗ وَاَكْثَرُهُمْ

نہ حام ، لیکن وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا وہ اللہ تعالیٰ کے اوپر جھوٹ گھڑتے ہیں ، اور ان میں سے اکثر

لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿١٠٣﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ

عقل نہیں رکھتے ﴿١٠٣﴾ اور جب ان سے کہا جاتا ہے آجاؤ اس چیز کی طرف جو اللہ نے اتاری اور آجاؤ رسول کی طرف

قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ۗ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ

کہتے ہیں کہ کافی ہے ہمارے لیے وہی طریقہ جس کے اوپر ہم نے اپنے آباء کو پایا ، کیا اگرچہ ان کے آباء نہ علم رکھتے ہوں

شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿١٠٤﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ

کسی شئی کا اور نہ وہ ہدایت یافتہ ہوں ﴿١٠٤﴾ اے ایمان والو! اپنے آپ کو لازم پکڑو ، تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا

مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۗ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ

وہ شخص جو بھٹک جائے جس وقت تم ہدایت یافتہ ہو ، اللہ کی طرف تم سب کا لوٹنا ہے پھر اللہ تعالیٰ خبر دے گا تمہیں

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٠٥﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ

اس چیز کی جو تم کیا کرتے تھے ﴿١٠٥﴾ اے ایمان والو! تمہارے درمیان شہادت میں جس وقت کہ حاضر ہوجائے

أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنَانِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ أَوْ آخَرَانِ

تم میں سے کسی کو موت وصیت کے وقت عدل والے دو آدمی ہیں یا اور دو آدمی جو

مِنْ غَيْرِكُمْ إِنْ أَنتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَأَصَابَتْكُم مُّصِيبَةُ

تمہارے غیر سے ہوں اگر تم زمین کے اندر سفر کرو پھر تمہیں پہنچ جائے حادثہ

الْمَوْتِ ۚ تَحْبِسُونَهُمَا مِن بَعْدِ الصَّلَاةِ فَيُقْسِمَانِ بِاللَّهِ إِنِ

موت کا ، روک کے رکھو تم ان دونوں کو نماز کے بعد پھر وہ قسمیں کھائیں گے اللہ کے نام کی وہ قسم اگر

ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِي بِهِ ثَمَنًا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ ۙ

تمہیں شبہ پیش آجائے کہ ہم نہیں خریدتے اس قسم کے بدلے میں ثمن اگرچہ وہ ہمارا رشتہ دار ہی ہو ، اور ہم اللہ کی گواہی کو چھپاتے نہیں

اللَّهِ إِنَّا إِذًا لَّمِنَ الْآثِمِينَ (١٠٦) فَإِنْ عُثِرَ عَلَىٰ أَنَّهُمَا اسْتَحَقَّا إِثْمًا

اگر ہم چھپائیں گے تو بے شک ہم گناہ گاروں میں سے ہو جائیں گے (١٠٦) پھر اگر اطلاع پائی جائے اس بات پر کہ وہ دونوں گواہ گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں

فَآخَرَانِ يَقُومَانِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِينَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْأَوْلَيَانِ

پھر اور کھڑے ہوئے جائیں ان دونوں کی جگہ ان لوگوں میں سے پھر یہ قریبی رشتہ دار

فَيُقْسِمَانِ بِاللَّهِ لَشَهَادَتُنَا أَحَقُّ مِن شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَا

قسم کھائیں گے اللہ کی البتہ ہماری گواہی زیادہ احق بالقول ہے بمقابلہ ان دونوں کی گواہی کے اور ہم نے حد سے تجاوز نہیں کیا ،

إِنَّا إِذًا لَّمِنَ الظَّالِمِينَ (١٠٧) ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَن يَأْتُوا بِالشَّهَادَةِ عَلَىٰ

بے شک ہم تب ظالموں میں سے ہوں گے (١٠٧) یہ طریقہ زیادہ قریب ہے اس بات کے کہ وہ گواہ گواہی لائیں گے

وَجْهِهَا أَوْ يَخَافُوا أَن تُرَدَّ أَيْمَانٌ بَعْدَ أَيْمَانِهِمْ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ

اس گواہی کے طریقے پر یا وہ اندیشہ کریں گے کہ لوٹا دی جائیں قسمیں ان کی قسموں کے بعد ، اور اللہ سے ڈرو

وَاسْمَعُوا ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ (١٠٨) ع

اور سنو ، اور اللہ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا (١٠٨)

تفسیر:

ماقبل سے ربط:

''یا ایھالذین اٰمنوا لاتسئلو ا عن اشیاء الخ'' اس آیت میں ایمان والوں کو خطاب کرتے ہوئے غیر ضروری سوالات کی ممانعت کی گئی ہے ماقبل کے ساتھ اس کا تعلق حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان القرآن میں اسی طرح سے بیان کیا کہ پہلے مختلف آیات میں اللہ کے احکام کی پابندی کی تاکید آ رہی ہے ان میں کوتاہی نہیں ہونی چاہیے جو کچھ اللہ تعالیٰ بیان فرما دیں ان کو توجہ سے سنو اور سننے کے بعد ان پر عمل کرو اس سورۃ کے اندر کثرت کے ساتھ احکام آئے ہیں اور ان احکام کو بیان کرنے کے بعد اسی قسم کے الفاظ بولے گئے ہیں جن سے ان پر عمل کرنے کی تاکید آئی ہے بسا اوقات انسان اطاعت اور فرمانبرداری میں غلو کرتا ہوا مختلف قسم کے توہمات کے ساتھ سوال اٹھانا شروع کر دیتا ہے غیر ضروری سوالات جو مناسب نہیں ہوتے یہ کبھی کبھی غلبہ اطاعت کے ساتھ بھی ہوتا ہے کہ انسان مختلف قسم کے کام سوچتا ہے کہ یہ کام کیسے کروں، یہ کام کیسے کروں، وہ کیسے کروں، اس میں یہ کیسے ہوگا، وہ کیسے ہوگا احتمال نکال نکال کر پوچھنا شروع کر دیتا ہے یہ ہے غلو فی الطاعت اس سے منع کرنا مقصود ہے تو جس کا مطلب یہ ہوگا کہ جو کچھ بیان کر دیا جائے اس کو تو توجہ کے ساتھ سنا کرو اور اس کے مطابق عمل کیا کرو اور جن باتوں کو اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے واضح طور پر بیان نہ کریں یا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم واضح طور پر بیان نہ کریں اور اس میں کوئی شبہ کی بات بھی نہ۔

تو ایسے وقت میں لایعنی سوالات اٹھا کر غیر ضروری سوالات اٹھا کر، اپنے اوپر خوامخواہ کی پابندیاں نہ لگایا کرو اس میدان کو پھر کھلا رہنے دو پھر اس قسم کے سوالات نہ اٹھایا کرو تو افراط سے بچا کرو، سیدھے طریقے سے اطاعت کی ترغیب دینا مقصود ہے۔

آیت کریمہ کا شان نزول:

اس آیت کے شان نزول میں مفسرین نے مختلف قسم کے واقعات نقل کئے ہیں ایک تو یہ واقعہ نقل کیا کہ جس وقت حج فرض ہوا تھا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے مسئلہ بیان فرمایا کہ اے لوگو! اللہ نے تم پر حج فرض کر دیا ہے تم بیت اللہ کا حج کرو تو ایک صحابی ہیں اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ مجلس میں بیٹھے تھے انہوں نے فوراً سوال کیا کہ یا رسول اللہ! کیا ہر سال فرض ہے؟ آپ اس کے سوال کی طرف متوجہ نہیں ہوئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح سے تاکید کی کہ اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کر دیا ہے حج کیا کرو اس نے پھر آگے سے کہا جی ہر سال تین دفعہ اسی طرح سے بات ہوئی اور اس نے تین دفعہ سوال دہرایا۔

تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ ایسی باتیں نہ کیا کرو اب یہ تم نے سوال اٹھایا اور اگر میں آگے سے کہہ دوں کہ ہاں ہر سال تو اس کا وجوب ہر سال ہو جائے اور پھر تمہیں تکلیف ہوگی اور تم اس کو نبھا نہیں سکو گے جس بات کو میں وضاحت کے ساتھ کہنا نہیں چاہتا تو تم بار بار اصرار کر کے مجھ سے کیوں کہلوانا چاہتے ہو۔

اب مصلحت اسی میں ہے کہ اس کو سکوت کے درجے میں رکھا جائے اس کو سکوت کے درجے میں رکھنے سے یہ وسعت پیدا ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں گنجائش دے تو تم ہر سال کرلو، نہ گنجائش ہو تو زندگی میں ایک دفعہ فرض ہے باقی فرض نہیں ہے، اب اگر پابندی لگادی جائے کہ ایک ہی دفعہ کرنا ہے تو پھر اگر کسی کا کرنے کو جی چاہے تب وہ تکلیف محسوس کرے گا اور اگر یہ کہہ دیا جائے کہ ہر سال کرنا ہے تو جس کے پاس ہر سال حج کرنے کی گنجائش نہیں ہوگی وہ تنگی میں پڑ جائے گا۔

تو شارع علیہ السلام کا مقصد یہی ہے کہ یہ میدان کھلا رہے اگر کسی کے پاس گنجائش ہے تو ہر سال کرے اور اگر کسی کے پاس گنجائش نہیں ہے تو فرض زندگی میں صرف ایک دفعہ ہے تو اس موقع پر تنبیہ فرمائی کہ جہاں میں سکوت اختیار کروں کسی بات کو واضح طور پر نہ کہنا چاہوں تو تم اصرار کر کے مجھ سے کہلوانے کی کوشش نہ کیا کرو جب شارع علیہ السلام کی طرف سے کسی بات کی صراحت ہو جائے پھر اس کے بعد عمل میں تنگی پیش آجاتی ہے پھر اس کے خلاف کوئی صورت اختیار نہیں کی جاسکتی اور جب شارع علیہ السلام سکوت اختیار کرلیں تو میدان وسیع ہے مجتہدین اپنے اجتہاد کے ساتھ مختلف شقیں نکال سکتے ہیں عمل کے اندر وسعت ہو جائے گی پھر اگر کوئی شق متعین ہوگئی اجتہاد کے ساتھ اور اس کی خلاف ورزی کی نوبت بھی آگئی تو اس میں وہ شدت نہیں ہوگی جو شارع علیہ السلام کی صراحت کے بعد ہوتی ہے یہ تو احکام کے سلسلے کی بات ہوئی۔

غیر ضروری سوال کرنے کی ممانعت:

اور بعض اوقات لوگ اس قسم کے سوال پوچھتے تھے کہ ایک دفعہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خاص موقع پر فرمایا ''سلونی عما شئتم ''مجھ سے جو چاہو پوچھو تو ایک آدمی تھا وہ نسب کے اعتبار سے متھم تھا جب کوئی اس کے ساتھ لڑ پڑتا تو اس کو گالی دیتا تھا کہ تو اپنے باپ کا نہیں ہے لوگ اس کو گالی دیتے تھے اس کے نسب کے اندر شبہ پیدا کرتے تھے اس نے پوچھ لیا کہ میرا باپ کون ہے تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صراحت فرمادی کہ تیرا باپ فلاں ہے اور وہ وہی تھا جس کی طرف اس کی نسبت واقعہ میں تھی یعنی جو اس کا باپ عالم ظاہر میں تھا جس سے معلوم ہوگیا کہ لوگ جو اس کو طعنہ دیتے تھے وہ طعنہ دینا صحیح نہیں تھا۔

لیکن آپ جانتے ہیں کہ اس قسم کے سوال میں کبھی جواب خلاف توقع بھی آسکتا ہے اور پھر اس جواب کے ساتھ رسوائی ہوگی پہلے جب پردہ ہے اس پردے کو رہنے دو تو اگر ایسے سوال کر کے تم جواب لوگے تو جواب میں ہوسکتا ہے ایسے ہی پردہ داری ہو جائے جو تمہیں پسند نہیں ہے اس قسم کے سوالات جس میں سرور کائنات ﷺ کے لیے کوئی ایذاء کا پہلو نکلتا یا جس میں حضور ﷺ کے سامنے سوال اٹھانے کی صورت میں حضور ﷺ کی طرف سے کوئی جھڑک واقع ہونے کی نوبت آجاتی یا احکام کے اندر اس قسم کی قیود لگ جاتیں کہ جن کے بعد ان کو نبھانا مشکل ہو جاتا اس قسم کے سوالات کرنے کی ممانعت ہے۔

جیسے حدیث شریف میں آتا ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ مسلمانوں کی جماعت میں جرم کے اعتبار سے سب سے بڑا آدمی وہ ہے کہ ایک شئی حرام نہیں کی گئی تھی اور اس نے بار بار سوال کر کے وہ چیز حرام کروالی شارع علیہ السلام کا مقصد ہے اس کے بارے میں سکوت اختیار کرنا تاکہ اس میں کسی درجے میں وسعت رہے کہ بعد میں اجتہاد کے ساتھ لوگ اس کو ممنوع بھی قرار دیں تو اس کا وہ درجہ نہیں جو شارع علیہ السلام کی طرف سے صراحت کا ہے لیکن اس نے بار بار پوچھ کر پابندی لگوالی جس کی وجہ سے ہمیشہ کے لیے مسلمان اس قید میں واقع ہو گئے اس پابندی میں آگے وسعت جو ہے وہ ختم ہوگئی یہ بہت بڑا جرم ہے تو غیر ضروری سوالات جو ہوا کرتے ہیں اس کے ساتھ بسا اوقات ایسی نوبت آجایا کرتی ہے۔

پہلے زمانہ میں غیر ضروری سوال کرنے والوں کا حال:

آپ کے سامنے ہے کہ یہود کو عادت تھی کہ مختلف قسم کے سوالات اپنے انبیاء علیہم السلام پر اٹھاتے رہتے تھے اور جب انبیاء علیہم السلام کی طرف سے وضاحت ہوتی تو پھر اس کی پابندی نہیں کرتے تھے احکام کے سلسلے میں ہوتے تو اس کے مطابق عمل نہ کرتے، واقعات کے سلسلے کی کوئی بات ہوتی تو اس سے متأثر نہ ہوتے جیسے کہ ذبح گائے کے بارے میں آپ کے سامنے وہ قصہ گزر چکا ہے کہ کس طرح سے سوال اٹھا اٹھا کر اپنے اوپر خواہ مخواہ کی پابندی لگوالی اور پھر اس کے مطابق عمل کرنا مشکل ہو گیا۔

اس قوم کا حوالہ دے دیا کہ جیسے اس قوم کو عادت تھی کہ خواہ مخواہ سوال اٹھا کر ایسی چیزیں لے لیتے تھے کہ جس کو بعد میں نبھا نہیں سکتے تھے تم ان لوگوں کی طرح نہ کرنا اور اس سے قبل اگر کچھ اس قسم کی باتیں ہو چکی جن میں چاہے حضور ﷺ کے لیے کچھ ناگواری کا پہلو ہوا یا تمہارے ان سوالات کی نوعیت ایسی تھی کہ جس پر تمہیں تنبیہ ہونی چاہیئے تھی۔

لیکن اللہ نے ان کو معاف کر دیا اب صراحتاً تمہاری راہنمائی کر دی کہ بلاضرورت سوالات نہ اٹھایا کرو ہاں جو اللہ تعالیٰ بیان کر دیں اور اللہ کے رسول بیان کر دیں اس کو سمجھنے کے لیے کوئی اہم شبہ کی بات آ جائے تو صحابہ رضی اللہ عنہم سوال اٹھاتے بھی تھے اور اس سوال کی حوصلہ افزائی بھی کی جاتی تھی اور جواب بھی دیا جاتا تھا جہاں شبہ کی کوئی بات نہ ہو اور بلاوجہ سوال اٹھا کر مختلف قسم کے جواب طلب کیے جائیں جیسے مجلس بازی کی صورت ہوتی ہے کہ بیٹھے ہیں ضرورت ہے نہیں اور خوامخواہ کے سوال اٹھا رہے ہیں جس میں دوسرے کو تنگ کرنا مقصود ہے تو یہ ممنوع ہے۔

تو پہلی آیت کا تعلق تو اس مضمون سے ہے اے ایمان والو! نہ سوال کیا کرو ایسی اشیاء کے متعلق کہ اگر وہ تمہارے لیے ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار گزریں احکام کے متعلق بھی کہ کوئی ایسا سخت حکم آ جائے اور واقعات کے متعلق بھی کہ تمہاری مرضی کے خلاف کوئی واقعہ ظاہر کر دیا جائے اور اگر کچھ بھی نہ ہو تو فضول ہونے کی بناء پر تمہیں ڈانٹ بھی پڑ جائے یہ بھی تو آخر ناگواری کی بات ہے "ان تسئلو اعنها " اگر تم ان اشیاء کے متعلق سوال کرو گے جب کہ قرآن اتارا جا رہا ہے تو وہ ظاہر کر دی جائیں گی یعنی نزول قرآن کا موقع ہے تم سوال اٹھاؤ گے تو امکان ہے کہ وضاحت کر دی جائے تو وضاحت کرنے کی صورت میں پھر وہ تمہیں ناگوار ہوگی "عفا الله عنها" ایسے سوالات سے جو کہ فضول کیے جاتے ہیں اللہ نے درگزر کیا یعنی پہلے جو کچھ تم سے ہو گیا اللہ نے درگزر کیا" والله غفور حليم " اللہ تعالیٰ بخشنے والے بردبار ہیں، اس لیے پہلی کوتاہیوں کے متعلق کسی قسم کی گرفت نہیں کریں گے وہ تو اللہ نے معاف کر دیا آئندہ کے لیے محتاط رہنا اس طرز خطرناک کو سمجھانے کے لیے اس قسم کا حوالہ دیا اور اس قوم کا مصداق یہاں یہودی ہیں، سوال کیے تھے ایسے ہی ایسی اشیاء کے متعلق سوال کیے تھے کچھ لوگوں نے تم سے قبل "ثم اصبحوا بها کفرین 'پھر وہ ان کے ساتھ کافر ہو گئے یعنی ان کی قدر نہ کر سکے جو جوابات آئے اور یہ کفر دونوں قسم کا ہے کہ اگر تو احکام کے متعلق سوال تھا پھر جب وضاحت ہوگئی تو وضاحت کے بعد انہوں نے اس پر عمل نہ کیا۔

بلکہ انکار کر بیٹھے اور اگر وہ واقعات کے ساتھ تھا تو جس قسم کا واقعہ ظاہر کیا گیا جو اس سے اثر لینا چاہئے تھا وہ اس سے انہوں نے اثر نہیں لیا اس لیے پھر وہ گرفت میں آ گئے" ثم اصبحوا بها کافرین " پھر ہو گئے وہ ان اشیاء کے متعلق انکار کرنے والے ان باتوں کے متعلق انکار کرنے والے یوں بھی اس کا مفہوم ادا کیا جا سکتا ہے۔

موجودہ دور میں شرک کی مختلف صورتیں:

دوسری بات یہاں جو کہی جا رہی ہے یہ ایک شرکیہ رسم کی تردید ہے توحید اور شرک یہ دونوں آپس میں متقابل چیزیں ہیں توحید میں اللہ تعالیٰ کی ذات کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے اس کی ذات و صفات میں کسی کو

شریک نہیں کیا جاتا بدنی طور پر بھی عبادت اسی کی ہوتی ہے مالی طور پر بھی عبادت اسی کی ہوتی ہے، اور اس عبادت کا ایک شعبہ وہ بھی ہے جو آپ کے سامنے ہدی اور قلائد کے ذکر میں آیا کہ جانور اللہ کے نام کے ساتھ موسوم کر دیئے جاتے ہیں اور پھر ان کو اللہ کے گھر کی طرف بھیجا جاتا ہے وہاں جا کر ان کو ذبح کر کے وہاں کے مساکین مجاور جو بھی ہوں ان کو کھلایا جاتا ہے اور ان کے اوپر تقسیم کیا جاتا ہے یہ ہدی اور قلائد یہ وہی جانور ہیں جن کی نسبت اللہ کی طرف کر دی گئی یا اللہ کے گھر کی طرف کر دی گئی پھر ان کو احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے قرآن کریم میں تاکید آئی کہ ان کے احترام کے خلاف کوئی حرکت نہ کرو، ان سے کسی قسم کا تعارض نہ کیا کرو اور پھر وہ اللہ کے نام پر ذبح کیے جاتے ہیں اللہ کے نام پر ذبح کرنے کے بعد اللہ کے حکم کے ساتھ مساکین کو کھلا دیئے جاتے ہیں تقسیم کر دیے جاتے ہیں ان جانوروں کے متعلق حکم ہے کہ مالک بھی کھا سکتا ہے۔

اور بعض ایسے جانور ہیں جو کفارے کے طور پر یا کسی جنایت کے دم کے طور پر دیئے جاتے ہیں تو اس میں سے مالک نہیں کھا سکتا اللہ کے احکام کے تحت اس کا گوشت جو ہے وہ تقسیم کر دیا جاتا ہے اور کچھ ابتدأ سے ہی سلسلہ ایسا چلا ہے کہ توحید کے مقابلے میں جب شرک کا مقابلہ شیطان نے کیا تو اللہ تعالیٰ کے لیے مسلمان موحد جو کچھ کرتے ہیں اسی قسم کے کام اس نے بتوں کے لیے اور غیر اللہ کے لیے بھی کروانا شروع کر دیئے۔

ابھی آپ جا کر مزاروں پر دیکھ لیں کہ جس طرح سے موحدین اللہ کے گھر کا احترام کرتے ہیں بالکل اسی قسم کے جذبات مشرکوں کے ان مزاروں کے متعلق بھی ہیں اگر بت خانے آپ نے نہیں دیکھے، بتوں کے ساتھ ان بت پرستوں کا برتاؤ آپ نے نہیں دیکھا تو اس کا نمونہ آپ کو مزاروں پر نظر آجائے گا بیت اللہ کے پاس لوگ جاتے ہیں غلاف پکڑتے ہیں اور لپٹتے ہیں اور اس کو ہاتھ لگاتے ہیں اور اس کو اپنے لیے باعث برکت سمجھتے ہیں تو قبروں کے ساتھ بھی یہ لوگ ایسے ہی کرتے ہیں جاتے ہیں ان کے غلافوں کو چومتے ہیں ہاتھ لگاتے ہیں اور مس کرنے کو اپنے لیے باعث برکت سمجھتے ہیں، بوسے دیتے ہیں، چومتے ہیں، وہ سب کچھ ہوتا ہے جس طرح سے بیت اللہ کا طواف کیا جاتا ہے اور اس کے گھر کے ارد گرد لوگ گھومتے ہیں اور یہ عبادت ہے تو آپ کو قبروں کے اوپر اسی طرح سے طواف ہوتا ہوا بھی نظر آجائے گا کہ بزرگوں کی قبروں کے ارد گرد لوگ اسی طرح سے طواف کرتے ہیں خاص طور پر اگر اس کا نمونہ آپ نے دیکھنا ہو تو سب سے زیادہ سلسلہ اوچ (شہر) میں ہے اس کے متعلق تو وہاں مزاروں کے اوپر یہ باقاعدگی کے ساتھ لوگ جاتے ہیں اور جا کر چکر لگاتے ہیں جس طرح سے کہ اللہ کے گھر کا طواف کیا جاتا ہے اور جس طرح سے بیت اللہ کے پاس زمزم ہے اور اس پانی کو مسلمان متبرک سمجھتے ہیں اور اس کی ایک صحیح

نسبت ہے اس کا پینا باعث برکت ہے، اپنے چہرے کے اوپر ڈالنا باعث برکت ہے اسی طرح سے آپ کو مزاروں کے پاس بھی اس قسم کے پانیوں کا سلسلہ مل جائے گا۔

اس کا نمونہ اگر آپ نے دیکھنا ہو تو لاہور میں حضرت گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر دیکھ لیجئے اور بھی مختلف جگہوں میں ہے کہ پاس کوئی ٹونٹی لگی ہوئی ہے وہی ٹینکی کا پانی آتا ہے لیکن لوگ اس کو اس طرح سے متبرک سمجھ کر پیتے ہیں جس طرح سے زمزم کو پیا جاتا ہے اپنے چہروں پر ملتے ہیں، تبرک کے طور پر اس کو استعمال کرتے ہیں کئی مزاروں پر یہ سلسلہ ہے تو زمزم کی طرح اس کو بھی متبرک سمجھ لیا جیسے کہ اللہ کے گھر کا پانی تھا اس کے ساتھ یہ معاملہ کیا گیا۔

جانوروں کو غیر اللہ کے نام پر چھوڑنا:

ایسے ہی یہ جانوروں کا سلسلہ ہے کہ جیسے اللہ کی طرف نسبت کر کے جانوروں کو محترم قرار دیا جاتا ہے تو یہ مشرک اپنے بتوں کی طرف نسبت کر کے بھی بعض جانوروں کو محترم قرار دیتے ہیں ایک جانور تو وہ ہوتا ہے جس کو اس کا قرب حاصل کرنے کے لیے وہ ذبح کرتے ہیں اس کا ذکر تو " ما اهل به لغير الله " میں ہو گیا اور بعض جانوروں کو وہ زندہ چھوڑتے ہیں ان کا قرب حاصل کرنے کے لیے اور ان کو اسی طرح سے محترم سمجھتے ہیں جس طرح سے ہدیٰ اور قلائد کے جانور کو اہل توحید محترم سمجھتے ہیں تو یہ مختلف قسم کے جانور ہوتے بعضوں کو تو اس طرح نے کر دیتے کہ ان کا دودھ جو ہے وہ بتوں کے لیے ہے، اپنے غیر اللہ معبودوں کے لیے اس کو قرار دے دیتے اس کا دودھ کوئی اور استعمال نہ کرتا پھر ان کا دودھ نکالا جاتا بتوں کے اوپر چڑھاوا چڑھا دیا جاتا، بتوں نے تو کیا کھانا پینا تھا وہاں کے مجاوروں کے کام آجاتا۔

کیونکہ اس قسم کے لوگ جو کہ اس قسم کے نذرانے وصول کرنے کے لیے بیٹھے ہوتے ہیں وہ ان کے معبود کے لیے جس کی طرف سے وہ نسبت کرتے ہیں میری اصطلاح میں یہ اس معبود کے لیٹر بکس ہوتے ہیں کہ جو کچھ اس کو دینا ہے مجاوروں کے پیٹ میں جا کر ڈال دو وہاں تک پہنچ جائے گا، ان مجاوروں سے کچھ پڑھانا ایسے ہے کہ جس طرح سے ڈاک کا ٹکٹ لگا دیا اور ان کے پیٹ میں ڈالنا ایسے ہے جس طرح سے لیٹر بکس میں ڈال دیا۔

اب اگر ڈاک بھیجنا چاہیں تو طریقہ یہی ہے کہ اب بتوں کے نام پر دودھ جو ہے وہ مجاور پیتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے معبودوں کو پہنچ گیا دودھ نکالتے نکال کر جا کر بتوں کے نام پر چڑھا دیتے اسی طرح سے یہ شرینی وغیرہ جو کچھ بھی کسی بزرگ کو دیتے ہیں تو اس بزرگ کے نام پر جو لوگ ملنگ بنے بیٹھے ہیں اور وہاں مجاور بنے بیٹھے

ہوتے ہیں ان کا کھالینا ان لوگوں کی نظر میں ایسے ہے جیسے اس بزرگ کو دے دیا۔

اور اگر وہاں مزار پر نہ لے جاؤ کسی دوسری جگہ پر صرف کرو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ڈاک غلط ہوگی وہاں نہیں پہنچے گی اس لیے وہاں لے جاتے ہیں لے جانے کے بعد اہتمام سے وہاں کے مجاوروں کو وہ کھلاتے پلاتے ہیں تب ان کا یہ دل مطمئن ہوتا ہے کہ ہماری یہ چیز جو تھی وہ بزرگ تک پہنچ گئی اس کو تو ''بحیرہ'' کہتے ہیں اور ''سائبہ'' اسی طرح سے ہے کہ جیسے کوئی سانڈھ چھوڑ دیا جاتا ہے وہ بھی کسی بات کی طرف نسبت کر کے کسی جانور کو چھوڑ دیتے کہ اس کے اوپر سواری نہ کرتے اور کسی طرح کا کام نہ لیتے اور ''وصیلہ'' یہ بھی کوئی اونٹنی یا مادہ گائے بکری ہوتی جو متعدد بچے مادہ ہی جنتی اور درمیان کے اندر کوئی نر پیدا نہ ہوتا تو ایسے کو بھی بتوں کی طرف نسبت کر کے چھوڑ دیتے اور ''حام'' یہ اونٹ ہے جو متعین اونٹنیوں کے ساتھ متعین تعداد کے ساتھ جفتی کر لیتا تو اس کو بھی چھوڑ دیتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ یہ اللہ کا متعین کیا ہوا طریقہ ہے ہم اس طرح سے جو کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق کرتے ہیں تو گویا کہ شیطان نے ان جانوروں کو وہی درجہ دلایا تھا جو اہل توحید کی نظر میں ہدی اور قلائد کا تھا کہ اللہ کی طرف نسبت کی وجہ سے ہم اس کا احترام کرتے ہیں تو بتوں کی طرف نسبت کر کے ان کا احترام کروادیا تو یہاں اللہ تعالیٰ نے اس رسم بد کی تردید کی ہے کہ یہ ''بحیرہ سائبہ وصیلہ حام'' یہ اللہ کے متعین کیے ہوئے نہیں ہیں اللہ نے ان کو مشروع نہیں کیا یہ کافر لوگ اللہ پر جھوٹ گھڑتے ہیں اور اکثر ان میں سے بے عقل ہیں جن کے پاس نہ کوئی عملی دلیل ہے، نہ کوئی عقلی دلیل ہے، نہ کوئی ثبوت ہے بلاوجہ ایک غلط رسم کو اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ طریقہ ہمیں سمجھایا ہے اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ طریقہ بتایا یہ تو نفی ہوگئی کہ ان کو مشروع اللہ نے نہیں کیا۔

غیر اللہ کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور کا حکم:

باقی رہا کہ اب اگر اس قسم کے کوئی جانور کسی مزار کے لیے کوئی چھوڑ دے تو پھر ان کا حکم کیا ہے بیان القرآن میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے سورۃ البقرۃ میں ان چاروں جانوروں کو بھی ''ما اھل بہ لغیر اللہ'' میں داخل کر کے حرام قرار دیا ہے کہ یہ بھی ''ما اھل بہ لغیر اللہ'' میں شامل ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہ تحریم کا طریقہ تو نہیں بتایا کہ تم اس طرح سے حرام ٹھہرالیا کرو۔

لیکن اگر کوئی حرام ٹھہرائے گا تو یہ حرام ہو جائیں گے'' ما اھل بہ لغیر اللہ'' میں داخل ہوگئے اور جس وقت تک ان کا چھوڑنے والا اپنی نیت سے توبہ نہیں کرے گا بلکہ یں ان کو اللہ کے نام پر ذبح نہیں کیا جائے گا اس

وقت تک یہ جانور حلال نہیں ہیں'' ماأهل به لغير الله '' کے اندر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو شامل کیا ہے۔

لیکن بیان القرآن کے اندر جو تحریر موجود ہے اس سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے رجوع کرلیا اگرچہ رجوع کا ذکر بیان القرآن کے حاشیے میں نہیں کیا گیا، امداد الفتاویٰ کے اندر مذکور ہے اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس بارے میں وضاحت کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ چاروں جانور'' ماأهل به لغير الله ''میں شامل نہیں ہیں اس طرح مزاروں پر یا بتوں کے نام پر جو جانور چھوڑ دیے جاتے ہیں ان کا ذبح کروانا مقصود نہیں ہوتا کہ ان کی روح نکال کر ان کا تقرب حاصل کیا جائے یہ جانور'' ماأهل به لغير الله ''میں شامل نہیں یہ نسبت ان کی طرف باطل ہے مرنے والے کی ملکیت میں جاتے نہیں اصل مالک کی ملکیت ان کے اوپر باقی ہوتی ہے۔

تو ان کی وہی نوعیت ہے جو آپ کے جانوروں کی دوسرے کے حق میں ہے کہ غیر آدمی مالک کی اجازت کے بغیر اگر ان کو پکڑ کر کھا جائے گا تو ایسی صورت میں یہ فعل حرام ہے غصب ہے چوری ہے جیسے بھی ہے یہ غیر کے مال میں تصرف ہے ہاں البتہ مالک سے اجازت لے لی جائے کہ یہ تو نے بکرا چھوڑا ہے اس کو ہم کھا جائیں، ہمیں اجازت دے دو وہ کہہ دے کہ ہاں تم کھا سکتے ہو تو لے کر اس کو بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرلیا جائے تو پھر وہ بکرا حلال ہے مالک خود کھانا چاہے تو اس کے لیے بھی حلال اور مالک کسی دوسرے کو اجازت دے دے تو اس کے لیے بھی حلال اور مالک جس کو اجازت دے دے اس کے لیے بھی حلال جو زندہ جانور چھوڑے جاتے ہیں جن کی روح نکالنا اس کے تقرب حاصل کرنے کے لیے مقصود نہیں ہوتا اس قسم کے جانوروں میں حرمت نہیں آتی، یوں قرار دے دینا اس طرح سے بتوں کے نام پر یا مزاروں کی طرف نسبت کر کے جانوروں کو چھوڑ دینا یہ حرام ہے اور افعال شرک میں سے ہے۔

لیکن جانور کی حیثیت نہیں بدلتی وہ حلال کا حلال ہے، مالک کی ملکیت میں باقی ہے کسی دوسرے کی ملکیت میں منتقل نہیں ہوا اس لیے مالک سے اجازت لے کر اگر اس کو کوئی پکڑ کر استعمال کرلیتا ہے تو اس کے لیے یہ حلال ہے تو یہ'' ماأهل به لغير الله ''میں داخل نہیں امداد الفتاویٰ کے اندر اس مسئلے کو اسی طرح سے واضح کیا گیا ہے۔

اب اگر کوئی مرغا چھوڑ کر آتا ہے کسی مزار پر وہ وہاں پھر رہا ہے تو اصل مالک کی ملکیت باقی ہے مرنے والے کی ملکیت میں نہیں گیا تو مالک اگر اجازت دے دے کسی کو تو وہ پکڑ کر کھا لے بسم اللہ پڑھ کر ذبح کر کے اس میں کوئی کسی قسم کا حرج نہیں ہے۔

اللہ اور رسول کے مقابلہ میں آباء کا طریقہ اختیار کرنا:

’’واذا قیل لھم تعالوا الی ما انزل اللہ‘‘ یہ ان کی دلیل کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جب انہیں کہا جاتا ہے کہ اللہ کے اتارے ہوئے قانون کی طرف متوجہ ہو جاؤ، آجاؤ اس کو قبول کرلو، اللہ کے رسول کی طرف آجاؤ تاکہ وہ تمہیں کوئی صحیح طریقہ بتادیں۔

توان کی دلیل آگے سے یہی ہوتی ہے کہ نہ بھائی ہمارے لیے تو وہی طریقہ کافی ہے جس کے اوپر ہم نے اپنے آباء کو پایا تو چاہے وہ آباء کا طریقہ کتنا ہی اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف ہو، اللہ کے رسول کی ہدایت کے خلاف ہو، اللہ کے رسول کی ہدایات کے خلاف ہو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اپنے آباء کے طریقے پر چلیں گے اللہ کی اتاری ہوئی بات یا اللہ کے رسول کی بیان کی ہوئی بات ہم قبول نہیں کریں گے۔

تو آپ جانتے ہیں کہ اللہ اور اللہ کے رسول کے مقابلے میں اس طرح اپنے آباء کو اہمیت دے دینا یہ بھی شرک ہے یہ گویا کہ تشریع کے اندر شرک ہے کہ احکام دینا اللہ کا کام ہے لیکن اپنے آباء کو انہوں نے یہ مقام دے دیا کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں چاہے اللہ کے احکام کے خلاف کیوں نہ ہو وہی ماننا ہے تو ان کی دلیل یہی ہے کہ ہم نے تو جو اپنے بڑوں سے طریقہ دیکھا ہے اسی کی اتباع کریں گے تو اس انداز کے ساتھ بڑوں کے پیچھے لگ جانا کہ اللہ اور اللہ کے رسول کی طرف سے صراحتاً حکم آجانے کے باوجود انسان سمجھتا بھی ہے کہ جو کچھ میرے بڑوں نے کہا ہے یہ اللہ کے حکم کے خلاف ہے، اللہ کے رسول کے حکم کے خلاف ہے ایسے طور پر اگر کسی دوسرے کی اتباع کی جائے گی تو یہ بھی شرک ہے اس کو شرک فی التشریع کہہ سکتے ہیں کہ احکام دینا اللہ کا کام ہے اس نے دوسرے کو یہ مقام دے دیا۔

نصاریٰ کا اپنے احبار ورہبان کو رب قرار دینا:

جیسے حدیث شریف میں آتا ہے کہ یہ عدی ابن حاتم رضی اللہ عنہ جس وقت مسلمان ہوئے ہیں یہ پہلے عیسائی تھے انہوں نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک سوال کیا تھا کہ یا رسول اللہ! قرآن کریم کہتا ہے کہ ’’اتخذوا احبارھم ورھبانھم ارباباً من دون اللہ‘‘ کہ ان عیسائیوں نے رہبان اور احبار کو اللہ کے علاوہ رب بنالیا وہ تو ان کو رب نہیں کہتے چونکہ وہ خود پہلے عیسائی تھا اس لیے اس نے کہا کہ قرآن الزام لگاتا ہے کہ انہوں نے ان کو رب قرار دیا حالانکہ وہ انہیں رب نہیں سمجھتے رب قرار نہیں دیتے۔

تو سرور کائنات ﷺ نے جواب یہی دیا کہ بتاؤ کہ وہ احبار اور رہبان کے احکام کو اس طرح سے نہیں مانتے جس طرح سے اللہ کے احکام مانے جاتے ہیں ان کا کوئی حکم ایسا آجائے جو ان کی کتاب کے خلاف ہے اللہ کے بتائے ہوئے حکم کے خلاف ہے تو کیا وہ احبار اور رہبان کی بات کو تسلیم نہیں کرتے اور اللہ کے حکم کو چھوڑ نہیں دیتے؟ جانتے ہوئے بھی کہ یہ حکم اللہ کے حکم کے خلاف ہے؟ وہ کہنے لگ کہ ہاں جی یوں تو کرتے ہیں تو فرمایا کہ یہی ''اتخاذ رب'' ہے یعنی کسی کے حکم کو یہ حیثیت دے دینا کہ اللہ کے حکم کے مقابلے میں وہ حکم دے دے تو اس کو مان لیا جائے یہ ''اتخاذ رب'' ہے یہ شرک ہے انہوں نے ایسے ہی اختیار کر رکھا تھا۔

آیت مذکورہ تقلید کے خلاف نہیں:

''قالو ا حسبنا ماوجدنا علیه اٰباء نا'' یہ بات آپ کی خدمت میں اس لیے عرض کر رہا ہوں کہ بسا اوقات بعض لوگ بے دین قسم کے لوگ مقلدین کے لیے بھی اس آیت کو پڑھا کرتے ہیں کہ ان کو تو ان کے آباء کا طریقہ چاہیئے ان کو نہیں معلوم کہ اللہ نے کیا کہا اور اللہ کے رسول نے کیا کہا ہے اس قسم کی آیتیں وہ مقلدین پر فٹ کرتے ہیں حالانکہ آپ جانتے ہیں تقلید کا یہ مفہوم نہیں کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جو کہہ دیں ہم تو وہی مانیں گے اگرچہ قرآن اور حدیث کے صراحتاً خلاف ہی کیوں نہ ہو ایسی نوعیت بالکل نہیں ہے، تقلید کا مفہوم تو صرف یہ ہوتا ہے کہ ایک ایسے شخص پر اعتماد کر لیا گیا کہ جس کو ہم قرآن اور حدیث کا ماہر سمجھتے ہیں ان کا علم، اس کی دیانت اور تقویٰ کی بناء پر ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جو وہ بات کہتا ہے وہ قرآن وحدیث سے سمجھ کر کہتا ہے اور ہمیں نہ اتنا وسیع علم ہے اور نہ اتنا وسیع تجربہ ہے نہ ہمارا اتنا تقویٰ نہ احتیاط اس لیے ان کے بیان کردہ احکام پر اعتماد کر لیا جائے کہ یہ اللہ اور اللہ کے رسول کے ہی احکام ہیں وہ احکام اس امام کے نہیں سمجھے جاتے۔

بلکہ وہ احکام اللہ اور اللہ کے رسول کے سمجھے جاتے ہیں اس امام کو بیان کرنے والا سمجھا جاتا ہے اور وہ احکام ایسے ہوتے ہیں جو قرآن اور حدیث میں صراحتاً آئے ہوئے نہیں بلکہ اجتہاد اور استنباط کے ساتھ نکالے جاتے ہیں تو اس اجتہاد اور استنباط کے ساتھ نکالنے کی وجہ سے ان کی نسبت امام کی طرف ہوتی ہے ورنہ حقیقت کے اعتبار سے وہ سارے کے سارے احکام شرع کہلاتے ہیں تو یہ بات ان پر صادق نہیں آتی یہاں تو ہے کہ ''ماانزل الله'' اور ''ماقال الرسول'' یہ صراحتاً موجود ہے اور اس کے مقابلے میں ان کے بڑے احکام دیتے ہیں تو جاننے کے باوجود کہتے ہیں کہ ہم ''ماانزل الله'' کو قبول نہیں کرتے ''ماقال الرسول'' کو قبول نہیں کرتے۔

بلکہ جس طریقے کے اوپر ہم نے اپنے آباء کو پایا ہے ہم کو تو وہی طریقہ کافی ہے تو تقلید پر یہ بات صادق نہیں آتی۔

ایسے آباء کی اقتداء جو بے علم و بے عمل ہیں:

''اولو کان اٰباؤ هم لایعلمون شیأ ولا یهتدون'' اس میں ان کی اس دلیل کو رد کیا گیا ہے کہ کیا یہ اپنے آباء کے طریقے کو کافی سمجھتے رہیں گے اگر چہ ان کے آباء ایسے ہوں کہ نہ وہ کسی شئ کا علم رکھتے ہیں نہ وہ ہدایت یافتہ ہیں'' اهتدا'' ہدایت یافتہ یہ عمل کی صورت ہے کہ کسی چیز کے متعلق علم بھی ہو پھر اس کے مطابق چلتا بھی ہو انسان تو کہیں گے کہ یہ علم بھی رکھتا ہے، عالم بھی ہے اور مہتدی بھی ہے تو ان کے آباء نہ تو عالم تھے نہ مہتدی، علم وعمل دونوں سے خالی نہ ان کو اللہ کے احکام معلوم نہ ان کے مطابق ان کا عمل تو جن کے آباء ایسے گمراہ ہوں جاہل ہوں، بے علم ہوں اور راستے سے بھٹکے ہوئے ہوں ان کے طریقے کو اصل قرار دے کر اسی کے اوپر جم جانا یہ کون سی عقل مندی ہے تو یہ ان کی دلیل کے اوپر انکار کیا گیا۔

جس سے معلوم ہو گیا کہ اگر کسی کے بڑے علم وہدایت کے حامل ہوں ان کے پیچھے چلنا اصل کے اعتبار سے اتباع علم وہدایت ہی ہے اس لیے ہم اگر کسی بزرگ کی بات کو مانتے ہیں تو اس لیے نہیں مانتے کہ اس کی شخصی حیثیت ہمارے سامنے ہے بلکہ ہم اس لیے مانتے ہیں کہ علم وہدایت کا سرمایہ ان کے پاس ہے، وہ ایک بات کو جانتے ہیں اس کے مطابق عمل کرتے ہیں علم صحیح ان کے پاس موجود ہے۔

اب اگر ان کی اتباع کی جائے گی تو گویا کہ اصل کے اعتبار سے وہ علم وہدایت کی اتباع ہی ہے اللہ کے مقابلے میں اس بزرگ کی اتباع نہیں ہے۔

اتباع علم کی ہے باپ دادا کی نہیں:

بہرحال اس میں یہ اصول بتا دیا گیا کہ اتباع کے قابل علم اور ہدایت ہے کسی کا اب ہونا جد ہونا کسی کا عمر کے لحاظ سے بڑا ہونا یہ کوئی اتباع کا اصول نہیں ہے جیسے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعے میں صراحت کے ساتھ آیا، آپ کے سامنے سورۃ مریم میں آئے گا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا ''یا ابت انی قد جاء نی من العلم مالم یاتك فاتبعنی'' اے میرے ابا! میرے پاس علم آ گیا جو تیرے پاس نہیں ہے'' فاتبعنی'' تو میری اتباع کر یہ بیٹا باپ سے کہہ رہا ہے جس سے معلوم ہو گیا کہ عمر میں بڑا ہونا اور باپ

ہونا یہ کوئی قابل اتباع چیز نہیں ہے، کوئی اصول نہیں کہ جو عمر میں بڑا ہو یا جو نسبت کے اندر پہلے آ گیا باپ یا دادا ہو گیا اس کی اتباع کی جائے ایسے نہیں بلکہ متبوع ہے علم جس کے پاس علم ہو گا اس کی بات مانی جائے گی جس کے پاس علم نہیں ہے اس کو بات ماننی پڑے گی تو اتباع اصل کے اعتبار سے علم وہدایت کی ہے نہ کہ عمر کے لحاظ سے کسی انسان کی یا نسبت کے لحاظ سے کسی انسان کی تو یہاں بھی وہی بات آ گئی کہ جب ان کو علم نہیں ہدایت نہیں پھر ان کے طریقے کو کافی سمجھنا یہ کیسی عقل مندی ہے۔

یہ اصول اس میں سے سمجھ میں آ گیا کہ جو عمل دلیل کے ساتھ ثابت ہو اس کو تسلیم کیا جاتا ہے اور جس کے پاس علم وہدایت ہو اس کی اتباع کی جاتی ہے باقی عمر کے لحاظ سے بڑا ہونا یا باپ دادا ہونا یہ کوئی متبوع ہونے کی دلیل نہیں ہے'' لا یعلمون شیأ ولا یھتدون'' اگرچہ ان کے بڑے علم وہدایت نہ رکھتے ہوں پھر بھی ان کے طریقے کو کافی سمجھتے رہیں گے۔

اہل ایمان کو تسلی:

'' یاایھاالذین اٰمنوا علیکم انفسکم '' پیچھے مشرکین کی جہالت کا ذکر تھا کہ وہ اپنے طور پر ایک طریقہ تجویز کرتے ہیں جو صراحتاً شرک ہے اور پھر اس کو منسوب اللہ کی طرف کر دیتے ہیں جب ان سے کوئی گفتگو ہوتی ہے تو اپنے باپ دادے کے طریقے کو حجت میں لاتے ہیں یہ ان کا طرز عمل اہل ایمان کے لیے افسوس کا باعث ہوتا تھا تو جب ان کو بار بار سمجھایا جاتا تھا تب بھی نہ سمجھتے تو اس پر غم اور حزن بھی ہوتا ہے تو جیسے بہت ساری آیات میں اللہ تعالیٰ نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے کہا ہے کہ آپ کا کام سمجھانا ہے۔

اگر آپ کے سمجھانے کے بعد یہ لوگ نہیں سمجھتے تو اس میں آپ کا کوئی نقصان نہیں آپ زیادہ غم میں نہ پڑا کیجئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی یہ مضمون بہت ساری آیات میں ذکر کیا گیا اور اس آیت میں اہل ایمان کے متعلق بھی یہی بات کہی جا رہی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ تم اپنی فکر کرو، خود غلطی نہ کرو، اللہ کے احکام پر عمل کرو اور جب تم ہدایت یافتہ ہو گے تو کوئی شخص گمراہ ہو اس میں تمہارا کوئی نقصان نہیں ہے مفہوم اس آیت کا یہی ہے۔

''امر بالمعروف'' اور ''نہی عن المنکر'' کی اہمیت:

اس آیت کے ظاہری مفہوم کی طرف دیکھتے ہوئے شبہ پڑتا ہے کہ شاید'' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر '' ضروری نہیں کیونکہ اس میں لفظ یہ آئیں گے کہ اگر تم ہدایت یافتہ ہو تو کوئی شخص گمراہ رہے تو تمہیں وہ کوئی

نقصان نہیں پہنچا سکتا اس میں تمہارا کوئی ضرر نہیں ہے تو ہلکی سی نظر ڈالنے سے ذہن ادھر جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص خود عمل کرتا رہے اور دوسرے لوگ غلط کار ہوں تو اس کا کوئی نقصان نہیں اور اس کے ذمے یہ کوئی ضروری نہیں کہ اس کو کوئی نیکی سکھائے یا برائی سے روکے یہ مفہوم جو ظاہری طور پر سمجھ میں آتا ہے یہ صحیح نہیں ہے یہ غلط ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بھی بعض لوگوں کو یہ اشکال پیش آیا تھا چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اور دوسرے حضرات نے اس غلطی کو دور کیا بایں طور پر کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم نے سنا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ تم ''امر بالمعروف اورنھی عن المنکر'' کرتے رہو ورنہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جب گرفت ہوگی تو پھر یہی نہیں کہ صرف بدکاروں پر ہی گرفت ہوگی جو اس برائی کو آسانی کے ساتھ برداشت کرتے ہیں روک سکنے کے باوجود نہیں روکتے وہ بھی اس کی لپیٹ میں آجائیں گے حاصل ان روایات کا یہ ہے جو آیت کی تفسیر کے اندر ذکر کی گئیں ہیں اور خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بیان فرمایا مثال دے کر واضح فرمایا کہ اللہ کی حدود میں واقع ہونے والے لوگ یعنی اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کرنے والے اور اللہ کی حدود کے بارے میں سست کار لوگ جو اللہ کی حدود کی مخالفت کو رد نہیں کرتے۔

بلکہ آسانی کے ساتھ برداشت کر لیتے ہیں ان کی مثال اس طرح سے دی کہ جیسے کشتی ہے دو منزلی اس کی دو منزل ہیں اور اس میں کچھ لوگ سوار ہوئے بعض نچلے درجے میں چلے گئے اور بعض اوپر والے درجے میں چلے گئے اب جو نچلے درجے میں ہیں وہ پانی لینے کے لیے اوپر آتے کیونکہ وہ اوپر آکر ہی سمندر سے پانی کھینچ سکتے ہیں لیکن اوپر والے تکلیف محسوس کرتے ان کے آنے جانے سے تو نچلی منزل والوں میں سے ایک شخص نے کلہاڑی لے کر نیچے سے سوراخ کرنا شروع کر دیا کشتی میں، اوپر والوں نے اس سے پوچھا کہ تو ایسا کیوں کرتا ہے وہ کہنے لگا کہ مجھے پانی کی ضرورت ہے اس کے بغیر چارہ نہیں اور جب میں اوپر پانی لینے کے لیے آتا ہوں تو تم تکلیف محسوس کرتے ہو اس لیے میں یہاں سے سوارخ کر کے یہاں سے پانی لے لوں گا۔

تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ اوپر والے اگر نیچے والے کا ہاتھ پکڑ لیں گے اور اسے سوارخ نہیں کرنے دیں گے تو خود بھی بچ جائیں گے اور اسے بھی بچالیں گے اور اگر انہوں نے یوں سوچنا شروع کر دیا کہ ہمیں کیا کہ یہ اپنے درجے میں سوراخ کر رہا ہے تو کرتا رہے تو صرف وہی نہیں ڈوبے گا اکیلا نچلے والے بھی ڈوبیں گے اور ساتھ ہی اوپر والے ڈوبیں گے۔

یہ مثال دی اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ اگر تم اپنے طور پر نیکی کرتے رہواور دوسرے لوگ آپ کے محلے میں آپ کے پڑوس میں اردگرد برائی کرتے ہیں اور آپ یہ سوچ لیں کہ ہمیں کیا، ان کا کیاان کے ساتھ ہمارا کیا واسطہ وہ اپنے گھر میں کرتے ہیں جو کچھ کرتے ہیں ہمیں اس کی کیا تکلیف ہے اس طرح سے کر کے اگر تم چھوڑ دو گے تو پھران کی بدکرداری پر جو عذاب آئے گا وہ صرف انہی پر نہیں آئے گا۔

بلکہ سارا معاشرہ اس کی لپیٹ میں آجائے گا یہ نیکوکار لوگ بھی اس کی لپیٹ میں آجائیں گے اس لیے جہاں تک ممکن ہو''امر بالمعروف نھی عن المنکر'' کرتے رہو''امر بالمعروف کرواور نھی عن المنکر'' کرو، ورنہ اللہ کی طرف سے جب عذاب آئے گا پھر تم دعائیں کرو گے اللہ تعالیٰ دعا بھی قبول نہیں کرے گا اور ایسے ہی ایک واقعہ مشکوۃ شریف میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ فلاں شہر میں جا کر فلاں بستی کو پلٹ دو برباد کردو جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ اس میں تو فلاں بندہ آپ کا ایسا ہے کہ اس نے کبھی آپ کی نافرمانی نہیں کی کیا اس سمیت ہی اس کو پلٹ دیا جائے؟ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملا کہ ہاں اس سمیت ہی پلٹ دیا جائے اس نے اگر میری نافرمانی نہیں کی تو نافرمانوں کو دیکھ کر کبھی اس کی پیشانی پر بل بھی نہیں پڑا، منکرات کو دیکھ کر اس کا چہرہ کبھی متغیر نہیں ہوا، اس سے بھی معلوم ہوا کہ عذاب کی لپیٹ میں ایسے لوگ بھی آتے ہیں جو اپنے کردار میں اگرچہ اچھے ہوں۔

لیکن برائی سے وہ نفرت نہیں کرتے، برائی سے روکتے نہیں یا نیکی کی اشاعت کا جذبہ ان کے اندر نہیں ہے ان روایات سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ صرف اپنا کردار صحیح کر لینا کافی نہیں بلکہ نیکی کی اشاعت اور برائی سے روکنا یہ بھی ضروری ہے اور اس کے بغیر انسان عذاب سے نہیں بچ سکتا۔

آیات وروایات میں تطبیق:

تو پھر اس آیت کے اندر جو آیا کہ جب تم مہتدی ہو گے ہدایت یافتہ ہو گے تو گمراہ ہونے والا شخص تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا پھر ان الفاظ کا کیا مطلب ہے تو اصل بات یہ ہے کہ اس آیت میں اور ان روایات میں کوئی کسی قسم کا تعارض نہیں بلکہ تطبیق ہو جاتی ہے'' اذا اھتدیتم '' کے لفظ کی طرف دیکھتے ہوئے اھتدیٰ کا معنی ہوتا ہے ہدایت قبول کرنا ہدایت کے مطابق چلنا ھدیٰ یھدی راہنمائی کرنا اھتدیٰ راہنمائی کو قبول کر لینا، سیدھا راستہ پالینا اور مہتدی وہ شخص سمجھا جایا کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ احکام کو ادا کرتا ہے، فرضوں کو ادا کرتا ہے اور محرمات سے بچتا ہے، جو شخص فرض ادا نہیں کرتا، محرمات سے بچتا نہیں وہ مہتدی نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف

سے جو فرض عائد ہوتے ہیں انسان پر ان میں سے جس طرح نماز پڑھنا فرض ہے، روزہ رکھنا فرض ہے اسی طرح ''امر بالمعروف نہی عن المنکر'' بھی فرض ہے تو صحیح معنی میں مہتدی وہی سمجھا جائے گا جو اپنے اعمال کو درست رکھنے کے ساتھ ساتھ دوسروں کے اعمال کو درست کرنے کی کوشش کرتا ہے یہ ہے مہتدی تو اب آیت کا حاصل یہ ہوگا کہ جب تم اپنے فرض ادا کر چکے جس طرح سے تم اپنا ذاتی فرائض ادا کرتے ہو جو تم پر فرض عین کے طور پر عائد ہیں جب تم یہ ادا کر چکے۔

اسی طرح سے ''امر بالمعروف ونہی عن المنکر'' بھی فرض ہے تو مہتدی ہونے کے لیے ضروری ہے کہ انسان اس فرض کو بھی ادا کرے ہاں البتہ ایک دفعہ حق دوسرے کے کان تک پہنچا دینے کے بعد یہ فرض ساقط ہو جاتا ہے اگرچہ اولیٰ اور افضل یہی ہے کہ انسان دوسرے کو متاثر کرنے کے لیے ہر قسم کے ذرائع استعمال کرے، بار بار اس سے اصرار کرے، بار بار اس کو سمجھانے کی کوشش کرے جس طرح سے انبیاء علیہم السلام کرتے ہیں۔

لیکن حق کے اظہار کے بعد سب تک آواز پہنچ جانے کے بعد مایوسی ہو جائے کہ یہ مانے گا نہیں ایسے وقت میں بھی فرض ساقط ہو جاتا ہے چنانچہ اسی آیت کی تفسیر کے اندر جو روایات آئیں ہیں ان کے اندر یہ لفظ بھی آئے ہیں کہ جب تم دیکھو کہ لوگ حرص کے پیچھے لگ گئے ہیں حرص اور بخل کی اطاعت شروع ہوگئی حرص کا نتیجہ یہ ہے کہ لوگ دوسروں کے حقوق غصب کرتے ہیں بخل کا نتیجہ یہ ہے کہ دوسروں کے حقوق ادا نہیں کرتے۔

بلکہ مال سمیٹنے اور مال جمع کرنے میں لگ گئے اور جس وقت تم دیکھو کہ خواہشات نفس کی اتباع ہونے لگ گئی کہ لوگ کرتے وہی ہیں جو ان کے جی کے اندر آتا ہے ان کو یہ بحث نہیں کہ یہ کام کہاں تک ٹھیک ہے، کہاں تک ٹھیک نہیں جو دل میں آ گیا وہی کرنا ہے خواہشات کی اتباع شروع ہو جائے اور جس وقت تک تم یہ دیکھو کہ ہر شخص اپنی رائے پر خوش ہے دوسرے کی ماننے کے لیے تیار نہیں یہ تین باتیں ذکر فرمائیں، شُح کی اطاعت شروع ہو جائے ھوا کی اتباع ہو جائے اور ہر شخص اپنی رائے کے اوپر مطمئن ہو اور اپنی رائے پہ خوش ہو کہ میری رائے ٹھیک ہے کسی دوسرے کی بات ماننے کے لیے تیار نہ ہو۔

ایسے وقت میں پھر تم اپنی فکر کرو اور عوام کا معاملہ چھوڑ دو کیونکہ یہ وقت پھر مایوسی کا ہوتا ہے کہ جس میں انسان سمجھتا ہے کہ جب ہر کسی نے اپنی خواہش پر چلنا ہے اور اپنے حرص اور بخل کے تقاضے پورے کرنے ہیں اور اپنی رائے پر ہر کوئی مطمئن ہے تو پھر پیچھے پڑنے کا کیا فائدہ ایسی صورت میں بھی یہ فرض ساقط ہو جاتا ہے اور ایسے ہی ایک تیسری صورت بھی ہے کہ اظہار حق کی صورت میں ''امر بالمعروف نہی عن المنکر'' کی صورت میں

ایسی تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہے جو انسان برداشت نہ کر سکے مثلاً جس کو آپ کہنا چاہتے ہیں وہ کوئی ایسا ذی اقتدار ظالم ہے کہ اگر اس کے اوپر کسی قسم کا انکار کیا گیا تو اپنی پوری قوت کے ساتھ آپ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا اور اس کے دفاع پر آپ قادر نہیں ہیں تو ایسی صورت میں بھی پھر سکوت اختیار کیا جا سکتا ہے۔

ان صورتوں میں ''امر بالمعروف نھی عن المنکر'' ساقط ہو جائے گا عام حالات میں یہ فرض ہے اور مہتدی وہی شخص سمجھا جائے گا جو کہ اس فرض کو بھی ادا کرتا ہو لہٰذا وہ روایات اس آیت کے مطابق ہیں اور یہ مضمون سارے کا سارا ''اذا اھتدیتم'' سے نکلا ہے کہ جب تم ہدایت یافتہ ہو پھر جو شخص گمراہ رہے تمہارا اس میں کوئی نقصان نہیں اور تم ہدایت یافتہ کب کہلاؤ گے جب تم اپنے سارے فرض ادا کرتے ہو جو تم پر عائد ہوتے ہیں جن میں سے ایک فرض یہ بھی ہے کہ ''امر بالمعروف کرو اور نھی عن المنکر'' کرو تو اپنی طرف سے تبلیغ کرنے کے بعد حق کا اظہار کرنے کے بعد پھر اس فکر میں نہ پڑو کہ فلاں نہیں مانا فلاں نہیں مانا اس میں تمہارا کوئی نقصان نہیں ہے، اے ایمان والو! اپنے آپ کو لازم پکڑو، اپنی فکر کرو، اپنے نفع نقصان کو سامنے رکھو ''لا یضرکم من ضل'' نہیں نقصان پہنچائے گا وہ شخص جو بھٹک گیا جب کہ تم ہدایت یافتہ ہو ''الی اللہ مرجعکم جمیعا'' اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے تم سب نے، تمہارا سب کا لوٹنا مرجع لوٹنے کی جگہ یہ مصدر میمی ہے تمہارے لوٹنے کی جگہ سب کی اللہ کی طرف ہے'' فینبئکم بما کنتم تعملون'' پھر وہ خبر دے گا تمہیں ان کاموں کی جو تم کیا کرتے تھے مرجع مصدر میمی کی طور پر بھی آتا ہے اور ظرف کے طور پر آتا ہے۔

''یا ایھاالذین اٰمنوا شھادۃ بینکم'' کا شان نزول:

آگے شہادت کا ایک ضابطہ واضح کیا جاتا ہے اس کے شان نزول میں تفاسیر میں ایک واقعہ نقل کیا گیا ہے تو اس واقعے کو سامنے رکھنے کے بعد اس آیت کا مطلب اچھی طرح سے حل ہو جاتا ہے ایک شخص تھا وائل نامی ودائل رضی اللہ عنہ اس کا نام ہے یہ مسلمان ہے، صحابی ہے، سامان تجارت لے کر یہ کہیں باہر علاقے میں گئے اور ان کے ساتھ دو رفیق اور تھے ایک تمیم اور ایک عدی اور یہ دونوں نصرانی تھے دوسرے علاقے میں پہنچنے کے بعد یہ ودائل رضی اللہ عنہ بیمار ہو گیا کچھ آثار ایسے ہوئے کہ اس کو مایوسی ہوئی کہ میں صحت یاب نہیں ہو سکوں گا اس نے یہ عقل مندی کی کہ اس نے اپنے سامان کی فہرست بنائی کہ میرے پاس فلاں فلاں چیز ہے اور وہ اپنے سامان میں چھپا دی فہرست بنا کر اور پھر اپنے ان دو ساتھیوں کو جو کہ نصرانی تھے اس موقع پر جاننے والا کوئی مسلمان موجود نہیں تھا یہ دونوں نصرانی تھے ان دونوں کو اس نے وصیت کی، ان کو وصی بنا دیا کہ جس وقت تم واپس جاؤ تو میرے ورثا کو یہ سامان پہنچا دینا۔

انہوں نے اس وصیت کو قبول کرلیا ان دونوں کو علم نہیں کہ اس سامان کے اندر کوئی فہرست بھی رکھی ہوئی ہے وہ سامان انہوں نے سنبھال لیا تو اس سامان میں ایک قیمتی چیز تھی چاندی کا پیالہ جس کے اوپر سونے کی پتیاں لگی ہوئیں تھیں قیمتی چیز یہی تھی یہ پیالہ ان دونوں نے چھپالیا اور جس وقت واپس آئے تو باقی سامان اس کا اس کے ورثاء کے سپرد کردیا جب ورثاء نے سامان کی تفتیش کی تو اندر سے فہرست نکل آئی اور اس میں ایک پیالہ کا ذکر تھا جو اس سامان میں سے نکلا نہیں انہوں نے ان دونوں سے پوچھا کہ ہمارے صاحب نے آپ کو وصیت کرنے کے بعد پھر کوئی چیز فروخت تو نہیں کی وہ کہنے لگے کہ نہیں، کوئی علاج معالجے میں خرچ کیا ہو اور اس میں سے خرچ کردیا ہو وہ کہنے لگے کہ نہیں ان سب چیزوں کا انہوں نے انکار کردیا۔

پھر انہوں نے بتایا کہ اس میں سے ایک فہرست نکلی ہے جس میں ایک چاندی کے پیالے کا ذکر ہے وہ کہنے لگے ہمیں اس کا کوئی پتہ نہیں وہ انکار کرگئے اور وہ جو پیالہ تھا اس کو لے جا کر مکہ معظمہ میں ایک سونار کے پاس بیچ دیا اور پھر یہ وہ دائل کے ورثاء وہاں گئے تو انہوں نے وہ پیالہ پہچان لیا کہ یہ تو ہمارا ہے اس سنار سے پوچھا کہ تو نے کہاں سے لیا وہ کہنے لگا کہ تمیم اور عدی دونوں میرے پاس بیچ گئے ہیں سوراغ لگ گیا کہ یہ پیالہ انہیں کے پاس تھا ان سے پوچھا گیا کہ وہ پیالہ تو ہمارا ہے فہرست میں لکھا ہوا تھا اور تم کہتے ہو کہ اور کوئی چیز نہیں تھی تو وہ دونوں کہنے لگے اصل بات یہ ہے کہ ہم نے یہ پیالہ اس سے خرید لیا تھا لیکن چونکہ ہمارے پاس خریدنے کے گواہ نہیں تھے اس لیے ہم نے اس خریدنے کا اظہار نہیں کیا کہ اگر آپ لوگ انکار کردو گے کہ نہیں خریدا تو ہم ثابت کس طرح کریں گے اس لیے ہم نے انکار ہی کردیا کہ اور کوئی سامان ہی نہیں ہے۔

اب یہاں ذرا مقدمے کی نوعیت دیکھ لیجئے کہ جس وقت وہ آئے تو ورثاء ایک قسم کے مدعی تھے کہ تمہارے پاس کوئی اور سامان ہے؟ تو وہ منکر تھے کہ ہمارے پاس نہیں ہے اب صورت حال بدل گئی کہ وہ مدعی ہیں کہ ہم نے خریدا ہے اور ورثاء اپنے علم کے طور پر منکر ہیں کہ تم نے نہیں خریدا، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مقدمہ چلا گیا تو اب قسم آیا کرتی ہے منکر پر تو پہلے تو قسم اٹھائی تھی ان وصیوں نے کہ ہمارے پاس کوئی اور سامان نہیں ہے وہ قسم اٹھا گئے اور اب دوبارہ آگیا واقعہ کہ وہ مدعی تھے کہ ہم نے خریدا ہے اور ورثاء اپنے علم کے طور پر منکر ہیں اب قسم آگئی ورثاء پر لیکن ورثاء قسم اٹھائیں گے اپنے علم پر کہ ہمارے علم میں نہیں کہ انہوں نے خریدا ہے کیونکہ جب کسی دوسرے کے فعل پر قسم اٹھائی جاتی ہے تو پھر اپنے علم کی حد سے اٹھائی جایا کرتی ہے۔

تو جس وقت وہ عدی اور تمیم شاہد نہ پیش کرسکے خریدنے پر اور اولیاء میت جو تھے ان کے اوپر حلف آگئی اور

انہوں نے حلف اٹھالیا اپنے علم کے مطابق چونکہ فہرست میں اس کا ذکر تھا اوران کی کلام مشکوک ہوگئی کہ پہلے کہتے تھے کہ کچھ بیچا نہیں اور کچھ خرچ نہیں کیا اوراب وہ خریدنے کے مدعی تھے تو ایسی صورت میں فیصلہ جو تھا وہ اولیاء کے حق میں ہوگیا اور جو وہ پیالہ تھا وہ اس وائل کے ورثاء کو دلا دیا گیا۔

تو اس واقعے کے اوپر یہ آیات لفظ بلفظ منطبق ہوتی ہیں جب اس واقعہ کو آپ سامنے رکھیں گے تو اس کے بعد ان کا حل کرنا آسان ہوجائے گا۔

تفسیر باللفظ:

''یا ایھاالذین اٰمنوا'' اے ایمان والو! ''شھادة بینکم'' مبتداء ہے اور'' اثنٰن ذوا عدل'' خبر ہے تو مبتداء اور خبر کا آپس میں حمل ٹھیک کرنے کے لیے ذو کا لفظ محذوف نکال لیجئے گواہی والے تمہارے درمیان دو آدمی ہیں عادل تم میں سے جس وقت تم میں سے کسی کو موت آجائے وصیت کے وقت یعنی یہ دونوں ظرفیں ہیں جب تم میں سے کسی پر موت کے آثار طاری ہوجائیں اور وصیت کرنے کا ارادہ ہو ایسے وقت میں گواہی والے تمہارے درمیان دو عادل آدمی ہیں تم میں سے یعنی مسلمانوں میں سے یا اگر مسلمان نہ ہوں تو اپنے غیر میں سے دو آدمی لے لو اگر تم چلو زمین میں یعنی سفر کرو'' فاصابتکم مصیبة الموت '' پھر تمہیں کوئی موت کی مصیبت پہنچ جائے موت کا حادثہ پہنچ جائے اب یہ نوبت آگئی ''ان انتم ضربتم ''اس لیے ذکر کردیا کہ ''اواٰخران من غیر کم '' کی نوبت سفر میں ہی آتی ہے ورنہ انسان اگر اپنی جگہ ٹھہرا ہوا ہو تو وہاں اپنی مرضی کے مطابق مسلمانوں میں سے بھی شاہد مل سکتے ہیں گواہ بن گئے تو یہ'' تحبسو نھمامن بعدالصلوة فیقسمٰن باللّٰہ '' یہ ہے صورتاً خبر معناً انشاء اوراس کا تعلق ہے ''ان ارتبتم '' کے ساتھ کہ اگر تمہیں شبہ پڑ جائے، شک میں واقع ہونا، اگر شبہ ہوجائے کہ ان کا بیان صحیح نہیں ہے تو تم روک لیا کرو ان دونوں کو نماز کے بعد، روک لیا کرو یہ حاصل مفہوم ہے۔

ورنہ روکتے ہو، روکو گے مضارع کا ترجمہ جس طرح سے ہوا کرتا ہے لیکن صورتاً خبر اور معناً انشاء کے طور پر ترجمہ کیا جائے گا روک لیا کرو ان دونوں کو نماز کے بعد، کوئی نماز ہو اس کے بعد روک لیا خاص طور پر روایات میں عصر کا ذکر آتا ہے کہ عصر کے بعد کا وقت متبرک ہے پھر مسجد پھر لوگوں کا مجمع پھر متبرک وقت یہ تغلیظ کے لیے ہوتا ہے کہ قسم میں سختی پیدا کی جائے تو یہ ہمیشہ سے چلی آرہی ہے بات کہ لوگ قسم جو ہے عبادت خانوں کے سامنے یا عبادت خانوں میں لیتے ہیں کہ اس کا نفسیاتی طور پر اثر زیادہ پڑتا ہے۔

ورنہ اللہ کے نام کی قسم میں کوئی فرق نہیں جہاں بھی اٹھالولیکن اگر متبرک جگہ میں اٹھائی جائے اور متبرک وقت میں اٹھائی جائے تو زیادہ شدت پیدا ہوجاتی ہے جیسے مسجد میں لے جا کر قسم لے لے تو یہ تغلیظ ہے قسم کے اندر روک لیا کرو ان دونوں کو نماز کے بعد پھر وہ دونوں اللہ کی قسم اٹھائیں اور قسم اٹھائے ہوئے یہ بات کہیں '' لا نشتری به ثمنا '' کہ ہم اپنی اس قسم کے بدلے میں کوئی قیمت نہیں لے رہے، کوئی ثمن ہم اختیار نہیں کررہے یعنی کوئی مفاد نہیں حاصل کررہے ''ولو کان ذاقربیٰ'' اگرچہ وہ شخص جس کو ہماری قسم سے فائدہ پہنچے ہمارا رشتے دار ہی ہو یعنی نہ اپنی ذات کو فائدہ پہنچانا مقصود ہے نہ اپنے کسی رشتے دار کو فائدہ پہنچانا مقصود ہے اس لیے ہم جو بات کہہ رہے ہیں وہ صحیح صحیح کہہ رہے ہیں جس کے اندر ہم کوئی کسی قسم کی گڑبڑ نہیں کریں گے یہ قوی تغلیظ ہے جس طرح سے نماز کے بعد مسجد میں عبادت خانے میں کھڑے کر کے قسم لینا یہ فعلی تغلیظ ہے تو یہ قولی تغلیظ ہے اور نہیں چھپائیں گے ہم اللہ کی گواہی کو اللہ کی طرف نسبت آگئی گواہی کی اس اعتبار سے کہ اللہ نے حکم دیا ہوا ہے جس کے اظہار کا ہم اس گواہی کو چھپائیں گے نہیں اور چھپانے کے حکم میں ہے اس میں گڑبڑ کرنا اس وقت گناہ گاروں میں سے ہوجائیں یہ سارے کا سارا قولی تغلیظ ہے اس کے بعد وہ اصل مضمون ادا کریں گے کہ ہمارے پاس یہی سامان ہے اور سامان نہیں ہے ''فان عثر علی انهما استحقا اثما'' اگر اطلاع پالی گئی اس بات پر کہ وہ دونوں کے دونوں مستحق ہوگئے ہیں گناہ کے، مرتکب ہوگئے ہیں گناہ کے، یعنی اپنے بیان میں وہ گڑبڑ کر گئے ہیں اور انہوں نے گواہی صحیح نہیں دی۔

اگر کوئی اطلاع مل گئی اگر کچھ قرائن ایسے مل گئے اگر اطلاع پالی گئی اس بات پر کہ دونوں مرتکب ہوئے ہیں گناہ کے ''فاخران یقومٰن مقامهما'' پھر اور دو آدمی کھڑے ہوں گے ان کی جگہ یعنی شاہد بننے کی جگہ ان لوگوں میں سے جن کے خلاف گناہ کا ارتکاب ہوا ہے یعنی ان کے بیان سے جن کی حق تلفی ہوئی ہے جن کے خلاف گناہ کا ارتکاب ہوا ہے ان کی جگہ کھڑے ہوجائیں گے اٰخران وہ ہوں گے کون ان کا بیان ہے ''الاولیٰن'' جو اس مرنے والے کے قریبی رشتے دار ہیں ''اولیٰ المیت'' جو قریبی رشتے دار ہیں یہ بدل ہے اٰخران سے '' فیقسمٰن '' پھر یہ دو قسم اٹھائیں گے کیونکہ اب یہ منکر ہیں جیسے انہوں نے دعویٰ کیا تھا خریداری کا اور یہ منکر تھے اپنے علم کے اعتبار سے یہ قسم اٹھائیں گے اللہ کی اور قسم اٹھاتے ہوئے کہیں گے ''لشهادتنا احق من شهادتهما '' ہماری گواہی ان دونوں کے مقابلے میں زیادہ احق بالقبول ہے، قبول کرنے کے زیادہ لائق ہے یہ زیادہ درست ہے ''وما اعتدینا'' اور ہم نے اس شہادت کے اندر کوئی حد سے تجاوز نہیں کیا جو بات ہم جانتے ہیں وہی کہہ رہے ہیں۔

''انا اذا لمن الظلمین'' بے شک ہم تب ظالموں میں سے ہوں گے یعنی اگر ہم اس گواہی کے اندر اعتداُ کریں گے، حد سے تجاوز کریں گے تو ہم ظالموں میں شمار ہو جائیں گے اور اس کے بعد پھر وہ اپنے شہادت کے مضمون کو ادا کریں قسم اٹھانے کے بعد یا عہد کرنے کے بعد کہ ہم اعتداُ نہیں کریں گے اگر کریں گے تو ظالموں میں ہوں گے پھر وہ اصل مضمون کو ادا کریں ''ذلك ادنیٰ ان یاتو ابالشهادة علیٰ وجهها'' اللہ تعالیٰ اب اس کی اہمیت بیان فرماتے ہیں یہ جو طریقہ انہوں نے تمہیں بتادیا یہ زیادہ قریب ہے کہ لوگ گواہی کو اس کے طریقے پلے آئیں گے۔

یعنی اس طرح سے تغلیظ کی جائے گی، یوں شدت کے ساتھ قسم دی جائے گی تو امید ہے کہ وہ لوگ گواہی صحیح دیں گے یا ان کے دل میں یہ اندیشہ پیدا ہو جائے گا کہ ''ان ترد ایمان بعد ایمانهم'' کہ اگر انہوں نے قسمیں اٹھالیں اور ان قسموں پر دوسرا مطمئن نہ ہوا بلکہ خیانت کے قرائن مل گئے تو ان کی قسموں کے بعد قسمیں کسی دوسرے پر لوٹائی جائیں گی اس اندیشے کے ساتھ ہر فریق گواہی ٹھیک دینے کی کوشش کرے گا ''واتقواالله'' اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو'' واسمعوا'' اور اللہ تعالیٰ کے احکام توجہ سے سنا کرو'' والله لایهدی القوم الفاسقین'' فاسق لوگوں کو، نافرمان لوگوں کو اللہ ان کے مقصد تک نہیں پہنچائے گا اور مقصد ہے آخرت میں جنت کا حاصل کرنا، نجات کا حاصل کرنا، اللہ کی رضا کا حاصل کرنا تو فاسق لوگوں کو یہ ان کا مقصد حاصل نہیں ہوگا جو اللہ کے نافرمان ہیں۔
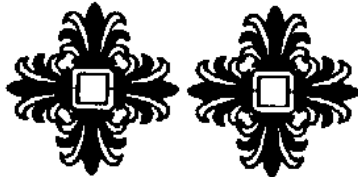
يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ

جس دن جمع کرے گا اللہ تعالیٰ رسولوں کو پھر کہے گا تم کیا جواب دیے گئے ، رسول کہیں گے کہ ہمیں کچھ پتہ نہیں ،

اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ

بے شک آپ غیبوں کے جاننے والے ہیں ﴿۱۰۹﴾ قابل ذکر ہے وہ وقت جب اللہ تعالیٰ کہیں گے اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! یاد کر

نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۟ تُكَلِّمُ

میرے احسان کو جو تجھ پر ہے اور تیری والدہ پر ہے ، جب کہ میں نے تجھے قوت پہنچائی روح القدس کے ذریعے سے ، کلام کرتا تھا تو

النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ

لوگوں سے اس حال میں کہ تو گود میں تھا اور کہل ہونے کی حالت میں ، اور جب کہ سکھائی میں نے تجھے کتاب اور حکمت اور توراۃ

وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ

اور انجیل ، اور جب کہ بناتا تھا تو مٹی سے پرندے کی شکل جیسی چیز میری اجازت سے پھر تو پھونک مارتا تھا

فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ ۚ

اس میں اور پھر میری اجازت سے وہ پرندہ بن جاتی تھی تو تندرست کرتا تھا مادرزاد اندھے کو اور برص والے کو میری اجازت سے ،

وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ

اور جب تو نکال کھڑا کرتا تھا مردوں کو میری اجازت سے ، اور جب کہ میں نے روکا اسرائیلیوں کو تجھ سے جس وقت کہ

جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا

تو ان کے پاس لایا تھا واضح دلائل پھر کہا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا ان میں سے نہیں ہے یہ مگر

سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۰﴾ وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ

صریح جادو ﴿۱۱۰﴾ اور جب کہ میں نے حکم بھیجا حواریین کی طرف کہ میرے ساتھ ایمان لاؤ

وَبِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ اِذْ قَالَ

اور میرے رسولوں کے ساتھ ، تو ان حواریوں نے کہا ہم ایمان لے آئے اور تو گواہ ہو جا کہ ہم مسلم ہیں ﴿۱۱۱﴾ اور جب کہ کہا

الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ

حواریوں نے اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تیرا رب طاقت رکھتا ہے کہ اتارے

عَلَيْنَا مَآىِٕدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

ہمارے اوپر دسترخوان آسمان سے ، عیسیٰ نے کہا اللہ سے ڈرو اگر تم ایمان لانے والے ہو ﴿۱۱۲﴾

قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَىِٕنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ

وہ کہنے لگے ہم چاہتے ہیں کہ اس مائدۃ میں سے خود کھائیں اور یہ کہ ہمارے قلوب مطمئن ہوجائیں اور یہ کہ ہم جان لیں کہ بے شک

صَدَقْتَنَا وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ

آپ نے ہم سے سچ کہا ہے اور یہ کہ ہم اس مائدہ پر گواہوں میں سے ہوجائیں ﴿۱۱۳﴾ مریم کے بیٹے عیسیٰ نے کہا

اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآىِٕدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا

اے ہمارے رب! اتار دے ہم پر کھانا آسمان سے ہوجائے وہ مائدہ ہمارے لئے خوشی کی چیز

لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

ہمارے پہلوں اور ہمارے پچھلوں کے لئے اور تیری طرف سے نشانی، اور ہمیں رزق نصیب فرما تو بہترین رزق دینے والا ہے ﴿۱۱۴﴾

قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بے شک میں اتارنے والا ہوں اس مائدہ کو تم پر، جو ناشکری کرے گا اس کے بعد تم میں سے پھر میں اسے عذاب دوں گا

عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ ع وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ

ایسا عذاب کہ میں جہانوں میں سے ویسا عذاب کسی کو نہیں دوں گا ﴿۱۱۵﴾ اور جب کہے گا اللہ اے عیسیٰ! بیٹے

مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ

مریم کے کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ بنالو مجھے بھی اور میری ماں کو بھی دو معبود علاوہ

اللّٰهِ ؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ

اللہ کے ، عیسیٰ کہیں گے تو پاک ہے میرے لیے یہ بات لائق نہیں تھی کہ میں کہوں ایسی بات جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق نہیں ہے ، اگر میں نے

قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ ؕ

یہ بات کہی ہوتی تو تو بھی تو جانتا ہوتا ، تو جانتا ہے جو کچھ میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو کچھ تیرے علم میں ہے ،

اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۱۱۶﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِیْ بِهٖۤ اَنِ

بے شک تو غیبوں کو جاننے والا ہے ﴿۱۱۶﴾ نہیں کہا میں نے انہیں مگر وہی جس کا تو نے مجھے حکم دیا تھا یہ کہ

اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ ۚ

عبادت کرو اللہ کی جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے ، اور میں ان کے اوپر نگران تھا جب تک میں ان میں موجود تھا ،

فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ عَلَیْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰی كُلِّ

پھر جب تو نے مجھے وفات دے دی تو پھر تو ہی ان کے اوپر نگہبان تھا ، اور تو ہر

شَیْءٍ شَهِیْدٌ ﴿۱۱۷﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ

چیز کے اوپر خبردار ہے ﴿۱۱۷﴾ اگر تو انہیں عذاب دے تو یہ تیرے بندے ہیں ، اور اگر تو ان کو بخش دے

فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۱۸﴾ قَالَ اللّٰهُ هٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ

بے شک تو زبردست ہے حکمت والا ہے ﴿۱۱۸﴾ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ یہ دن ہے جس دن سچوں کو نفع دے گی

صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ

ان کی سچائی ، ان کے لئے باغات ہیں جاری ہوں گی ان کے نیچے سے نہریں اس میں رہنے والے ہوں گے

اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ﴿۱۱۹﴾ لِلّٰهِ

ہمیشہ ہمیشہ ، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ سے راضی ہو گئے ، اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے ﴿۱۱۹﴾ اللہ ہی کے لئے ہے

مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِیْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۲۰﴾ ع

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں ہے اور جو ان سب میں ہے ، اور وہ ہر چیز کے اوپر قدرت رکھنے والا ہے ﴿۱۲۰﴾

تفسیر:

ماقبل سے ربط:

یہ سورۃ المائدہ کے آخری دو رکوع ہیں جو آپ کے سامنے پڑھے گئے ہیں ان میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے یوم قیامت کے کچھ احوال بیان فرمائے ہیں اور سورۃ کے اختتام پر یہ احوال قیامت بیان کر کے اصل کے اعتبار سے ان احکام پر عمل کرنے کی ترغیب ترہیب ہے جو کثرت کے ساتھ اس سورۃ میں ذکر کیے گئے ہیں خصوصیت کے ساتھ بنی اسرائیل کے ساتھ معاہدوں کا ذکر بھی آیا تھا اور ان معاہدوں کی خلاف ورزی کرنے کی بناء پر دنیا وآخرت میں ان کے سامنے سزا کا ذکر بھی کیا گیا تھا اور سرور کائنات ﷺ کی امت کو بھی تاکید کی گئی تھی کہ شھداء لله قوام بالقسط ہو جائیں، انصاف قائم کرنے والے ہو جائیں، شاہد للہ ہو جائیں، اللہ کے لئے گواہی دینے والے یہ مضمون آپ کے سامنے گزر چکا تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس آخری امت سے ایک عہد ہے کہ تم نے ہر وقت اللہ کے لئے گواہی دینی ہے، اظہار حق کرنا ہے، کسی کا لحاظ نہیں کرنا، کسی سے ڈرنا نہیں اور اللہ کے احکام کی پابندی کرنی ہے اب آخرت کے احوال ذکر کر کے یہی تاکید کرنا مقصود ہے کہ ایک دن آئے گا جس میں اللہ تعالیٰ یوں پوچھ گچھ کریں گے اور اس دن کا خیال کرتے ہوئے انسان کو اپنی تیاری رکھنی چاہیئے تو قیامت کے احوال یہاں ذکر کئے گئے ہیں۔

قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام کا اپنی امتوں کی گواہی دینا:

پہلے تو اجمالی طور پر سب رسولوں کا ذکر ہے نقشہ یوں کھینچا گیا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ سب انسانوں کو جمع کریں گے جن میں مرسلین بھی ہوں گے اور مرسل علیہم بھی ہوں گے جن کی طرف رسولوں کو بھیجا گیا ہے یعنی ان کی امتیں بھی موجود ہوں گی اور رسول بھی موجود ہوں گے پھر قرآن کریم میں ایک جگہ آپ کے سامنے آئے گا ہم ان سے بھی پوچھیں گے جن کی طرف رسولوں کو بھیجا گیا یعنی امتوں سے بھی سوال ہوگا امتوں سے سوال کیا ہوگا وہ دوسری جگہ الفاظ آئیں گے "ماذا اجبتم المرسلين" کہ تم نے مرسلین کو کیا جواب دیا تھا جب یہ رسول تمہارے پاس آئے تھے تم نے ان کی دعوت کا کیا جواب دیا تھا یہ ان "مرسل اليهم" سے سوال کیا جائے گا اور اسی طرح سے رسولوں سے بھی پوچھا جائے گا کہ جب تم ان امتوں کے پاس گئے تھے اور جا کر میرا دین پہنچایا تھا تو ان کی طرف سے تمہیں کیا جواب ملا یہ دونوں پر ہی سوال قرآن کریم میں مذکور ہے اور انبیاء علیہم السلام کو شہداء کا مرتبہ دیا گیا ہے "جئنا بكل امة شهيدا" ہر امت سے ہم ایک گواہ کھڑا کریں گے اور یہ گواہ اسی امت کا نبی ہوگا جو کہ اللہ کے سامنے اس امت کے

متعلق بیان کرے گا کہ انہوں نے مانا یا نہیں مانا اور پھر وہ امتی جو کافر تھے وہ انکار کریں گے کہ ہمیں یہ دین پہنچایا ہی نہیں گیا پھر اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام سے پوچھیں گے انبیاء علیہم السلام گواہی کے طور پر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو پیش کریں گے اور اس امت کی گواہی انبیاء علیہم السلام کے حق میں ہوگی۔

بہر حال قرآن کریم کی مختلف آیات میں یہ مقدمے کی شکل اس طرح سے بنی ہوئی ہے اور یہاں صرف یہ مذکور ہے کہ رسولوں سے پوچھا جائے گا "ماذا اجبتم" کہ تم کیا جواب دیے گئے اور یہ سوال جو رسولوں سے ہوگا اصل کے اعتبار سے یہاں سرزنش امتیوں کی کرنا مقصود ہوگی کہ رسول کی حیثیت گواہ کی ہے جب وہ بیان کریں گے کہ ہم ان کے سامنے گئے تھے تیرا دین پہنچایا تھا اور انہوں نے قبول نہیں کیا تو فرد جرم ان کے اوپر عائد ہوسکتی ہے اور یہ سوال رسولوں کے اوپر کرنا یہ اصل کے اعتبار سے اس کی امت کے لئے ہی ایک تنبیہ کی صورت ہے اور سرزنش کی صورت ہے۔

"لاعلم لنا" کی پہلی توجیہ:

تو جب رسولوں سے یہ بات پوچھی جائے گی رسول آگے سے کہہ دیں گے "لا علم لنا" ہمیں کچھ علم نہیں یہ رسولوں کا کہنا کیسے ہوا؟ جبکہ رسول تو گواہ ہیں اور روایات سے معلوم ہوتا ہے اور قرآن کریم کی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گواہی بھی دیں گے اور بیان کریں گے کہ ہم ان کے سامنے گئے تھے ہم نے تیرا دین پیش کیا تھا لیکن انہوں نے نہیں مانا تبھی تو وہ آگے انکار کریں گے اور انکار کرنے کی صورت میں پھر انبیاء علیہم السلام گواہ پیش کریں گے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بھی بطور گواہی کے پیش ہوں گے۔

جس طرح سے پہلے آپ کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی "وجئنا من کل امة شهيدا" اور شہید وہی ہوا کرتا ہے جو آگے آکر گواہی دیتا ہے انبیاء علیہم السلام بیان کریں گے امت کے احوال تو جب یہ بیان کرنے کا ذکر بھی آیا ہوا ہے تو پھر یہاں "لا علم لنا" کا کیا مطلب کہ اے اللہ! ہمیں کچھ پتہ نہیں؟ اس کی توجیہ مفسرین نے مختلف انداز سے کی ہے بعض حضرات نے تو یوں کہا کہ وہ وقت ایسا ہولناک ہوگا اور اللہ تعالیٰ کا جلال اتنا نمایاں ہوگا اور غصے کے آثار اتنے کھلے ہوئے ہوں گے کہ اتنے غصے کے آثار پہلے کھل کر کسی کے سامنے نہیں آئے، جیسا کہ حدیث شفاعت والی لمبی روایت جو حدیث کی کتابوں میں آتی ہے اس کے اندر ان باتوں کا اظہار کیا گیا ہے اور جب وہ جلال کی کیفیت ہوگی تو انسان بڑے چھوٹے جتنے بھی ہیں حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام بھی گھبرائے ہوئے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے جلال کے سامنے ایسے ہوں گے جیسا کہ ہوش بجا نہیں ہیں اور آپ جانتے ہیں کہ جتنا کوئی مقرب زیادہ ہوا کرتا ہے غصہ کی حالت میں تأثر اس کا سب سے زیادہ شدید ہوتا ہے ایک استاذ ناراض ہوجائے تو جن

لڑکوں کا تعلق اس استاذ کے ساتھ نہیں ہے وہ نہیں گھبرائیں گے ان کے اوپر ہیبت طاری نہیں ہوگی، جن کا محبت کا عقیدت کا جتنا زیادہ تعلق ہوگا اتنے ہی زیادہ وہ غصے سے متاثر ہوں گے۔

تو اس طرح سے جب اللہ تعالیٰ کا جلال نمایاں ہوگا تو انبیاء علیہم السلام متاثر ہوں گے تو ایسے تأثر کی صورت میں جب کہ ہوش بجا نہیں گھبرائے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ کے اس غضب کے منکشف ہونے کے ساتھ تو اس گھبراہٹ میں یہ کہیں گے "لا علم لنا" کہ ہمیں کچھ معلوم نہیں اور جب پھر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اللہ تبارک وتعالیٰ کا جلال جمال کی صورت میں بدلے گا تو اس وقت پھر انبیاء علیہم السلام جو کچھ جانتے ہیں وہ اپنی امتوں کے متعلق بیان فرمائیں گے، بیان بہرحال انبیاء علیہم السلام نے کرنا ہے یہ نہیں کہ بیان بالکل کچھ نہیں کریں گے دوسری آیات میں جس طرح سے آتا ہے بیان کریں گے تو جس وقت طبیعت میں کچھ سکون آئے گا سکون آنے کے بعد پھر اپنے علم کو ظاہر کریں گے ورنہ اللہ کے جلال کے سامنے ان کا علم بالکل دب جائے گا، اور ایسے ہوگا جیسا کہ حافظہ میں بالکل کوئی چیز موجود ہی نہیں ہے ایک توجیہ اس کی یوں کی گئی ہے۔

دوسری توجیہ:

اور دوسری توجیہ اس کی یوں کی گئی ہے کہ یہ لفظ تأدب مع اللہ کے طور پر ہے کہ جس طرح کوئی استاذ شاگرد سے مسئلہ پوچھتا ہے کہ فلاں مسئلہ کس طرح ہے تو شاگرد کہتا ہے جی آپ ہی بہتر جانتے ہیں میں آپ کے سامنے اس مسئلہ کو کیا بیان کروں یہ ادب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ بتاؤ تمہاری امتوں نے کیا جواب دیا تھا تو انبیاء علیہم السلام یہ تأثر ظاہر کریں گے کہ آپ کے علم کے مقابلہ میں ہمارا کیا علم ہے آپ زیادہ اچھے جاننے والے ہیں اور پھر جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے مطالبہ ہوگا کہ نہیں آپ اپنے علم کے مطابق بیان کیجئے جو کچھ تم جانتے ہو تو پھر انبیاء علیہم السلام اظہار بھی کر دیں گے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں ایسے ہی تھے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سوال اٹھایا جاتا تو وہ یہی کہا کرتے تھے "الله ورسوله اعلم" کہ اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتا ہے چاہے وہ بات معلوم بھی ہو تو بھی وہ جلدی سے جواب کا اظہار نہیں کرتے تھے بلکہ اللہ اور اللہ کے رسول کے علم کی طرف اس کو محول کر دیا کرتے تھے، اور بعد میں جس وقت پوچھا جاتا اور وہ سمجھتے کہ ہم سے ہی جو کچھ ہماری معلومات ہیں دریافت کی جارہی ہیں تو پھر جو کچھ ان کے علم میں ہوتا بتا دیتے تو یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تأدب کے طور پر ہے۔

تیسری توجیہ:

اور یا جس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ سوال ہوگا تو انبیاء علیہم السلام یہ سمجھیں گے کہ تمام امت کے احوال

پوچھنے مقصود ہیں کہ جن کی طرف تم بھیجے گئے تھے چاہے وہ تمہارے زمانے میں موجود تھے یا بعد میں پیدا ہوئے ان کی طرف سے تمہیں کیا جواب ملا اب یہ واقعہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنے مخاطبین جو اس زمانہ کے اندر موجود تھے ان کے احوال کو تو کچھ جانتے ہیں باقی بعد میں پیدا ہونے والوں کے تفصیلی احوال کو کہ کس نے مانا کس نے نہیں مانا اور کیسے وہ رہے کیسے نہیں رہے یہ تفصیلی احوال انبیاء علیہم السلام نہیں جانتے تو اس لئے "لا علم لنا" کا مطلب یوں گا جیسے کہ بیان القرآن میں واضح کیا گیا ہے کہ یا اللہ! جو ہمارے سامنے موجود تھے ان کا تھوڑا بہت حال ہم جانتے ہیں وہ تو بتا ہی دیں گے باقی مجموعی طور پر کیا حال رہا ہم نہیں جانتے جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے جواب کا حاصل ہے جو آگے قرآن کریم میں آرہا ہے کہ جب تک میں ان میں موجود تھا تو میں ان کے احوال کو جاننے والا تھا اور جس وقت تو نے مجھے اٹھالیا تو اس کے بعد تو ہی جانتا ہے کیا کیا، کیا نہیں کیا تو "لاعلم لنا" کا تعلق ہوگا اپنی وفات کے بعد والے زمانے کے ساتھ۔

چوتھی توجیہ:

یا مطلب یہ ہوگا کہ ان کا ظاہری حال کچھ نہ کچھ ہمیں معلوم ہے باقی حقیقی احوال ان کے کیا تھے، دل میں ان کے کیا جذبات تھے، کلمہ پڑھنے والوں کے دل میں نفاق تھا یا نفاق نہیں تھا اور یا جنہوں نے نہیں پڑھا ان کے کس قسم کے دلائل تھے کس قسم کی بات ان کے دل میں تھی اس اعتبار سے "لا علم لنا" کہہ دیا کہ یہ تفصیل ہمارے علم میں نہیں ہے۔

اہل بدعت کا حوض کوثر سے دھتکارا جانا:

اور ایسے احوال مختلف طور پر قیامت میں پیش آئیں گے، حدیث شریف میں آتا ہے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوں گے اور آپ کی طرف کچھ لوگ آئیں گے جن کو آپ پہچانتے ہوں گے کہ یہ میرے صحابی ہیں میری موجودگی میں انہوں نے اسلام قبول کیا تھا جب وہ آئیں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوثر کی طرف پانی پینے کے لئے تو رکاوٹ ڈال دی جائے گی فرشتے آگے آجائیں گے کہ تم آگے نہیں جاسکتے ان کو پیچھے روک دیا جائے گا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں کہوں گا "اصیحابی اصیحابی" یہ تو میری چھوٹی سی جماعت ہے یہ تو میرے صحابہ ہیں ان کو آنے دو فرشتے جواب دیں گے "انك لا تدری ماحدث بعدك" آپ کو کیا پتہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا کرتوتیں کی ہیں اور کیسی کیسی نئی نئی باتیں پیدا کرلیں اور کس طرح سے دین کو بدل کررکھ دیا اور کیسے ایڑیوں کے بل لوٹ گئے اور یہ مرتد ہوگئے آپ کو کیا پتہ؟ انہوں نے آپ کے بعد کیا کچھ کیا

آپ نہیں جانتے تو جس وقت یہ بات ظاہر کی جائے گی تو پھر سرور کائنات ﷺ فرمائیں گے "سحقا سحقا لمن غیر بعدی" جس نے میرے بعد میرے دین کو بدل کر رکھ دیا وہ دفع ہو جائیں وہ دفع ہو جائیں مجھے ان سے کوئی تعلق نہیں ہے دور ہو جائیں۔

تو ایسے ہوتا ہے کہ اپنی موجودگی میں لوگوں کے احوال کچھ معلوم ہیں اور بعد میں جس قسم کے حالات پیدا ہوئے تفصیلی طور پر انبیاء علیہم السلام نہیں جانتے جس کی بناء پر "لاعلم لنا" کا اظہار کر دیا گیا اور بعد میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے جس وقت سوال ہوگا تو جو کچھ احوال آپ کے سامنے تھے تو وہ انبیاء علیہم السلام بتائیں گے "انك انت علام الغیوب" بے شک غیبوں کا جاننے والا تو ہی ہے اس لئے ہر کسی کی معلومات تجھے حاصل ہیں، تیرے علم کے مقابلہ میں ہمارا علم کچھ نہیں یا ہمارے دنیا میں اٹھ جانے کے بعد بھی سب چھپی چیزیں جو بھی ہیں یہ سب تیرے علم میں ہیں ہم ان کے متعلق کچھ نہیں جانتے ان لوگوں کی دل کی کیفیات کیا تھیں وہ تو ہی جانتا ہے ان کی کیفیات کے متعلق ہم کچھ نہیں جانتے یعنی پچھلی تقریر کے مطابق اس جملے کا مفہوم یوں ہو جائے گا۔

قیامت کے دن ہر شخص سے پانچ سوال:

یہ تو عام انبیاء علیہم السلام سے سوال کا ذکر ہے اور میں نے عرض کیا کہ امتوں سے بھی سوال ہوگا اس طرح انفرادی طور پر ہر شخص سے بھی علیحدہ علیحدہ سوال ہوگا زندگی کا محاسبہ۔

حدیث شریف میں جیسے آتا ہے کہ سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ کوئی آدمی اپنی جگہ سے ہل نہیں سکے گا جب تک کہ پانچ سوالوں کا جواب نہ دے دے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے محشر میں میدان قیامت میں پانچ سوال ہوں گے اور جب تک اس کا جواب نہ دیا جائے اس وقت تک کوئی شخص اپنی جگہ سے ہل نہیں سکے گا، پہلا سوال یہ ہوگا کہ عمر کس چیز میں خرچ کی، دوسرا سوال یہ ہوگا کہ خصوصیت کے متعلق جوانی کے ساتھ کہ جوانی کو کس چیز میں صرف کیا تیسرا سوال یہ ہوگا کہ مال کمایا کہاں سے تھا کیسے کمایا تھا، چوتھا سوال یہ ہوگا خرچ کہاں کیا تھا اور پانچواں سوال یہ ہوگا جو کچھ سیکھا تھا اس کے مطابق عمل کتنا کیا، یہ پانچ سوال ہوں گے ہر کسی پر جب تک اس کا جواب نہ دے دے کوئی بھی اپنی جگہ سے ہل نہیں سکے گا بہر حال اللہ کی طرف سے محاسبہ کے یہ مختلف پہلو ہیں، انبیاء علیہم السلام سے امتوں سے اور ہر ایک سے انفراداً یہ سوال ہوں گے تو یہ ایک اجمالی سا اشارہ کر دیا جس کی تفصیل دوسری آیات اور روایات میں مذکور ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں یہود اور نصاریٰ دونوں کے لیے راہنمائی:

آگے کلام منتقل ہوگئی خصوصیت کے ساتھ عیسیٰ علیہ السلام کی طرف تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام چونکہ بنی اسرائیل کے

انبیاء علیہم السلام میں سے آخری رسول ہیں اس لئے ان کے متعلق جو کچھ بیان کیا جارہا ہے یہ یہود و نصاریٰ دونوں کے لئے ہی ہدایت کا باعث ہے، یہود ان کی حیثیت کو پہنچانتے نہیں تھے تو ان میں ان کی حیثیت بھی مذکور ہے اور عیسائیوں نے ان کو ان کے درجے سے بڑھا کر اللہ کا شریک بنالیا تو اس میں ان کی رسوائی کے حالات بھی سارے کے سارے دکھائے جارہے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جب اللہ تعالیٰ اپنے انعامات کا ذکر کرکے پوچھے گا تو انعامات کے اندر تو ان کی شان نمایاں ہوگی اور جب انعامات ذکر کئے جائیں گے تو یہود رسوا ہوں گے کہ یہ اللہ کے ایسے مقبول بندے تھے اور اللہ نے ان کو یہ یہ دے رکھا تھا اس میں رسوائی یہود کی ہے اور پھر جب ان سے پوچھا جائے گا کہ آپ کی امت نے جو آپ کو الٰہ قرار دیا یہ تعلیم ان کو آپ نے دی تھی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے جب اس کی وضاحت ہوجائے گی تو اس وضاحت کے بعد عیسائیوں کی رسوائی جو ہے وہ بھی اپنی جگہ نمایاں ہوجائے گی باقی انعامات کے سلسلے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جو معجزات ذکر کئے گئے ہیں ان میں سے یہ معجزہ پہلے آپ کے سامنے آچکا ہے اس لئے اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں اس لئے ترجمہ دیکھتے جائیں۔

"یوم یجمع اللہ الرسل" یاد کرنے کے قابل ہے وہ دن، دھیان رکھنے کے قابل ہے وہ دن جس دن کہ اللہ تعالیٰ رسولوں کو اکٹھا کرے گا پھر پوچھے گا کہ تم کیا جواب دیے گئے رسول کہیں گے ہمیں کچھ علم نہیں بے شک تو غیبوں کو جاننے والا ہے، جب اللہ تعالیٰ فرمائیں گے عیسیٰ علیہ السلام کو اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! میرے احسان کو یاد کرو جو تجھ پر ہے اور تیری والدہ پر بھی آگے اس کی کچھ تفصیل جب کہ میں نے تجھے قوت پہنچائی روح القدس کے ذریعے سے کہ یہود تیری مخالفت کررہے تھے، قتل کرنے کے درپے تھے، سولی تجھے چڑھانا چاہتے تھے مختلف قسم کی تکلیف دیتے تھے تو میں نے تجھے قوت پہنچائی جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے سے ایک انعام "تکلم الناس فی المھد و کھلا" اس کی تفصیل سورۃ مریم میں آئے گی ویسے ان الفاظ کا تذکرہ پہلے سورۃ نساء کے اندر ہوچکا تو کلام کرتا تھا لوگوں سے بچپن میں بھی اور بڑی عمر میں بھی، بچپن میں کلام کی تھی جب ابھی ان کو حضرت مریم علیہا السلام نے جنا ہی تھا اور بالکل گود میں تھے اور یہود آگئے تھے گفتگو کرنے کے لئے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے سامنے بہت تقریر کی تھی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر کے متعلق مختلف آراء:

اور "کھلا" بڑی عمر میں بھی تو لوگوں سے باتیں کرتا تھا، بڑی عمر میں تو سارے لوگ ہی باتیں کیا کرتے ہیں تو پھر یہاں اس کو خصوصیت سے ذکر اس لئے کیا جارہا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی بات بڑی عمر میں اور بچپن میں ایک ہی جیسی تھی، بچپن کے اندر بولے تو ایسے نہیں جیسے کوئی بچہ مہمل سی باتیں کیا کرتا ہے جن کا کوئی موقع نہیں ہوتا محل نہیں ہوتا بے جوڑ سے قصے بے معنی سی گفتگو مہمل گفتگو جیسے بچوں کی ہوا کرتی ہے ایسی نہیں بلکہ آپ کی کلام "فی المھد

و کھلا " دونوں ایک ہی طرح کی تھی جیسے بڑی عمر میں تقریر کرتے تھے جو حکمت سے بھری ہوئی تقریر تھی اسی طرح بچپن کے اندر جو گفتگو کی وہ بھی اللہ کی معرفت سے اللہ تعالیٰ کی توحید سے بھرپور تھی اور ایسے ہی کھلا کے لفظ سے استدلال کیا گیا ہے نزول عیسیٰ علیہ السلام پر کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بعض روایات کے مطابق کہولت کی عمر سے پہلے اٹھالیئے گئے اور کہولت کی عمر دوبارہ آنے کے بعد ان کے اوپر ہوگی یہ بعض روایات میں ذکر کیا گیا ہے تفصیلی روایات میں "کھلا" کے لفظ سے ان کے نزول کی طرف اشارہ لیا گیا ہے جیسے معارف القرآن میں یہ بات مذکور ہے۔

لیکن یہ بات سید انور شاہ کشمیری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے خلاف ہے ان کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کل عمر ایک سو بیس سال ہے اور نبوت ان کو عام طریقے کے مطابق چالیس سال کی عمر میں ملی اور نبوت ملنے کے بعد چالیس سال تک وہ اس دنیا میں رہے اسی سال کی عمر میں اٹھائے گئے اور جس وقت دوبارہ نازل ہوں گے تو چالیس سال پھر رہیں گے مجموعی طور پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس سال ہوگئی اس لئے کہولت کے لفظ سے جس طرح استدلال کیا جاتا ہے یہ بات ان کی تحقیق کے مطابق نہیں ہے، اور آپ نے جلالین کے اندر پڑھا ہوگا کہ بتیس یا تینتیس سال کے ہوں گے جب اٹھالیے گئے اور بتیس تینتیس سال کی عمر یہ کہولت کی عمر میں نہیں ہے یہ جوانی کا منتہا ہے اس کے بعد کہولت کی عمر شروع ہوتی ہے، اور پھر جس وقت اتریں گے تو سات سال ان کا قیام ہوگا اور چالیس سال کی عمر میں وفات پاجائیں گے، تفسیروں کے اندر اس قسم کی روایتیں بھی مذکور ہیں، بہرحال ان کی عمر کتنی ہے کتنی عمر کے اندر یہ اٹھائے گئے اس کے بارے میں کوئی قطعی بات نہیں کہی جاسکتی علماء کی تحقیقات اس سلسلے میں مختلف ہیں تو حضرت سید انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو بات کی ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ سات سال کا زمانہ ان کا مہدی کے ساتھ ہے تینتیس سال کا زمانہ ان کا علیحدہ ہے تو یہ تینتیس اور سات کی جو روایات موجود ہیں وہ آسمان سے اترنے کے بعد کا حساب ہے سات سال وہ حضرت مہدی علیہ السلام کے ساتھ موجود رہیں گے اور حضرت مہدی علیہ السلام کے انتقال کے بعد پھر امامت کلیۃً وہ سنبھال لیں گے اور پھر وہ تینتیس سال موجود رہیں گے تو یہ چالیس سال کا حساب ان کے آسمان سے زمین پر اترنے کے بعد کا ہے سات اور تینتیس کی تقسیم پوری ہوجاتی ہے ورنہ کل عمر ان کی انہوں نے ایک سو بیس سال قرار دی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حسی معجزات:

"واذ علمتك الكتاب والحكمة" میں نے تجھے آسمانی کتابوں کی تعلیم دی، حکمت اور دانشمندی کی باتیں سکھائیں، خصوصیت کے ساتھ توراۃ اور انجیل سکھائی اور بعض حضرات کے نزدیک الکتاب سے یہ قرآن کریم

مراد ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کو اس کتاب کا بھی تفصیلی علم ہے اور حکمت سے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مراد ہے تو کتاب وحکمت سے مراد ہوگئی کتاب وسنت یعنی قرآن وحدیث کا علم یہ خصوصیت کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تفصیلاً دیا گیا ہے کہ جب انہوں نے آخری عمر میں اترنا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے آخری حصے میں جب انہوں نے نازل ہونا ہے تو یہاں آکر لوگوں کی ہدایت قرآن وسنت کے مطابق کرنی ہے تو ان کو تفصیلی علم ہوگا تو وہ صحیح طرح راہنمائی کرسکیں گے اور اگر ان کو اس چیز کا تفصیلی علم نہ ہو تو اس امت کو قرآن وسنت کے مطابق وہ کیسے چلائیں گے اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چونکہ قرآن وسنت پر عمل کرنا ہے اور اس امت کو کروانا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے توراۃ وانجیل کے ساتھ ساتھ قرآن وسنت کا علم بھی ان کو پورا پورا دیا جب وہ آئیں گے تو قیادت جو اس امت کی کریں گے تو کتاب وسنت کے مطابق کریں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام قرآن وسنت کے ماہر ہوں گے:

"واذتخلق من الطين كهيئة الطير" یہ حسی معجزات ہیں، جس طرح سے وہ معنوی معجزات تھے یہ حسی معجزات ہیں کہ تو مٹی کی ایک صورت بناتا تھا پرندے جیسی اور پھر تو اس میں پھونک مارتا تھا تو میری اجازت کے ساتھ وہ پرندہ بن جاتا تھا یہ معجزہ امت کے سامنے پیش کیا گیا اب یہ "كهيئة الطير" مٹی کی شکل بنانا یہ ہے تصویر بنانا اور ان کے لئے یہ جائز تھی ہمارے ہاں مٹی کی اس طرح کی شکل بنانا جیسے کہ پرندے کی ہوتی ہے یہ جائز نہیں ہے، ہماری شریعت میں یہ حرام ہے اور ان کی شریعت میں جائز تھی اس لئے وہ ایک پرندے کا فوٹو بناتے اور مٹی کی اس کی صورت بناتے جس طرح سے بت بنایا جاتا ہے بعد میں اس میں پھونک مارتے وہ زندہ ہو جاتا لیکن یہ سارے کا سارا باذنی تھا تو جس سے معلوم ہوگیا کہ اصل قوت اور طاقت اس میں اللہ کی تھی۔

اور تو تندرست کرتا تھا مادرزاد اندھوں کو، کوڑھیوں کو میری اجازت کے ساتھ اور جب کہ تو نکال کھڑا کرتا تھا مردوں کو میری اجازت کے ساتھ اور جب میں نے روکا بنی اسرائیل کو تجھ سے، بنی اسرائیل سے یہاں یہودی مراد ہیں جو آپ کو تکلیف پہنچانا چاہتے تھے جب تو ان کے پاس واضح دلائل لے کر آیا تو ان میں سے کافروں نے کہا کہ یہ تو صریح جادو ہے ان معجزات کو جادو کا اثر قرار دیا اور تجھے جادوگر قرار دیا اور اسی طرح سے وہ تیرے مخالف ہو گئے وہ تجھے نقصان پہنچانا چاہتے تھے میں نے تیرے اوپر انہیں قدرت نہیں دی اور پھر حواریین جن کا ذکر پہلے ہو چکا یہ ایک گروہ تھا اس وقت موجود دھوبیوں کا کپڑے صاف کیا کرتے تھے ان کی طرف میں نے تیری

وساطت سے حکم بھیجا کہ میرے پر ایمان لاؤ اور میرے رسولوں پر ایمان لاؤ وہ ایمان لے آئے اور انہوں نے کہا کہ تو گواہ ہو جا ہم فرمانبردار ہیں اور ہم اسلام قبول کرنے والے ہیں۔

حواریوں کا پکا پکایا کھانا منگوانے کا مطالبہ:

پھر آگے حواریین نے ایک معجزے کا مطالبہ کیا جو یہاں ذکر کیا جا رہا ہے اس میں مائدہ کا ذکر آیا ہوا ہے تو سورۃ المائدۃ اسی وجہ سے اس سورۃ کو کہتے ہیں کہ اس میں مائدہ کا ذکر ہے، اس لفظ سے سورۃ کا نام ماخوذ ہے۔

جب کہ حواریوں نے کہا اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تیرا رب یوں کرسکتا ہے یعنی اس وقت کوئی حکمت مانع تو نہیں کہ ہمارے اوپر پکا پکایا کھانا اتار دے آسمان سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ کہنا کہ اللہ سے ڈرو اگر تم ایمان لانے والے ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ رزق ہمیشہ اس کے اسباب سے طلب کرو اللہ تعالیٰ سے معجزات کا مطالبہ کرنا اور اس کی قدرت کا امتحان کرنا بندوں کی شان کے لائق نہیں ہے اس لئے اس قسم کا مطالبہ نہ کرو رزق تمہیں چاہئے تو جو اللہ تعالیٰ نے ذرائع رزق کے متعین کیے ہوئے ہیں اسی طریقے کے ساتھ رزق طلب کرو اس طرح خلاف اسباب اللہ تعالیٰ کی قدرت کا امتحان کرنے کے لئے تم جس قسم کے امتحان کا مطالبہ کر رہے ہو یہ مناسب نہیں ہے یہ تمہاری ایمانی شان نہیں ہے وہ کہنے لگے کہ نہیں جی ہماری کچھ مصلحتیں ہیں وہ مصلحتیں یہ ہیں کہ اس سے ہم کھائیں گے، برکت والا کھانا ہوگا برکت حاصل کریں گے دوسرے یہ ہے کہ اس معجزے کو دیکھ کر ہمارے دلوں کو زیادہ اطمینان آئے گا اور آپ کی صداقت جو ہے وہ زیادہ نمایاں ہوگی اور آنے والے لوگوں کے سامنے ہم چشم دید گواہ کے طور پر پیش ہوں گے ہم تو اس قسم کے فوائد کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ ہمارے اوپر کوئی کھانا اترا دیئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آ جائے۔

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کی نیت اچھی ہے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! اے ہمارے پروردگار! ہم پر پکا پکایا کھانا اتار دے آسمان سے جو ہمارے لئے خوشی کا باعث ہو جائے اگلوں کے لئے بھی اور پچھلوں کے لئے بھی، اگلوں سے مراد جو اس وقت موجود ہیں پچھلے جو بعد میں منگوائیں گے تو تیری قدرت کی اور میری صداقت کی ایک نشانی بھی ہو جائے گی ہمیں عطا فرما یعنی یہ مائدہ "وارزقنا" کا مفعول وہ مائدہ ہو جائے گا اور تو بہترین عطا کرنے والا ہے، رزق دینے والوں میں سے تو بہترین رزق دینے والا ہے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کر دی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب آیا کہ میں اس مائدہ کو تم

پر اتارنے والا ہوں میں اتار دوں گا لیکن جتنی بڑی نعمت ہوا کرتی ہے اس کا شکر بھی اتنا بڑا ہوتا ہے، اب اتنا صریح معجزہ اور اتنا واضح انعام کہ پکا پکایا کھانا اترے یہ اتر گیا اور اگر اس کی ناشکری ہوئی اور اس کا شکر ادا نہ ہوا تو پھر عذاب بھی ایسا ہی دوں گا جو کسی کو نہیں دیا۔

آگے پھر تفاسیر کے اندر دونوں طرح کی روایتیں موجود ہیں بعض روایات میں تو آتا ہے کہ پھر یہ مائدہ اترا تھا اور ان لوگوں نے اس میں سے کھایا لیکن کھا کر پھر یہ غرائے اور نافرمانی کی یا اس مائدہ کے اندر خیانت کی کہ حکم تھا کہ جتنی ضرورت ہو اتنا کھالیا کرو باقی اٹھا کر اگلے دن کے لئے نہ رکھا کرو انہوں نے خیانت بھی شروع کر دی، تو پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو بندروں اور خنزیروں کی شکل میں مسخ کر دیا، اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات آئی کہ اس کی ناشکری ہوئی اور اس کی قدر نہ کی گئی تو میں عذاب ایسا دوں گا کہ جہاں والوں میں سے کسی کو ایسا عذاب نہیں دیا ہوگا تو پھر وہ ڈر گئے اور اپنے اس مطالبہ سے دستبردار ہو گئے بہر حال آگے قطعیات کے ساتھ یہ مذکور نہیں ہے کہ مائدہ اترا تھا یا نہیں اترا تھا روایات آخری درجہ کی جس طرح سے ہوا کرتی ہیں تفصیلی روایات اس میں دونوں قسم کی باتیں مذکور ہیں ان میں سے کسی ایک کا یقین نہیں کیا جا سکتا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا عیسائیوں سے اعلان لاتعلقی:

"واذقال الله یعیسیٰ ابن مریم " یہ انعامات کو یاد دلانا یہ تو تمہید ہے اب آگے اس میدان میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جو سوال کیا جائے گا اس کو ذکر کیا ہوا ہے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو الٰہ بنا لو اللہ کے علاوہ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہیں گے کہ یا اللہ! تو شرک سے پاک ہے میں ایسی بات کیسے کہہ سکتا ہوں جس کے کہنے کا مجھے حق نہیں یعنی تبری کریں گے تو جس وقت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کے سامنے خود یہ تبری کر دیں گے کہ میں نے ایسا نہیں کہا تو ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جو کہ اس دلیل کے ساتھ عیسیٰ علیہ السلام کو الٰہ کہتے رہے کہ یہ تعلیم انہیں کی ہے اور ہم جو کچھ کرتے ہیں انہیں کے کہنے پر کرتے ہیں وہ سارے کے سارے وہاں ذلیل ہو جائیں گے اور رسوا ہو جائیں گے، تو پہلے تو تبری کریں گے کہ میں ایسی بات نہیں کہہ سکتا جس کا مجھے حق نہیں پھر اللہ تعالیٰ کے علم کا حوالہ دیں گے کہ اگر میں نے یہ بات کہی ہوتی تو تجھے پتہ نہ ہوتا یعنی اگر تیرے علم میں نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس بات کا وجود ہی نہیں ہے ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں نے کہی ہو اور تجھے پتہ نہ ہو "تعلم مافی نفسی" تو جانتا ہے جو کچھ میرے جی میں ہے میرے دل میں ہے تو "علیم

بذات الصدور" ہے، تو دل کے جذبات دل کے خیالات کو بھی جانتا ہے تو جو بات زبان سے کہی ہوگی اور علی الاعلان کہی ہوگی وہ کیسے تجھے معلوم نہیں ہے اور جو کچھ تیرے علم میں ہے وہ میں نہیں جانتا تو "مافی نفسك" کا ذکر یہاں مشاکلتہ ہے "انك انت علام الغیوب" بے شک تو غیبوں کو جاننے والا ہے۔

یہ تو نفی ہوگئی اس بات کی کہ اس شرک کی تعلیم میں نے ان کو نہیں دی اب دوسرا پہلو کہ میں نے ان کو توحید سکھائی ہے جس کے سکھانے کے لئے تو نے مجھے بھیجا تھا "ماقلت لهم الا ماامرتني به" نہیں کہی میں نے انہیں مگر وہی بات جس کے کہنے کا تو نے مجھے حکم دیا تھا، جس کے لئے تو نے مجھے مامور کیا تھا وہی بات میں نے ان کے سامنے کہی ہے اور وہ بات یہ ہے کہ "ان اعبدوالله ربي وربكم" کہ عبادت کرو اللہ کی جو تمہارا بھی رب ہے اور میرا بھی رب ہے اس رب کی عبادت کرو عبادت کا مفہوم آپ کے سامنے آ ہی چکا یعنی وہ اللہ میرا بھی پالنے والا ہے میری ضروریات کو پورا کرنے والا ہے اور تمہارا پالنے والا تمہاری ضروریات کو بھی پورا کرنے والا "وكنت عليهم شهيدا" اور میں ان کے اوپر خبر رکھنے والا تھا "مادمت فيهم" جس وقت تک میں ان میں موجود تھا جب تک میں ان میں موجود تھا مجھے ان کے حالات کی خبر تھی کہ کیا کرتے ہیں اور کیا نہیں کرتے "فلماتوفيتني" جس وقت تو نے مجھے وصول کر لیا اٹھا لیا چاہے موت کے ذریعہ سے چاہے رفع کے ذریعے سے دونوں باتوں پر یہ صادق آئے گی پھر تو ہی ان کے اوپر رقیب تھا نگہبان تھا پھر مجھے نہیں معلوم انہوں نے بعد میں کیا کیا، کیا نہیں کیا "وانت علىٰ كل شيء شهيد" اور تو ہر چیز کے اوپر نگہبان ہے۔

ابتداء میں بیان کرتے ہوئے سرور کائنات ﷺ کا وہ واقعہ میں نے آپ کے سامنے ذکر کیا کہ کچھ لوگ آپ کی طرف آئیں گے اور فرشتے ان کے سامنے رکاوٹ ڈال دیں گے آپ تک پہنچنے نہیں پائیں گے اور حضور ﷺ کہیں گے "اصیحابی اصیحابی" اور جواب دیا جائے گا "انك لاتدري مااحدث بعدك" پھر حضور ﷺ ان سے تبری کر دیں گے "سحقا سحقا لمن غير بعدي" تو ایک روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ پھر میں ویسے ہی کہوں گا جیسے اللہ کے ایک بندے نے کہا تھا "كنت عليهم شهدامادمت فيهم فلماتوفيتني كنت انت الرقيب عليهم" جس طرح سے اللہ کے نیک بندے نے کہا تھا میں بھی پھر ایسے ہی کہہ دوں گا یا اللہ! مجھے ان کا کیا پتہ جب تک میں ان میں موجود تھا ان کے حالات کی مجھے خبر تھی اور جب تو نے مجھے وفات دے دی تو اس کے بعد تو ہی جانتا ہے کہ یہ کیا کرتے رہے کیا نہیں کرتے رہے، تو اس لئے پہلے تو حضور ﷺ کہیں گے "اصیحابی اصیحابی" تو اپنے اس علم کے مطابق کہیں گے جو کہ دنیا کے اندر ان کو

تھا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اسلام قبول کیا ہے بعد میں انکار زکوٰۃ کے ذریعے یا مسیلمہ کذاب کے حامی بننے کی وجہ سے، اسود عنسی کے ساتھ شامل ہونے کی وجہ سے جو ارتداد پھیلا تھا تو کچھ لوگ اس میں پھر گئے تھے اس لئے پھر آپ تبری کر دیں گے کہ مجھے ان کے حالات کی کوئی خبر نہیں ہے اور ویسے ہی جواب دوں گا جس طرح سے عیسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا تھا کہ جب تک میں موجود تھا مجھے ان کے حالات کی خبر تھی اور جب تو نے مجھے اٹھالیا تو مجھے کچھ پتہ نہیں انہوں نے کیا کیا، کیا نہیں کیا۔

"ان تعذبھم فانھم عبادك" یہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی امت کے ان لوگوں کے متعلق جنہوں نے کفر وشرک کیا ایک قسم کی لاتعلقی کا اظہار ہے کہ میرا ان سے کوئی واسطہ نہیں ہے تیری مرضی ہے ان کو سزا دے دے یہ تیرے بندے ہیں سزا دے گا تو سزا دینے کا بھی حق ہے یہ تیرے بندے ہیں جس طرح سے چاہے ان کو عذاب دے اگر تو ان کو بخش دے تو بخشنا بھی تیری قدرت اور حکمت کے ساتھ ہے مطلب یہ ہے کہ بخشنے پر بھی تو مجبوری کوئی نہیں اگر چاہے تو بخش دے اگر چاہے تو نہ بخشے کوئی مجبوری نہیں کسی قسم کی، تو قدرت والا بھی ہے حکمت والا بھی ہے، ہر بات پر تجھے قدرت حاصل ہے تو معاف کرنا چاہے تو معاف بھی کرسکتا ہے، سزا دینا چاہے تو سزا بھی دے سکتا ہے مطلب یہ ہے کہ میرا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے اس طرح سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام جواب دے دیں گے، جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام جواب دیں گے تو پھر عیسائی نصرانی جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شریک ٹھہرایا تھا اللہ تعالیٰ کا یا ان کی ماں کو ان کی رسوائی سب لوگوں کے سامنے ہوگی۔

جنت کی سب سے بڑی نعمت اللہ کی رضا کا حاصل ہونا ہے:

آگے پھر عمومی حال ذکر کر دیا اللہ تعالیٰ نے کہ یہ وہ دن ہے کہ جس دن سچوں کو ان کی سچائی نفع دے گی صدق قول میں بھی ہوتا ہے اور فعل میں بھی ہوتا ہے، قول سچا وہ ہوتا ہے جو واقعہ کے مطابق ہو اور فعل سچا وہ ہوتا ہے جو حکم کے مطابق ہو اس لئے جنہوں نے اچھے اقوال یا اچھے افعال اختیار کئے یہ صدق ان کو نفع دے گا اور ان کے لئے باغات ہوں گے جن کے نیچے سے نہریں جاری ہوں گی ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہنے والے ہوں گے اللہ ان سے راضی ہوگیا وہ اللہ سے راضی ہوگئے اللہ ان سے راضی اس لئے ان کو بخش دیا اور اپنی رضا کا اعلان کر دیا اور وہ بھی اللہ سے راضی کہ ان کے دل میں بھی کوئی ایسی بات نہیں ہے کہ اللہ کو ہمارے ساتھ یوں کرنا چاہیئے تھا یوں ہمیں انعام دینا چاہیئے تھا نہیں دیا اس قسم کا شکوہ شکایت ان کو بھی نہیں ہوگا بندوں کی طرف سے رضا کا یہی مطلب ہوتا ہے دنیا میں ہوتا ہے کہ حاکم ایک آدمی پر خوش ہوگیا اور خوش ہو کر اس نے انعام دے دیا لیکن وہ رعایا کا آدمی وہ ماتحت جس کو

انعام دیا گیا ہے وہ دل میں کڑھتا ہے کہ میری خدمات تو زیادہ تھیں انعام تھوڑا دیا گیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ حاکم تو راضی ہے لیکن ماتحت راضی نہیں ہے حاکم نے تو راضی ہو کر انعام دے دیا اپنے خیال کے مطابق لیکن ماتحت یہ سمجھتا ہے کہ جتنے انعام کا میں مستحق تھا اتنا نہیں دیا گیا اور میرا اکرام اس سے زیادہ ہونا چاہیئے تھا جتنا کہ انہوں نے کیا ہے تو پھر یہ کیفیت ہوتی ہے کہ بڑا تو خوش ہے لیکن چھوٹا خوش نہیں ہے۔

لیکن یہاں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے معاملہ ہوگا ان صادقین کے ساتھ وہ دوطرفی رضا ہوگی کہ جو اللہ تعالیٰ کا برتاؤ ہوگا اس پر بندے بھی خوش ہوں گے اور بندوں کے حالات پر اللہ بھی خوش ہوں گے، اور اللہ کی طرف سے رضا کا حاصل ہو جانا یہ جنت کی اعلیٰ نعمتوں میں سے نعمت شمار ہوتی ہے جیسے حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب جنتی جنت میں جائیں گے ہر قسم کی نعمتوں سے فائدہ اٹھائیں گے تو پھر اللہ تعالیٰ بندوں سے پوچھے گا کہ کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو بتاؤ اور جنتی کہیں گے کہ ہمیں کسی چیز کی ضرورت نہیں سب کچھ تو نے ہمیں دے دیا تو پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میں تم پر اپنی رضا اتارتا ہوں اور اس کے بعد میں تم پر کبھی ناراض نہیں ہوں گا تو حدیث شریف میں آتا ہے کہ اس اعلان سے جنتی اتنا خوش ہوں گے کہ جنت کی کسی نعمت سے خوش نہیں ہوئے ہوں گے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رضا کا اعلان سن کر تو اللہ تعالیٰ ان سے خوش ہو گیا وہ اللہ تعالیٰ سے خوش ہو گئے "ذلك الفوز العظيم" یہ بہت بڑی کامیابی ہے "لله ملك السموات والارض ومافيهن" یہ وہی توحید کا اعلان اللہ تعالیٰ کی حاکمیت مالکیت اور ساری کی ساری کائنات کا مخلوق ہونا مملوک ہونا اس کے استحضار کے ساتھ بھی اطاعت کا جذبہ ابھرتا ہے تو آخر میں یہ لفظ ذکر کر دیئے گئے، زمین آسمان اور جو کچھ ان میں ہے سب کی سلطنت اللہ کے لئے ہے "وهو علىٰ كل شيء قدير" وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے۔
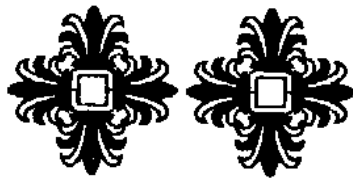
سورۃ الانعام مکی ہے اس کی ۱۶۵ آیات ہیں اور ۲۰ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ

سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور جس نے بنایا تاریکیوں کو

وَالنُّوْرَ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝۱ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ

اور نور کو پھر بھی یہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں (۱) اللہ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا

مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا ۭ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ

مٹی سے پھر اس نے ایک وقت متعین کیا اور ایک اور متعین وقت اس کے علم میں ہے پھر بھی تم

تَمْتَرُوْنَ ۝۲ وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ۭ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ

شک کرتے ہو (۲) وہی اللہ معبود حقیقی ہے آسمانوں میں اور زمین میں، وہ تمہاری خفیہ باتوں کو بھی جانتا ہے

وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۝۳ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ

اور ظاہر کو بھی جانتا ہے اور جانتا ہے وہ ان کاموں کو جن کو تم کرتے ہو (۳) اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی نشانی ان کے رب کی

رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝۴ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاۗءَهُمْ ۭ

نشانیوں میں سے مگر وہ اس سے اعراض کرنے والے ہوتے ہیں (۴) پس تحقیق جھٹلایا انہوں نے حق کو جب وہ حق ان کے پاس آگیا

فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰۗـؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۵ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ

پس عنقریب آجائیں گی ان کے پاس خبریں اس چیز کی جس کا یہ استہزا کرتے ہیں (۵) کیا انہوں نے دیکھا نہیں

اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ

کہ ہم نے کتنی ہی جماعتوں کو ان سے قبل ہلاک کردیا جتنی ہم نے ان کو قدرت دی تھی زمین میں اتنی ہم نے تم کو نہیں دی

لَّكُمْ وَأَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۖ وَّجَعَلْنَا الْأَنْهٰرَ تَجْرِيْ

اور بھیجا ہم نے ان کے اوپر بادل بہت برسنے والا اور بنائی ہم نے نہریں جو چلتی تھیں ان کے نیچے سے

مِنْ تَحْتِهِمْ فَأَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَأَنْشَأْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا

پھر ہم نے ان کو ہلاک کر دیا ان کے گناہوں کے سبب سے اور پیدا کر دیئے ہم نے ان کے بعد اور

اٰخَرِيْنَ ﴿٦﴾ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِأَيْدِيْهِمْ

لوگ ﴿٦﴾ اگر اتار دیں ہم آپ پر لکھا ہوا مضمون کاغذ پر پھر اگر یہ اس کاغذ کو چھو لیں اپنے ہاتھوں کے ساتھ

لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا إِنْ هٰذَآ إِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿٧﴾ وَقَالُوْا لَوْلَآ أُنْزِلَ

تو البتہ کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا نہیں ہے یہ مگر صریح جادو ﴿٧﴾ اور یہ کہتے ہیں کہ کیوں نہیں

عَلَيْهِ مَلَكٌ ۖ وَلَوْ أَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْأَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ﴿٨﴾

اتارا جاتا اس پر کوئی فرشتہ اور اگر ہم فرشتے اتار دیں تو امر کا فیصلہ ہو جائے پھر یہ مہلت نہ دیئے جائیں ﴿٨﴾

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ﴿٩﴾

اگر ہم اس بھیجے ہوئے رسول کو فرشتہ بناتے تو بناتے ہم اس کو آدمی اور البتہ خلط ملط کر دیتے ہم ان پر جس کو یہ اپنے اوپر خلط کیے ہوئے ہیں ﴿٩﴾

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ

البتہ تحقیق استہزاء کیا گیا تم سے پہلے رسولوں کے ساتھ پھر گھیر لیا ان لوگوں کو جنہوں نے رسولوں سے مذاق کیا اس چیز نے

مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿١٠﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا

جس کے ساتھ وہ مذاق کرتے تھے ﴿١٠﴾ آپ کہہ دیجئے کہ زمین میں چلو پھرو پھر دیکھو تم

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿١١﴾

کیسا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا ﴿١١﴾

تفسیر:

سورۃ الانعام کا ماقبل سے ربط:

سورۃ انعام سے قبل جو سورتیں آپ کے سامنے گزری ہیں وہ ساری کی ساری مدنی تھیں جو ہجرت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئیں تھیں اس لیے ان میں احکام کا تذکرہ زیادہ تھا اور پھر گفتگو کا رجحان بھی زیادہ تر اہل کتاب کی طرف تھا۔

کیونکہ مدینہ منورہ میں جانے کے بعد واسطہ اہل کتاب کے ساتھ پڑا تھا مشرکین کے ساتھ بھی گفتگو تھی ان کے متعلق بھی باتیں آئیں تھیں، لیکن زیادہ ذکر اہل کتاب کا تھا اور ان میں اصول دین کا ذکر بھی آیا تھا لیکن فروع کے مقابلے میں کم اور احکام فرعیہ زیادہ تھے اور اب یہاں سے جو سورتیں شروع ہو رہی ہیں یہ سورتیں مکی ہیں، مکی سورتوں میں گفتگو کا رجحان زیادہ تر مشرکین مکہ کی طرف ہے اور ان میں اصول دین کو ذکر کیا گیا ہے، فروع کا تذکرہ ان سورتوں میں کم ہے۔

مکی سورتوں کے مضامین:

اصول دین کیا ہیں؟ سب سے پہلے توحید اور پھر رسالت اور پھر آخرت یہ تین عقیدے بنیادی عقیدے کہلاتے ہیں، یہ امہات عقائد میں سے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کی توحید کو ماننا اور رسالت پر ایمان لانا اور آخرت کے اوپر ایمان لانا تو جس وقت توحید کا اثبات ہوگا تو اس کے ساتھ ساتھ پھر ردِ شرک بھی ہو جائے گا اور جس وقت رسالت کا ذکر ہوگا تو رسالت کے بارے میں جس قسم کے مشرکین شبہات پیش کرتے تھے ان شبہات کا ذکر بھی ہو جائے گا اور ان کے جوابات بھی آجائیں گے۔

اور جب آخرت کا ذکر ہوگا اور آخرت کے بارے میں جس قسم کے شبہات وہ پیدا کرتے تھے ان شبہات کا ازالہ بھی ساتھ کر دیا جائے گا، یہ تو ہیں بنیادی چیزیں پھر انہی چیزوں کو مؤکد کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ امم سابقہ کے واقعات بھی ذکر فرماتے ہیں جن کے ساتھ انہی اصولوں کی تاکید کرنا مقصود ہوتی ہے، جن سے انہی اصولوں کی تائید ہوتی ہے، واقعات کے طور پر یہ بات ذکر کی جاتی ہے کہ اللہ کی طرف سے رسول آئے جس کے ضمن میں رسالت کا مسئلہ آگیا انہوں نے آکر توحید کو بیان کیا، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو لوگوں کے سامنے ثابت کیا اس میں اثبات توحید

ہو گیا اور شرک کی تردید کی تو ردِ شرک والا مضمون بھی اس ضمن میں آ گیا، آخرت کی یاد دہانی کی کہ اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے اور وہاں جا کے محاسبہ ہونا ہے اس میں تزکیہ نفس بھی آ گیا اور پھر ان کو عذاب سے ڈرایا گیا کہ اگر نہیں مانو گے تو آفات آئیں گی یہ ترہیب ہے دنیاوی عذاب کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مختلف وعدے کیے کہ اگر تم اللہ کی اطاعت کرو گے تو اللہ تمہیں رزق کے اندر، اولاد کے اندر وسعت دے گا یہ ترغیب ہے انعام دنیاوی کے ساتھ پھر مخالفت کرنے کی صورت میں ان کے اوپر عذاب کا ذکر ہے اور اسی طرح ماننے کی صورت میں ان کے لیے نجات کا ذکر ہے ان واقعات کے ساتھ ہی تاکید کی جاتی ہے اور ان واقعات کے ساتھ ان حقائق کی تائید ہوتی ہے جو اصولی رنگ میں پیش کیے جاتے ہیں۔

تو مکی سورتوں کے اندر زیادہ تر یہی مضامین آتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے وجود کا قائل ہونا اس کے متعلق زیادہ دلائل دینے کی ضرورت اس لیے نہیں سمجھی گئی کہ قرآن کے مخاطبین میں منکرین خدا نہیں تھے کیونکہ ان کو کہا جاتا ہے مشرک اور مشرک وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو ماننے کے ساتھ ساتھ کسی اور کو بھی مانے اور جو سرے سے اللہ کے وجود کا منکر ہو اس کو مشرک نہیں کہہ سکتے اور ایسے منکرین جو تھے وہ اس دور میں کوئی شاذ و نادر ہی ہوں گے قرآن کریم نے اکثر و بیشتر ان سے خطاب نہیں کیا اہل کتاب تو سارے کے سارے اللہ کو بھی مانتے تھے۔

باقی سب چیزوں کو مانتے تھے ان کے ساتھ اگر مسئلہ مختلف فیہ ہوا ہے زیادہ تر تو وہ سرور کائنات ﷺ کی رسالت کا ہے ورنہ فی نفسہٖ وہ رسالت کو مانتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے رسول بھی آئے آخرت کے بھی وہ قائل تھے، کتابوں کو بھی وہ مانتے تھے جو پہلے نازل ہو چکی تھیں ان کے ساتھ خصوصیت کے ساتھ جو مسئلہ ہے وہ رسول اللہ کی ذات تک مختلف فیہ ہے کہ آپ کی نبوت کو وہ تسلیم نہیں کرتے تھے۔

آپ کی نبوت کو اگر تسلیم کر لیتے تو باقی اصول دین جتنے ہیں ان کے وہ قائل تھے اس لیے جب اہل کتاب کے متعلق کوئی تذکرہ آتا ہے تو زیادہ تر سرور کائنات ﷺ کی رسالت کا بیان ہوتا ہے اور جب مشرکین کے متعلق تذکرہ آتا ہے تو مشرکین توحید کے بھی منکر تھے اور آخرت کے بھی منکر تھے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول کے آنے کے بھی منکر تھے۔

البتہ فرشتوں کے وجود کے قائل تھے، اللہ تعالیٰ کے وجود کے قائل تھے اس لیے ان کے ساتھ جو گفتگو آتی ہے وہ مختلف اجزاء کے اوپر مشتمل ہوتی ہے توحید کا ذکر بھی آتا ہے اور اس طرح سے ان کے سامنے اثبات

رسالت بھی کی جاتی ہے تذکیر آخرت بھی ہوتی ہے تو یہ سورۃ انہی مضامین پر مشتمل ہے جیسے کہ مکی سورتوں کے متعلق میں نے عرض کیا۔

توحید، رسالت اور معاد پر ایمان لانا ضروری کیوں؟

سب سے پہلے ذکر ہے توحید کا، توحید کا حاصل یہ ہے کہ ساری کائنات کا خالق اللہ کو مانا جائے، ساری کائنات کا مالک اللہ کو قرار دیا جائے، ساری کائنات کے اندر متصرف اسی کو قرار دیا جائے، اور ساری کائنات کے اندر احکام اسی کے مانے جائیں کہ حاکم وہی ہے اس لیے اسی کے احکام ماننا ضروری ہے اور جس وقت خالق وہ، مالک وہ، صاحب سلطنت وہ، متصرف وہ اور احکام بھی اسی کے ماننے ضروری تو پھر ان احکام کے پہنچنے کے لیے ایک ذریعہ ماننا پڑتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے خاص بندوں کو منتخب کر کے اپنے احکام اتارتے ہیں وہ اللہ کے رسول کہلاتے ہیں اور ان اللہ کے رسولوں میں اور اللہ تعالیٰ کے درمیان میں ظاہری اسباب کے طور پر ربط فرشتوں کے ذریعے سے ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ احکام فرشتوں کے ذریعے سے اتارتے ہیں۔

جس طرح سے باقی تصرف کائنات میں اللہ تعالیٰ کا فرشتوں کی وساطت سے ہے بلا احتیاج اپنی حکمت کے تحت اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو ذریعہ بنایا ہوا ہے اسی طرح سے انبیاء علیہم السلام تک اللہ کے احکام فرشتے لے کر آتے ہیں اس ضمن میں فرشتوں کا ذکر بھی ہو جاتا ہے جب اللہ تعالیٰ کے احکام بندوں تک پہنچا دیے گئے۔

اب سیدھی سی بات ہے کہ اگر اس کا کوئی نتیجہ نکلنے والا نہیں کہ ماننے والوں کا کیا انجام ہوگا، نہ ماننے والوں کا کیا انجام ہوگا اگر کوئی نتیجہ سامنے آنے والا نہیں تو پھر سارے کا سارا کھیل بے سود ہے پھر یہ پیدا کیوں کیے گئے؟ یہ احکام کیوں دیے گئے؟ جب فرمانبرداروں کا اور نافرمانوں کا کوئی انجام سامنے آنے والا نہیں ہے کہ فرمانبرداروں کو انعام دیا جائے اور نافرمانوں کو سزا دی جائے تو پھر یہ احکام بھیجنے اور اس طرح سے دنیا بنانے کی کیا ضرورت تھی یہ ایک عبث سا کھیل ہو جاتا ہے اس لیے آخرت کا عقیدہ ضروری ہے ورنہ یہ سارے کا سارا کھیل عبث ہو جاتا ہے ''افحسبتم انما خلقنکم عبثا'' جیسے قرآن کریم میں آتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ ہم نے آپ کو فضول پیدا کیا ہے'' وانکم الینا لا ترجعون ''اور تم ہماری طرف لوٹ کر نہیں آؤ گے یعنی اگر تمہارے لوٹنے کا عقیدہ نہ ہو اور تم نے واپس ہماری طرف لوٹ کر نہ آنا ہو فرمانبرداروں کے لیے جزا اور نافرمانوں کے لیے سزا کی صورت نہ ہو تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں پیدا کرنا فضول ٹھہرا۔

جیسے بچے کھیل کھیلتے ہیں تھوڑی دیر کے لیے دل بہلاتے ہیں ہاتھوں سے مٹی کے گھر بناتے ہیں اور پاؤں کے ساتھ گرا کر گھروں کو چلے جاتے ہیں جس طرح ان کا کھیل ہوتا ہے بے سود سا جس کا نتیجہ کوئی نہیں تو کیا اللہ تعالیٰ نے یہ سارے کا سارا کھیل اس طرح سے بنایا ہے تو توحید اور رسالت اور اللہ کے احکام کے ماننے کے ساتھ ساتھ لازم ہے کہ عقیدہ آخرت رکھا جائے ورنہ یہ سارے کا سارا کھیل جو ہے وہ عبث معلوم ہوتا ہے۔

تو پھر جب آخرت کا عقیدہ آپ رکھیں گے تو وہاں اللہ تعالیٰ کے عدل وانصاف کا بھی عقیدہ رکھنا پڑے گا اگر جھوٹی شفاعتیں اور جھوٹے سہاروں کے ساتھ وہاں چھوٹنے کا نظریہ ساتھ آ جائے تو بھی آخرت کا عقیدہ بے سود ہو جاتا ہے کہ جیسے مشرکین عقیدہ رکھتے تھے کہ ہمارے معبود ہمیں ہر صورت چھڑا لیں گے چاہے ہم نیک ہوں چاہے ہم بد ہوں اگر آخرت ہوئی تو ہمیں یہ بچا لیں گے یہ ہمارے شفیع ہیں یا اہل کتاب نے جس طرح سے عقیدہ اختیار کر لیا تھا کہ بزرگوں کی اولاد ہونے کی وجہ سے ہر صورت ہم بخشے جائیں گے اگر یہ شفاعت کا عقیدہ اس طرح سے ہو جس کو شفاعت جبری کہتے ہیں کہ مجرم کو ہر صورت چھڑا لے گا شفاعت کرنے والا تو پھر بھی آخرت کا عقیدہ بے سود ہو کر رہ جاتا ہے۔

کیونکہ آخرت کے عقیدے کی ضرورت اس لیے ہے کہ وہاں جا کر فرمانبرداروں اور نافرمانوں کے درمیان عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے اور اگر مجرموں نے چھوٹ ہی جانا ہے اور ان کی کوئی کسی قسم کی پکڑ نہیں ہوگی اور جیسا ہی جرم کرتے رہو دوسرا کوئی چھڑا کر لے جائے گا تو پھر عدل وانصاف کا تصور آخرت کے متعلق نہیں رہتا۔

اس لیے شفاعت جبری کا عقیدہ ، نسب ونسبت کی بناء پر چھوٹنے کا عقیدہ یہ سب اعتقاد آخرت کے خلاف اور اس مصلحت کے خلاف ہیں جس مصلحت کے تحت عقیدہ آخرت بتایا گیا ہے تو ساتھ ساتھ ان کی تردید بھی آ جائے گی۔

شرک کی حقیقت:

مشرکین کے ساتھ توحید کا مسئلہ جو مختلف فیہ تھا اب اس کو ذرا عنوان کے طور پر سمجھ لیجئے ، مشرکین کے ساتھ اللہ کے وجود میں اختلاف نہیں تھا، اللہ تعالیٰ کے خالق کائنات ہونے میں اختلاف نہیں تھا، مالک کائنات ہونے

میں اختلاف نہیں تھا، ان سب چیزوں کو وہ مشرک تسلیم کرتے تھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک اگر تھا تو وجود میں نہیں، خالقیت میں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک تھا اس کی صفت تصرف میں اور اس کی صفت اطاعت میں کہ اللہ تعالیٰ کو جو مطاع قرار دیا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو بھی مطاع قرار دیتے تھے اور وہ متصرف قرار دیتے تھے اللہ تعالیٰ کے تابع کر کے جس کا حاصل یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات پیدا کرنے کے بعد اس کی حکومت سنبھالی جس طرح سے دنیاوی بادشاہ دور دور کے علاقوں کے نظم دوسرے حاکموں کے سپرد کر دیتے ہیں اور ان کی شان کے لائق نہیں کہ چھوٹے موٹے کام خود کریں اپنے نائب بنا دیتے ہیں اور وہ نائب اس نظم کو سنبھالتے ہیں اور لوگوں کی ضروریات کا خیال رکھتے ہیں اور لوگوں کا تعلق براہ راست ان نائبین کے ساتھ ہوتا ہے اگر یہ نائب خوش رہیں تو بادشاہ بھی خوش رہیں گے اگر نائب ناراض ہو جائیں تو کسی صورت میں بادشاہ خوش نہیں رہ سکتا تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کو اسی طرح حاکم اعلیٰ مانتے تھے اور اس کے نائبین کا عقیدہ رکھتے تھے کہ ان کو اختیار اللہ دیتا ہے اور مخلوق کے ساتھ تعلق اب ان نائبین کا ہے اور مخلوق کا ربط براہ راست ان کے ساتھ ہے لہٰذا ان کو خوش رکھو تو اللہ تعالیٰ بھی خوش رہے گا اگر یہ ناراض ہو جائیں تو اللہ بھی ناراض ہو جائے گا اس طرح سے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حکومت کے ساتھ دوسرے حاکمین کو شریک کر لیا، اطاعت بھی ان کی کرتے اور پھر عبادت بھی ان کی کرتے اور پھر انہی کے سامنے جھکتے، انہی کے نام کی نذر و نیاز دیتے، انہی کی جگہوں کا طواف کرتے ساری کی ساری چیزیں جو اللہ کو خوش کرنے کے لیے اللہ کے بندے کرتے ہیں وہ ساری کی ساری چیزیں انہوں نے نائبین کے ساتھ لگا لی تھیں۔

اللہ تعالیٰ جب اپنی کتاب کے اندر توحید کو بیان فرماتے ہیں تو یہی بات کہتے ہیں کہ اللہ کو دوسرے حاکموں پر قیاس نہ کرو، دوسرے حاکم ہر چیز کے جاننے والے نہیں ہوتے، ان کو جاننے کے لیے ذرائع کی ضرورت ہے اس لیے وہ دوسرے ذرائع کے محتاج ہیں وہ حاکم بیک وقت قادر نہیں ہوتے کہ ہر جگہ اپنا تصرف جاری کر لیں اور ہر جگہ ضرورتیں پوری کریں اللہ تعالیٰ اس طرح سے نہیں اللہ تعالیٰ قدیر بھی اور علیم بھی ہے، اللہ تعالیٰ ہر کسی کی ضرورت کو جانتا ہے اور ہر چیز کے اوپر قدرت رکھنے والا ہے اللہ تعالیٰ کی احتیاج کسی دوسرے کی طرف نہیں ہے اس لیے حکومت ساری کائنات میں اللہ کی، تصرف اسی کا، کوئی دوسرا شخص ایسا نہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح سے اختیار دے دیا ہو جس طرح سے دنیا کے حاکم اپنے گورنروں کو اور گورنر اپنے ماتحت کمشنروں کو اور کمشنر اپنے ماتحت ڈی سی او کو اور ڈی سی او اپنے ماتحت تحصیلداروں کو اور تحصیلدار اپنے ماتحت پٹواریوں کو جس طرح سے اختیارات دے کر

علاقے تقسیم کر دیتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس طرح سے اپنے علاقے تقسیم نہیں کیے یہ حاصل ہے رد شرک کا اور اسی کے ارد گرد ساری کلام گھوم رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو واسطہ بنایا ہے اس دنیا کے اندر تصرف کا لیکن ان میں اس تصرف کا اختیار نہیں جس کی بنا پر نسبت ان کی طرف نہیں کی جاتی، ہم بھی مانتے ہیں کہ بارش میکائیل علیہ السلام کی وساطت سے ہوتی ہے، اور ہم مانتے ہیں کہ وحی جبرائیل علیہ السلام کی وساطت سے اترتی ہے، اور ہم مانتے ہیں کہ وفات عزرائیل علیہ السلام کی وساطت سے آتی ہے اور اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے روحیں ڈالنے کے لیے بھی فرشتے متعین کر رکھے ہیں رزق اور بارش کی تقسیم کے اوپر بھی فرشتے متعین ہیں۔

لیکن ان کی حیثیت اس طرح کی نہیں جس طرح کی مشرکین کے شرکاء کی تھی، مشرکین ان کو حاکم مانتے تھے کہ ان کو اختیار ملا ہوا ہے اور یہ تصرف اپنے اختیار سے کرتے ہیں انہوں نے یہ بھی تقسیم کر رکھی تھی آسمان میں حاکم تو وہ اللہ ہی کو مانتے تھے اور کہتے تھے کہ زمین اس کی کائنات کا ایک بہت دور کا علاقہ ہے تو جس طرح سے حاکم وقت دور کے علاقوں میں اپنے نائبین متعین کر دیتے ہیں تو زمین میں بھی اس نے سارے نظام کو سنبھالنے کے لیے اپنے نائب بنا رکھے ہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نہیں آسمانوں میں بھی وہی ہے اور زمین میں بھی وہی ہے اور اس کا علم اتنا تام ہے کہ قریب اور بعید کا کوئی فرق نہیں، ظاہر اور باطن کا کوئی فرق نہیں علم اس کا سب کو محیط ہے'' یعلم سرکم وجھرکم '' وہ تمہارے سر کو بھی جانتا ہے جہر کو بھی جانتا ہے، جس چیز کو تم چھپاتے ہو اس کو بھی جانتا ہے اور جس کو تم ظاہر کرتے ہو اس کو بھی جانتا ہے'' ویعلم ماتکسبون '' خاص طور پر تمہارے عملوں کو بھی جانتا ہے، جو تم کماتے ہو، جو تم کرتے ہو کیونکہ جزا اور سزا کا تعلق کسب انسانی کے ساتھ ہے اس لیے اس کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کر دیا۔

حق سے اعراض کی شکایت:

آگے شکایت ہے انسان کے اعراض کی کہ'' ان کے پاس کوئی نشانی نہیں آتی رب کی نشانیوں میں سے مگر اس سے منہ موڑ جاتے ہیں'' یہ نشانیوں کو دیکھ کر حقیقت معلوم کرنے کی کوشش ہی نہیں کرتے ان کی بے توجہی کی شکایت ہے'' فقد کذبوا بالحق '' اسی اعراض کا نتیجہ ہے کہ اب بھی ان کے پاس حق آیا تو انہوں نے اس حق کو جھٹلایا جب کہ حق ان کے پاس آ گیا، جھٹلایا انہوں نے حق کو جب ان کے پاس آیا'' فسوف یاتیھم انبؤا ما

کانوا بہ یستھزؤن ''جس چیز کا یہ مذاق اڑاتے ہیں، جس چیز کے ساتھ یہ استہزاء کرتے ہیں اس کی خبریں ان کے پاس آجائیں گی، حقیقت ان کے سامنے واضح ہو جائے گی یعنی ایک وقت آنے والا ہے آج آپ کی خبروں کا مذاق اڑاتے ہیں، آخرت کے قصوں کی ہنسی اڑاتے ہیں لیکن ایک وقت آئے گا کہ یہی باتیں ساری کی ساری حقیقت بن کر سامنے آجائیں گی۔

گزشتہ تاریخ سے سبق حاصل کرو:

آگے تاریخ سے استشہاد ہے، تاریخ کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے کہ اگر تم اپنے گزشتہ لوگوں کے واقعات کو دیکھو تو بھی ہمارے ان اصولوں کی صداقت واضح طور پر نظر آجائے گی، زمین کے اوپر یہ واقعات بکھرے ہوئے ہیں، ان تمام واقعات کو اتفاق قرار نہیں دیا جا سکتا کہ ہر جگہ ایک رسول آیا اس نے آکر متعین بات کہی نہ ماننے کی صورت میں اس نے عذاب کی دھمکی دی اور جب قوم نے نہیں مانا تو اس کی پیشگوئی کے مطابق عذاب آگیا ایک جگہ آیا اسی انداز کے ساتھ، دوسری جگہ آیا اسی انداز کے ساتھ، تیسری جگہ آیا اسی انداز کے ساتھ یقین ہو گیا کہ یہ تباہی کسی اتفاقی حادثے کا نتیجہ نہیں ہے۔

بلکہ یہ باقاعدہ پروگرام کے تحت ہے جس طرح اللہ کے نبی نے بتائی تھی تو اس نبی کی شخصیت بھی حق پر ثابت ہوئی اور اس کی باتیں بھی حق پر ثابت ہوئیں اور تاریخ کا تسلسل انسان کو یہ بتاتا ہے کہ یہ اصول اسی طرح سے ہے، اسی کے مطابق اب یہ رسول آیا، یہ بھی دین کی باتیں بتا رہے ہیں، وہی بات کہہ رہے ہیں جو پہلے پیغمبروں نے کہی تھی اور وہی بات کہی جا رہی ہے کہ اگر نہیں مانو گے تو عذاب آئے گا تو ماقبل کے واقعات سے عبرت حاصل کرو اور رسول کی بات پر یقین لاؤ ورنہ جیسا حال ان کا ہوا تھا ویسا تمہارا ہوگا'' الم یروا '' کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم نے کتنی جماعتیں ان سے پہلے ہلاک کر دیں اور وہ کوئی معمولی جماعتیں نہیں تھیں، یہ نہیں کہ یہ تو بڑے بڑے وجود والے انسان ہیں اور وہ چیونٹیاں یا ٹڈیاں تھیں جن کو پاؤں کے نیچے مسل دیا گیا ایسی بات نہیں ہے۔

بلکہ ان کو جتنی قدرت دی گئی تھی اتنی قدرت ان کو حاصل نہیں ہے، عاد و ثمود کو جس قسم کے مادی اسباب حاصل تھے وہ مادی اسباب ان کو حاصل نہیں ہیں، بدنی قوت اور طاقت میں جس طرح وہ تھے اتنی قدرت و طاقت تم میں نہیں ہے'' وارسلنا السماء علیھم مدرارا '' اور ہم نے ان کے اوپر بادل بھیجے تھے بہت برسنے والے اور ہم

نے نہریں جاری کی تھیں ان کے نیچے سے یعنی ان کے باغات اور باغوں کے نیچے سے، مکانوں کے نیچے سے نہریں چلتی تھیں جو خوشحالی کی علامت ہے۔

" فاهلكنهم بذنوبهم " لیکن جب انہوں نے ذنوب کو اختیار کیا، اللہ تعالیٰ کے احکام کی نافرمانی کی تو وہ ان کی مالی خوشحالی اور وہ ان کی بدنی قوت ان کو اللہ کے عذاب سے نجات نہ دلا سکی، ہم نے ان سب کو ہلاک کردیا" و انشانا من بعد هم قرنا آخرين "اور ان کے جانے کے بعد ہماری زمین کوئی ویران بھی نہیں ہوگئی وہ گئے ہم نے اور لوگ آباد کر دیے، اور یہ بات بھی آنکھوں کے سامنے ہے کتنے لوگ مرتے ہیں لیکن زمین میں بے رونقی کہاں آتی ہے، ویرانی کہاں آتی ہے تو جیسے مرتے جاتے ہیں ویسے اور پیدا ہوتے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے خزانے میں کیا کمی ہے اور اللہ کی زمین کے اندر ویرانی نہیں آتی اگر ایک قوم گئی تو دوسری آگئی، پیدا کر دیا ہم نے ان کے بعد دوسرے لوگوں کو۔

سوال کا جواب دینے کے مختلف طریقے:

" ولو نزلنا عليك كتبافي قرطاس " یہ جواب ہے اصل میں ان کے بعض شبہات کا یا بعض مطالبات کا، جس وقت ایک مقرر سٹیج پر کھڑا ہو کر تقریر کرتا ہے تو اس کی تقریر کے اندر بات دونوں طرح سے آیا کرتی ہے کبھی مخالفین کا اعتراض پہلے نقل کر دیا جاتا ہے پھر اس کا جواب دیا جاتا ہے اور ایسا بھی موقع ہوتا ہے کہ پہلے سوال کرتے ہیں کہ دیکھو فلاں شخص کا یہ سوال ہے، مخالفین کی طرف سے یہ اعتراض ہے ہماری طرف سے اس کا یہ جواب ہے کبھی تو اس کی اس طرح سے وضاحت کی جاتی ہے۔

اور کبھی یوں ہوتا ہے کہ اس معاشرے کے اندر سوال چل رہا ہے، اعتراض کی ایک بات مشہور ہے تو اس سوال کو نقل کرنے کی ضرورت ہی نہیں، اعتراض کو دہرانے کی ضرورت ہی نہیں جس وقت مقرر اپنی طرف سے کسی بات کی وضاحت کرتا ہے تو لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ یہ فلاں سوال کا جواب دے دیا گیا، اس میں فلاں اعتراض کو اٹھا دیا گیا یہ انداز بھی ہوتا ہے تو فصاحت و بلاغت کا یہ تقاضہ ہے کہ کبھی تو سوال کو دہراتے ہیں اور سوال دہرا کر پھر اس کا جواب دیا جاتا ہے اور کبھی اس کی شہرت پر مدار رکھتے ہوئے جواب کی تصدیق کر دیتے ہیں اور سوال اس معاشرے کے اندر خود معلوم ہوتا ہے اس لیے جواب کی تقریر سے ہم سوال کو سمجھیں گے۔

مشرکین کے سوالوں کے جواب:

اس زمانے میں جو قرآن کریم کے مخاطب تھے ان کو ضرورت نہیں تھی سوال کی وضاحت کی کیونکہ وہ تو جانتے تھے کہ لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں تو جس قسم کی باتیں کرتے ہیں ویسے قرآن کریم کے اندر اس کی وضاحت آگئی مثلاً وہ یہ مطالبہ کرتے تھے بعض مشرکوں نے کہا کہ ہم تو جی تب مانیں گے کہ ہمارے سامنے آسمان پر جاؤ اور ہمارے نام کا رقعہ لے کر آؤ جس میں یہ لکھا ہو کہ اللہ کی طرف سے فلاں کے نام اور یہ میرا رسول ہے اس کو مانو اس پر ایمان لاؤ اس قسم کی تحریر ہمارے سامنے لاؤ گے تب ہم مانیں گے۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ کہنے کو تو کہہ رہے ہیں ورنہ اگر آپ کے اوپر کاغذ میں لکھا ہوا مضمون بھی اتار دیا جائے تو پھر یہ بھی نہیں کہ ان کو دور سے دکھایا جائے اگر ان کے ہاتھ میں دے دیا جائے اور یہ اپنے ہاتھ کے ساتھ اس کو چھو کر دیکھ بھی لیں کہ یہ حقیقت ہے تو پھر بھی نہیں مانیں گے اور کہیں گے کہ یہ جادو ہے اور ہماری نظر بندی کر دی گئی، جب نہ ماننا ہو تو کہا جاتا ہے ''نہ ماننے کے لیے بہانے بہت'' اس طرح یہ لوگ بھی ہر بات پر اڑ جاتے ہیں یہ نہیں کہ صدق دل سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اگر ہماری یہ فرمائش پوری ہو جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے ایسی بات نہیں۔

اب ان کے اس سوال کو ان الفاظ کے تحت گویا کہ رد کیا جا رہا ہے اگر اتار دیں ہم تیرے اوپر لکھا ہوا مضمون کاغذ میں پھر وہ چھولیں اس کو اپنے ہاتھوں کے ساتھ تو بھی کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ''ان ھذا الاسحر مبین'' کہ نہیں ہے مگر صریح جادو، اور وہ یوں بھی کہتے ہیں کہ اس کے اوپر فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا؟ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے طور پر فرشتہ اس کے ساتھ ہوتا کہ جو ہم بھی دیکھتے کہ دیکھو یہ اللہ کا فرشتہ ہے جو اس کے ساتھ ساتھ پھرتا ہے اور لوگوں کو تلقین کرتا ہے کہ یہ اللہ کا رسول ہے اس کو مان لو اور یہ اس لیے کہتے تھے کہ جب اپنے آپ کو اللہ کا رسول قرار دیا جا رہا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنا سفیر کسی طرف بھیجے، اللہ اپنا رسول کسی طرف بھیجے تو اول تو فوجوں کی فوجیں اس کے ساتھ ہونی چاہئیں اس کے اعزاز کے طور پر اور یہ کیا بات ہے کہ دنیا کا کوئی حاکم سفیر بھیجتا ہے کسی طرف تو اس کے اعزاز کے لیے اس کے ساتھ خادم بھی بھیجے جاتے ہیں، اس کی شان وشوکت بھی نمایاں کی جاتی ہے اور یہ اللہ جو مالک کائنات ہے اس کا سفیر اور اس کا رسول آیا اور گلیوں کوچوں کے اندر پھر کھاتا پھر رہا ہے

اور کوئی اس کی حفاظت کے لیے اس کے ساتھ نہیں اگر یہ اللہ کے رسول ہیں تو ان کے ساتھ فرشتوں کی صفوں کی صفیں آنی چاہئیں تھیں۔

جیسے دوسری جگہ قرآن کریم میں جمع کے صیغے کے ساتھ ہی آئے گا کہ ساتھ اللہ کے فرشتے صفیں باندھ کر کیوں نہیں آئے تو کہتے تھے کہ کوئی فرشتہ آتا جس کو ہم دیکھتے اور وہ ہمارے سامنے آکر اس قسم کی شہادت دیتا کہتے ہیں کہ کیوں نہیں اتارا گیا اس کے اوپر فرشتہ '' لو انزلنا ملکا '' اگر ہم فرشتہ اتار دیتے جس طرح سے یہ مطالبہ کرتے ہیں اور اگر کسی کو دکھا دیا جائے اور پھر وہ نہ مانے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتمام حجت ہو جانے کے بعد عمومی عذاب آجایا کرتا ہے '' ثم لاینظرون '' پھر یہ مہلت نہیں دیے جائیں گے '' ولو جلعناہ ملکا '' اور اگر ہم اس رسول کو فرشتہ بناتے جیسے یہ کہتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے فرشتہ کیوں نہیں آیا؟ رسول فرشتہ ہونا چاہیے تھا رسول بشر کیوں آیا یہ بھی بہت ساری آیات کے اندر ذکر کیا گیا ہے '' ابشر یھدوننا '' کیا ہماری ہدایت کے لیے کوئی بشر اتارا گیا ہے '' بشر '' کو رسول بنا کر بھیجا گیا اس پر بھی ان کو اعتراض تھا کہ اگر اللہ رسول بھیجنا ہی چاہتے تھے تو کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیج دیتے۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر ہم فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے تو پھر بھی دو حال سے خالی نہیں اگر تو فرشتہ اپنی اصل حالت میں آتا تو انسان اس کو دیکھ نہ سکتے، برداشت نہ کر سکتے، اس سے استفادہ نہ کر سکتے تو اس کو بھیجنے کا فائدہ ہی کیا۔

اور اگر ہم اس کو انسانی شکل میں بھیجتے کہ انسانوں کے ساتھ مانوس ہو اور انسانوں کو تعلیم دے سکے تو پھر جو شبہ اب کر رہے ہیں تو وہی شبہ پھر پیدا ہو جاتا اس لیے ماننے کو تو '' بشر '' رسول ہی ٹھیک ہے اور اگر نہیں ماننا تو اگر فرشتہ بھی آجائے تو بھی یہ لوگ ماننے کے لیے ایسے ہی شبہات پیدا کرتے اگر ہم اس رسول کو ملک بنا دیتے تو بھی ہم اس کو رجل ہی بناتے یعنی اگر یہ فرشتہ ہوتا تو بھی یہ انسانی شکل میں ہوتا '' وللبسنا علیھم مایلبسون '' تو ہم خلط کر دیتے ان کے اوپر جس طرح سے یہ اپنے اوپر خلط کر رہے ہیں یعنی پھر بھی یہ اسی طرح سے شبہات میں پڑ جاتے جیسے اب شبہات میں پڑے ہوئے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی:

آگے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جاتی ہے یہ کہہ کر کہ یہ لوگ آج آپ کا مذاق اڑاتے ہیں، آخرت کی

بات آپ کرتے ہیں تو آگے سے یہ ہنستے ہیں، عذاب کے آنے کی دھمکی دیتے ہیں تو آگے سے استہزاء کرتے ہیں اس سے آپ گھبرائیں نہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو رسول بھی آئے ہیں ان نادانوں نے ہر کسی کے ساتھ یہی معاملہ کیا ہے'' ولقد استھزئ برسل من قبلك '' آپ سے پہلے بھی رسولوں کا مذاق اڑایا گیا ہے تو آپ بھی اسی جماعت کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں جب اس جماعت سے تعلق رکھتے ہیں تو جیسا آپ کے ساتھیوں کے ساتھ ہوا وہی آپ کو بھی برداشت کرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

وارثانِ انبیاء علیہم السلام کو تنبیہ:

بالکل ایسے جیسے ہم آپ حضرات سے کہا کرتے ہیں کہ'' العلماء ورثة الانبياء '' یہ بات آپ فضیلت کے طور پر نقل کرتے ہیں کہ ہم انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں، جہاں تو فضائل کی بات آتی ہے وہاں تو آپ جھٹ سے تیار ہو جاتے ہیں کہ ہم انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں، فضائل اپنے اوپر چسپاں کرنے کے لیے آپ بڑے دلیر ہوتے ہیں۔

لیکن آپ کو یہ نہیں معلوم کہ جس طرح سے وراثت میں مال ملا کرتا ہے، قرضہ اور ذمہ داریاں بھی ساتھ ہی آیا کرتی ہیں، یہ تو نہیں ہے کہ وراثت ساری سنبھالنے کے لیے تیار ہو جاؤ اور قرضے کی اور ذمہ داریوں کی بات آئے تو کہو کہ کوئی اور ڈھونڈو، نہیں جو جائیداد سنبھالے گا قرضہ بھی وہی ادا کرے گا، ذمہ داریاں بھی اسی پر آئیں گی تو اگر آپ لوگوں کو یہ فضیلت حاصل ہے کہ آپ انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں تو انبیاء علیہم السلام والے حال کو برداشت کرنے کے لیے بھی تیار رہو، قوم انبیاء علیہم السلام کا استقبال نہیں کیا کرتی، مخالفین گالیاں بھی دیتے ہیں، مذاق بھی اڑاتے ہیں، استہزاء بھی کرتے ہیں، پتھر بھی مارتے ہیں، مخالفین کے اس قسم کے برتاؤ کو دیکھ کر انسان یہ سمجھے کہ ہماری معاشرے میں عزت نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے منصب کو پہچانتا نہیں، جو لوگوں کی طرف سے اس قسم کے معاملات دیکھ کر کہے کہ ہماری معاشرے میں عزت نہیں یوں سمجھو کہ وہ اپنے منصب سے غافل ہے، جو منصب ہے تمہارا عوام کی نظر میں عزت دیکھنے کا نہیں ہے، عوام جن کی خواہشات کے ساتھ آپ ٹکرائیں گے، جن کے خیالات کی آپ تردید کریں گے وہ تو آپ کو برا بھلا ہی کہیں گے، وہ تو آپ کو گالیاں ہی دیں گے، استہزاء ہی کریں گے، مذاق ہی اڑائیں گے، آپ ان کے سامنے کوئی باقدر یا باعزت بننے کے لیے نہیں آئے۔

آپ کا منصب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کی قدر و قیمت ہے جو شخص ایمان صحیح کا حامل ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی تعلیم کے لیے وقف ہوگا وہ یقیناً آپ کی عزت کرے گا ورنہ جو اللہ کے نافرمان ہیں ان کے ساتھ آپ کا ٹکراؤ ہوگا تو ٹکراؤ ہونے کے ساتھ پتھر بھی کھانے پڑیں گے، گالیاں بھی سننی پڑیں گی اور استہزاء بھی سننا پڑے گا اور اگر لوگوں کے استہزاء سے ڈرنا ہو اور ان کی گالیوں سے گھبرانا ہو تو پھر اس جماعت سے تعلق نہیں رکھا جا سکتا، یہ تو جماعت ہی ایسی ہے کہ اس کا ٹکراؤ چونکہ جاہلوں کے ساتھ، بددینوں کے ساتھ، بدماغوں کے ساتھ ہوتا ہے تو ان کی طرف سے کسی خیر کی توقع نہیں ہوتی، گالیاں اور مذاق ہی سننے پڑتے ہیں جیسے کہ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یا تو ہاتھی والوں سے یاری نہ لگایا کرو اور اگر ہاتھی والوں سے یاری لگانی ہے تو پھر گھروں کے دروازے اونچے اونچے بنایا کرو کیونکہ جب وہ ہاتھیوں کے اوپر بیٹھ کر آئیں گے تو کم از کم اندر آنے کی گنجائش تو ہو پنجابی میں محاورہ ہے کہ اوٹھاں والیاں نال یاری لا کے دروازے چھوٹے نہیں رکھی دے۔

اس کا بھی یہی معنی ہے کہ جس جماعت کے ساتھ انسان تعلق قائم کرتا ہے تو اس کے تقاضے بھی پورے کیے جاتے ہیں تو جب قرآن کریم نص قطعی کے طور پر ثابت کرتا ہے کہ جاہلوں کی طرف سے، کافروں کی طرف سے، مشرکوں کی طرف سے، بدعتیوں کی طرف سے، بددینوں کی طرف سے ہمیشہ رسولوں کا مذاق اڑایا گیا اور اپنے رسول کو تسلی یہی دیتا ہے کہ جس جماعت سے تم تعلق رکھتے ہو اس کے ساتھ تو ایسے ہی ہوتا ہے۔

تو پھر آپ اگر اپنے آپ کو انبیاء علیہم السلام کے وارث سمجھتے ہیں تو پھر ان جاہلوں کے مذاق اڑانے سے، استہزاء کرنے سے یا ان کی طرف سے برا بھلا کہنے کی وجہ سے آپ کیوں گھبراتے ہیں، یہ تو آپ کو وراثت میں ملی ہوئی چیز ہے اور یہ علامت ہے کہ آپ کا نسب صحیح اور آپ کا تعلق اس جماعت کے ساتھ صحیح ہے، اگر ان بددینوں کی خواہش کے مطابق چلنے لگ جاؤ پھر کون تمہارا مذاق اڑائے گا، ان کے ساتھ مل کر اسی قسم کے رسوم کے اندر مبتلاء ہو جاؤ، اسی قسم کی بددینی کو اختیار کر لو تو کون تمہارا مذاق اڑائے گا، یہ جاہلوں کے ساتھ ذہنی طور پر ٹکراؤ ہے، بددینوں کے ساتھ آپ کا ٹکراؤ ہے تبھی تو وہ گالیاں دیتے ہیں اور مذاق اڑاتے ہیں یہ تو آپ کے نسب نامہ کے صحیح ہونے کی علامت ہے تو یہاں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ اسی طرح سے تسلی دیتے ہیں کہ آپ سے پہلے جو رسول آئے ان کے ساتھ بھی اسی طرح سے ہنسی کی گئی۔

استہزاء کا نتیجہ:

لیکن اس ہنسی کا نتیجہ رسولوں کے حق میں اچھا نکلا، ہنسی کرنے والوں کے حق میں برا نکلا، یہ جو ہنستے ہیں یہ عنقریب اسی طرح سے عذاب کا نشانہ بنیں گے جس طرح سے کہ پہلے لوگ بنے'' فحاق بالذین سخروا منھم '' گھیر لیا ان لوگوں کو جنہوں نے رسولوں سے مذاق کیا تھا، کس چیز نے گھیر لیا ''ما کانو ابہ یستھزؤن'' جس چیز کا وہ استہزاء کیا کرتے تھے اس چیز نے گھیر لیا، استہزاء جو تھا وہ عذاب کا تھا، اللہ کی طرف سے عذاب کی اطلاع آنے کا استہزاء تھا ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ نبیوں کا مذاق اڑایا گیا اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں نبیوں کی اس بات کا مذاق اڑایا گیا جو وہ کہتے تھے کہ اللہ کی طرف سے عذاب آجائے گا یہ ہو جائے وہ ہو جائے گا۔

اس لیے یہاں ''ما کانوا بہ یستھزؤن'' سے عذاب مراد ہے جس چیز کے ساتھ وہ استہزاء کرتے تھے اس چیز نے گھیر لیا ان لوگوں کو جو کہ انبیاء علیہم السلام سے استہزاء کرتے تھے، جو تمسخر کرتے تھے، اس بات کا یقین اگر تمہیں نہیں آتا تو ذرا زمین میں چل پھر کر دیکھ لو'' قل سیروا فی الارض '' انہیں کہہ دیجئے کہ زمین میں چل پھر کر دیکھ لو پھر غور کرلو، دیکھ لو کہ کیسے انجام ہوا جھٹلانے والوں کا، یہ کھنڈرات آپ کے سامنے جو پڑے ہیں، یہ بستیاں جو برباد ہوئی پڑی ہیں ان کی تاریخ کو کریدو اور ان کے حالات کو معلوم کرو تمہیں خود معلوم ہو جائے گا کہ انبیاء علیہم السلام کا مذاق اڑانے کی بناء پر، دین کے ساتھ استہزاء کرنے کی بناء پر یہ تباہ ہوئے ہیں تو یہ واقعات ہماری اس بات کی تصدیق آپ کو مبینہ طور پر مہیا کر دیں گے جو کہتے ہیں کہ استہزاء کرنے والوں پر بربادی اترا کرتی ہے۔

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ

آپ کہہ دیجیے کس کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے آپ کہہ دیں کہ اللہ کے لیے ہے لکھ لیا اس اللہ نے اپنے نفس پر رحمت کو

لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ

البتہ ضرور اکٹھا کرے گا اللہ تعالیٰ تمہیں قیامت کے دن جس کے آنے میں کوئی شک نہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈال دیا

لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳﴾

پس وہ ایمان نہیں لاتے ﴿۱۲﴾ اسی کے لیے ہے جو چیز رات کو سکون پکڑتی ہے اور جو چیز دن کو ہلتی جلتی ہے اور وہ سننے والا ہے علم رکھنے والا ہے ﴿۱۳﴾

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ

آپ کہہ دیجیے کہ کیا میں اللہ کے غیر کو کارساز بناؤں ایسا اللہ جو پیدا کرنے والا ہے آسمان کو اور زمین کو اور وہ کھلاتا ہے

وَلَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ

اور وہ کھلایا نہیں جاتا آپ کہہ دیجیے کہ میں حکم دیا گیا ہوں کہ جو لوگ فرمانبردار ہیں ان میں سے میں پہلا ہو جاؤں اور ہرگز تو نہ ہو

الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۴﴾ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ

مشرکین میں سے ﴿۱۴﴾ آپ کہہ دیجیے کہ میں اندیشہ کرتا ہوں اگر میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو بڑے دن کا عذاب مجھے

عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ

پالے گا ﴿۱۵﴾ وہ شخص کہ پھیر دیا گیا عذاب اس سے اس دن پس تحقیق اس پر اللہ نے رحم کیا اور یہ عذاب کا ہٹایا جانا یہی فوز

الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ؕ

مبین ہے ﴿۱۶﴾ اگر اللہ تعالیٰ پہنچادے تجھے کوئی تکلیف پس کوئی شخص اس تکلیف کو دور کرنے والا نہیں سوائے اس کے

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ

اور اگر وہ تجھے کوئی بھلائی پہنچادے تو بھی وہ ہر چیز کے اوپر قدرت رکھنے والا ہے ﴿۱۷﴾ وہ اپنے بندوں پر قادر ہے

فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۸﴾ قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ

اور وہ حکمت والا ہے خبر رکھنے والا ہے ﴿۱۸﴾ آپ کہہ دیجیے کہ کون سی شئی زیادہ بڑی ہے ازروئے گواہ بننے کے

قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۣ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ

آپ خود ہی کہہ دیجئے کہ اللہ گواہ ہیں میرے اور تمہارے درمیان اور میری طرف وحی کیا گیا ہے یہ قرآن تاکہ میں تم کو ڈراؤں

بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ۭ اَىِٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ۭ قُلْ

اس قرآن کے ذریعے سے تم کو بھی اور جس کو یہ پہنچے کیا بے شک تم البتہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور معبود بھی ہیں تو آپ کہہ دیجئے

لَّآ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹﴾

کہ میں تو گواہی نہیں دوں گا آپ کہہ دیں کہ وہ ایک ہی معبود ہے اور بے شک میں لاتعلق ہوں ان چیزوں سے جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو ﴿۱۹﴾

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاۗءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ

وہ لوگ کہ جن کو ہم نے کتاب دی پہچانتے ہیں وہ اس قرآن کو (یا اس نبی کو) جس طرح سے اپنے بچوں کو پہچانتے ہیں وہ لوگ جنہوں

خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى

نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈال لیا پس وہ ایمان نہیں لائیں گے ﴿۲۰﴾ کون بڑا ظالم ہے اس شخص سے جس نے گھڑا

عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَيَوْمَ

اللہ پر جھوٹ یا اس کی آیات کو جھٹلایا بے شک بات یہ ہے کہ ظالم لوگ فلاح نہیں پائیں گے ﴿۲۱﴾ اور جس دن

نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَيْنَ شُرَكَاۗؤُكُمُ الَّذِيْنَ

ہم ان سب کو اکٹھا کریں گے پھر کہیں گے ہم ان لوگوں کے متعلق جنہوں نے شرک کیا کہاں چلے گئے وہ تمہارے شرکاء جن کو تم

كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا

شرکاء سمجھا کرتے تھے ﴿۲۲﴾ پھر نہیں ہوگا ان کی گمراہی کا انجام مگر یہی کہ وہ کہیں گے قسم ہے اللہ کی جو ہمارا پروردگار ہے

مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿۲۳﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ

ہم شرک کرنے والے نہیں تھے ﴿۲۳﴾ دیکھو تو کیسے جھوٹ بولتے ہیں اپنے آپ پر اور گم ہو جائیں گی ان سے وہ باتیں

مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰي

جو وہ گھڑا کرتے تھے ﴿۲۴﴾ ان میں سے بعض وہ ہیں جو آپ کی طرف متوجہ ہو کر کان لگاتے ہیں ہم نے ڈال دیے

قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَ اِنْ يَّرَوْا كُلَّ

ان کے دلوں کے اوپر پردے تا کہ یہ اس قرآن کو نہ سمجھیں اور ان کے کانوں کے اندر بھی بوجھ ہے اگر یہ لوگ دیکھ لیں ہر قسم کی

اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ

نشانی تو نہیں ایمان لائیں گے اس نشانی کے ساتھ حتیٰ کہ جس وقت آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ کے ساتھ جھگڑا کرتے ہیں

كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۵﴾ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ

کہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا نہیں ہیں یہ مگر پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ﴿۲۵﴾ اور یہ لوگ قرآن کریم سے روکتے ہیں

وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ وَلَوْ

اور اس سے دور ہٹتے ہیں نہیں ہلاک کرتے مگر وہ اپنی ہی جانوں کو اور ان کو شعور نہیں ہے ﴿۲۶﴾ اگر

تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ

دیکھے تو جب کہ وہ کھڑے کیے جائیں گے آگ پر پھر یہ کہیں گے ہائے کاش ہم لوٹا دیے جائیں اور ہم نہ جھٹلائیں

رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ

اپنے رب کی آیات کو اور ہو جائیں ہم ایمان لانے والوں میں سے ﴿۲۷﴾ بلکہ ظاہر ہو گئیں ان کی وہ باتیں جن کو یہ چھپایا کرتے تھے اس سے

مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۲۸﴾

پہلے اور اگر یہ واپس لوٹا دیے جائیں البتہ لوٹیں گے اسی بات کی طرف جس سے ان کو روکا گیا اور بے شک یہ البتہ جھوٹ بولنے والے ہیں ﴿۲۸﴾

وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ

اور یہ کہتے ہیں نہیں ہے یہ مگر ہماری دنیاوی زندگی اور نہیں ہیں ہم اٹھائے ہوئے ﴿۲۹﴾ اگر تو

تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ؕ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى

دیکھے جب کہ وہ ٹھہرائے جائیں گے اپنے رب کے سامنے اللہ تعالیٰ کہے گا کیا یہ بعث حق نہیں وہ کہیں گے کیوں نہیں

وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ

ہمارے رب کی قسم، اللہ کہے گا چکھو تم عذاب بسبب تمہارے کفر کرنے کے ﴿۳۰﴾ تحقیق خسارے میں پڑ گئے

كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا

وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا حتیٰ کہ جب ان کے پاس قیامت اچانک آ جائے گی کہیں گے کہ ہائے ہمارا افسوس

عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا

ہمارا کوتاہی کرنا اس قیامت کے بارے میں اور وہ اٹھائیں گے اپنے بوجھ اپنی پشتوں پر خبردار

سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَلَلدَّارُ

بری ہے وہ چیز جس کو یہ اٹھاتے ہیں ﴿۳۱﴾ نہیں ہے دنیاوی زندگی مگر کھیل کود البتہ آخرت کا گھر

الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾

بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں کیا یہ لوگ سوچتے نہیں ﴿۳۲﴾

تفسیر:

سورتوں کی تقسیم آسان اور مشکل ہونے کے لحاظ سے:

سورۃ کی تمہید میں جس طرح سے آپ کے سامنے ذکر کر دیا تھا کہ یہ سورۃ مکی ہے اور مکی سورتوں کے اندر احکام عملیہ بہت کم بیان ہوئے ہیں، زیادہ تر ان کے اندر بحث اصول کی ہے اس لیے یہ سورتیں جو کہ مکہ معظّمہ کے اندر اتریں جن میں عقائد کی تلقین کی گئی ہے، اصول دین کو مختلف انداز کے ساتھ سمجھایا گیا ہے یہ ترجمہ اور تفسیر کے لحاظ سے بہت ہی آسان سورتیں ہیں، مدنی سورتیں جن میں احکام مذکور ہیں وہ ترجمہ کے لحاظ سے آسان ہیں اور تفسیر کے لحاظ سے مشکل ہیں جیسا کہ سورۃ مائدہ کے اختتام تک آپ نے دیکھ لیا اور آگے حصہ آجائے گا مفصلات کا وہ ترجمہ کے لحاظ سے بھی آسان اور تفسیر کے لحاظ سے بھی آسان ہیں۔

آسمان وزمین کا مالک کون؟

ان میں توحید، رسالت، معاد اور اس کے متعلقات کو مختلف انداز کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے اور بنیادی عقیدے یہی ہیں، بس یہ جو رکوع آپ کے سامنے پڑھے گئے ہیں ان کے اندر زیادہ تر ذکر اثبات معاد کا ہے اور اثبات توحید بھی ہے اور رد شرک بھی ہے مفہوم ان کا بالکل صاف صاف ہے، پہلی آیت ''قل لمن مافی السمٰوٰت

والارض ''اس میں ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک الملک ہے اورزمین آسمان کے اندر جو کچھ ہے وہ سب کا سب اللہ ہی کا ہے اور اللہ کی ملک ہے اور اللہ اس کا مالک ہے، سوال اگر چہ اٹھایا گیا کہ پوچھ لیجئے کہ اس کا مالک کون ہے

لیکن جواب متعین ہے جس کی وجہ سے سوال کرنے والا خود ہی اس جواب کو ذکر کر سکتا ہے اور آپ حضرات کی گفتگو میں اور محاورات میں ایسا انداز اختیار کر لیا جاتا ہے کہ جب آپ کسی کے ساتھ کسی اختلافی مسئلے پر بات کرتے ہیں اور ان میں کوئی بات اس قسم کی ہوتی ہے جو بالیقین مسلم ہے آپ کے نزدیک بھی تو انسان پہلے سوال اٹھاتا ہے کہ یہ بات کس طرح سے ہے اور پھر خود ہی اس کا جواب ذکر کر دیا جاتا ہے جب کہ اس میں اختلاف کی گنجائش نہیں ہوتی تو یہاں بھی اسی طرح سے ان کی طرف سے جواب کا انتظار کیے بغیر ہی جواب مذکور ہے کہ یہ سب کچھ اللہ کے لیے ہے، اس میں تو یہ بات آ گئی کہ اللہ تعالیٰ مالک ہے اور باقی جتنے بھی ہیں سارے کے سارے مملوک جب اللہ مالک ہے اور سارے کے سارے مملوک ہیں تو زمین و آسمان میں بسنے والا کوئی بھی ایسا نہیں جس کو اللہ کے برابر ٹھہرایا جا سکے، اس کا شریک ٹھہرایا جا سکے، کیا مملوک بھی کبھی کسی کی ملک میں شریک ہوتا ہے؟

قیامت کا اجتماع اللہ کی رحمت کا تقاضہ ہے:

''کتب علیٰ نفسه الرحمة'' اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر رحم کرنے کو اپنے اوپر لازم کر لیا، بنیادی طور پر جس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کائنات کو بنانے کا ارادہ کیا تھا حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک تحریر لکھ کر عرش معلیٰ پر رکھ لی تھی اور اس میں یہی لکھا تھا'' رحمتی سبقت غضبی'' میری رحمت میرے غضب پر سابق رہے گی تو مخلوق کے ساتھ اس کا جتنا بھی معاملہ ہے اس میں رحمت سابق ہے، غضب کا ظہور بہت کم ہے اور رحمت کا ظہور صبح و شام ہے۔

اس لیے اب اس کی رحمت سے فائدہ اٹھانا اس کے بندوں کا کام ہے، جو لوگ شرک سے توبہ کریں اور اللہ تعالیٰ ہی کو ساری کائنات کا مالک سمجھیں اور اس میں تصرف اسی کا ہی قرار دیں ان کے اوپر اللہ کی رحمت بارش کی طرح برستی ہے اور دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت کے ساتھ نوازتے ہیں اور اس رحمت کا ہی تقاضہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پیدا کرنے کے بعد انسانوں کو بے کار نہیں چھوڑے گا۔

'' لیجمعنکم الی یوم القیامة '' یہ اسی رحمت کا تقاضہ ہے اس دنیا کے اندر رہتے ہوئے انسان مختلف

قسم کے اعمال اختیار کرتے ہیں جن میں باتفاق انسان، تمام کے تمام انسان اس بات پر متفق ہیں کہ اعمال کے اندر اچھے اور برے کی تقسیم ہے چاہے کوئی مشرک ہے، چاہے کوئی کافر ہے، چاہے کسی مسلک سے تعلق رکھنے والا ہے وہ اس اصل کے اوپر متفق ہے کہ دنیا کے اندر انسان جو کچھ کرتا ہے اس میں برے اور اچھے کی تقسیم ہے ہر کسی کے نزدیک بعضے کام اچھے ہیں اور بعضے کام برے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے سے حقیقتاً اچھے کام اور حقیقتاً برے کام بھی بتلا دیے۔

اب بعضے ان کو اختیار کرتے ہیں اور بعضے ان کو اختیار نہیں کرتے اور اپنے عمل کے اندر بعضے ظالم ہیں اور بعضے مظلوم ہیں اور بعضے اللہ کے دین کی خاطر جہاد کرنے والے، کوشش کرنے والے ہیں اور بعضے عیاشی کے اندر اپنا وقت گزارنے والے ہیں اب اگر لوگ اسی طرح سے مرتے جائیں اور مرنے کے بعد ان کو کسی جگہ اکٹھا کر کے اچھے برے کی سزا اور جزا نہ دی جائے، اچھے کام کرنے والے کو جزا نہ دی جائے اور برے کام کرنے والے کو سزا نہ دی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ جن لوگوں نے اللہ کا نام لیا اور اللہ کے دین کے لیے محنت کی، اللہ کے احکام کی پابندی کی، اللہ کے راستے میں ماریں کھائیں ان کی ساری کی ساری کوشش بیکار چلی جائیں گی۔

کیونکہ ظالم بھی مر گیا اور مظلوم بھی مر گیا اگر اس کے بعد کوئی دن آنے والا نہیں کہ جب ظالم سے انتقام لیا جائے اور مظلوم کو بدلہ دلایا جائے ایسا کوئی دن آنے والا نہیں تو مظلوم کے ساتھ اللہ نے کیا رحم کیا پھر تو وہی شخص کامیاب ہے جس کی یہاں دنیا کے اندر لاٹھی بھاری ہے، جس کا ڈنڈا کامیاب ہے پھر تو دنیا میں وہی شخص کامیاب ہے کہ جتنے دن ہیں مار دھاڑ کرو، لوگوں کو لوٹو، کھاؤ پیو، عیاشی کرو، تو وہ شخص کامیاب زندگی گزار گیا اور جو لٹ گئے، پٹ گئے اور اللہ کے نام کی خاطر مصیبتیں برداشت کرتے رہے، فاقے برداشت کر کے بدنی تکلیف اٹھائیں یہ تو پھر نا کام رہ گئے آخرت میں کوئی نتیجہ نہ سامنے آیا اور دنیا کے اندر ساری زندگی جو تھی وہ گزار دی مار کھاتے ہوئے اور اسی طرح مجاہدے اور تکلیفیں برداشت کرتے ہوئے اس لیے اللہ کی رحمت کا تقاضہ یہ ہے کہ ایک دن سب کو اکٹھا کرے گا، ظالموں کو سزا دینا یہ بھی اس کی رحمت ہے اور مظلوموں کی حمایت کرنا یہ بھی اس کی رحمت ہے اور جن لوگوں نے اس کی خاطر محنت کی ہے اور مشقتیں اٹھائی ہیں تو سب کو اللہ تعالیٰ اچھا بدلہ دیں گے یہ اس کی رحمت کا تقاضہ ہے

اور اگر اکٹھا نہ کیا جائے اور آخرت نہ لائی جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے مخلوق میں سے ایک کثیر حصے کو پٹتا ہوا اور مظلوم چھوڑ دیا اور اس کی کوئی کسی قسم کی مدد نہیں کی، تو یہ رحمت کا تقاضہ ہے کہ قیامت آئے اور اس

میں مظلوموں کو ظلم کا بدلہ دلایا جائے اور ظالم کو سزادی جائے اور جنہوں نے اللہ کے احکام کو نہیں مانا انہیں سزادی جائے اور جنہوں نے اللہ کے نام پر محنت کی ہے، اللہ کے احکام کو مانا ہے ان کو اچھا انجام دکھایا جائے، ضرور اکٹھا کرے گا تمہیں قیامت کے دن '' لاریب فیه ''جس کے آنے میں کوئی تردد اور کوئی شک کی بات نہیں۔

دیکھو توحید سے کلام منتقل ہوگئی معاد کی طرف اور اس کلام کی یہی خاصیت ہے کہ اس میں علیحدہ علیحدہ موضوع بنا کر بات نہیں کی گئی کہ اب یہ توحید ذکر ہوگی تو اس کے سارے متعلقات کو ایک جگہ اکٹھا کر دیا جائے پھر آخرت آگئی تو اس کے سارے متعلقات کو ایک جگہ اکٹھا کر دیا جائے اس طرح سے نہیں۔

بلکہ یہ ایسے انداز میں وعظ و نصیحت اور تذکیر ہے کہ بات سے بات نکلتی چلی جاتی ہے کبھی توحید سے معاد کی طرف، کبھی معاد سے توحید کی طرف اور ردشرک کی طرف، اسی طرح یہاں توحید کا ذکر کرتے ہوئے جب قیامت کے دن جمع کرنے کا ذکر آیا تو اس میں معاد کا ذکر بھی آگیا کہ اللہ تعالیٰ اٹھائیگا، جن لوگوں نے اپنے آپ کو برباد کر دیا وہ نہیں مانتے '' فهم لایومنون '' گویا کہ ایمان نہ لانے والے اپنے آپ کو خسارے میں ڈالنے والے ہیں، خسارے میں کیوں ڈالنے والے ہیں؟ بات بالکل واضح ہے آیات کی روشنی کے ساتھ ایمان نہیں لاتے ان کا یہ اعتقاد نہیں کہ مرنے کے بعد اٹھنا ہے اور اٹھنے کے بعد اللہ تعالیٰ کے سامنے حساب و کتاب پیش کرنا ہے۔

جب ان کا اعتقاد نہیں تو اس کی تیاری کیا کریں گے جب تیاری نہیں کریں گے تو ان کو پھر آخرت میں کامیابی کہاں سے ملے گی؟ اپنے آپ کو برباد کر بیٹھے، اپنے آپ کو سنوارنا اور بنانا انہیں لوگوں کا کام ہے جن کا یہ عقیدہ ہے کہ ایک دن اللہ تعالیٰ کے سامنے حساب و کتاب پیش کرنا ہے، اپنے آپ کو برباد کرنے والے ایمان نہیں لاتے اور جو ایمان نہیں لاتے وہی اپنے آپ کو برباد کرنے والے ہیں '' جن لوگوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈال دیا وہ ایمان نہیں لائیں گے ''۔

قدرتِ الٰہی کے مظاہر:

آگے پھر وہی بات اللہ تعالیٰ کی مالکیت کو نمایاں کرنے کے لیے کہ جو چیزیں رات میں ساکن ہیں اور دن میں متحرک ہیں وہ سب اسی کی ہیں جیسے وہ تقسیم مکان کے اعتبار سے تھی کہ زمین و آسمان کی سب چیزیں اسی کے لیے ہیں یہ زمان کے اعتبار سے آگئی رات دن میں جو کچھ موجود ہے جو ساکن متحرک ہے سب پر ملکیت اللہ کی ہے اور اللہ

سمیع ہے اور علیم ہے سمع کی صفت آ گئی اور علم کی صفت آ گئی وہ ہر ایک کی بات کو سنتا ہے اور ہر ایک کے احوال کو جانتا ہے اللہ تعالیٰ کی صفات کو اس طرح سے نمایاں کیا جائے اس میں بھی رد شرک کا پہلو ہے۔

''قل'' آپ کہہ دیجئے کہ مالک تو ہو گیا وہ اور ہر چیز اس کی مملوک ہے چاہے کسی جگہ ہو کسی وقت میں موجود ہو تو کیا میں اللہ کو چھوڑ کر کوئی اور کارساز بنالوں؟ اللہ کے علاوہ کوئی اور ولی اختیار کرلوں حالانکہ اللہ کی شان یہ ہے کہ پیدا کرنے والا ہے زمین کو اور آسمان کو اور اللہ کی شان یہ ہے کہ وہ کھانے کو دیتا ہے اور خود کچھ نہیں کھاتا، اسے نہیں کھلایا جاتا وہ کھانے کا محتاج نہیں ہے، وہ کھلاتا ہے کھاتا نہیں ''یطعم ولا یطعم'' خود محتاج نہیں ہے اور جو خود کھاتے ہیں اور کھانے کے لیے اپنے مریدوں سے اور اپنے پیروکاروں سے مانگتے ہیں وہ بھلا دوسروں کی کارسازی کیا کریں گے اللہ تعالیٰ دیتا ہے اور کھلایا نہیں جاتا کھلاتا ہے۔

اصل کامیابی عذاب الٰہی سے بچنا ہے:

آپ کہہ دیجئے مجھے تو حکم دیا گیا ہے کہ میں ہو جاؤں ماننے والوں میں سے اول، جتنے بھی مسلم ہیں، فرمانبردار ہیں، اسلام اختیار کرنے والے ہیں ان میں سے اول ہو جاؤں، ہر لحاظ سے مرتبے کے لحاظ سے بھی اول درجے کا مسلمان بن جاؤں اور ترتیب کے لحاظ سے بھی سب سے پہلے مانوں کیونکہ نبی کا کردار یہ ہوا کرتا ہے کہ جو کسی دوسرے کو کہے سب سے پہلے خود اس پر عمل کرے اگر لوگوں کو کہا جائے کہ تم مان جاؤ تو سب سے پہلے خود مانے لوگوں سے کہے کہ تم اللہ کے فرمانبردار ہو جاؤ تو اول درجے کا فرمانبردار خود ہو مجھے یہ حکم دیا گیا ہے'' ولا تکونن من المشرکین ''اے مخاطب! تو ہرگز نہ ہو شرک کرنے والوں میں سے، کیونکہ شرک کرنا یہ اسلام کے منافی ہے، یہ اللہ کی توحید کے منافی ہے اپنے اوپر ہر بات رکھ کر دوسروں کو سنائی جارہی ہے''ان عصیتُ ربی ''اگر میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی تو'' انی اخاف عذاب یوم عظیم ''میں اندیشہ کرتا ہوں بڑے دن کے عذاب کا، اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو نافرمانی ایک ایسی چیز ہے کہ مجھ سے بھی اگر صادر ہو جائے باوجود اس بات کے کہ میں اللہ کا رسول ہوں تو میرے اوپر بھی عذاب عظیم اس دن میں آجائے گا تو جو دوسرے لوگ ہیں جو نافرمانی کریں ان کو بھی اسی طرح سے ڈرنا چاہیئے۔

''من یصرف عنه یو مئذٍ فقد رحمه''یصرف کی ضمیر لوٹ رہی ہے عذاب یوم عظیم'' کی

طرف، پھر دیکھو معاد کی طرف اشارہ ہے جس شخص سے وہ عذاب اس دن اٹھا دیا گیا، دور ہٹا دیا گیا'' فقد رحمہ''
پس تحقیق اللہ نے اس کے اوپر رحم کیا، اللہ کی رحمت ہے اس پر جس سے وہ عذاب ہٹا دیا گیا اور یہی بڑی کامیابی ہے،
تم نے دنیا کے اندر گھوڑوں کا پالنا، جائیداد کا اکٹھا کرنا، اولاد اور بیوی کو حاصل کرنا اس کو کامیابی قرار دے رکھا ہے یہ
تو ایسے ہے جیسے انسان کوئی خواب دیکھتا ہے حقیقت میں کامیابی یہ ہے کہ اس دن عذاب دور ہٹا دیا جائے اور اللہ کی
رحمت انسان کو حاصل ہو جائے بڑی کامیابی یہ ہے۔

توحید کی بنیاد اور شرک کا خاتمہ:

آگے پھر توحید ہے اور یہاں توحید کی بنیاد کو واضح کیا گیا ہے اور شرک کی بنیاد کے اوپر بلڈوزر چلایا گیا
ہے اگر آپ غور کریں گے مشرکین کے جذبات میں کہ یہ کسی کے دروازے پر جانے کی کیوں ضرورت محسوس کرتے
ہیں اور کسی کے سامنے جا کر کیوں ناک رگڑتے ہیں؟
تو آپ کو اس ضمن میں دو ہی باتیں ملیں گی کہ یا یہ کسی نفع کی امید پر جایا کرتے ہیں یا کسی تکلیف کو دور
ہٹانے کے لیے جاتے ہیں، کوئی بیمار ہے تو جا کر درخواستیں کرتا ہے کہ میری بیماری دور کر دی جائے اور اگر کسی کے
پاس اولاد نہیں ہے تو اولاد حاصل کرنے کے لیے جا کر ماتھا ٹیکتا ہے اور درخواستیں کرتا ہے اور اگر کسی شخص کا عقیدہ یہ
ہو کہ نفع نقصان کا مالک اللہ ہے اللہ تعالیٰ کسی کو مصیبت میں مبتلاء کرنا چاہے ساری کائنات اکٹھی ہو جائے جن وانس
جتنے ہیں سب کے سب اکٹھے ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اگر کسی کو مصیبت میں مبتلاء کر دے تو یہ سب اس کو مصیبت سے
چھڑا نہیں سکتے اور اگر اللہ تعالیٰ کسی کے اوپر فضل کرنا چاہے تو اگر ساری مخلوق اکٹھی ہو کر نقصان میں ڈالنا چاہے تو
نقصان میں نہیں ڈال سکتی، اللہ کے فضل کو کوئی رد نہیں کر سکتا تو نفع ونقصان یہ سب اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے کہ جس کو
چاہے نفع پہنچائے جس کو چاہے نقصان پہنچائے کسی دوسرے کو اللہ تعالیٰ نے یہ اختیار نہیں دیا کہ وہ کسی کو نفع پہنچا سکے یا
کسی کو نقصان سے بچا سکے تو پھر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی دوسرے کے سامنے عاجزی ظاہر کرنے اور جھکنے کا کوئی
مطلب نہیں ہے بظاہر آپ کو دوسروں کی طرف سے نقصان اور نفع پہنچتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔
لیکن اس کی حقیقت بھی نمایاں کر دی گئی کہ یونہی سمجھے کہ یہ بھی اللہ کی طرف سے ہے اگر اللہ تعالیٰ کسی کے
دل میں آپ کے متعلق اچھا خیال نہ ڈالتا تو وہ آپ کے لیے نفع کا ذریعہ نہ بنتا اور اگر اللہ تعالیٰ کسی کے دل کے اندر

آپ کے متعلق عداوت کے جذبات پیدا نہ کرتا تو وہ آپ کے لیے نقصان کا ذریعہ نہ بنتا، انسان کے دل کے اوپر انسان کا اپنا اختیار نہیں چلتا انسان کے دل کے اوپر تصرف اللہ کا چلتا ہے وہ چاہے تو کسی کی محبت میں مبتلاء کر دے چاہے تو کسی کی عداوت دل کے اندر ڈال دے، جس کی محبت میں مبتلاء کر دے گا اس کو آپ فائدہ پہنچانے کی کوشش کریں گے، جس کی عداوت دل میں ڈال دے گا اس کو آپ نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے، حقیقت کے اعتبار سے نفع، نقصان بھی اللہ کی جانب سے ہے اور اس مضمون کو بہت اچھے انداز سے ہمارے شیخ حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے ادا کیا ہے کہ اگر مخلوق کی طرف سے تجھے کوئی تکلیف پہنچے تو رنجیدہ نہ ہوا کر۔

کیونکہ مخلوق کی طرف سے نہ راحت پہنچا کرتی ہے نہ رنج پہنچا کرتا ہے ہر چیز اس کی طرف سے جان یعنی یہ اشارہ اللہ کی طرف ہے بظاہر تجھے تکلیف یا گزند دشمن سے پہنچی ہے تو یہی سمجھ کہ اللہ کی طرف سے آئی اور بظاہر تجھے راحت دوست کی طرف سے ملی ہے تو یہی سمجھ کہ اللہ کی طرف سے آئی کیوں کہ دونوں کے دل اللہ کے قبضے میں ہیں، دشمن کا دل تجھے نقصان پہنچانے کی طرف پھیر دیا وہ نقصان کا ذریعہ بن گیا اور دوست کا دل تجھے راحت پہنچانے کی طرف پھیر دیا وہ راحت پہنچانے کا ذریعہ بن گیا آگے اس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ ظاہری طور پر اگر چہ تیر کمان سے نکل کر آیا ہے جو تجھے لگا ہے۔

لیکن عقل مندان ہاتھوں کو دیکھا کرتا ہے جو کمان کو چلانے والا ہے، اگر چہ ظاہری طور پر وہ تیر کمان سے نکل کر آیا ہے تو اس زخم کی نسبت کمان کی طرف نہیں، تیر کی طرف نہیں ہے بلکہ ان ہاتھوں کی طرف ہے جنہوں نے اس کمان اور تیر کو سنبھال رکھا ہے، اسی طرح دوست، دشمن کی طرف سے اگر کوئی تکلیف و راحت پہنچتی ہے تو اس کو بھی یونہی سمجھو کہ اللہ کی جانب سے ہے کیونکہ ان کے دلوں کے اوپر قبضہ اللہ کا ہے، یہ بہت بڑی بات ہے جو ان الفاظ کے ساتھ سمجھائی جا رہی ہے۔

اگر کسی شخص کے قلب کے اندر یہ بات پیوست ہو جائے اور یہ عقیدہ راسخ ہو جائے تو پھر صرف اللہ کا انسان محتاج ہوتا ہے باقی ساری کائنات سے مستغنی ہوتا ہے پھر کسی کے سامنے اس کا دل ڈرتا نہیں ہے، دبتا نہیں ہے اگر دل میں یہ بات مضبوطی سے آجائے کہ نفع و نقصان کا مالک اللہ ہے۔

اور دوسری جگہ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ اسی بات کو بیان فرماتے ہیں کہ موحد کا حال یہ ہے کہ اس کے سامنے سونے کا ڈھیر لگا دو تو اس کو تم خیالات کے ساتھ بدل نہیں سکتے خرید نہیں سکتے اس کے سر کے اوپر ہندی لوہے

کی تلوار لے کر کھڑے ہو جاؤ یہ دونوں باتیں اس کے لیے برابر ہیں اس کو نہ کسی سے امید ہوتی ہے اور نہ کسی کا خوف ہوتا ہے، توحید کی بنیاد اسی بات پر ہے تو جس شخص نے یہ سمجھ لیا کہ امید اور خوف کسی کی طرف سے نہیں توحید کی بنیاد یہی ہے میں نے عرض جو کیا کہ توحید کی بنیاد واضح کی جارہی ہے جس سے انسان موحد بنتا ہے اور شرک سے بچتا ہے وہ لفظ یہی ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ تجھے کوئی خیر پہنچادے تو روکنے والا کوئی نہیں اللہ اس بات کے اوپر بھی قادر ہے بھلائی بھی اسی کے ہاتھ ہیں اور نقصان بھی اسی کے ہاتھ میں۔

اور وہی تمام بندوں کو سنبھالنے والا ہے، سارے اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں سب پر اسی نے کنٹرول کر رکھا ہے" وهو الحكيم الخبير "اور وہ حکمت والا ہے اور خبر رکھنے والا ہے۔

رسالتِ مصطفیٰ پر اللہ تعالیٰ کی شہادت:

اب یہ مسئلہ مختلف فیہ ہو گیا توحید وشرک کا اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ونبوت کا کہ آپ رسول ہیں یا نہیں؟ یہ تینوں باتیں آپس میں ملتی جلتی سی ہیں جو شخص سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا قائل ہو جائے گا وہ توحید کا قائل بھی ہو گیا اور آخرت کا قائل بھی ہو گیا۔

کیونکہ جو باتیں عالم غیب سے تعلق رکھتی ہیں وہ رسول کی زبان سے ہی واضح ہوں گی تو میں اللہ کا رسول ہوں یا نہیں؟ یہ تمہارے اور میرے درمیان مسئلہ مختلف فیہ ہے تو میں تم سے پوچھتا ہوں کہ سب سے بڑی چیز از روئے گواہی کے کون سی ہے کہ اگر وہ شہادت دے دے تو اس کے بعد کسی کی شہادت کی ضرورت نہ رہے، اب یہ بات بالکل بین ہے کہ اللہ تعالیٰ سب سے عظمت والے ہیں اور اگر وہ گواہی دے دیں تو اس کی گواہی کے بعد کسی دوسرے کی گواہی کی ضرورت نہیں رہتی۔

" قل ای شیئ اکبر شهادة قل الله شهيد بيني وبينكم "یعنی اس مسئلے میں جو تمہارے اور میرے درمیان مختلف فیہ ہو گیا کہ میں اللہ کا رسول ہوں یا نہیں؟ اس کا فیصلہ یوں کر لیجئے کہ تم یہ بتاؤ کہ گواہی کے اعتبار سے، شہادت کے اعتبار سے سب سے بڑا کون ہے۔

اب یہ بات بھی بالکل واضح ہے کہ اللہ کی شہادت سب پر بھاری ہے، اللہ کی گواہی کے بعد کسی کے لیے کوئی شک کی گنجائش نہیں اور اللہ نے گواہی دے دی میری نبوت کی، وہ گواہی کس طرح سے دے دی یہ قرآن کریم اتار کر اور یہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی گواہی ہے اس کی کیا دلیل؟

اس کی دلیل وہی کہ جب اس کلام کی مثل تم نہیں لا سکتے تو یہ دلیل ہے کہ یہ کتاب اللہ کی ہے اور یہ کلام اللہ کی ہے اور اس کلام کو اتار کر میرے اوپر اللہ تعالیٰ نے ثابت کر دیا کہ میں اس کا رسول ہوں اس کے بعد مسئلہ ختم ہو جانا چاہیئے تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر اتفاق ہو جانے کے بعد پھر توحید اور معاد کے اندر اختلاف کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اسی لیے آگے جا کے اہل کتاب کی معرفت کو بطور حوالے کے ذکر کیا گیا ہے کہ اہل کتاب میں سے جو منصف ہیں وہ بھی بتا دیں گے کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور جو نہیں بتاتے ان کے متعلق دوسری جگہ آئے گا کہ یہ ظالم ہیں اور یہ کتمان حق کرتے ہیں۔

چنانچہ ان میں جو منصف مزاج تھے، نیک تھے، صالح تھے، جو دنیا کی محبت کے اندر مبتلا نہیں تھے چاہے وہ انجیل والوں میں سے ہیں چاہے وہ توراۃ والوں میں سے ہیں جن میں سے بھی ہوں اہل کتاب نصاریٰ ہوں یا یہودی ہوں دونوں میں سے جو بھی انصاف والے تھے جب ان کے سامنے تذکرہ آیا اس کتاب کا تو انہوں نے اس کتاب کو بھی تسلیم کیا اور جب ان کے سامنے ذکر آیا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا تو انہوں نے آپ کی گواہی بھی دی، نجاشی یہ انجیل والوں میں سے ہے عیسائیوں میں سے اور عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء یہودیوں میں سے ہیں تو آپ کہہ دیجئے کہ اللہ گواہ ہے میرے اور تمہارے درمیان اور اللہ تعالیٰ کی گواہی اس طرح سے نمایاں ہوئی کہ ''اوحی الیّ ھذا القرآن'' وحی کیا گیا میری طرف یہ قرآن تا کہ میں تمہیں ڈراؤں اس کے ذریعہ سے اور ہر اس شخص کو ڈراؤں جس کو یہ قرآن پہنچے جہاں تک بھی یہ آواز جائے سارے مخاطب ہیں'' ائنکم لتشھدون ان مع اللہ الٰھۃ اخریٰ'' کیا تم اس بات پر گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور معبود بھی ہیں۔

اب شہادت تو مبنی ہوا کرتی ہے علم یقینی پر یا مشاہدہ پر، اپنی آنکھوں سے دیکھا حال انسان بیان کیا کرتا ہے اور اگر آنکھوں سے دیکھا نہیں تو قطعی دلیل، عقلی دلیل، نقلی دلیل جس کے ساتھ انسان کے قلب میں یقین آ جائے تو اس کی بناء پر گواہی دی جا سکتی ہے اور اگر کسی نے کوئی مشاہدہ بھی نہیں کیا اور اس کے پاس کوئی عقلی نقلی قطعی دلیل بھی موجود نہیں جس پر یقین آ جائے تو شہادت اگر دیتا بھی ہے تو جھوٹ بولتا ہے ہم کہتے ہیں'' اشھدان لاالٰہ الا اللہ'' اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں، ہم نے اللہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا نہیں ہے اور اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کا کوئی دوسرا شریک نہیں یہ بات ہمارے مشاہدے میں آنکھوں کے ساتھ دیکھنے میں نہیں آئی ہم اس کو دلائل قطعیہ کے

ساتھ جانتے ہیں، اللہ کے وجود کو بھی ہم جانتے ہیں یقین کے درجے میں اور دلائل کے ساتھ سمجھتے ہیں کہ "الله وحده لاشريك" ہے اس کے ساتھ کوئی دوسرا شریک نہیں اس لیے ہم اس کو "اشهد ان" کے لفظ کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور ایسے ہی " اشهد ان محمداً رسول الله " کہتے ہیں تو اس کو بھی ہم نے دلائل قطعیہ کے ساتھ جان لیا یقین کے درجے میں بات آگئی۔

اب مشرکین اگر کسی کے متعلق کہتے ہیں کہ فلاں اللہ کا شریک ہے نہ یہ مشاہدے کی بات ہے اور نہ ان کے پاس عقلاً نقلاً کوئی دلیل ہے پھر وہ گواہی کس طرح سے دیں گے اور اگر وہ کہیں کہ ہاں ہم گواہی دیتے ہیں تو آپ کہہ دیجئے کہ میں تو گواہی دیتا نہیں۔

کیونکہ گواہی کی کوئی بنیاد ہی موجود نہیں ہے یہی مطلب ہے اس کا کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے علاوہ کوئی اور معبود بھی ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ میں تو گواہی نہیں دوں گا لیکن اگر تم ڈھٹائی کے ساتھ آمادہ ہو ہی جاؤ کہ ہاں ہم شہادت دیتے ہیں تو میری طرف سے فیصلہ ہے میں تو گواہی نہیں دوں گا میں تو یہی اعلان کروں گا کہ " انما هو اله واحد واننی بری مما تشر کون " کہ وہ معبود صرف ایک ہی ہے، معبود برحق الہ واحد ہے اور بے شک میں لاتعلق ہوں ان چیزوں سے جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو۔

رسالتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اہل کتاب کی شہادت:

آگے اہل کتاب کی شہادت کا ذکر آرہا ہے جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ پہچانتے ہیں اس قرآن کو جس طرح سے کہ پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو، بیٹوں کو پہچاننے کا مطلب یہ ہے کہ چہرے کو دیکھ کر، مکھڑے کو دیکھ کر، ظاہری نقش ونگار ان کی شکل کو دیکھ کر کوئی شک نہیں رہتا کہ یہ ہمارا بچہ ہے، کسی بچے پر اشتباہ نہیں ہوتا اپنا بچہ ہونے کا جیسے بچوں کے اندر اگر اپنا لڑکا بھی کھیل رہا ہو تو دیکھتے ہی انسان پہچان جاتا ہے کہ یہ میرا ہے اسی معرفت کو یہاں ذکر کیا گیا ہے۔

باقی حقیقت میں وہ تمہارا ہے کہ نہیں یہ بات زیر بحث نہیں ہے ظاہری علامات کو دیکھ کر پہچاننا مقصود ہے وہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی طرف جو ایک بات منسوب کی گئی ہے اس میں ایک قسم کا مبالغہ ہے کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے پوچھا تھا کہ قرآن کہتا ہے کہ تم اللہ کے رسول کو اس طرح سے پہچانتے ہو جیسے اپنے بچوں کو

تو کیا یہ بات صحیح ہے؟ وہ کہنے لگے کہ صحیح کیا بلکہ صحیح سے بھی زیادہ ہم اس پر یقین رکھتے ہیں کہ اپنے بیٹے کے بارے میں تو مغالطہ ہوسکتا ہے کہ یہ ہمارا ہے یا نہیں، ہوسکتا ہے کہ ہم سمجھ رہے ہوں کہ ہمارا ہے لیکن حقیقتاً اس کی ماں نے خیانت کی ہواور وہ ہمارا نہ ہو۔

لیکن اللہ کے اس رسول کے بارے میں ہمیں کسی قسم کا اشتباہ نہیں ہے یہ زیادہ مبالغے کی بات ہے ورنہ حقیقت پر بحث نہیں ہے کہ حقیقت میں تمہارا بیٹا ہے یا نہیں؟ ان کو تم اپنا بیٹا سمجھتے ہو اگر وہ دوسرے بچوں کے اندر خلط ملط ہو جائے تو جیسے پہلی نظر میں آپ پہچان لیتے ہو کہ یہ ہمارا بچہ ہے اسی طرح سے اللہ کے رسول پر اتنی علامات نمایاں ہیں کہ کوئی اشتباہ کی بات ہی نہیں فوراً پہچان جاتے ہیں ''الذین خسروا انفسھم فھم لایومنون'' جنہوں نے اپنے آپ کو خسارے میں ڈال دیا وہ ایمان نہیں لاتے، بار بار یہ بات ظاہر کی جاتی ہے کہ اللہ کی توحید پر ایمان نہ لانا، معاد کا اقرار نہ کرنا، اللہ کے رسول کی رسالت کو نہ ماننا یہ خسارے کا سودا ہے، یہ اپنے آپ کو برباد کرنے والی بات ہے۔

کیونکہ یہی عقیدے ہیں جو انسان کی زندگی کا رخ سیدھا کرتے ہیں اور ایسے اعمال کی توفیق ہوتی ہے ان عقائد کی بنیاد پر جو آخرت میں جا کر انسان کے لیے مفید رہیں گے، دائمی زندگی میں باعث راحت ہوں گے اور جب تک یہ عقائد اختیار نہ کیے جائیں تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ انسان آخرت کے لیے کوئی ایسا کام کرے جو اس کے لیے مفید ہو اس لیے خسارہ ہی خسارہ ہے، کون بڑا ظالم ہے اس سے جو اللہ پر جھوٹ گھڑے، تم بے دلیل باتیں اللہ کی طرف منسوب کرتے ہو تو تم مفتری اور اگر میں بات کو غلط اللہ کی طرف منسوب کروں تو میں ظالم، کون بڑا ظالم ہے اس شخص سے جو اللہ پر جھوٹ گھڑے اور اس کی آیات کو جھٹلائے بے شک بات یہ ہے کہ ایسے ظالم فلاح نہیں پائیں گے یہ کبھی بھی کامیاب نہیں ہوں گے نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔

آج تمہارے شرکاء کہاں ہیں؟

آگے پھر وہی معاد کا ذکر کہ جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے پھر ہم کہیں گے ان لوگوں کو جنہوں نے شریک ٹھہرائے تھے اور ان کو شفیع قرار دیا تھا کہ اللہ کے دربار میں اگر بالفرض جانا ہوگیا تو یہ چھڑا لیں گے ہم پوچھتے ہیں کہ وہ کہاں چلے گئے شرکاء جن کو تم شرکاء سمجھا کرتے تھے، میرے ساتھی بنا کر رکھے تھے وہ کہاں چلے گئے یہ شرکاء کا

لفظ ان کے خیال کے مطابق استعمال کیا جارہا ہے پھران کی گمراہی کا انجام سوائے اس کے کچھ نہیں ہوگا کہ قسمیں کھا کھا کر اپنے عقیدے کا انکار کریں گے، کہیں گے قسم ہے اللہ کی، ہمارے پروردگار کی ہم مشرک نہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ دیکھو کیسے جھوٹ بولیں گے اپنے آپ پر اور گم ہوجائیں گی وہ سب باتیں جو یہ بنایا کرتے تھے، دنیا کے اندر تو بڑے دلائل گھڑتے ہیں، بڑے دعوے کرتے ہیں سب باتیں گم ہوجائیں گی کوئی سامنے موجود نہیں رہے گا سب باتیں ذہن سے نکل جائیں گی۔

کافروں کا آپ کی مجلس میں آنے کا مقصد:

''ومنهم من يستمع اليك'' ان میں سے بعض وہ ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں، بظاہر ہر بات سنتے ہیں لیکن چونکہ ان کی نیت ماننے کی نہیں ہے بلکہ اس لیے کان لگاتے ہیں تا کہ آپ کی گفتگو میں کوئی اعتراض کی بات ہاتھ میں آجائے اور اس کے اوپر پھر شور اٹھایا جا سکے اور جب کوئی شخص کسی کی تقریر میں اس نیت سے جا کر بیٹھے کہ میں نے اعتراض کی بات پکڑنی ہے تو جو اچھی باتیں ہوں گی پھر وہ ایسے ہے جیسے کان میں آئی ہی نہیں، ادھر توجہ ہی نہیں ہوتی ان کو انسان ٹالتا چلا جاتا ہے اور اعتراض کی بات کو تلاش کرتا ہے تو یہ بھی آپ کی مجلس میں آکر بیٹھتے ہیں، آپ کی طرف کان لگاتے ہیں تو ان کا مقصد بھی کوئی اچھی باتیں سننا نہیں ہے۔

بلکہ اعتراض کی بات کو پکڑنا ہے لہٰذا نہ یہ حقیقت کو سمجھ سکتے ہیں اور نہ کوئی کان میں اچھی بات ان کے آتی ہے'' وجعلنا على قلوبهم اكنة ان يفقهوه '' اس قرآن کے سمجھنے سے ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال رکھے ہیں اور ان کے کانوں میں بوجھ ہے جس کی بناء پر یہ اچھی بات سن نہیں سکتے'' وان يروا كل آيه '' اگر ہر قسم کی نشانی بھی دیکھ لیں تو بھی اس پر ایمان نہیں لائیں گے مطلب یہ ہوا کہ نہ آنکھوں سے متاثر، نہ کانوں سے متاثر، نہ دل سے سوچ سمجھ کے متاثر حتیٰ کہ جب آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے جھگڑا کرتے ہیں کہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ نہیں ہیں یہ مگر پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں جو منقول چلی آرہی ہیں یعنی ان واقعات سے وہ متاثر نہیں ہوتے۔

بلکہ ان واقعات کو اتفاقی قرار دیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ایسے ہی جوڑی ہوئی باتیں ہیں ورنہ یہ کوئی بات نہیں کہ عقائد انسانی زندگی پر اثر انداز ہوں کہ قوم برباد اس لیے ہوجائے کہ ان کے عقیدے صحیح نہیں تھے اور ان کا

کردار صحیح نہیں تھا اور کوئی قوم سرسبز وشاداب ان عقائد کی بناء پر ہو جائے کہتے ہیں کہ یہ نہیں ہو سکتا، یہ بات سمجھ میں آنے کی نہیں ہے اس لیے جو یہ کہا جارہا ہے کہ فلاں قوم کفر کی بناء پر ہلاک ہوگئی تھی، فلاں قوم بدکرداری کی بناء پر برباد ہوگئی تھی کہتے ہیں کہ سب ایسے ہی بنائی ہوئی باتیں ہیں" هم ینهون عنه " یہ لوگ اس قرآن سے روکتے ہیں " وینؤن عنه " اور اس سے دور ہٹتے ہیں اور نہیں ہلاکت میں ڈالتے مگر اپنی ہی جانوں کو اور یہ سمجھتے نہیں، یہ ویسی ہی بات ہے جو پیچھے ذکر کیا تھا کہ جو ایمان نہیں لاتے وہ اپنے آپ کو برباد کرنے والے ہیں جو اپنے آپ کو برباد کرنے والے ہیں وہی ایمان نہیں لاتے، یہاں بھی یہی بات ہے کہ یہ لوگ انکار کر کے حقیقت میں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالتے ہیں اور ان کو شعور نہیں۔

کافروں کی جہنم کو دیکھ کر خواہش:

اور اگر تو دیکھے جب یہ کھڑے کیے جائیں گے جہنم پر پھر یہ معاد کا ذکر آ گیا کہ جب ان کو جہنم کے کنارے پر کھڑا کیا جائے گا پھر کہیں گے کہ ہائے کاش! ہم واپس لوٹا دیئے جائیں اور اپنی رب کی آیات کو نہ جھٹلائیں اور ایمان لانے والوں میں سے ہو جائیں یعنی تصدیق کریں تکذیب نہ کریں اس وقت یہ آرزو کریں گے اور یہ ان کی آرزو یہ بھی کوئی حقیقت پر مبنی نہیں ہوگی۔

بلکہ مصیبت میں پھنس گئے ہیں اس لیے بول رہے ہیں ظاہر ہوں گی وہ باتیں جو اس سے قبل وہ چھپایا کرتے تھے، انکار کے پودے میں دبایا کرتے تھے، انکار کرتے تھے، استہزاء کرتے تھے باتیں سب سامنے آجائیں گی اور اگر یہ واپس لوٹا دیے جائیں تو جیسے ان کی فطرت ہے، جس قسم کے ان کے جذبات ہیں، جیسے یہ ضدی ہیں پھر بھی لوٹیں گے اسی بات کی طرف جس سے ان کو روکا جائے اور بے شک البتہ اپنے قول میں جھوٹے ہیں اور یہ بات بھی کوئی بعید نہیں کہ آپ کہیں کہ جب وہ جہنم دیکھ آئیں گے اور ہر چیز ان کے سامنے آجائے گی پھر دنیا کے اندر دوبارہ وہ حرکتیں کیسے کریں گے جس طرح سے پہلے کرتے ہیں یہ بات کوئی بعید نہیں ہے آپ کے سامنے روزمرہ کے واقعات ہیں۔

آپ اگر دیکھیں گے تو معلوم ہو جائے گا کہ ایک آدمی بیمار ہو جاتا ہے یا کسی مصیبت کے اندر مبتلاء ہو جاتا ہے، پریشانی میں مبتلاء ہو جاتا ہے تو اس کی کبھی باتیں سنا کرو کہتا ہے یا اللہ! اب جان چھوڑ دے آئندہ کے لیے میں

پابندی سے نماز پڑھا کروں گا، اس مصیبت سے مجھے چھوڑ دے آئندہ کے لیے میں پابندی سے نماز پڑھا کروں گا، اس مصیبت سے میں چھوٹ جاؤں پھر آئندہ کے لیے میں یوں کیا کروں گا، بڑے وعدے کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے بالکل اپنے کانوں کی سنی ہوئی باتیں ہیں آپ بھی جس وقت دیکھیں گے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا پریشانی میں پھنسا ہوا آدمی بڑے وعدے کرتا ہے کہ اب اگر نجات ہوگئی تو میں یوں کروں گا، لیکن جس وقت اللہ تعالیٰ چھوڑ دیتے ہیں تو جس طرح پہلی فطرت ہے وہی پھر سامنے آجاتی ہے کیے کرائے وعدے سب بھول جاتے ہیں۔

تو اسی طرح سے جنہوں نے بری عادت ڈال لی وہاں جا کر اگر جہنم کو بھی دیکھ آئیں تو بھی اگر انہوں نے نہیں ماننا تو نہیں ماننا اگر لوٹا دیئے جائیں تو البتہ لوٹیں گے اسی بات کی طرف جس سے وہ روکے گئے اور وہ بے شک جھوٹے ہیں اور پھر وہ یہی بات ہی کہیں گے کہ جیسے میں نے عرض کردیا کہ ''قالوا'' کا عطف ''لعادوا'' پر بھی ہوسکتا ہے کہ جیسے اب ان کا دعویٰ ہے کہ بس دنیا کی زندگی ہے یہیں کھا پی لو کہ دوبارہ دنیا میں نہیں آنا جتنی عیش کرنی ہے کرلو جس طرح سے اب ان کا دعویٰ ہے اگر یہ لوگ لوٹ کر بھی آجائیں تو بھی اسی طرح سے کہیں گے کہ نہیں ہے مگر یہ ہماری دنیاوی زندگی بس یہیں کھا پی لو جو کچھ کھانا ہے'' وما نحن بمبعوثین ''ہم اٹھائے نہیں جائیں گے بعث نہیں ہوگا اور اگر دیکھے تو جب کھڑے کیے جائیں گے اپنے رب کے سامنے تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھے گا کہ ''بعث بعد الموت'' یہ حق ہے یا نہیں، دیکھو تینوں عقیدے آپس میں کس طرح سے خلط ملط ہوتے آرہے ہیں توحید، رسالت، معاد اور رد شرک، کیا یہ بعث بعد الموت حق ہے یا نہیں ''قالوا بلیٰ'' اس وقت کہیں گے کیوں نہیں ''وربنا'' ہمارے رب کی قسم یہ تو بالکل واقعی بات ہے۔

''قال فذوقوا العذاب بما کنتم تکفرون'' چکھو تم عذاب بسبب اس کے کہ تم کفر کیا کرتے تھے، آنے والے واقعات کو اس طرح یقین کے انداز سے ذکر کیا جارہا ہے گویا کہ آنکھوں کے سامنے بات ہو رہی ہے تو کہا یہ جارہا ہے کہ اس مصیبت سے بچنے کے لیے آج ہی قائل ہو جاؤ بعث بعد الموت کے ورنہ جب یہ ڈنڈے لگیں گے اور جوتے کوٹے جائیں گے اس وقت پھر اقرار کرو گے پھر کیا فائدہ ہوگا پھر اللہ کہے گا کہ دنیا میں انکار کرتے رہے اب جاؤ جہنم میں چکھو عذاب پھر وہی خسارے کا ذکر آگیا جو ماننے والے نہیں وہی خسارے میں ہیں کس طرح سے یہ بار بار تصور دلایا جارہا ہے کہ نفع اور کامیاب زندگی یہی ہے کہ ان عقائد حقہ کو اختیار کیا جائے اور جو لوگ ان عقائد حقہ کو اختیار نہیں کرتے وہ حقیقت میں اپنے آپ کو بربادی میں ڈالے ہوئے ہیں۔

بار بار یہی بات دہرائی جارہی ہے تحقیق خسارے میں پڑ گئے وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ سے ملاقات نہیں ہوگی وہ خسارے میں پڑ گئے یہ ان کا انکار یہ تکذیب یہ دائمی نہیں حتیٰ کہ جب ان کے پاس قیامت اچانک آجائے گی تو پھر یہ کہیں گے کہ ہائے ہمارا افسوس ہماری کوتاہی کرنے پر اس قیامت کے بارے میں، ہم نے جو اس کے بارے میں کوتاہی کی کہ اس کے متعلق عقیدہ نہیں رکھا اور اس کے مطابق اپنی زندگی کو نہیں ڈھالا اس پر بڑا افسوس۔

بدکرداروں کے برے اعمال ان کی پشتوں پر سوار ہوں گے:

''وھم یحملون اوزار ھم علی ظھور ھم'' جیسے میں نے ترجمہ میں ذکر کیا کہ نیک آدمیوں کے لیے تو ان کے نیک اعمال سواری کا کام دیں گے اس کے لیے سہارا بنیں گے اور بدکردار جو ہیں وہ اپنے برے کردار کو اپنے بُرے اعمال کو اپنی پشتوں کے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے حسی طور پر وہ عمل نمایاں ہوں گے اور انسان کی گردن کے اوپر چڑھے ہوئے ہوں گے۔

جیسے کہ حدیث شریف میں واضح واضح مثالیں ہیں کہ اگر کسی نے مال غنیمت میں خیانت کرتے ہوئے اونٹ چرالیا جب وہ قیامت کے میدان میں آئے گا تو اونٹ اس کی گردن پر چڑھا ہوا ہوگا، گھوڑا ہوگا تو گھوڑا اس کی گردن پر چڑھا ہوا ہوگا اسی طرح سے جو چوری کی جو خیانت کی وہ ساری چیزیں نمایاں ہوں گی اور اوپر سوار ہوں گی، زکوۃ نہ دینے والوں کے متعلق جس طرح سے آیا تھا کہ ان کو میدان میں لٹا کر ان کے جانوروں کو ان کے اوپر چڑھایا جائے گا جو اس کو سینگ ماریں گے، اٹھائیں گے یہ اپنے گناہوں کے بوجھ اپنی پشتوں پر۔

خبردار بری ہے وہ چیز جس کو یہ اٹھائیں گے، یہ تو کہتے ہیں کہ دنیاوی زندگی ہی بس زندگی ہے اس میں عیش کرلو جو بھی کرلو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ بے عقل ہیں یہ دنیاوی زندگی تو کھیل تماشا ہے، دنیاوی زندگی سے یہاں مراد ہے دنیاوی زندگی کے اعمال جو کہ دنیا ہی کے لیے کیے جائیں گے کیونکہ دنیاوی زندگی کے متعلق جو کام ہوں گے اسی نیت کے ساتھ کہ ہم نے اس سے دنیا کے اندر فائدہ اٹھانا ہے اور یہی اعمال حیات دنیا ہے اور اس دنیا کے اندر رہتے ہوئے آخرت کا تصور کر کے آخرت کے لیے نیکی کے کام جو کیے جاتے ہیں وہ اعمال دنیا نہیں ہیں اس لیے وہ کھیل تماشے کا مصداق بھی نہیں ہیں دنیاوی زندگی یعنی دنیاوی زندگی کے کام جن کو انسان اسی دنیاوی زندگی کے لیے کرتا ہے وہ تو ایسے ہے جیسے کھیل تماشا وقتی طور پر دل بہلایا اور تھوڑی دیر کے بعد کھیل ختم۔

جیسے بچے جب اکٹھے ہو جاتے ہیں اور مٹی کے گھر بناتے ہیں اور جس وقت جی بھر جاتا ہے اور کھیل کا وقت ختم ہو گیا تو پھر پاؤں کے ساتھ سب کو گراتے ہیں اور ساتھ زبان سے یہ بھی کہا کرتے ہیں کہ ''ہتھاں نال بنایا سی پیراں نال ڈھایا سی'' تھوری دیر کے بعد خیال ختم اسی طرح سے دنیاوی اعمال ایسے ہی ہیں کہ سوائے کھیل تماشے کے ان کی کوئی حقیقت نہیں۔

ہاں البتہ اس دنیا کے اندر رہتے ہوئے آخرت کے لیے جو کام کیے جائیں وہ دنیاوی اعمال نہیں وہ باقی رہنے والی چیزیں ہیں وہ کھیل تماشا نہیں'' ولدار الاخرۃ خیر'' پیچھے آنے والا گھر بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں'' افلا تعقلون'' کیا تم سوچتے نہیں ہو۔
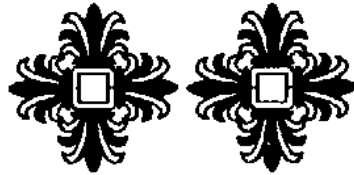
قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ

ہم ضرور جانتے ہیں کہ بے شک آپ کو غم میں ڈالتی ہے وہ بات جو یہ کہتے ہیں پس بے شک یہ لوگ آپ کو جھوٹا نہیں کہتے

الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ

لیکن ظالم لوگ اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں ﴿۳۳﴾ البتہ تحقیق تکذیب کی گئی رسولوں کی تجھ سے قبل

فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ

پھر انہوں نے صبر کیا تکذیب کیے جانے پر اور ان کو تکلیف دی گئی یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد آ گئی اللہ تعالیٰ کے کلمات کو

وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ

کوئی بدلنے والا نہیں البتہ تحقیق آپ کے پاس رسولوں کا واقعہ آ گیا ﴿۳۴﴾ اور اگر گراں گزرتا ہے تیرے اوپر

اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا

ان کا اعراض کرنا پھر اگر تو طاقت رکھتا ہے کہ تو تلاش کر لے کوئی سرنگ زمین میں یا کوئی سیڑھی

فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى

آسمان میں پھر لے آئے تو ان کے پاس کوئی نشانی اگر اللہ چاہتا تو ان کو جمع کر دیتا ہدایت پر

فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؕ

پس آپ ان میں سے نہ ہو جائیے جو بردبار نہیں ہوتے ﴿۳۵﴾ سوائے اس کے نہیں کہ قبول کرتے ہیں وہ لوگ جو توجہ سے سنتے ہیں

وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ

اور مردوں کو اللہ اٹھائے گا پھر اسی کی طرف ہی لوٹائے جائیں گے ﴿۳۶﴾ اور یہ لوگ کہتے ہیں اس پر کوئی نشانی اس کے

عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً

رب کی طرف سے کیوں نہیں اتاری گئی آپ کہہ دیجئے کہ بے شک اللہ تعالیٰ قدرت رکھنے والا ہے اس بات پر کہ کوئی نشانی اتار

وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ

دے لیکن ان میں سے اکثر جانتے نہیں ﴿۳۷﴾ نہیں ہے کوئی جانور چلنے والا زمین میں اور نہ کوئی پرندہ جو اڑتا

يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُم ۚ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِن شَيْءٍ

ہوا اپنے دونوں پروں کے ساتھ مگر وہ جماعتیں ہیں تم جیسی ہی نہیں چھوڑی ہم نے کتاب میں کوئی چیز

ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ ﴿٣٨﴾ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا صُمٌّ وَبُكْمٌ

پھر یہ لوگ اپنے رب کی طرف جمع کیے جائیں گے (۳۸) اور وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا وہ بہرے ہیں وہ گونگے ہیں

فِي الظُّلُمَاتِ ۗ مَن يَشَإِ اللَّهُ يُضْلِلْهُ وَمَن يَشَأْ يَجْعَلْهُ عَلَىٰ صِرَاطٍ

تاریکیوں میں پڑے ہوئے ہیں جس کو اللہ چاہتا ہے بھٹکا دیتا ہے اور جس کے متعلق چاہتا ہے اس کو صراط مستقیم

مُّسْتَقِيمٍ ﴿٣٩﴾ قُلْ أَرَأَيْتَكُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُ اللَّهِ أَوْ أَتَتْكُمُ السَّاعَةُ

پر ٹھہرا دیتا ہے (۳۹) آپ کہہ دیجئے تم بتلاؤ کہ اگر اللہ کا عذاب تمہارے پاس آجائے یا تمہارے پاس قیامت

أَغَيْرَ اللَّهِ تَدْعُونَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ﴿٤٠﴾ بَلْ إِيَّاهُ تَدْعُونَ

آجائے کیا تم اللہ کے غیر کو پکارو گے اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو (۴۰) بلکہ تم اسی کو ہی پکارو گے

فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُونَ إِلَيْهِ إِن شَاءَ وَتَنسَوْنَ مَا تُشْرِكُونَ ﴿٤١﴾ وَلَقَدْ

پھر دور ہٹا دے گا وہ اس کو جس کے دور کرنے کی طرف تم اسے بلاؤ گے اگر چاہے گا اور بھول جاؤ گے تم ان کو جن کو شریک ٹھہراتے ہو (۴۱) البتہ

أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ فَأَخَذْنَاهُم بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ

تحقیق بھیجا ہم نے آپ سے قبل مختلف جماعتوں کی طرف پھر پکڑ لیا ہم نے انہیں مالی تنگی میں اور بدنی تکلیف میں تا کہ

يَتَضَرَّعُونَ ﴿٤٢﴾ فَلَوْلَا إِذْ جَاءَهُم بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا وَلَٰكِن قَسَتْ قُلُوبُهُمْ

وہ عاجز آجائیں (۴۲) جس وقت ان کے پاس ہمارا عذاب آگیا وہ کیوں عاجز نہ ہوئے لیکن ان کے دل سخت ہو گئے

وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٤٣﴾ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ

اور شیطان نے ان کے لیے سجا دیا انہی کاموں کو جو وہ کرتے تھے (۴۳) جس چیز کے ساتھ ان کو نصیحت کی گئی تھی انہوں نے

فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا

اس کو بھلا دیا پھر کھول دیے ہم نے ان کے اوپر ہر چیز کے دروازے حتیٰ کہ جب وہ اترانے لگ گئے بسبب اس چیز کے جو وہ

اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ

دیے گئے تھے پھر ہم نے ان کو پکڑ لیا اچانک پس وہ ناامید ہو کر رہ گئے ﴿۴۴﴾ ان لوگوں کی جڑ کاٹ دی گئی جنھوں نے ظلم کیا

ظَلَمُوْا ؕ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۵﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ

اور شکر ہے اس اللہ کا جو رب العالمین ہے ﴿۴۵﴾ آپ کہہ دیجئے بتلاؤ تم اگر اللہ تعالیٰ تمہارے

سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ

کان لے لے اور تمہاری آنکھیں لے لے اور تمہارے دلوں کے اوپر مہر کر دے تو کون ہے اللہ کے علاوہ معبود جو اس

يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾

چیز کو تمہارے پاس لے آئے گا دیکھو تو کیسے ہم پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں آیات پھر یہ اعراض کرتے ہیں ﴿۴۶﴾

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ

آپ کہہ دیجئے بتلاؤ تم اگر تمہارے پاس اللہ کا عذاب اچانک آ جائے یا کھلم کھلا آ جائے نہیں

يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا

ہلاک کیے جائیں گے مگر ظالم لوگ ﴿۴۷﴾ نہیں بھیجتے ہم رسولوں کو مگر اس حال میں کہ وہ

مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

بشارت دینے والے اور ڈرانے والے ہوتے ہیں پھر جو ایمان لے آئے اور اپنے احوال کو درست کر لے پس نہ ان کے اوپر کوئی خوف ہے

وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ

اور نہ وہ غمزدہ ہوں گے ﴿۴۸﴾ اور جو ہماری آیات کی تکذیب کرتے ہیں ان کو عذاب لگے گا ان کی

بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾ قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ

نافرمانی کے سبب سے ﴿۴۹﴾ آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہیں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں

وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى

اور میں یہ بھی نہیں کہتا کہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں تمہیں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، نہیں اتباع کرتا میں مگر اس چیز کی جو

اِلَیَّ ؕ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ۟ؑ (۵۰)

میری طرف وحی کی جاتی ہے آپ کہہ دیجئے کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہوتے ہیں کیا تم سوچتے نہیں ہو (۵۰)

تفسیر:

ماقبل سے ربط:

توحید، رسالت اور معاد ان اصول ثلاثہ کا ذکر کرتے ہوئے مشرکین اور کافرین کی طرف سے ان کی تکذیب کا بیان تھا کہ یہ توحید کو بھی تسلیم نہیں کرتے، اسی طرح رسالت کو بھی تسلیم نہیں کرتے اور آخرت کا بھی انکار کرتے ہیں، اسی بات کو مختلف انداز کے ساتھ دہرایا گیا ہے تو سرور کائنات کو چونکہ ان کے ایمان نہ لانے پر بڑا دکھ ہوتا تھا یہ دکھ ہوتا تھا محبت اور شفقت کی وجہ سے کہ حضور ﷺ ان کی بھلائی چاہتے تھے اور وہ تسلیم نہیں کرتے تھے اور آپ کی خیر خواہی اور ہمدردی کو الٹا وہ عداوت پر محمول کرتے، آپ کے اس بار بار سمجھانے کو الٹا وہ آپ کے لیے باعث ایذا بنالیتے یہ چیزیں سرور کائنات ﷺ کے لیے بہت باعث تکلیف تھیں اگلی آیات اس پر تسلی سے متعلق ہیں۔

ایمان قبول نہ کرنے والوں پر رسول اللہ ﷺ کا کڑھنا:

اور ان لوگوں کے ایمان نہ لانے کی بناء پر، تکذیب کرنے کی وجہ سے اتنی تکلیف تھی رسول اللہ ﷺ کو اس کا اگر آپ اندازہ کرنا چاہیں تو اس لفظ کے تحت کر سکتے ہیں جو سورۃ کہف کے پہلے رکوع میں آئے گا ''لعلك باخع نفسك علی آثارھم ان لم یؤمنوا '' اس کا مفہوم ہم اپنے الفاظ میں یوں ادا کریں گے کہ ایسا لگتا ہے جیسے آپ تو ان کے پیچھے گھل کر مرہی جائیں گے اگر یہ ایمان نہ لائے یعنی آپ کا جو حال ہے اس وقت جس طرح آپ تڑپتے ہیں ان کے ایمان نہ لانے کی بناء پر ایسے لگتا ہے کہ اگر یہ نہیں مانیں گے تو آپ ان کے پیچھے گھل گھل کر مرہی جائیں گے۔

اس سے آپ اندازہ کرلیجیے کہ سرور کائنات ﷺ کے قلب میں کتنی بے چینی تھی اور آپ کتنے غم زدہ تھے قوم کے نہ تسلیم کرنے کی وجہ سے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بار بار حضور ﷺ کو تسلی دی ہے اور یہ آیات جو اس وقت

آپ کے سامنے ہیں یہ اسی تسلی سے ہی تعلق رکھتی ہیں'' قد نعلم انه لیحزنك''ہمیں پتہ ہے ہم جانتے ہیں جو باتیں یہ کرتے ہیں یہ آپ کے لیے باعث غم ہیں''الذی یقولون'' جو بات یہ لوگ کرتے ہیں یہ آپ کو حزن میں ڈالتی ہے، یہ آپ کے لیے باعث غم ہے ہم اس بات کو جانتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ کے لیے تسلی کا پہلو:

لیکن آپ اتنا تو دیکھیں کہ ان لوگوں کو آپ سے تو کوئی ضد نہیں ہے جس وقت تک آپ نے میری بات نہیں کہنی شروع کی تھی اس وقت تک تو یہ سارے آپ کو صادق اور امین کہتے تھے، اس وقت تو سارے کے سارے تیری دیانت اور امانت پر اعتماد کرتے تھے تو تیرے ساتھ تو ضد نہیں ان کو، یہ تجھے تو نہیں جھٹلاتے یہ تو میری باتوں کا انکار کرتے ہیں، واسطہ تو ان کا براہ راست میرے ساتھ ہے تو میں جانوں اور یہ جانیں آپ کو اس پر غم کرنے کی کیا ضرورت یعنی اللہ تعالیٰ کی بات حضور ﷺ نے کہی تو انہوں نے کہا کہ تو جھوٹا ہے اور تکذیب کی ورنہ جس وقت تک اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کر کے آپ نے باتیں کہنی نہیں شروع کی تھیں اس وقت تک کافر آپ کو صادق اور امین کہتے تھے تو ان کی تکذیب تو میری باتوں کے ساتھ تعلق رکھتی ہے آپ سے تو ان کو کوئی ضد نہیں ہونی چاہیئے۔

مطلب اس کا وہی ہے کہ جب اللہ کی بات کو انہوں نے جھٹلایا تو اللہ کے رسول کو جھٹلا دیا، حضور ﷺ کو جھٹلا دیا لیکن آپ کا جھٹلایا جانا ضمناً ہوا اصل کے اعتبار سے تکذیب کا تعلق اللہ کی باتوں سے ہے یہی وجہ ہے کہ جب تک آپ نے اللہ کی طرف نسبت کر کے باتیں کہنا شروع نہیں کیں اس وقت تک آپ کے ساتھ تکذیب کا معاملہ بھی نہیں ہوا، یہ ظالم لوگ آپ کی تکذیب نہیں کرتے'' فانهم لایکذبونك'' آپ کو جھوٹا نہیں بتلاتے یعنی حقیقت کے اعتبار سے'' ولکن الظلمین بایٰت الله یجحدون'' یہ تو اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں تو جب یہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں تو ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کرو پھر یہ جانیں اور اللہ جانے اب اللہ کی آیات کا انکار کرنا یہ آپ کی ہی تکذیب ہے لیکن آپ کو جھوٹا بتلانا ضمناً ہوا اصل کے اعتبار سے ان کو انکار اللہ کی باتوں سے ہے ورنہ جس وقت تک آپ نے یہ تبلیغ شروع نہیں کی تھی اور اللہ تعالیٰ کی آیات سنانا شروع نہیں کی تھیں اس وقت تک آپ کے ساتھ ان کی طرف سے تکذیب کا معاملہ نہیں ہوا۔

نبی کریم ﷺ کو دوسرے پہلو سے تسلی:

اور یہ بات صرف آپ کے ساتھ ہی نہیں بلکہ آپ سے قبل بھی رسول آئے تھے اور ان کو بھی اسی طرح سے

جھٹلایا گیا، ان کو بھی اسی طرح سے جھوٹا بتلایا گیا جس طرح سے آپ بات کرتے ہیں تو لوگ آپ کو کہتے ہیں کہ آپ جھوٹ کہتے ہیں انہوں نے بھی صبر کیا، برداشت کیا آپ بھی برداشت کریں، جو ان کی تکذیب کی گئی، جو ان کو تکلیف پہنچائی گی اس کے اوپر انہوں نے صبر کیا کتنا صبر کیا ''حتیٰ اتٰھم نصر نا'' وہ صبر کرتے رہے، برداشت کرتے رہے، ایذائیں سہتے رہے، تکذیب سن سن کر برداشت کرتے رہے حتیٰ کہ ان کے پاس ہماری مدد آ گئی تو جب ہماری مدد آ گئی تو ان کی طاقت نمایاں ہوگئی اور تکذیب کرنے والے برباد ہو گئے تو جس میں اشارہ اس بات کی طرف کر دیا کہ آپ کی تکذیب بھی اسی اصول کے تحت ہی ہے اور آپ کو بھی اسی طرح سے برداشت کرنا چاہیئے، ان کی ایذاؤں کو سہنا چاہیئے ایک وقت آئے گا کہ ہماری مدد آپ کے ساتھ بھی آ جائے گی'' لامبدل لکلمٰت اللہ'' اللہ تعالیٰ کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں، اس لیے اللہ کی طرف سے جو نصرت کا وعدہ ہے وہ پورا ہو کر رہے گا اور آپ کے سامنے رسولوں کا واقعہ آچکا، رسولوں کی خبر آپ کے پاس آ چکی یعنی قرآن کریم میں یہ واقعات آپ کے سامنے بیان کر دیے گئے کہ کیسے کیسے رسول آئے تھے اور قوم نے کیسے کیسے ان کی تکذیب کی تھی اور پھر انجام کار کس طرح سے رسول کامیاب ہوئے، اور تکذیب کرنے والے کیسے برباد ہو گئے یہ آپ سن چکے ہیں انہیں واقعات کی طرف دیکھ کر آپ تسلی پکڑیں۔

مانگے ہوئے معجزات نہ دکھانے کی حکمتیں:

اگلی بات ذرا تیز لب ولہجہ کے ساتھ کہی جا رہی ہے لیکن اس تیزی کے اندر بھی شفقت نمایاں ہے، محبت نمایاں ہے حاصل اس کا یہ ہے کہ اگر آپ کو بہت ہی تکلیف ہے کہ یہ کیوں نہیں مانتے اور آپ کا دل یہ چاہتا ہے کہ جس قسم کے معجزات کا مطالبہ کرتے ہیں کہ ہمیں فلاں معجزہ دکھا دو تو ہم مان جائیں گے، فلاں معجزہ دکھا دو تو ہم مان جائیں گے اور آپ کا دل چاہتا ہے کہ یہ معجزات ان کو دکھا دیے جائیں جس کی بناء پر آپ کو بے چینی ہے کہ شاید ان کا مطالبہ پورا کر دیا جائے تو یہ مان جائیں گے اس لیے آپ دن رات تڑپتے ہیں اور دل کی خواہش ہے آپ کی کہ اللہ تعالیٰ اسی قسم کے معجزے دکھا دے تو پہلے تو سیدھی بات سن لو ہم تو دکھائیں گے نہیں، ہماری حکمت کے تو مطابق نہیں ہے کہ جو کوئی کہے ویسے کر کے دکھا دیں یہ کوئی طریقہ نہیں ہے یعنی اگر یہ دروازہ کھول دیا جائے کہ جو کوئی کہے کہ فلاں بات دکھاؤ تو میں ایمان لاتا ہوں اگر اس طرح سے لوگوں کے مطالبے پورے کرنے شروع کر دیے جائیں تو پھر تو

سارا انظام بگڑ جائے گا، ایک کہے گا کہ مشرق کی طرف سے سورج چڑھاؤ، دوسرا کہے گا کہ مغرب کی طرف سے چڑھا کر دکھاؤ تو میں مانتا ہوں، ایک کہے گا کہ بارش برسا کر دکھاؤ دوسرا کہے گا کہ دھوپ نکال کر دکھاؤ ایسے ایسے متضاد ان کے مطالبے ہوں گے۔

اس کے ساتھ تو سارا انظام درہم برہم ہو جائے گا اگر ان کی بات ماننی شروع کر دو کہ یہ پہاڑ سونے کا ہو جائے، وہ پہاڑ چاندی کا ہو جائے، ان پہاڑوں کی جگہ پر نہریں چل پڑیں، یہاں چشمے پھوٹ پڑیں، یہاں باغات ہو جائیں جیسے جیسے ان کے مطالبے تھے اوٹ پٹانگ مارتے تھے تو ہم تو ان کے مطلوبہ معجزات دکھانے کے نہیں۔

کیونکہ ہماری حکمت کا تقاضہ نہیں ہے ہم انہیں برباد کرنا نہیں چاہتے ہم اگر ان کے سامنے نشانی ظاہر کر دیں تو یہ مانیں گے نہیں اور پھر میرا طریقہ یہ ہے کہ جو مانگے اور اس کے مطابق اگر معجزہ ظاہر کر دیا جائے پھر وہ تسلیم نہ کرے تو پھر عذاب بھیج کر اس قوم کو تباہ کر دیا جاتا ہے، برباد کر دیا جاتا ہے اور ان کا برباد کرنا کلیۃً حکمت کا تقاضہ نہیں ہے اس لیے ان کے مطالبات میں تو پورا کروں گا نہیں تو آپ میری اس حکمت پر مطمئن رہیں آپ اس فکر میں کیوں پڑے ہوئے ہیں۔

اب اگلی بات ہے جو تیز ولب لہجہ سے کہی جارہی ہے لیکن اس میں بھی محبت نمایاں ہے سمجھایا تو یوں جارہا ہے کہ جب میری حکمت کے مطابق نہیں ہے تو آپ کو میری حکمت کا جاننے والا بن کر اس کے اوپر صبر کرنا چاہیئے کہ ٹھیک ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو حکمت ہے صحیح ہے آپ نادانوں میں سے نہ ہو جائیں کہ جو اس قسم کی باتوں کی حکمتیں نہیں سمجھتے آپ ان میں سے نہ ہو جائیں کہ ضرور ایسا ہو جائے یہ ضرور ایسا ہو جائے، یہ بات وہ لوگ تو کہہ سکتے ہیں کہ جو اللہ کی حکمت کو سمجھتے نہیں ہیں اور آپ کے سامنے تو ساری حکمت واضح کر رہے ہیں تو پھر آپ ان لوگوں میں سے نہ ہو جائیں اس لیے یہ آپ کے دل میں جو تڑپ ہے کہ یہ معجزہ ظاہر ہو جائے یہ ختم کر دو، یہ بے چینی جانے دو ان لوگوں میں سے نہ ہو جاؤ جو اس قسم کی باتوں کی حکمت نہیں جانتے اور اگر آپ کے دل میں ایسی تڑپ ہے کہ ان کو معجزہ دکھانا چاہیئے تو بہت اچھا ہم تو دکھائیں گے نہیں، آپ خود سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ جاؤ وہاں سے لے آؤ معجزہ ان کی مرضی کے مطابق یا زمین میں گھس جاؤ سرنگ لگا کر وہاں سے نکال سکتے ہو تو وہاں سے لے آؤ ہم تو دکھائیں گے نہیں۔

اب یہ لفظ جو بولا جا رہا ہے آپ سمجھتے ہیں کہ اس میں تھوڑی سے تیزی نمایاں ہے جاؤ لے آؤ پھر اگر آپ کا دل ایسے ہی چاہتا ہے تو جاؤ سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ سکتے ہو تو وہاں سے لے آؤ" فتاتیھم بایة" لے آ تو ان کے پاس کوئی نشانی، حقیقت کے اعتبار سے اس سے بھی تسلی حضور ﷺ کو دینا مقصود ہے کہ اس بات کو ختم کر دیجئے آپ کے دل میں یہ تڑپ نہیں رہنی چاہیئے کہ ایسے معجزات ان کو دکھائے جائیں کیونکہ یہ بدبخت معجزہ آ جانے کے بعد بھی نہیں مانیں گے تو پھر ان کی بربادی ہے۔

اب ان کے لیے بھی شفقت کا تقاضہ یہ ہے کہ ان کے ہر مطالبے کو پورا نہ کیا جائے یہ ساری آیات جو ہیں اس طرح سے حضور ﷺ کے لیے تسلی کا باعث ہیں" ان کان کبر علیك اعراضھم " اگر ان کا منہ موڑنا، اعراض کرنا، بے رخی کرنا تجھے گراں گزرتا ہے پھر تو طاقت رکھتا ہے کہ تو تلاش کرے کوئی سرنگ زمین میں اگر تو طاقت رکھتا ہے تلاش کرنے کی" ان تبتغی "ان مصدر یہ اگر تو اس بات کی طاقت رکھتا ہے کہ تو تلاش کرے کوئی سرنگ زمین میں یا تو تلاش کرلے کوئی سیڑھی آسمان میں پھر تو لے آئے ان کے پاس کوئی نشانی اگر تو ایسا کر سکتا ہے تو کر لے۔

سب کو ہدایت پر جمع نہ کرنے کی حکمت:

" ولو شاء الله لجمعھم علی الھدی " اگر اللہ چاہتا ان کو ہدایت پہ جمع کرنا تو سب کو ہدایت پر اکٹھا کر دیتا، یہ اللہ تعالیٰ کے لیے مشکل نہیں تھا تکویناً زبردستی زور کے ساتھ ان کو سیدھے راستے پر چلا دے اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے لیکن اللہ کی یہ حکمت نہیں۔

بلکہ اللہ کی حکمت یہ ہے کہ انسان کو ابتلاء میں ڈال دیا اختیار دے کر، اب اپنی عقل کے ساتھ، فہم کے ساتھ، ہوش کے ساتھ اگر کوئی شخص ہدایت کو قبول کرے گا تو ہم اس کو ہدایت کے راستے پر چلائیں گے اور اگر نہیں قبول کرتا تو نہ سہی ہم نے ان کو اس طرح سے بنایا ورنہ اگر ہمارا مقصد یہی ہوتا ہے کہ زبردستی سب کو ایک راستے پر چلانا ہے تو ہمارے لیے کیا مشکل تھا ہم چلا دیتے لیکن یہ حکمت ابتلاء کے خلاف ہے لہٰذا ان کے مطلوبہ معجزات اتار اتار کر، ان کو گردنوں سے پکڑ پکڑ کر سیدھے راستے پر چلا دینا یہ حکمت کے منافی ہے اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو اکٹھا کر دیتا ہدایت پر یعنی زبردستی تکویناً۔

"لاتکونن من الجاھلین" کا مفہوم:

پس نہ ہو جائیں آپ ان لوگوں میں سے جو حکمت کو سمجھتے نہیں یعنی اس بات کے واضح ہو جانے کے بعد

آپ مطمئن ہو جایئے اور اس قسم کی بے چینی قلب میں رکھنا پھر ان لوگوں کا کام ہوگا جن کے سامنے یہ حکمت نمایاں نہیں ہے جاہلین کے ترجمہ کا مفہوم جس طرح سے میں ادا کر رہا ہوں کتنا سہل اور کتنا الفاظ کے مطابق ہو گیا اور یا پھر مطلب یوں ادا کر لیں کہ آپ کے دل میں جذبہ ہے کہ یہ راہِ راست پر آجائیں۔

لیکن اس جذبے سے اتنا مغلوب نہ ہو جاؤ کہ ان کا ہر مطالبہ پورا کرنے کے لیے جوش اٹھ رہا ہے اس جذبے میں کہ ان کو ہدایت پہ لانے کا جذبہ آپ کے دل میں ہے کہ یہ کسی طرح سے مان جائیں اس جذبے سے ایسے مغلوب نہ ہو جاؤ کہ جو کچھ یہ کہیں اس کو کرنے پر تیار ہو جاؤ کہ ایسے ہو جانا چاہیئے ہم تو کرتے نہیں اگر آپ کو زیادہ ہی جذبہ اٹھ رہا ہے اس بات کا کہ ان کو ضرور ہی منوانا ہے تو جاؤ پھر کرلو ان کے مطالبے پورے ہم تو کریں گے نہیں تو پھر'' لا تکونن من الجاهلين '' کا مفہوم یہ نکل آئے گا کہ آپ ان لوگوں میں سے نہ ہو جایئے جو جذبات میں مغلوب ہو جایا کرتے ہیں ٹھیک ہے کہ ان کو ہدایات پر لانے کا جذبہ ہے۔

لیکن وہ جذبہ ایک حد میں رہنا چاہیئے ان کو دلائل کے ساتھ سمجھاؤ، تدبر تفکر کی انہیں دعوت دو، آیات تنزیلہ، آیات ایفاء کی طرف ان کو متوجہ کرو تا کہ یہ سوچیں اور سوچ کر سیدھے راستے پر آئیں اتنی ہمدردی ان کے ساتھ رکھیے باقی جو کچھ الٹ پلٹ کہتے چلے جائیں تو آپ کا جذبہ ہو کہ سب کچھ پورا کر دیا جائے ایسی بات نہیں ہے تو آپ ان لوگوں میں سے نہ ہو جائیں جو جذبات سے مغلوب ہو جایا کرتے ہیں تو پھر جہل کا ترجمہ حلم کے مقابلے میں آجائے گا کہ آپ مغلوب ہو جانے والوں میں سے نہ ہو جائیں اس کا مفہوم یوں بھی ادا کیا جا سکتا ہے، سوائے اس کے نہیں قبول وہی لوگ کرتے ہیں جو کہ سنتے ہیں اور سننا یہاں توجہ سے مقصود ہے حق معلوم کرنے کے لیے جو کان لگاتے ہیں سنتے ہیں اور یہ لوگ تو مردہ ہو چکے یہ تو موت القلوب ہیں، دلوں کے مردہ ہیں، ان کے تو نہ کان کام دے رہے ہیں اور نہ آنکھیں کام دے رہی ہیں ان کو قیامت کے دن اللہ اٹھائے گا پھر اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے پھر یہ سارے کے سارے حقائق اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے تب ان کے ہوش ٹھکانے آئیں گے، یہ مردے سمجھنے کے نہیں یہ قیامت کو ہی سیدھے ہوں گے تو پھر موتیٰ کا مصداق وہی کافر ہیں اور موت القلوب مراد ہے اور اگر موتیٰ سے حقیقی مردے مراد ہوں تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ درمیان میں یہ بعث کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ یہ سننے والے نہیں ہیں، ماننے والے نہیں آخر ایک وقت آئے گا اللہ مردوں کو زندہ کرے گا۔

قیامت میں ان کو اپنی طرف جمع کر کے لائے گا پھر ان کے نہ ماننے پر ان کو سزا دے گا پھر اس کا تعلق مسئلہ معاد کے ساتھ ہو جائے گا۔

آفاقی دلائل کی طرف توجہ:

''وقالوا لولا نزل علیه آیة'' یہ کہتے ہیں کہ آپ پر کوئی نشانی آپ کے رب کی طرف سے کیوں نہیں اتاری جاتی یعنی جیسا ہم مطالبہ کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ اللہ قدرت رکھتا ہے اس بات پر کہ کوئی نشانی اتار دے لیکن ان میں سے اکثر لوگ جانتے نہیں کہ ان کے مطالبے کا پورا کرنا ان کے حق میں مفید نہیں ہے، باقی آیات آفاقی کی طرف توجہ کرو کہ زمین کے اندر کتنی چلنے پھرنے والی چیزیں ہیں اور فضاء کے اندر کتنے اڑنے والے پرندے ہیں وہ بھی تمہاری طرح مختلف جماعتیں ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی خاص خاص استعداد دے کر پیدا کیا ہے، اپنی استعداد کے دائرے کے اندر وہ حرکت کرتے ہیں اسی طرح تم بھی ایک جماعت ہو انسانوں کی اللہ تعالیٰ نے تمہیں بھی استعداد دی ہے، تمہارا بھی ایک دائرہ متعین کیا ہے تو جس طرح سے وہ پرندے اور حیوانات اللہ کی تقدیر کے تحت اپنے اپنے کام کر رہے ہیں تو انسانوں کو بھی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو استعداد مقرر کی ہے اس سے فائدہ اٹھائیں اور اس کو کام میں لائیں اور اس طرح سے اللہ کی حکمت کو پورا کریں۔

اور یوں بھی اس کا مفہوم بیان کیا گیا ہے کہ یہ چیز بھی معاد سے تعلق رکھتی ہے کہ جو دابہ زمین میں ہے، جو پرندہ فضاء میں اڑنے والا یہ بھی تمہاری طرح مختلف جماعتیں ہیں، جماعتوں کی شکل میں یہ پیدا ہوئے اور جماعتوں کی شکل میں یہ مریں گے اور آخرت میں جماعتوں کی شکل میں اٹھیں گے، ہر ہر جانور کو، ہر ہر دابہ کو اللہ تعالیٰ اٹھائے گا اور اٹھانے کے بعد پھر اپنی شان عدالت کو ظاہر کرے گا کہ ایک پرندے نے بھی کسی دوسرے پرندے پر ناجائز تجاوز کیا ہے، زیادتی کی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ دلائیں گے اور بدلہ دلانے کے بعد پھر ان سب کو مٹی کر دیا جائے گا پھر ان کو دوزخ یا جنت میں نہیں بھیجا جائے گا اور ان سے بدلہ دلانا یہ سارے کا سارا شان عدل کو نمایاں کرنا ہے۔

پھر اس کے بعد ان کو مٹی کر دیا جائے گا اور یہی وقت ہوگا کہ جب کافر تمنا کریں گے'' یلیتنی کنت ترابا '' کافر بھی کہیں گے کہ ہائے کاش! ہم بھی مٹی ہو جائیں جس طرح سے ان کو مٹی کر دیا اور اگر اس کو معاد کے ساتھ نہ لگایا جائے تو اس کا مفہوم یونہی ہے جیسے میں ادا کر رہا ہوں۔

فوائد عثمانی میں اس کا مفہوم اسی طرح ادا کیا گیا ہے گویا کہ یہ آیات آفاقی کی طرف متوجہ کیا گیا کہ پرندے اللہ کے پیدا کیے ہوئے خاص دائرے کے اندر اس طرح سے اپنی استعداد سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اللہ کی حکمت کو پورا کرتے ہیں تو انسانوں کو بھی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بھی جس استعداد کو مقرر کیا ہے، جیسی صلاحیتیں ان کے لیے رکھی ہیں ان سے فائدہ اٹھائیں اور اپنے اپنے دائرہ اختیار کے اندر اپنی صلاحیتوں کو کام میں لائیں ''مافرطنا فی الکتاب من شیئ ''ہم نے کتاب میں کوئی چیز نہیں چھوڑی ہر چیز کا احاطہ کرلیا، لوح محفوظ میں ہر چیز مقدر ہے، ہر چیز لکھی ہوئی ہے''ثم الی ربھم یحشرون '' پھر یہ اپنے رب کی طرف جمع کیے جائیں گے''والذین کذبوا باٰیتنا ''جو ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں وہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، بہروں گونگوں کی طرح ہیں، ظلمات میں پڑے ہوئے ہیں، ان کے سامنے کوئی ہدایت کی روشنی نہیں اللہ جسے چاہتا ہے اسے بھٹکا دیتا ہے جسے چاہتا ہے کا مطلب یہ ہے کہ جو اس کے قانون کی زد میں آجائے۔

ایک آدمی الٹ راستے پر چلتا ہے تو اللہ کو کوئی مجبوری نہیں کہ اس کو سیدھے راستے پر چلائے۔ الٹ چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو الٹا چلا دیتا ہے اور جس کے متعلق چاہتا ہے اسے صراط مستقیم پر ثابت کر دیتا ہے، صراط مستقیم پر ثابت کرنا چاہتا کس کے متعلق ہے کہ جو اپنے ارادے اور قصد کے ساتھ سیدھا چلنا چاہتا ہے۔

مشرکین کا طرزِ عمل:

آپ ان سے کہیے یہ دلیل نفسی ہے جس کی طرف متوجہ کیا گیا اور یہ بات مشرکین میں تھی کہ چھوٹی موٹی تکلیفوں میں تو بتوں کے سامنے ناک رگڑتے تھے اور جب کوئی بڑی آفت آجاتی تو وہ سمجھتے تھے کہ یہ ان بتوں کے بس کی بات نہیں ہے پھر سیدھا خدا کو پکارتے تھے۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب تم نے آخر کار اسی دروازے کو کھٹکھٹانا ہے اور تم سمجھتے ہو کہ یہ عاجز ہیں پھر تم اللہ تعالیٰ کی توحید کے قائل ہی کیوں نہیں ہوجاتے؟ کئی جگہ واقعات ذکر کر کے یہی بتایا گیا ہے کہ شرک فطرت کی آواز نہیں ہے، فطرت کی آواز وہ ہے کہ جب انسان حالات سے مجبور ہوجاتا ہے تو جو دل سے آواز نکلتی ہے اور حالات کی مجبوری کے تحت تم بھی پھر آخر کار اللہ کو پکارتے ہو اور سمجھتے ہو کہ یہ مصیبت ایسی ہے کہ اس کو کوئی دوسرا دور نہیں کرسکتا۔

آپ کہہ دیجئے تم بتلاؤ کہ اگر تمہارے پاس اللہ کا عذاب آ گیا یا تمہارے پاس قیامت آ گئی تو کیا تم اللہ کے غیر کو پکارو گے اگر تم اپنے اس دعویٰ شرک میں سچے ہو کہ کوئی دوسرا کارساز بھی ہے، اس وقت دوسروں کو نہیں پکارو گے اس وقت سب ہوا ہو جائیں گے جتنے بھی تم نے بنا رکھے ہیں۔

بلکہ اسی کو پکارو گے پھر دور ہٹا دے گا وہ تکلیف جس کے دور کرنے کی طرف تم پکارو گے اگر چاہے گا اور بھول جاتے ہو تم ان کو جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو۔

اللہ کی طرف سے آزمائش اور گزشتہ قوموں کا حال:

البتہ تحقیق بھیجا ہم نے آپ سے قبل مختلف جماعتوں کی طرف یعنی رسولوں کو، اب آگے اللہ تعالیٰ اس حکمت کو نمایاں کرتے ہیں جس سے انسان کی ذہنی غلطی کا ازالہ مقصود ہے وہ ذہنی غلطی کیا ہے کہ جب انبیاء علیہم السلام لوگوں کو آ کر کہتے ہیں کہ تم ہمارے طریقے کو تسلیم کرو، قبول کرلو تو تم دنیا اور آخرت کے اندر کامیابی پاؤ گے اور اگر تم اس کو تسلیم نہیں کرتے تو پھر دنیا اور آخرت میں برباد ہو جاؤ گے۔

تو یہ انکار کرنے والے، تکذیب کرنے والے لوگ دیکھتے ہیں کہ بھائی مال کے اندر ہم زیادہ، دولت کے اندر ہم زیادہ، قوت میں ہم زیادہ تو پھر یہ کیسے کہتے ہیں کہ اگر ہماری باتیں تسلیم نہیں کی جائیں گی تو تم یوں ہو جاؤ گے، الٹا ہم دیکھتے ہیں کہ ماننے والے رگڑے میں ہیں اور جو انکار کرنے والے ہیں وہ عیاشی کر رہے ہیں، وہ خوب اچھی طرح سے اپنا وقت گزار رہے ہیں تو یہ ذہنوں کے اندر ایک بات آتی ہے اور ہر دور میں انسانوں کے دماغ میں یہ بات آتی ہے اور کسی کی بدحالی کو اس کے باطل ہونے کی دلیل بناتے ہیں تو اللہ تعالیٰ یہاں یہی حکمت واضح کرتے ہیں کہ ہمارے طریقے مختلف ہیں ہم قوموں کی طرف رسول بھیجا کرتے ہیں پھر کبھی تو ان کو مخالفت کی بناء پر مالی تنگی میں، بدنی مصیبت میں مبتلا کر دیتے ہیں یہ ہوتی ہے تنبیہ اور اس تنبیہ کے اندر نیک و بد سارے ہی شامل ہو سکتے ہیں جس سے وہ متنبہ ہو جائیں اللہ کی طرف ان کی لجاجت اور ان کی زاری بڑھ جائے اور وہ عاجز ہو جائیں، اللہ تعالیٰ کی قوت اور اس کی قہاریت کو تسلیم کر کے اس کے سامنے اپنی بندگی اور عجز کا اظہار شروع کر دیں۔

لیکن اگر واقعی ایسا ہو کہ اس قسم کی چھوٹی موٹی تکلیفوں کو وہ محسوس نہیں کرتے اور اس کو بھی اتفاق پر محمول کر کے سمجھتے ہیں کہ ایسے دنیا میں ہوتا رہتا ہے کبھی کیسے ہو گیا کبھی کیسے ہو گیا یہ بھی ایسے ہی ہے، دلوں کے اندر کوئی

رقت پیدا نہیں ہوئی تو ہماری طرف سے ایک دوسرا ابتلاء بھی آتا ہے کہ ہم پھر نعمتوں کے دروازے کھول دیتے ہیں اس قوم کو خوشحال کر دیتے ہیں، خوب ان کو رزق دیتے ہیں، دنیا کے اندر وہ قوم بڑھتی اور پھولتی ہے جس وقت وہ خوب اچھی طرح سے غافل ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکر ادا کرنے کی بجائے اس کے اوپر طاقت کے بل بوتے پر اکڑنے لگ جاتے ہیں اور وہ اس قسم کی باتیں کرنے لگ جاتے ہیں کہ ہمارے مقابلے میں کوئی آ نہیں سکتا۔

سب سے زیادہ زور آور ہم ہیں پھر اللہ کے عذاب کا ایک ہی تھپڑ لگتا ہے اور ان سب کے ہوش ٹھکانے آ جاتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو گرفت ہوتی ہے اس گرفت سے پھر چھوٹنے کی کوئی سبیل نہیں ہوتی اس لیے اگر منکرین خوشحالی میں ہوں تو بھی ان کو دھوکہ نہیں کھانا چاہیئے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اگر تنبیہ کے طور پر تکلیف آتی ہے تو اس پر اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کا اظہار کرنا چاہیئے یہ دونوں قسم کے فتنے ہی آزمائش کے طور پر آتے ہیں کبھی تکلیف کا کبھی خوشحالی کا، یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کے تحت حالات بدلتے رہتے ہیں خوشحالی سے کبھی استدلال نہ کرو کہ ہم حق پر ہیں اگر ہم حق پر نہ ہوتے تو یہ خوشحالی کیوں ہوتی بسا اوقات یہ کھلایا پلایا اس لیے جاتا ہے تا کہ موٹا تازہ کر کے ان کو قربانی پر چڑھایا جائے ''فلولا اذجاء ھم باسنا تضرعوا'' البتہ تحقیق بھیجا ہم نے مختلف جماعتوں کی طرف تجھ سے قبل پھر پکڑا ہم نے انہیں سختی میں اور تکلیف میں تا کہ وہ عاجزی کرنے لگ جائیں پس کیوں نہ عاجزی کی انہوں نے جب ان کے پاس ہمارا عذاب آیا۔

لیکن ان کے دل سخت ہو گئے اور شیطان نے مزین کر دیا ان کے لیے انہی کاموں کو جو وہ کرتے تھے شیطان نے یہی سمجھایا کہ تمہارا طرز عمل ٹھیک ہے، فلاں تکلیف جو آئی تھی وہ اہل باطل ہونے کی وجہ سے نہیں آئی تھی ایسی ہوتی رہتی ہیں، ورنہ اب بھی تم اہل باطل ہو اب تم خوشحال کیوں ہو گئے معلوم ہو گیا کہ تمہارا طرز عمل ٹھیک ہے پہلے جو تم تکلیف میں مبتلاء ہوئے تھے وہ طرز عمل کی غلطی کی بناء پر نہیں ہوئے تھے۔

وہ کاروائی تمہاری ٹھیک تھی اور اگر وہ طرز عمل تمہارا غلط ہوتا تو اب تم خوشحال کیوں ہو گئے، اس طرح سے ان کے وہ اعمال جن کے اندر وہ لگے ہوئے تھے شیطان ان کو اچھے کر کے دکھاتا ہے، پس جب وہ بھول گئے اس چیز کو جس کے ساتھ نصیحت کیے گئے تو کھول دیے ہم نے ان کے اوپر دروازے ہر چیز کے یعنی دنیا کی ہر نعمت کے

دروازے کھول دیے، سب سے زیادہ ان کو خوشحال کر دیا حتیٰ کہ وہ جب اکڑ گئے، اکڑنے لگ گئے اس چیز کے ساتھ جو وہ دیئے گئے'' اخذنهم بغتة ''ہم نے انہیں پکڑلیا اچانک'' فاذا هم مبلسون'' پس اچانک وہ مایوس ہو گئے پھر ان کو کوئی امید نہیں رہی کہ ہم چھوٹ جائیں گے'' فقطع دابر القوم الذين ظلموا '' پھر کاٹ دی گئی جڑ ان لوگوں کی جنہوں نے ظلم کیا، اور پھر ظالموں کی جڑ کا کٹ جانا یہی عالمین کے لیے اللہ کی رحمت ہے، رب العالمین ہونے کا تقاضہ ہے کہ پھر وہ اس عالمین کے اندر ظالموں کی جڑ کو کاٹ دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ:

آپ کہہ دیجئے تم بتلاؤ کہ اگر اللہ تمہارے کان چھین لے، آنکھیں چھین لے، تمہارے دلوں کے اوپر مہر لگادے تو کیا کوئی اللہ کا غیر معبود ہے جو تمہارے پاس یہ چیزیں لے آئے گا اگر چہ ذکر ان کا شرکاء کے ساتھ کیا گیا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت کہ کان چھین لے، آنکھ چھین لے، دلوں کی استعداد ختم کر دے یہ صرف ایک مفروضہ ہی نہیں دنیا کے اندر ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں اللہ اپنی حکمت کے تحت ابتداء سے ہی کانوں کے اندر صلاحیت نہ رکھے سننے کی ایسا بھی ہوتا رہتا ہے اور کانوں کے اندر صلاحیت سننے کی تھی اور پھر بعد میں چھین لی تو سونے کے ڈھیر خرچ کرلو جو چاہے کرلو ساری دنیا کے ڈاکٹر اکٹھے کرلو یہ نعمتیں گئی ہوئیں پھر کوئی طاقت واپس نہیں لاسکتی اس کے اوپر قدم قدم پر لوگوں کا عجز روزمرہ نمایاں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی نعمت کو چھین لیتا ہے تو پھر واپس لانے کی کسی میں طاقت نہیں آج تک دنیا عاجز ہے اور انشاء اللہ العزیز عاجز ہی رہے گی۔

یہ اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی بڑی نعمتیں ہیں کہ جس وقت وہ دیتا ہے اس وقت ان کی قدر نہیں ہوتی اور جب چھنتی ہیں تب پتہ چلتا ہے، تو اس میں ان کا عجز ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اگر اللہ تمہارے کان لے لے اور تمہاری آنکھیں لے لے اور دلوں پر مہر لگادے جس طرح سے پاگل کر دیتا ہے، بے وقوف بنا دیتا ہے، دلوں کی استعداد ختم ہو جاتی ہے تو کیا کوئی اللہ کا غیر معبود ہے جو تمہارے پاس اس کو لے آئے گا؟ دیکھو ہم کیسے آیات کو پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں پھر بھی یہ لوگ اعراض کرتے ہیں۔

آپ کہہ دیجئے بتلاؤ تم اگر تمہارے پاس اللہ کا عذاب اچانک آجائے، اچانک کا معنی کہ علامات نمایاں نہیں، اچھے بھلے خوشحال ہنستے کھیلتے بس میں جا کر بیٹھے اور اچانک ایکسیڈنٹ ہو گیا کیا دیر لگتی ہے یہ اچانک عذاب

ہوتا ہے کسی جگہ جا کر بیٹھے اور بیٹھتے ہی ہارٹ اٹیک ہو گیا یہ واقعات اچھوں کے ساتھ بھی پیش آتے ہیں اور بروں کے ساتھ بھی پیش آتے ہیں۔

لیکن اچھوں کے لیے یہ اللہ کی رحمت ہوتے ہیں یہ حکمت آپ کے سامنے کئی دفعہ ذکر کی اور بروں کے لیے یہ عذاب ہوتے ہیں بایں معنی کہ سنبھلنے کا موقعہ ہی نہیں ملتا اور جس شخص کی تیاری ہے، آخرت کی طرف جانے کے لیے جو اپنے آپ کو ہمیشہ سنبھالے بیٹھا ہے اس کے لیے تو رحمت ہے کہ ایک ہی قدم اٹھایا اور آخرت میں گئے، نہ کسی کے لیے مصیبت بنے اور نہ اپنے لیے تکلیف اٹھائی، ایک ہی اشارے میں کہیں سے کہیں پہنچ گئے اس لیے ان کے لیے یہ رحمت ہے اور بروں کے لیے بایں معنی عذاب ہوتا ہے کہ اگر یہ اس طرح سے نہ مرتے، اچانک نہ پکڑے جاتے تو شاید ان کے سنبھلنے کی کوئی گنجائش نکل آتی، توبہ تائب ہو جاتے تو اللہ تعالیٰ موقع ہی نہیں دیتا اس لیے اچانک موت جو ہے یہ غضب ناک گرفت ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ غضب ناک ہو کر گرفت فرما لیتے ہیں ''جھرۃً'' کا معنی کھلم کھلا، علی الاعلان، بغیر علامات کے نمایاں ہونے کے گرفت ہو جاتی ہے۔

منصبِ رسالت:

نہیں ہلاک کیے جائیں گے مگر ظالم لوگ نہیں بھیجتے ہم رسولوں کو مگر اس حال میں کہ وہ بشارت دینے والے ہوتے ہیں اور ڈرانے والے ہوتے ہیں یہ ہے منصب رسالت، منصب رسالت یہ ہے کہ وہ مبشر ہوتا ہے، منذر ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے احکام پہنچاتا ہے اور ماننے والوں کو ان کے اچھے انجام کی خبر دیتا ہے، نہ ماننے والوں کو ان کے برے انجام کی خبر دیتا ہے یہ ہے اصل منصب، پھر آگے قوم کا کام ہے کہ ان کی باتوں کو سن کر مان لے، اپنے حالات درست کر لے تو بے خوف و خطر دنیا اور آخرت میں زندگی گزاریں گے نہ ان کو خوف ہوگا نہ حزن ہوگا اور جو ان کی باتوں کو تسلیم نہیں کرتے ان کو پھر عذاب پکڑ لیتا ہے ان کی نافرمانی کی بناء پر یہ ہے اصل میں منصب رسالت، باقی رسول کا یہ منصب نہیں ہوتا کہ تم جو کہو وہ کر کے دکھا دے، جو پوچھو وہ بتا دے یا تمہارے یہ اعتراض کہ تو تو انسان ہے، تو تو کھاتا ہے، تو تو پیتا ہے، تیری تو بیویاں ہیں، تیرے تو بچے ہیں، تو تو بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، مختلف آیات کے اندر یہ اعتراض کافروں کی طرف سے نقل کیے گئے ہیں یہ اعتراضات جو تم کرتے ہو ان کا مطلب یہ ہے کہ تم نے رسالت کے منصب کو پہچانا نہیں کہ رسول واقعی ایک بشر ہوتا ہے اس کا یہ دعویٰ نہیں ہوتا کہ میں فرشتہ ہوں تو جب وہ ہوتا ہی بشر ہے تو بشر والے احوال اس کے اوپر طاری ہوں گے۔

توتمہیں اعتراض کرنے کا کیا حق ہے؟ یہ تم دعویٰ تب کرو کہ تو تو کھاتا ہے، پیتا ہے، بازاروں میں چلتا ہے، جب اس نے دعویٰ کیا ہو کہ میں فرشتہ ہوں یا انسان سے اوپر کوئی اور جنس ہوں تو جب اس کا دعویٰ ہی نہیں ہے تو پھر تمہارے یہ اعتراض کیا حیثیت رکھتے ہیں اور پھر کہتے ہو کہ بتاؤ کہ فلاں کام کب ہوگا، عذاب کب آئے گا، یہ کب ہوگا، وہ کب ہوگا، جب وہ نہیں بتا سکتے تو تم کہتے ہو کہ تم کیسے رسول ہو یہ بات تو تم تب کہو جب رسول نے دعویٰ کیا ہو کہ میں سب کچھ جانتا ہوں جو پوچھو بتاؤں گا میں غیب کی باتیں جانتا ہوں۔

تو جب ان کا یہ دعویٰ ہی نہیں تو پھر تمہارا اس قسم کے سوالات کرنے کا کیا مقصد؟ اور نہ رسول کا یہ دعویٰ ہوتا ہے کہ اللہ کی قدرت کے خزانے میرے قبضے میں آگئے اس لیے جو تم کہو وہ کر کے دکھا دوں گا اس طرح سے تم رسول کی آزمائش کرنا چاہو یہ ساری کی ساری تمہاری باتیں ایسی ہیں کہ تم رسول کا منصب ہی نہیں سمجھتے کہ رسول ہوتا کیا ہے؟ رسول ایک بشر ہوتا ہے اس لیے بشر کے احوال اس کے اوپر طاری ہوں گے، یہ کوئی قابل اعتراض بات نہیں ہے اور رسول عالم الغیب نہیں ہوتا، اللہ کی طرف سے وحی آئے تو اس کو کسی چیز کی اطلاع ہوگی وحی نہ آئے تو اس کو کچھ پتہ نہیں اس لیے اللہ کی طرف سے اطلاع ملے گی تو تمہیں جواب دے گا، اللہ کی طرف سے اطلاع نہیں ملتی تو جواب نہیں ملتا اور وہ بھی اسی طرح سے اللہ کی قدرت کے تحت ہوتا ہے جس طرح سے دوسرے ہیں اللہ کی قدرت کے خزانے اس کے پاس نہیں ہوتے، لہٰذا تمہاری ہر فرمائش کا پورا کرنا اس کے بس کی بات نہیں ہے یہ تمہارے سوالات غلط ہیں، تم اللہ کے رسول کو اس معیار پر نہ پرکھو، اللہ کا رسول ایک انسان ہوتا ہے اور اس کو مبشر اور منذر بنا کر بھیجا جاتا ہے اس کی بات ماننے میں فلاح ہے اور اس کی بات نہ ماننے کے اندر اپنی بربادی ہے یہ ہے اصل کے اعتبار سے رسول کا منصب۔

تو آپ بھی انہیں کہہ دیجئے اپنا منصب واضح کر دیجئے کہ میں تو تمہیں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں تمہیں یہ کہتا ہوں کہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں تمہیں یہ بات کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، نہیں اتباع کرتا میں مگر اسی بات کی جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔

آپ کہہ دیجئے کہ اندھے اور آنکھوں والے برابر نہیں ہوتے ؟ اس لیے تم آنکھیں کھولو اور جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس کو دیکھو سمجھو اور اندھے بن کر تم اپنی زندگی نہ گزارو کہ دائیں بائیں تم جھانکتے ہی نہیں، دیکھتے ہی نہیں کہ تمہارے سامنے اللہ تعالیٰ نے کیا دلائل بکھیر دیے تمہارے آگے پیچھے کس قسم کی اللہ تعالیٰ نے آیات قائم کی ہیں اندھے نہ بنو اندھے اور آنکھوں والے برابر نہیں ہوتے ''افلا تتفکرون '' کیا تم سوچتے نہیں ہو۔
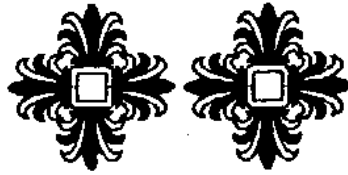
وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ

اور ڈرائیں آپ ان لوگوں کو جو اندیشہ رکھتے ہیں اس بات کا کہ وہ جمع کیے جائیں گے اپنے رب کی طرف ایسے حال میں کہ ان

مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ

کے لیے اللہ کے علاوہ نہ ولی ہوگا اور نہ کوئی شفاعت کرنے والا تاکہ وہ ڈر جائیں ﴿۵۱﴾ دور نہ ہٹا ان لوگوں کو جو

يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ

پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح و شام ارادہ کرتے ہیں وہ اللہ کی وجہ کا، نہیں ہے آپ کے ذمے

مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ

ان کے حساب سے کچھ بھی اور نہ آپ کے حساب سے ان کے ذمے کوئی شئ

فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ

کہ آپ ان کو دور ہٹائیں پس ہو جائیں گے آپ ظالموں میں سے ﴿۵۲﴾ اور ایسے ہی ہم نے آزمائش میں ڈالا ان کے بعض کو بعض

لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ

کے ساتھ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ کیا یہی ہے کہ جس کے اوپر احسان کیا اللہ نے ہمارے درمیان سے، کیا اللہ تعالیٰ

بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ

شاکرین کو خوب نہیں جانتا ﴿۵۳﴾ اور جس وقت آپ کے پاس آئیں وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں ہماری آیات کے ساتھ تو

عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ

آپ ان کو کہیے کہ آپ پر سلام ہو تمہارے رب نے اپنے آپ پر رحمت کو لازم کر لیا ہے کہ بے شک بات یہ ہے کہ جو کوئی تم سے کوئی

سُوْٓءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾

برا کام کر بیٹھے نادانی کے ساتھ پھر اس برا کام کرنے کے بعد توبہ کر لے اور اپنے حالات کی اصلاح کر لے پس بے شک بات یہ ہے کہ وہ غفور رحیم ہے ﴿۵۴﴾

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۵﴾ ع

ایسے ہی ہم تفصیل کے ساتھ بیان کرتے ہیں آیات کو اور تاکہ ظاہر ہو جائے مجرمین کا راستہ ﴿۵۵﴾

قُلْ اِنِّىْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ

آپ کہہ دیجئے کہ مجھے روک دیا گیا ہے کہ میں عبادت کروں ان کی جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے علاوہ اور آپ یہ بھی کہہ دیجئے

لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾

کہ میں اتباع نہیں کرتا تمہاری خواہشات کی تب میں گمراہ ہو جاؤں گا اور میں راہ پانے والوں میں سے نہیں ہوں گا ﴿۵۶﴾

قُلْ اِنِّىْ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّىْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِىْ مَا

اور آپ یہ بھی کہہ دیجئے کہ بے شک میں واضح دلیل پر ہوں اپنے پروردگار کی طرف سے اور تم نے اس کی تکذیب کی، نہیں ہے میرے پاس

تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ

وہ چیز جس کو تم جلدی طلب کرتے ہو، نہیں ہے حکم مگر اللہ ہی کے لیے اللہ بیان کرتا ہے حق کو اور وہ بہترین

الْفٰصِلِيْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِىْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِىَ الْاَمْرُ

فیصلہ کرنے والا ہے ﴿۵۷﴾ آپ کہہ دیجئے کہ اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کو تم جلدی طلب کرتے ہو تو البتہ فیصلہ کر دیا جاتا امر کا

بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ

میرے اور تمہارے درمیان، اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ظالموں کو ﴿۵۸﴾ اسی کے پاس ہیں غیب کے خزانے

لَا يَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ

نہیں جانتا ان خزانوں کو مگر وہی اور جانتا ہے اس چیز کو جو خشکی میں ہے اور جو سمندر میں ہے، نہیں گرتا کوئی پتہ

اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِىْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ

مگر اللہ اس کو جانتا ہے اور نہیں ہے کوئی دانہ زمین کی تاریکیوں میں اور نہ کوئی تر چیز اور نہ کوئی خشک چیز مگر وہ

كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾ وَهُوَ الَّذِىْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ

کتاب مبین میں ہے ﴿۵۹﴾ اللہ وہ ہے جو تمہیں وفات دیتا ہے رات کو اور جانتا ہے اس چیز کو جو تم کرتے ہو

بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ

دن کو پھر دن میں تمہیں اللہ تعالیٰ اٹھاتا ہے تاکہ وقت معین پورا کر دیا جائے پھر اسی کی طرف ہی تمہارا لوٹنا ہے

ثُمَّ يُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٦٠﴾ ع

پھر وہ تمہیں خبر دے گا ان کاموں کی جو تم کیا کرتے تھے ﴿٦٠﴾

تفسیر:

ان لوگوں کو ڈراؤ جن کے دل میں آخرت کا خوف ہے:

''وانذر بہ'' کا خطاب ہے سرورِ کائنات ﷺ کو، جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ لوگ جو من مانی آیات کا مطالبہ کرتے ہیں اور اپنے ایمان لانے کو ان آیات کے ظہور کے اوپر موقوف کرتے ہیں انہیں تو چھوڑ دیجئے، آپ نے اپنا منصب ان کے سامنے ظاہر کر دیا کہ میں کوئی اللہ کے خزانوں کا مالک نہیں ہوں اور نہ میں عالم الغیب ہوں اور نہ میں کوئی فرشتہ ہوں اس لیے اس قسم کے تمہارے ٹیڑھے ترچھے سوال پورے کرنے میرے بس کی بات نہیں، جنہوں نے اپنے ایمان لانے کو اس قسم کی آیات کے مطالبے پہ موقوف کیا ہوا ہے یہ نڈر قسم کے لوگ ہیں ان سے تو آپ صرف نظر کر لیجئے۔

اور اس قرآن کریم کے ذریعے سے ان لوگوں کو ڈرائیں جن کے دل میں کچھ نہ کچھ اندیشہ ہے اس بات کا کہ وہ اپنے رب کی طرف جمع کیے جائیں گے، جن کو کچھ نہ کچھ فکر آخرت ہے کہ ہم نے اپنے مالک کے سامنے پیش ہونا ہے اور پیش ہونا بھی ایسے طور پر ہے کہ وہاں اگر پکڑے گئے تو پھر چھڑانے والا کوئی نہیں ہوگا کیونکہ اگر کسی کو آخرت کا خیال ہی نہیں تو وہ بے باک ہو کر کام کرے گا، اس کو کوئی فکر نہیں ہوگی کہ میں نے کسی کے سامنے حساب وکتاب بھی دینا ہے۔

تو اس کی زندگی کبھی سیدھے رخ پر نہیں آسکتی اور اگر آخرت کا خیال تو ہے لیکن ساتھ باطل قسم کے سہارے بنا رکھے ہیں جس طرح سے یہود ونصاریٰ نے بنا لیے تھے کہ ہمیں فلاں چھڑا لے گا، ہم بزرگوں کی اولاد ہیں ہمیں کچھ نہیں کہا جائے گا یا ہمارا فلاں جو ہے وہ بڑا ہے اور اللہ کا مقبول بندہ ہے وہ ضرور ہمیں چھڑا لے گا اس قسم کے نظریات اگر قائم کر لیے جائیں تو پھر آپ جانتے ہیں کہ آخرت کا عقیدہ ہونا نہ ہونا برابر ہو جاتا ہے، آخرت کا عقیدہ مؤثر تبھی ہوگا جب انسان کے ذہن میں یہ بات ہو کہ میں نے اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے اور اگر اللہ کی گرفت میں آگئے تو چھڑانے والا کوئی نہیں تب جا کر یہ عقیدہ مؤثر ہو سکتا ہے تو جن کے دل میں یہ اندیشہ ہے آپ انہیں ڈرایئے

جو آپ کی باتوں سے متاثر نہیں ہو سکتے ان کا دھیان چھوڑ دیجئے، ڈرایئے اور اس قرآن کریم کے ذریعے سے ان لوگوں کو جو اندیشہ کرتے ہیں اس بات کا کہ وہ جمع کیے جائیں گے اپنے رب کی طرف ایسے حال میں کہ ان کے لیے اللہ کے علاوہ نہ کوئی یار ہوگا اور نہ کوئی شفاعت کرنے والا ہوگا، کوئی ان کا مددگار نہیں ہوگا اور کوئی شفاعت کرنے والا نہیں ہوگا آپ ان کو ڈرائیں تا کہ یہ تقویٰ اختیار کریں اور اللہ تعالیٰ کی معصیت سے بچیں۔

گویا کہ اس میں واضح کر دیا گیا کہ تاثر تبھی آئے گا جس وقت کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کا اندیشہ دل میں آجائے اور پیش ہونا بھی ایسے طور پر ہو کہ کوئی باطل سہارا انسان کے دل میں نہ ہو ورنہ یہ شفاعت وغیرہ کے عقیدے جو ان لوگوں نے اختیار کر رکھے تھے کہ بالفرض اگر آخرت ہوئی تو یہ ہمارے شفعاء ہیں جو ہمیں چھڑا لیں گے اور کسی قسم کی سزا نہیں ہونے دیں گے اس قسم کے لوگ آپ کی وعظ ونصیحت سے متاثر نہیں ہوں گے۔

جہالت انسان کو حیوان کے برابر کر دیتی ہے:

اگلی بات جو کہی جا رہی ہے اس کا پس منظر یہ ہے کہ مشرکین مکہ نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک دفعہ یہ مطالبہ پیش کیا تھا اور اس مطالبے کی بنیاد اس بات پر تھی کہ ہم لوگ معزز ہیں، مالدار ہیں، صاحب جائیداد ہیں اور معاشرے کے اندر ہمیں ایک عزت کا مقام حاصل ہے۔

چونکہ جہالت کا ہمیشہ یہ اصول رہا ہے کہ آخرت کے عقیدے میں تو ضعف ہوتا ہے یا سرے سے عقیدہ ہوتا نہیں اور ان کے نزدیک دنیا کے اندر کمال یہی ہے کہ انسان کو کھانے کے لیے اچھا مل رہا ہو، پہننے کے لیے اچھا مل رہا ہو، رہنے کے لیے مکان اچھا ہو جب بھی جہالت آئے گی وہ ان چیزوں کی اہمیت کو واضح کرے گی کہ انسان کے سامنے اس کی حیوانی زندگی ہر وقت مستحضر ہوتی ہے اور روحانی کمالات مستور ہو جاتے ہیں، روحانیت کی طرف متوجہ ہونا یہ علم کی وجہ سے ہوتا ہے اور جب علم نہیں ہوگا جہالت ہوگی تو اس کے سامنے یہی مقاصد ہوتے ہیں کھانا پینا رہنا سہنا بیوی بچے، یہی چیزیں ہیں جو انسان کو جلدی سے اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہیں اور انسان یہ سمجھتا ہے کہ شاید زندگی کے مقاصد یہی ہیں۔

تو جب زندگی کے مقاصد ان کو قرار دے لیا جاتا ہے تو پھر معاشرے میں کامیاب انہیں سمجھا جاتا ہے جن کو یہ مقاصد حاصل ہوتے ہیں اور معاشرے کے اندر معزز اور بالا دست انہی کو سمجھا جاتا ہے کہ جن کے پاس ان

چیزوں کی فراوانی ہوتی ہے، جس کے پاس رزق وافر مقدار میں ہے، جس کو پہننے کے لیے اچھے کپڑے مل رہے ہیں، جس کے رہنے کے لیے اچھا مکان ہے وہ یوں سمجھا جاتا ہے کہ گویا کہ زندگی کے اندر کامیاب ترین شخص یہ ہے اور معاشرے کے اندر بالا دستی بھی اسی کو حاصل ہوتی ہے بمقابلہ ان لوگوں کے کہ جو غریب ہیں، فقیر ہیں اور ان کے پاس کوئی ذخیرہ نہیں ہے، ان کا لباس اچھا نہیں، ان کی رہائش اچھی نہیں، محنت اور مزدوری کرتے ہیں تھوڑا بہت کما کر لاتے ہیں، خود کھاتے ہیں ا، پنے بچوں کو پالتے ہیں، ان کو سمجھا جاتا ہے ذلیل اور کم درجے کے لوگ، کمی جنہیں کہتے ہیں اور ان کو معاشرے کے اندر کوئی عزت اور مقام حاصل نہیں ہوتا۔

اور مالدار لوگوں کو، اچھا کھانے والوں کو، اچھا پہننے والوں کو، صاحب جائیداد لوگوں کو معاشرے کے اندر عزت حاصل ہوتی ہے جب بھی جہالت آئے گی یہ نظریہ یقیناً سامنے آجائے گا اور یہ نظریہ جہالت کی پیداوار ہے بایں معنیٰ کہ انسان کی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ اس میں انسان ٹھوکر کھا جاتا ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ انسان کی زندگی کا مقصد کمانا کھانا رہنا سہنا ہی ہے۔

اور جو شخص اس چیز کو زیادہ حاصل کرلے گا وہ اپنی زندگی میں کامیاب ہے اس لیے وہ اپنے معاشرے کے اندر باعزت ہے اور علم جب آتا ہے تو علم آکر یہ چیز نمایاں کرتا ہے کہ یہ چیزیں مقاصد میں نہیں یہ تو انسان کی حیوانی زندگی کو برقرار رکھنے کا ایک ذریعہ ہیں، یہی وجہ ہے کہ حیوان جتنے بھی ہیں جاندار وہ سارے کھانے کی فکر بھی کرتے ہیں، پینے کی فکر بھی کرتے ہیں اور اسی طرح سے وہ اپنے رہنے سہنے کے لیے بھی اپنی اپنی شان کے مطابق انتظام کرتے ہیں آپ کی کتنی اچھی کوٹھی کیوں نہ ہو بہترین قسم کی آپ کی بلڈنگ ہو۔

لیکن اگر اس میں کوئی چڑیا ٹھکانہ لگانا چاہے گی تو وہ آپ کے صوفے سیٹوں کو پسند نہیں کرے گی، وہ اپنی پسند کا گھر تنکوں سے بنائے گی تبھی اس میں رہے گی اور آپ کے اچھے سے اچھے بنگلے جو ہیں اس میں چوہے آجائیں تو وہ آپ کے اچھے اچھے بنگلے اور کرسیوں پر گزارہ نہیں کریں گے وہ اپنی حالت کے مطابق ایک کھڈ بنائیں گے، بل کھودیں گے اس میں گزارہ کریں گے اور اسی طرح سے کیڑے مکوڑے جو بھی آتے ہیں وہ اپنی حالت کے مطابق ایک مکان بناتے ہیں اور اس میں گزارہ کرتے ہیں آپ ان کے گھونسلے کو، آپ ان کی کھڈ کو برائی کی نظر سے بے شک دیکھیں۔

لیکن جیسے آپ کو وہ پسند نہیں ہے آپ کی کوٹھیاں بنگلے ان کو پسند نہیں ہیں، جو انہوں نے اپنے ذہن کے اندر نقشہ اپنی رہائش کے لیے رکھا ہوا ہے وہ اس طریقے سے مکان بناتے ہیں اور رہتے ہیں اور بچے بھی جنتے ہیں اور بچوں کو پالتے بھی ہیں، ان کے ساتھ محبت بھی کرتے ہیں، گرمی سردی سے بچنے کا ذریعہ بھی اختیار کرتے ہیں پھر اگر مقاصد ہی یہی ہوں تو پھر انسان میں اور حیوان میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔

علم انسان کو حیوان سے ممتاز کرتا ہے:

انسان میں اور حیوان میں اگر فرق ہے تو روحانی کمالات کے اعتبار سے ہے کہ اللہ نے اس کو علم کا حامل بنایا ہے، روحانی کمالات کا حامل بنایا ہے۔

لہٰذا کامیاب ترین شخص وہ ہوگا جو کہ روحانی کمالات کا حامل ہے لیکن اس بات کو نمایاں کرنے کے لیے آپ جانتے ہیں کہ علم چاہیئے اور جب علم نہیں ہوتا جہالت ہی جہالت ہوتی ہے تو اس وقت اسی دولت کی، اسی سونے کی چاندی کی، ریشم کی اور اسی قسم کی چیزوں کی بالادستی ہوتی ہے جس کے پاس یہ زیادہ ہوتے ہیں انسان سمجھتا ہے کہ کامیابی یہی ہے پھر دوسروں کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے انبیاء علیہم السلام کے واقعات آپ کے سامنے جو قرآن کریم میں آئیں گے ان کے اندر یہ چیز بہت نمایاں طریقے سے ذکر کی جائے گی کہ اکثر و بیشتر انبیاء علیہم السلام کو قبول کرنے والے، ان کی ہدایت کو قبول کرنے والے، ان کی آواز پر لبیک کہنے والے زیادہ تر وہی لوگ ہوتے ہیں جو اس دنیاوی مال و اسباب سے محروم ہوتے ہیں، وہ ان کو اس لیے قبول کرتے ہیں کہ دنیاوی مال و دولت یہ ایک تکبر کا ذریعہ ہوتا ہے، دماغ کے اندر بڑائی اور بالادستی آجاتی ہے وہ کسی کی اطاعت کر نہیں سکتے، اپنی خواہشات کو چھوڑ نہیں سکتے اور دین قبول کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کو اپنی خواہشات قربان کرنی پڑتی ہیں، مساکین کی ایسی خواہش ہی کوئی نہیں، ان کی اگر ہوتی بھی ہے تو ان کو قربان کرنے کی پہلے ہی عادت پڑی ہوئی ہوتی ہے تو ان کی خواہشات کو پیدا کرنے کے لیے ان کے پاس کوئی اسباب ہی نہیں ہوتے۔

اس لیے جب دین کی آواز بلند ہوتی ہے تو سرمایہ دار طبقہ تو اس کو اپنی خواہشات کے ساتھ ٹکراتا ہوا محسوس کرتا ہے اس لیے وہ تو کرتے ہیں انکار اور مساکین کے طبقے کے ساتھ کوئی کسی قسم کا ٹکراؤ نہیں ہوتا، فطرت ان کی کسی درجے میں صحیح ہوتی ہے اس لیے وہ حق کی آواز کو جلدی قبول کر لیتے ہیں اور سرمایہ دار اس کو ایک بہانہ بناتے

ہیں کہ ہم آپ کی مجلس میں آ کر کیسے بیٹھیں، آپ کی مجلس کے اندر تو یہ کمینے قسم کے لوگ بیٹھے ہوتے ہیں ''ھم اراذلنا'' جس طرح سے قوم نوح نے یہ لفظ استعمال کیا تھا کہ آپ کی اتباع کرنے والے جو بھی لوگ ہیں ''ھم اراذلنا'' وہ ہم میں سے ارزل ہیں، کمینے ہیں، ردی قسم کے لوگ ہیں وہ آپ کو قبول کرنے والے ہیں ہم آپ کی مجلس میں آئیں اور وہ ہمارے برابر بیٹھیں یہ کیسے ہوسکتا ہے، ہمارے گھروں کے یہ نوکر ہمارے سامنے یہ کام کرتے ہیں تو ہم انہیں اپنی چارپائی کے قریب نہیں آنے دیتے ان میں یہ جرأت نہیں ہے کہ ہمارے برابر آ کر کرسی پر بیٹھ جائیں۔

بلکہ یہ ہمارے ہاتھ کے ساتھ ہاتھ نہیں ملا سکتے، مصافحہ کرنے کی جرأت نہیں کر سکتے تو آپ کی مجلس میں آ کر یہ جو مساوات دیکھنے میں آتی ہے کہ سب کے برابر بیٹھنا پڑے گا یہ ہم گوارہ نہیں کر سکتے۔

کفار کا مطالبہ:

اس لیے اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی بات سنیں تو ان لوگوں کو اپنی مجلس سے دفع کر دیجئے، دور ہٹا دیجئے اس قسم کا لفظ انہوں نے استعمال کیا ہوگا جس کی نقل قرآن کریم نے کی ہے ''لا تطرد'' کے لفظ کے ساتھ کہ ان کو دھتکار دو اپنی مجلس سے یہ آپ کی مجلس میں نہ بیٹھیں پھر ہم آئیں گے آپ کے پاس اور آپ کے پاس آ کر بیٹھیں گے اور آپ کی باتوں کو سنیں گے ورنہ جب تک یہ مساکین لوگ بیٹھیں ہیں ہمارے نوکر چاکر ہمارے غلام یا ہمارے آزاد کردہ ہمارے خادم قسم کے لوگ اس وقت ہم آپ کی مجلس میں آ کر نہیں بیٹھیں گے۔

تو یہ انہوں نے اپنے تکبر اور غرور کا اظہار کیا جو کہ عام طور پر مالدار طبقے میں، سرمایہ دار طبقے میں مساکین کے مقابلے میں ہوا کرتا ہے اور اسی کی وجہ سے وہ سمجھتے ہیں کہ دین اگر کوئی اللہ کی نعمت ہے تو یہ بھی ہمیں ملنی چاہیئے جس طرح سے دوسری نعمتیں اللہ تعالیٰ نے ہمیں دی ہیں اس طرح سے یہ نعمت بھی ہمیں ملنی چاہیئے ''لو کان خیراً ماسبقونا الیہ'' جیسے ان کا لفظ نقل کیا کہ اگر یہ اچھی بات ہوتی تو یہ سبقت نہ لے جاتے جیسے دوسری بھلائیاں ہمیں حاصل ہیں یہ بھلائی بھی ہمیں حاصل ہوتی بلکہ اسی زعم کے ساتھ وہ چاہتے تھے کہ نبی بھی ہم میں سے ہونا چاہیئے تھا ''لولا نزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم'' مکہ اور طائف دونوں شہروں میں سے کسی سرمائے دار پر یہ قرآن کیوں نہیں اتارا گیا؟ اگر یہ کوئی اللہ کی نعمت تھی تو جن کو دوسری نعمتیں حاصل ہیں ان کو ہی یہ نعمت بھی حاصل ہونی چاہیئے تھی۔

مؤمنین مساکین کے بارے میں ہدایت:

تو اللہ تعالیٰ نے یہاں ان مساکین کے متعلق جو کچھ بیان فرمایا یہ انتہائی درجے کی حوصلہ افزائی ہے ان مساکین کی پہلے تو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو منع کر دیا ’’لاتطرد الذین یدعون ربھم بالغداۃ‘‘ یہ نہیں کہا کہ ان مساکین کو دور نہ ہٹاؤ کیونکہ مساکین کے لفظ کے اندر ان کا شرف نمایاں نہیں اور یہاں بتانا یہ ہے کہ یہ لوگ اشرف ہیں، افضل ہیں، یہ قابل ترجیح ہیں اور قابل ترجیح یہ مساکین ہونے کی وجہ سے نہیں۔

بلکہ روحانی کمالات کی بناء پر ہیں اور اگر کوئی مسکین ہے اس کے پاس مال نہیں لیکن روحانی کمال بھی اس کو حاصل نہیں ہے وہ اسی طرح سے اپنے درجے کے مطابق دنیادار ہے، دنیا کے پیچھے لگا ہوا ہے وہ کوئی قابل ترجیح نہیں بلکہ اگر کوئی سرمایہ دار ایسا ہے کہ جس کے اندر اس قسم کی خصلتیں پیدا ہو جائیں وہ پھر قابل ترجیح ہے، ترجیح جو دینی ہے تو روحانی کمالات کی بناء پر دینی ہے مسکین ہونے کی بناء پر نہیں۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ مساکین روحانی کمالات کے حامل تھے جس کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے کہا کہ ایسے لوگ جو آپ کے پاس ہیں ان کو اپنی مجلس سے نکالیں نہیں، دور نہ ہٹاؤ ان لوگوں کو جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح وشام، صبح وشام اللہ کو یاد کرتے ہیں، صبح وشام کا لفظ بول کر دوام مراد ہوتا ہے کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں’’ یریدون وجھہ‘‘ اور اللہ تعالیٰ کو پکارنے سے ان کا کوئی اور مقصد نہیں ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے طالب ہیں جس سے یہ بات واضح کر دی کہ چاہے وہ مساکین ہیں لیکن انہوں نے اپنا منتہاءِ مقصود مال ودولت کو نہیں بنایا وہ ایمان اس لیے نہیں لائے کہ آپ پر ایمان لانے کی وجہ سے ان کو دنیا کے اندر کوئی سونے چاندی کے ڈھیر مل جائیں گے یا ان کو ریشم اور قیمتی کپڑے مل جائیں گے ایسی بات نہیں۔

یعنی وہ ایمان لائے ہیں تو مقصد ان کا صرف اللہ کی رضا کو حاصل کرنا ہے اور یہی ہے کمال کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جائے، اللہ تعالیٰ کو پکارا جائے محض اس کی رضا کو حاصل کرنے کے لیے، ایسے لوگوں کو آپ اپنے پاس سے نہ اٹھایئے’’ ماعلیك من حسابھم من شیئ‘‘ اگر تو’’ حسابھم‘‘ کی ضمیر لوٹائی جائے’’ یدعون ربھم‘‘ کی طرف تو معنیٰ ہوگا کہ ان لوگوں کا کوئی حساب آپ کے ذمے نہیں کہ ان کے اندر کے جذبات کیسے ہیں یہ کیا کام کرتے ہیں کیا نہیں کرتے اگر ان کا محاسبہ آپ کے ذمے ہوتا تو پھر تو گنجائش تھی کہ ان کو اپنی مجلس سے اٹھا دیتے۔

لیکن ان کا باطن کیسا ہے کیسا نہیں ہے؟ آپ کو اس سے بحث ہی کوئی نہیں کہ جب وہ رغبت کر کے آتے ہیں، آپ سے سیکھنے کے لیے آتے ہیں، آپ سے محبت کرنے کے لیے آتے ہیں، اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اللہ شہادت دیتا ہے کہ اللہ کی رضا چاہتے ہیں پھر آپ کو کیا ضرورت ہے کہ آپ ان کو اپنی مجلس سے اٹھائیں اور خوامخواہ بے انصافوں میں سے ہو جائیں یہ ایک بے انصافی ہے کہ ایک آدمی آپ سے آ کر دین قبول کرتا ہے اور دین کی تعلیم حاصل کرتا ہے اور ایک سرکش ہے تو سرکش کی خاطر ان کو ٹھکرا دیا جائے یہ کون سا انصاف ہے؟ آپ ایسی بات نہ کیجئے ان کا حساب آپ کے ذمے نہیں ہے۔ جس طرح سے کہ آپ کا حساب ان کے ذمے نہیں ہے تو ظاہری حالت کو دیکھو جو آپ کی طرف متوجہ ہے اس کی رعایت رکھو اور باطن کے محاسبے کے ساتھ آپ کا کوئی تعلق نہیں کہ آپ ان کو دور ہٹائیں یا یہ ہے کہ ''من حسابھم'' کی ضمیر ان مشرکین کی طرف لوٹا دیجئے جو کہ اس قسم کا مطالبہ کرنے والے ہیں ان کا کوئی حساب آپ کے ذمے نہیں کہ آپ سے پوچھا جائے گا کہ یہ تسلیم کیوں نہیں کرتے، مانتے کیوں نہیں، ایمان کیوں نہیں لائے کہ آپ ان کی خاطر اس قسم کی تدبیریں کریں۔

کہ اپنے جانثاروں کو بھی دور ہٹانے کی کوشش کریں ان کا کوئی حساب آپ کے ذمے نہیں ہے، نہ آپ کا حساب ان کے ذمے ہے کہ یہ کوئی کسی قسم کا محاسبہ کریں یا ان سے پوچھا جائے کہ رسول نے ایسا کیوں نہیں کیا اس بارے میں کوئی ایک دوسرے سے تعلق نہیں اس لیے ان کی خاطر یا ان کے مطالبے کی بناء پر اگر ان مخلصین کو اپنی مجلس سے اٹھا دو گے تو آپ بے انصافوں میں سے ہو جائیں گے یہ انصاف کا تقاضہ نہیں ہے اس لیے آپ ان کا مطالبہ پورا نہ کیجئے۔

مالداری اور غربت اللہ کے ہاں مقبول و مردود ہونے کی علامت نہیں:

باقی رہا کہ بعض لوگوں کو ہم نے سرمایہ وافر دے دیا، دنیا کی خوشحالی دے دی اور بعض کو مسکین بنا دیا یہ ہماری حکمت کی بناء پر ہے، مال و دولت کا ملنا یہ ہمارے نزدیک مقبول ہونے کی علامت نہیں اور کسی کا مسکنت کے اندر مبتلاء ہو جانا یہ ہمارے نزدیک کسی کے مردود ہونے کی علامت نہیں اس لیے مشرکوں کا یہ ذہن غلط ہے وہ سمجھتے ہیں کہ جب مال و دولت ہمارے پاس ہے تو اللہ تعالیٰ کے مقبول بھی ہم ہیں اور ان کے پاس مال و دولت نہیں اس لیے یہ اللہ کے مقبول نہیں یہ ان کا ذہن غلط ہے، سونا چاندی ریشم قیمتی کپڑے یہ ایسی چیزیں نہیں ہیں کہ جن کے پاس

یہ ہوں وہ اللہ کے محبوب بھی ہوں اور جن کے پاس دنیاوی مال واسباب نہیں ہیں وہ اللہ کے محبوب بھی نہیں ہیں ایسی بات نہیں ہے، یہ بات جو میں کہہ رہا ہوں یہ حدیث کے اندر بھی ہے سرور کائنات ﷺ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے اندر اخلاق ایسے تقسیم کیے ہیں جیسے رزق تقسیم کیا ہے اور دنیا کا ساز وسامان اللہ اپنے محبوبوں کو بھی دیتا ہے اور غیر محبوبوں کو بھی دیتا ہے یعنی دنیا کا ساز وسامان ملنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ہونے کی علامت نہیں ہے، کتنے ہی خزانے مل جائیں اس کو دلیل نہیں بنایا جا سکتا کہ یہ اللہ کا محبوب ہے اور فرمایا اللہ دین اسے دیتا ہے کہ جس کے ساتھ اللہ کو محبت ہوتی ہے تو جس شخص کو اللہ نے دین دے دیا یہ علامت ہے اس بات کی کہ اللہ کو اس شخص کے ساتھ محبت ہے تو اس لیے اگر کسی کے پاس مال نہیں بھی ہے تو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں اصل چیز دین ہے اس کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

مؤمنین پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی اور رحمت:

مؤمنین کی دلداری کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب آپ ان ایمان والے لوگوں کے پاس آئیں تو کہا کرو کہ تم پر سلامتی ہو، اور ان کو یہ خوشخبری بھی دے دو کہ تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت کو لازم قرار دے لیا ہے، وہ رحیم وکریم ہے، اس کی رحمت بہت عام ہے، ان مؤمنین کو دنیا میں دنیاوی ساز وسامان کا نہ ملنا یہ بھی اللہ کی رحمت کا تقاضا ہے کیونکہ اگر ان کو بھی کافروں کی طرح مال دار بنا دیا جاتا تو شاید یہ بھی مال کی محبت میں مبتلا ہو کر ایمان کی طرف متوجہ نہ ہوتے، اس لیے بظاہر اگرچہ غربت ہے لیکن اصل دولت ایمان کی ہے جو ان کو حاصل ہے اس لیے دنیا کا سامان نہ ملنا یہ بھی اللہ کی رحمت ہے اور اسی طرح اللہ کی رحمت اس صورت میں بھی ظاہر ہوگی کہ دنیا کے اندر ان لوگوں نے جتنے اعمال کیے ہیں، جو تنگیاں برداشت کی ہیں ان پر اجر وثواب ملے گا اور اس کے بدلے میں آخرت کی نعمتیں بھی ملیں گی۔

توبہ سے گناہوں کی معافی کا اعلان:

"انه من عمل منكم سوء أبجهالة" اس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کاملہ کو بیان کیا گیا ہے، حاصل اس کا یہ ہے کہ جو آدمی جہالت کے ساتھ غلط کام کر بیٹھے اور اس کے بعد توبہ کر کے اپنے حالات کو درست کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کوتاہی کو معاف کر دیتے ہیں، غلطی ہو جانے کے بعد پھر اس کی معافی کی صورت نہ ہونا یہ اس کی رحمت کے

خلاف ہے اور پھر صرف معافی پر ہی اکتفاء نہیں ہوتا بلکہ توبہ کے بعد انعامات سے بھی نوزا جائے گا، اس آیت میں جو لفظ "جھالة" آیا ہے اس سے بظاہر ذہن اس بات کی طرف جاتا ہے کہ توبہ سے صرف وہی گناہ معاف ہوتا ہے جو ناواقفیت کی بناء پر کیا ہو، اور اگر کسی نے کوئی گناہ جانتے بوجھتے ہوئے کیا ہے تو اس پر توبہ کے ساتھ معافی کا اعلان نہیں، ایسی بات نہیں ہے یہ جہل علم کے مقابلہ میں نہیں بلکہ جہالت سے عملی جہالت مراد ہے، ناواقفیت اور بے علم ہونا ضروری نہیں ہے، جیسے کہا جاتا ہے کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے وہ جاہل ہے یعنی قرآن کریم کی آیات اور بہت سی احادیث صحیح سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ توبہ سے ہر قسم کا گناہ معاف ہو جاتا ہے چاہے ناواقفیت کی بناء پر کیا ہو چاہے جان بوجھ کر کیا ہو، جب سچے دل سے توبہ کر لی جائے تو ہر قسم کا گناہ معاف ہو جائے گا۔

مغفرت کا وعدہ توبہ اور اصلاح احوال پر ہے:

اس آیت میں جو مغفرت اور رحمت کا وعدہ کیا گیا ہے وہ دو چیزوں پر ہے ایک توبہ اور دوسری اصلاح احوال، یعنی دونوں ہوں گی تو مغفرت و رحمت حاصل ہوگی، توبہ تو یہ ہے کہ جو گناہ ہوا ہے اس پر ندامت اور شرمندگی کا اظہار کیا جائے، جب غلطی کا احساس ہو گیا، تو یہ توبہ ہے اور دوسری چیز اصلاح احوال ہے اس کے اندر یہ بھی داخل ہے کہ آئندہ یہ غلطی نہیں کروں گا، جب یہ صورت ہوگی پھر توبہ تام ہوگی اور اصلاح احوال کے اندر یہ بات بھی شامل ہے کہ جو حقوق کسی کے ضائع کیے ہیں جہاں تک اختیار ہے ان کو ادا بھی کرے، چھوٹی ہوئی نمازوں کو قضاء کرے، روزے جو رہ گئے ہیں ان کو قضاء کرے، زکوۃ اگر فرض تھی تو جتنے سالوں کی رہ گئی ہے وہ ادا کرے، حج فرض تھا اور وہ نہیں کیا تو اس کو ادا کرے، اسی طرح حقوق العباد میں لوگوں کے جو حقوق تلف کیے ہیں مثلاً کسی کا مال غصب کیا ہے، زمین غصب کی ہے، کسی کو زبان سے یا ہاتھ وغیرہ سے تکلیف پہنچائی ہے جو بھی صورت ہے ان حقوق العباد کو یا ادا کرے یا ان سے معاف کرائے، غرض یہ ہے کہ اصلاح احوال کے لیے صرف آئندہ کے عمل کو درست کر لینا کافی نہیں ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ پچھلے فرائض و واجبات ادا کرنا بھی ضروری ہے۔

آگے فرمایا اسی طرح ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں آیات کو تا کہ مجرموں کا راستہ واضح ہو جائے، ظاہری طور پر پتہ چل جائے کہ کون احکام خداوندی پر عمل کر کے مغفرت و رحمت کا مستحق بنتا ہے اور کون

شخص ایسا ہے جو نافرمانی کر کے مجرموں کی فہرست میں شامل ہو جاتا ہے اس طرح جب راستہ جدا جدا ہوگا تو انجام بھی خود بخود جدا ہوتا چلا جائے گا۔

حضور ﷺ کی زبانی چند امور کی وضاحت:

اگلی آیات میں نبی کریم ﷺ سے چند باتوں کا اعلان کروایا گیا، باتیں بالکل واضح ہیں آیات کی طرف دیکھنے سے مفہوم بالکل واضح ہو جائے گا، پہلی بات تو یہ کہ میں اللہ کے حکم کا پابند ہوں اور مجھے اس بات سے روکا گیا ہے کہ میں معبودانِ باطلہ جن کو تم اللہ کے علاوہ پکارتے ہو میں ان کی عبادت نہیں کروں گا، اور اسی طرح تم جو باتیں کہتے ہو یہ ساری تمہاری خواہشات نفس ہیں اور میں تمہاری خواہشات کی اتباع نہیں کروں گا اگر میں نے تمہاری خواہشات کی اتباع کی تو میں اس وقت گمراہ ہو جاؤں گا اور ہدایت کو چھوڑنے والا ہوں گا اس لیے میں تمہاری خواہشات کی اتباع نہیں کرتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ آپ اعلان فرما دیں کہ میں اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل پر ہوں، میں اللہ کا رسول ہوں، میرے پاس وحی آئی ہے، میرے اس دعوے کی میرے پاس واضح اور صریح دلیل موجود ہے، اور میں اس بارے میں کسی شک وشبہ میں مبتلاء نہیں ہوں مجھے اس پر یقین حاصل ہے اور تم مجھے جھٹلاتے ہو، میری تکذیب کرتے ہو بلکہ صرف تکذیب ہی نہیں ساتھ ساتھ یہ بھی کہتے ہو کہ اگر تم سچے ہو تو ہم پر عذاب لا کر دکھاؤ، ہماری تکذیب کی وجہ سے ہم پر اللہ کا عذاب کیوں نہیں آتا ہے؟ تو آپ ان کو کہہ دیجئے کہ میں تو صرف اللہ کا رسول اور اس کا نمائندہ ہوں، تم پر عذاب لانا میرے اختیار میں نہیں ہے، "ان الحکم الا للہ" حکم تو صرف اللہ کا چلتا ہے، وہ تمہارا پابند نہیں ہے کہ جو تم کہو وہ وہی کرے، وہ جب چاہے گا جب اس کی حکمت کا تقاضا ہوگا وہ تم پر عذاب لے آئے گا "یقص الحق وھو خیر الفاصلین" وہ حق بات بیان کرتا ہے اور وہ سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔

تیسرا اعلان یہ کروا دیا گیا کہ جس عذاب کو تم جلدی طلب کرتے ہو یہ میرے پاس نہیں ہے اگر یہ میرے پاس ہوتا تو میرے اور تمہارے درمیان کب کا فیصلہ ہو چکا ہوتا، یہ جس کے اختیار میں ہے وہ ظالموں کو خوب جانتا ہے، یہ نہ سمجھ لینا کہ تم پر جو دنیا میں عذاب نہیں آتا تو کیا اللہ کو اس کا پتہ نہیں ہے، وہ ظالموں کو خوب جانتا ہے صرف اس نے تمہیں ڈھیل دی ہوئی ہے جب اس کی حکمت کا تقاضا ہوگا تمہیں پکڑ لے گا، اس طرح رسول پاک ﷺ کے منصب کو ان آیات کے اندر واضح کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم:

حضور ﷺ کے منصب کو واضح کرنے کے بعد اب بیان دوبارہ عقیدہ توحید کی طرف لوٹ رہا ہے، اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ایک اہم ترین صفت علم کو بیان کیا گیا ہے حاصل اس کا یہ ہے کہ اس کا علم ہر چیز جو موجود ہے یا غیر موجود ہے، ظاہر ہے یا نہیں، بڑی ہے یا چھوٹی ہر چیز پر حاوی ہے اور ہر چیز کو محیط ہے، اور یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ایسی صفت ہے جس میں کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں ہے۔

غیب کے خزانوں کا مالک صرف اللہ ہے:

"و عندہ مفاتح الغیب" مفاتح جمع ہے اس کا مفرد مفتح (بفتح المیم) بھی ہوسکتا ہے جس کا معنی ہے خزانہ اور اس کا مفرد مفتح (بکسر المیم) بھی ہوسکتا ہے جس کا معنی چابی ہے اس میں دونوں معنوں کی گنجائش ہے اس لیے تفسیروں میں اس کا ترجمہ دونوں طرح سے کیا گیا ہے حاصل دونوں کا ایک ہی ہے کیونکہ کنجیوں کے مالک ہونے سے بھی خزانوں کا مالک ہونا ہی مراد ہے، اور غیب سے مراد وہ چیزیں ہیں جو ابھی وجود میں نہیں آئیں یا وجود میں تو آچکی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر کسی کو مطلع نہیں ہونے دیا، پہلی قسم میں تو وہ حالات وواقعات ہیں جو قیامت سے متعلق ہیں یا وہ کائنات میں آئندہ پیش آنے والے واقعات ہیں کہ مثلاً کون، کب اور کہاں پیدا ہوگا، کیا کام کرے گا، کتنی عمر ہوگی، کتنے سانس لے گا، کتنے قدم اٹھائے گا، کہاں مرے گا، کہاں دفن ہوگا، رزق کس کو کتنا اور کس وقت ملے گا یا بارش کس وقت، کہاں اور کتنی ہوگی۔

اور دوسری قسم کی مثال یہ ہے کہ حمل عورت کے رحم میں ظاہر تو ہو چکا ہے لیکن یہ علم کہ مذکر ہے یا مؤنث، خوبصورت ہے یا بدصورت، نیک طبیعت ہے یا بدخصلت اس طرح اور دوسری بہت ساری چیزیں جو وجود میں تو آچکی ہیں لیکن ان کے متعلق علم کسی کو نہیں ہے ان تمام چیزوں کے بارے میں کہا جارہا ہے "عندہ مفاتح الغیب" اللہ کے پاس ہیں خزانے غیب کے یعنی اس کے ملک اور قبضے میں ہیں یعنی غیب کے خزانوں کا علم بھی اس کے پاس ہے اور ان کو وجود میں لانا بھی اس کی قدرت میں ہے، لفظ "عندہ" جو شروع میں آیا ہوا ہے اس نے آکر اس کلام کے اندر حصر والا معنی پیدا کردیا ہے لا یعلمھا الا ھو کہ ان غیب کے خزانوں کو اللہ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا ہے، غیب کی جو تعریف آپ کے سامنے کی گئی ہے کہ غیب سے مراد وہ چیزیں ہیں جو ابھی وجود میں نہیں آئیں یا وجود میں تو

آ چکی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ان پر کسی کو مطلع نہیں ہونے دیا اگر یہ تعریف ذہن میں ہو تو کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا جو اعتراض بھی ہوگا اس تعریف کے ساتھ خود بخود ختم ہو جائے گا۔

غیر اللہ سے غیب کی نفی:

اور اگر غیب کا لغوی معنی مراد لیتے ہوئے یہ کہا جائے کہ غیب سے مراد ہر وہ چیز ہے جو ہمارے علم ونظر سے غائب ہو اگرچہ دوسرے لوگوں کو ذرائع واسباب کے ساتھ اس کا علم بھی ہو، لیکن چونکہ ہماری نظروں سے غیب ہے اس لیے وہ بھی غیب ہے اگر یہ مفہوم مراد لیں تو قدم قدم پر دھوکہ کھائیں گے، اور دوسروں کو بھی عالم الغیب کہنے لگ جائیں گے، جیسے نجوم، جفر، رمل اور ہاتھ کی لکیروں سے آئندہ کے واقعات وحالات کا علم ہو جاتا ہے، کشف والہام کے ذریعے کسی کے حالات معلوم ہو جاتے ہیں، محکمہ موسمیات والے ہوا کی رفتار دیکھ کر آندھی اور بارش کی پیش گوئی کر دیتے ہیں اگر اس دوسری تعریف کو لے لیا جائے تو ان میں سے ہر شخص کو عالم الغیب کہنا پڑے گا حالانکہ قرآن کریم کا واشگاف الفاظ میں اعلان ہے کہ غیب کا علم صرف اللہ کے پاس ہے کوئی دوسرا اس میں اس کا شریک نہیں ہے، یہ تبھی ہوگا جب ہم غیب کی وہ تعریف کریں جو میں نے پہلے کی ہے، اگر وہ تعریف کریں گے تو ان تمام مثالوں کا جواب بالکل واضح ہے پھر اگر اللہ تعالیٰ نے وحی، کشف و الہام کے ساتھ کسی بندے کو غیب کے واقعہ کی خبر دی ہے تو وہ قرآنی اصطلاح کے مطابق غیب نہیں ہے اسی طرح آلات واسباب کے ساتھ جو علم حاصل کیا جاتا ہے وہ قرآنی اصطلاح کے مطابق علم غیب نہیں ہے جیسے محکمہ موسمیات کی خبریں یا حکیم وڈاکٹر کا نبض دیکھ کر مریض کے مخفی حالات بتا دینا۔

وجہ یہ ہے کہ ان کو ایسی خبر دینے کا موقع تب ملتا ہے جب ان کا مادہ پیدا ہو کر ظاہر ہو جاتا ہے لیکن چونکہ اس کا ظہور ابھی اتنا عام نہیں ہوتا اس لیے عوام کو پتہ نہیں چلتا اور یہ لوگوں کو بتا دیتے ہیں اور جب مادہ ظاہر ہو جاتا ہے تو پھر ہر کسی کو پتہ چلتا ہے اور جب تک مادہ ظاہر نہ ہو اس وقت تک ان کو بھی پتہ نہیں چلتا ہے یہی وجہ ہے کہ محکمہ موسمیات دو ماہ بعد ہونے والی بارش کی خبر آج نہیں دے سکتا کیونکہ ابھی اس بارش کا مادہ سامنے نہیں آیا اسی طرح ڈاکٹر یا حکیم دو سال پہلے کھائی ہوئی غذا یا دوا کے متعلق نبض دیکھ کر نہیں بتا سکتا کیونکہ اس کا کوئی اثر عادۃً نبض میں نہیں ہوتا یا دو سال بعد شروع ہونے والی بیماری کے متعلق آج نہیں بتا سکتا اس کے علاوہ ان سب چیزوں کے متعلق جو خبر

ہوتی ہے وہ آلات واسباب کے استعمال کے بعد بھی ایک اندازہ ہی ہوتی ہے کوئی یقینی بات نہیں ہوتی، اور علم جو یقین کا نام ہے وہ ان کو حاصل نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ ان خبروں کے غلط ہونے کے بے شمار واقعات آئے دن پیش آتے رہتے ہیں باقی علم نجوم میں جو چیزیں حساب سے تعلق رکھتی ہیں مثلاً کوئی شخص حساب کر کے کہتا ہے کہ آج سورج اتنے بجے طلوع ہوگا اور اتنے بجے غروب ہوگا، یا فلاں مہینہ میں سورج گرہن ہوگا یا فلاں وقت چاند گرہن ہوگا ان چیزوں کا تعلق چونکہ حساب سے ہے یہ ایسے ہے جیسے ریلوے اسٹیشنوں یا ہوائی اڈوں پر ٹرینوں اور جہازوں کے اوقات بتا دیے جاتے ہیں کہ فلاں ٹرین فلاں وقت آئے گی یا فلاں فلائٹ فلاں وقت آئے گی تو جن چیزوں کا تعلق حساب سے ہے ان کا حساب کر کے ان کا وقت متعین کیا جاتا ہے وہ بھی علم غیب میں شامل نہیں اور اس کے علاوہ نجوم وغیرہ سے جو خبریں معلوم کرنے کا دعویٰ کیا جاتا ہے وہ دھوکہ کے سوا کچھ نہیں، سو جھوٹ میں ایک سچ نکل آنا کوئی علم نہیں ہے۔

اور اسی طرح ایکسرے مشینوں کے ساتھ جو حمل دیکھا جاتا ہے کہ یہ لڑکا ہے یا لڑکی یہ بھی محض تخمینہ اور اندازہ ہی ہوتا ہے قطعی علم صرف اللہ کے پاس ہے، الغرض قرآن کریم کی اصطلاح کے مطابق جو چیز غیب ہے اس کا علم صرف اللہ کے پاس ہے، اس کے علاوہ کسی دوسرے کے پاس نہیں ہے۔

اللہ کا علم کائنات کے ذرہ ذرہ کو محیط ہے:

آگے اس کی وضاحت کرتے ہوئے اس طرح ارشاد فرمایا "و یعلم مافی البر والبحر" اللہ تعالیٰ جانتا ہے ہر اس چیز کو جو خشکی میں ہے اور جو دریا میں ہے، جیسے صبح وشام بول کر پورا زمانہ اور مشرق ومغرب بول کر پوری زمین مراد لی جاتی ہے اسی طرح بر و بحر بول کر بھی ساری کائنات مراد لی جاتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا علم تمام کائنات پر محیط ہے اور پھر صرف یہی نہیں کہ وہ صرف بڑی بڑی چیزوں کو جانتا ہے بلکہ ہر چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اس کے علم میں ہے فرمایا "وما تسقط من ورقة الا یعلمها" سارے جہان میں کسی درخت کا کوئی پتہ نہیں گرتا جو اس کے علم میں نہ ہو، ہر درخت کا ہر پتہ گرنے سے پہلے اور گرنے کے وقت اور گرنے کے بعد اس کے علم میں ہے، وہ جانتا ہے کہ ہر پتہ درخت پر لگا ہوا کتنی مرتبہ الٹ پلٹ ہوگا، کب اور کہاں گرے گا اور پھر وہ کس حال سے گزرے گا، "ولاحبة فی ظلمٰت الارض" ہر وہ دانہ جو زمین کی گہرائی اور اندھیرے میں کہیں پڑا ہے وہ بھی اس کے علم سے

باہر نہیں ہے، پہلے درخت کے پتے کا ذکر کیا جو سب کے سامنے گرتا ہے پھر دانہ کا ذکر کیا جو زمین کی گہرائی میں چھپا ہوا ہوتا ہے پھر ہر خشک وتر کا ذکر کیا کہ وہ بھی اس کے علم میں ہے، کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں، یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے پاس کتاب مبین میں لکھی ہوئی ہیں، کتاب مبین سے مراد بعض مفسرین کے نزدیک لوح محفوظ ہے، اور بعض مفسرین کے نزدیک اس سے مراد علم الٰہی ہے اور اس کو کتاب مبین سے تعبیر اس لیے کیا ہے کہ جیسے لکھی ہوئی چیز محفوظ ہوتی ہے اور اس میں سہو ونسیان کا احتمال نہیں ہوتا اسی طرح اللہ تعالیٰ کا علم جو کائنات کے ذرہ ذرہ کو محیط ہے یہ تخمینی نہیں بلکہ یقینی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفتِ قدرت:

صفت علم کی خصوصیات کو بیان کرنے کے بعد اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی صفت قدرت کو بیان کیا گیا ہے کہ جیسے اس کا علم کائنات کے ذرے ذرے کو محیط ہے اسی طرح اس کی قدرت بھی کائنات کے ذرے ذرے کو محیط ہے اور کوئی چیز بھی اس کی قدرت کاملہ سے باہر نہیں ہے اس کا ایک چھوٹا سا نمونہ اس آیت کریمہ میں دکھایا گیا ہے اور اسی سے پھر استدلال کر کے عقیدہ معاد کی طرف اشارہ کیا گیا ہے "وھو الذی یتو فاکم باللیل" وہی ذات ہے کہ قبضہ میں لے لیتا ہے تم کو رات میں اور جانتا ہے جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اور پھر صبح کو جگا کر اٹھا دیتا ہے تا کہ تمہاری مقررہ عمر پوری کر دے، یہ اللہ تعالیٰ کی ہی قدرت کاملہ ہے کہ انسان کے جینے، مرنے اور پھر مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا ایک نمونہ دکھا دیا کہ جیسے وہ ذات تمہیں رات کو نیند دے کر تمہاری روح قبض کر کے پھر دوبارہ زندہ کر سکتی ہے، جو ذات اس پر قادر ہے اس ذات سے مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا بھی بعید نہیں ہے، وہ تمہیں دوبارہ بھی زندہ کر سکتا ہے اس لیے آخر میں فرمایا پھر تمہیں اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے پھر وہ تمہیں خبر دے گا ان کاموں کی جو تم کرتے ہو اس سے مراد یہ ہے کہ حساب کتاب ہوگا اور پھر اس کے مطابق جزا وسزا ہوگی۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ط حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ

اور وہی غالب ہے اپنے بندوں پر اور بھیجتا ہے تم پر نگہبان ، یہاں تک کہ جب آ پہنچے

اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿۶۱﴾ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ

تم میں سے کسی ایک کو موت تو قبضے میں لے لیتے ہیں اس کو ہمارے بھیجے ہوئے اور وہ کوتاہی نہیں کرتے (۶۱) پھر وہ لوٹائے جائیں گے اللہ کی طرف

مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ط اَلَا لَهُ الْحُكْمُ قف وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿۶۲﴾ قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ

جو ان کا مالک ہے سچا، خبردار حکم سارا اسی کا ہے اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے (۶۲) آپ کہہ دیجئے کون تمہیں بچاتا ہے

مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ج لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ

جنگل اور دریا کے اندھیروں سے جس وقت تم اس کو پکارتے ہو گڑگڑا کر اور چپکے سے کہ اگر ہمیں نجات دے دی اس

هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۳﴾ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ

مصیبت سے تو ہم ضرور شکر گزاری کریں گے (۶۳) آپ کہہ دیجئے اللہ تمہیں نجات دیتا ہے اس سے اور

كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۶۴﴾ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ

ہر بے چینی سے پھر تم شرک کرتے ہو (۶۴) آپ کہہ دیجئے وہ قادر ہے اس بات پر کہ بھیجے

عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ

تم پر عذاب تمہارے اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا لڑا دے تمہیں

شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ط اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ

مختلف جماعتیں کر کے اور چکھا دے ایک کو دوسرے کی سختی، آپ کہہ دیکھئے کیسے ہم پھیرتے ہیں

الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ط قُلْ

آیات کو تاکہ وہ سمجھ جائیں (۶۵) اور آپ کی قوم نے اس کو جھٹلایا حالانکہ وہ حق ہے آپ کہہ دیجئے

لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۶۶﴾ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ز وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۷﴾

کہ میں تم پر داروغہ بنا کر مقرر نہیں کیا گیا (۶۶) ہر خبر کا ایک وقت مقرر ہے اور عنقریب تم جان لو گے (۶۷)

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى

اور جب تو دیکھے ان لوگوں کو جو ہماری آیات کے بارے میں عیب جوئی کرتے ہیں تو ان سے اعراض کر جایئے حتی کہ

يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۭ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ

وہ اس کے علاوہ کسی دوسری بات میں لگ جائیں اور اگر تجھے شیطان بھلا دے تو مت بیٹھ

بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۝۶۸ وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ

یاد آنے کے بعد ظالم لوگوں کے ساتھ (۶۸) اور جو لوگ احتیاط کرتے ہیں ان پر

مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝۶۹ وَذَرِ

ظالموں کے حساب میں سے کچھ بھی نہیں لیکن نصیحت ہے تاکہ وہ ڈرنے لگیں (۶۹) اور چھوڑ دے

الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا

ان لوگوں کو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل اور تماشا بنالیا ہے اور دھوکہ میں ڈالا ہے ان کو دنیاوی زندگی نے

وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ڰ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اور قرآن کے ذریعے ان کو نصیحت کر تاکہ کوئی شخص اپنے اعمال کی وجہ سے نہ پھنس جائے جس کے لیے اللہ کے علاوہ

وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ

کوئی حمایتی اور سفارش کرنے والا نہ ہوگا اور اگر نفس ہر طرح سے جان کا بدلہ دے تو اس سے نہ لیا جائے گا ، یہ

الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ

وہ لوگ ہیں جو اپنے اعمال کی وجہ سے پھنس گئے ان کے لیے پینا ہے گرم پانی سے اور دردناک عذاب ہے

بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝۷۰ۧ

کفر کرنے کی وجہ سے (۷۰)

تفسیر:

ماقبل سے ربط:

جیسا کہ بار بار عرض کیا جا چکا ہے کہ مکی سورتوں کا مضمون زیادہ تر توحید، رسالت اور معاد ہوتا ہے ، گذشتہ آیات میں عقیدہ توحید کو بیان کیا گیا ہے اور ردشرک کی طرف اشارہ کیا گیا تھا، یہ مضمون بالترتیب اسی آتے چلے جائیں گے۔

ساری کائنات پر اللہ تعالیٰ کے غلبہ کا نمونہ:

"وھو القاھر فوق عبادہ" وہ اپنے بندوں پر غالب ہے، وہ اپنے بندوں کے بارے میں جو ارادہ کرتا ہے کوئی اسے روک نہیں سکتا، اور جب تک اپنے بندے کو زندہ رکھنا مقصود ہوتا ہے تو فرشتے بھیج کر ان کی حفاظت کرتا ہے جو اس کے آگے سے اور اس کے پیچھے سے اس کی حفاظت کرتے ہیں، اور اس سے اعمال کی حفاظت کرنے والے فرشتے کراماً کاتبین بھی مراد ہو سکتے ہیں بہر حال فرشتوں کے ساتھ اس کی حفاظت کرتا ہے کسی کی مجال نہیں جو اس کو نقصان پہنچائے اور جب کسی بندے کا مقررہ وقت پورا ہو جاتا ہے تو اللہ کے حکم سے یہی حفاظت کرنے والے فرشتے اس کی موت کا ذریعہ بن جاتے ہیں یعنی جب تک اللہ زندہ رکھنا چاہتا ہے یہ محافظوں کی طرح نگہبانی کرتے ہیں اور جب وقت آجاتا ہے تو یہی فرشتے موت کا ذریعہ بن جاتے ہیں اور پھر جس طرح زندگی میں حفاظت میں کوئی کمی نہیں کرتے اسی طرح جب موت کا وقت آتا ہے تو اس میں بھی کوئی کوتاہی نہیں کرتے، جس وقت اللہ کا جو حکم آجائے اس کو پورا کرتے ہیں۔

اور پھر مر گئے بات اسی پر ختم نہیں ہو جاتی ہے بلکہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر کے اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے اور وہ مالک بھی ایسا ہے جو صرف احکم الحاکمین ہی نہیں بلکہ ان کا مولیٰ اور مددگار ہے ہر وقت ان کی مدد کرتا رہتا ہے اور حکم بھی ساری کائنات پر صرف اسی کا چلتا ہے اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے، یہ سوچ لینا کہ اربوں کھربوں لوگ ہیں اور وہ ایک ہے تو ایک ذات سب کا حساب کیسے لے گی؟ فرمایا ایسی بات نہیں، اس کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو، وہ جب حساب لینا شروع کرے گا تو بہت جلد حساب لے گا اور صحیح صحیح حساب لے گا۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نمونہ:

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو تنبیہ کرنے کے لیے سرورِ کائنات ﷺ کو فرمایا کہ آپ ان لوگوں سے سوال کریں کہ جب تم بری اور بحری سفر کرتے ہو اور دوران سفر تمہیں کوئی مصیبت پہنچ جاتی ہے تو اس وقت تم اپنے سارے بتوں کو بھول کر صرف اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہو کبھی علانیہ طور پر عاجزی کا اظہار کرتے ہو اور کبھی دل ہی میں اس بات کا اقرار کرتے ہو کہ اس مصیبت سے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں چھڑا سکتا اور دل ہی دل میں یہ خیال بھی لاتے ہو کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس مصیبت سے نجات دے دی تو ہم شکر گزاری کریں گے، ناشکر گزاری ختم کر دیں گے اس کے ساتھ کسی کو اس کا شریک نہیں بنائیں گے کیونکہ جب مصیبت میں کوئی ہمارے کام نہ آیا تو ہم ان کی پوجا پاٹ کیوں کریں؟ تو اب آپ ان سے پوچھئے کہ جب یہ حالات ہوتے ہیں تو ان مصائب و آلام سے تمہیں نجات کون دیتا ہے؟ اور چونکہ اس کا جواب متعین تھا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ان مصائب و آلام سے نجات دینے میں کوئی بت ان کے کام نہیں آیا اس لیے دوسری آیت میں خود ہی فرمادیا کہ آپ ان کو کہہ دیجئے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی تمہیں اس مصیبت سے نجات دیتا ہے، صرف ایک مصیبت کی بات نہیں بلکہ ہر تکلیف، پریشانی اور بے چینی کو وہی دور کرتا ہے اس سب کے باوجود یہ کیسی جہالت، غداری اور بے وفائی ہے کہ ان سب نشانیوں کو دیکھ لینے کے باوجود جب تم کو نجات مل جاتی ہے تو پھر تم شرک کے اندر مبتلا ہو جاتے ہو، پھر تم بتوں کی پوجا پاٹ میں لگ جاتے ہو، چاہیئے تو یہ تھا کہ شرک سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے توبہ کر لیتے اور ایک اللہ کے عبادت گزار بن جاتے، عبادت گزاری کی بجائے تم شرک میں مبتلا ہو جاتے ہو یہ ناانصافی نہیں تو اور کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت کا دوسرا رخ:

پہلے یہ بیان کیا کہ ہر انسان کی ہر مصیبت کو صرف اللہ ہی دور کر سکتا ہے، اس کے علاہ کوئی دوسرا یہ کام نہیں کر سکتا، اب اس کا دوسرا رخ بیان کیا جارہا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو اس بات پر بھی قدرت حاصل ہے کہ جب کسی جماعت یا شخص کو اس کے جرم کی وجہ سے سزا میں مبتلا کرنا چاہے تو ہر قسم کا عذاب اس کے لیے آسان ہے، دنیا کے حکام کی طرح اس کو پولیس یا فوج یا خدمت گاروں کی ضرورت نہیں ہوتی جب چاہے جیسا عذاب چاہے وہ مسلط کر سکتا ہے کوئی اس میں رکاوٹ نہیں ڈال سکتا۔

اور یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے عذاب کی تین قسمیں بیان کی ہیں، پہلی یہ ہے کہ اوپر سے عذاب آئے، اس کی بہت سے مثالیں پچھلی امتوں میں گذر چکی ہیں جیسے قوم ثمود پر بارش کا عذاب آیا تھا، قوم عاد پر ہوا کا عذاب آیا تھا، قوم لوط پر اوپر سے پتھر برسائے گئے تھے، اصحاب فیل پر پرندوں کے ذریعے کنکریاں برسائی گئیں تھیں۔

دوسرا ہے پاؤں کے نیچے سے عذاب بھیجنا، اس کی بھی مختلف صورتیں گذشتہ امتوں میں پیش آچکی ہیں جیسے قوم نوح پر بارش کے عذاب کے ساتھ نیچے کا پانی بھی ابلنا شروع ہو گیا تھا، قارون اپنے خزانوں کے ساتھ زمین کے اندر دھنس گیا۔

اور بعض ائمہ تفسیر نے فرمایا کہ اوپر کے عذاب سے مراد یہ ہے کہ ظالم بادشاہ اور بے رحم حکام مسلط ہو جائیں اور نیچے کے عذاب سے مراد یہ ہے کہ اپنے نوکر، غلام اور خدمت گار یا ماتحت ملازم بے وفا، غدار، کام چور اور خائن جمع ہو جائیں۔

اور تیسری قسم جو عذاب کی یہاں بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ تمہاری مختلف پارٹیاں بن جائیں اور تم ایک دوسرے کے لیے عذاب بن جاؤ اور ایک دوسرے کو ہلاک کرنے لگ جاؤ، یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کی ایک صورت ہے اسی لیے جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا "لا ترجعوا بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض" یعنی تم میرے بعد پھر کافروں جیسے نہ بن جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگو۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہے تھے، ہمارا گذر مسجد بنی معاویہ پر ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لے گئے اور دو رکعت نماز پڑھی، ہم نے بھی دو رکعت نماز پڑھی اس کے بعد آپ دعا میں مشغول ہو گئے اور بہت دیر تک دعا کرتے رہے اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے تین چیزوں کا سوال کیا ہے ایک تو یہ کہ میری امت کو غرق کر کے ہلاک نہ کیا جائے، اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی، دوسری یہ کہ میری امت کو قحط اور بھوک کے ذریعے ہلاک نہ کیا جائے یہ بھی قبول ہوئی، تیسری دعا یہ کی کہ میری امت آپس کے جنگ وجدل سے تباہ نہ ہو، مجھے اس دعا سے روک دیا گیا ہے، یعنی امت محمدیہ پر گذشتہ قوموں والے عذاب تو نہ آئیں گے لیکن ایک عذاب اس امت پر بھی آتا رہے گا وہ آپس کے لڑائی، جھگڑوں سے محفوظ نہ رہیں گے، اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپس کے لڑائی جھگڑوں سے بہت سختی کے ساتھ منع فرمایا ہے۔

آیت وروایت میں تطبیق:

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپس کا اختلاف رحمت خداوندی سے محرومی کا ذریعہ ہے اور اس کو عذاب قرار دیا گیا ہے جبکہ ایک روایت میں ہے'' اختلاف امتی رحمۃ ''میری امت کا اختلاف رحمت ہے تو دونوں باتوں کا آپس میں جوڑ کیسے لگے گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں اختلافوں میں فرق ہے، جس اختلاف کو قرآن کریم میں رحمت خداوندی سے محرومی کا باعث قرار دیا گیا ہے یہ وہ اختلاف ہے جو اصول اور عقائد میں ہو یا نفسانی اغراض اور خواہشات کی وجہ سے ہو، اس میں وہ اختلاف داخل نہیں جو قرآن وسنت کے بتلائے ہوئے اصول کے تحت فروعی مسائل میں کیا جاتا ہے جن میں فریقین کی حجت قرآن وسنت اور اجماع سے ہے اور ہر ایک کی نیت قرآن وسنت کے احکام پر عمل کرنے کی ہوتی ہے، اور اس میں کوئی نفسانی غرض شامل نہیں ہوتی ہے اس اختلاف کو حدیث مبارکہ میں رحمت فرمادیا گیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ مجتہدین اور فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ان میں سے کسی کا مسلک باطل نہیں اور جو لوگ اس کی پیروی کرتے ہیں ان کو دوسروں کے نزدیک گناہ گار کہنا جائز نہیں ہے، ایک دوسرے سے اختلاف کے باوجود ایک دوسرے کا مکمل احترام کرتے ہیں، وہاں جنگ وجدل اور خصومت وعداوت کا کوئی احتمال نہیں ہوتا یہ اختلاف ہے جو رحمت ہے اور لوگوں کے لیے وسعت اور سہولت کا ذریعہ ہے اور بہت سے فوائد کا حامل ہے اور جو اختلاف جنگ وجدل کا ذریعہ ہو، نفسانی اغراض کے تابع ہو اور اصولیات میں ہو وہ رحمت خداوندی سے محرومی کا باعث ہے اس سے منع کیا گیا ہے۔

" انظر کیف نصرف الآیات" آپ دیکھ لیجئے ہم کیسے آیات کو مختلف طریقوں سے بیان کرتے ہیں تو سمجھنے والے غور وفکر کر کے سمجھ جائیں، اور آپ کی قوم نے اس عذاب کی تکذیب کی حالانکہ وہ حق ہے اور جب آپ کی قوم یہ کہے کہ عذاب کب آئے گا تو آپ ان کو کہدیں کہ میں تم پر داروغہ بنا کر نہیں بھیجا گیا، اللہ جب چاہے گا لے آئے گا، ہر خبر کا ایک وقت مقرر ہے عنقریب تم جان لوگے، تمہیں جو خبریں دی گئیں ان کے واقع ہونے کا ایک وقت مقرر ہے جو اللہ کے علم میں ہے جب ان کا وقت مقرر آجائے گا تو ان کا ظہور بھی ہو جائے گا اور تمہیں عنقریب تکذیب کی سزا معلوم ہو جائے گی۔

اہل باطل کی مجلسوں سے اعراض کا حکم:

اگلی آیات میں ایک اہم اصول بتا دیا گیا ہے کہ جس کام کا خود کرنا گناہ ہے اس کے کرنے والوں کی مجلس میں شریک رہنا بھی گناہ ہے، اس سے بھی اجتناب ضروری ہے، آیت مذکورہ میں خطاب عام ہے، ہر شخص اس کا مخاطب ہے" واذا رأیت الذین یخوضون فی آیاتنا" جب تو دیکھے ان لوگوں کو جو جھگڑا کرتے ہیں ہماری آیات میں "فاعرض عنھم" تو ان سے کنارہ کر، یعنی ان کی مجلس سے اٹھ جاؤ، اب اہل باطل کی مجلس سے اعراض کرنے کی مختلف صورتیں ہیں ایک یہ کہ اس مجلس سے اٹھ جائیں، دوسری یہ کہ وہاں رہتے ہوئے کسی دوسرے کام میں مصروف ہو جائیں، تو بتایا یہ گیا ہے کہ سرے سے ان کی مجلس میں بیٹھیں ہی نہ، بلکہ فوراً وہاں سے اٹھ جائیں اس لیے فرمایا اگر تم کو شیطان بھلا دے یعنی بھول کر ان کی مجلس میں شریک ہو گئے تو جس وقت بھی یاد آئے فوراً ان کی مجلس سے اٹھ جائیں، یاد آ جانے کے بعد وہاں بیٹھا رہنا گناہ ہے، اور امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اعراض کی بہتر صورت تو یہ ہے کہ اس مجلس سے ہی اٹھ جائیں اور اگر وہاں سے اٹھنے میں اپنی جان، مال یا آبرو کا خطرہ ہے تو وہاں بیٹھے بیٹھے کسی دوسرے کام میں مصروف ہو جائیں اور ان لوگوں کی طرف التفاف نہ کریں۔

جب یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر ان کی مجلس میں جانے کی مطلقاً ممانعت رہی تو ہم مسجد حرام میں نماز اور طواف سے بھی محروم ہو جائیں گے کیونکہ یہ لوگ تو ہمیشہ وہاں بیٹھے رہتے ہیں اور ان کا مشغلہ ہی عیب جوئی اور بدگوئی ہے اس پر بعد والی آیت نازل ہوئی جس کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ احتیاط رکھنے والے ہیں وہ اگر اپنے کام سے مسجد حرام میں جائیں تو ان شریر لوگوں کے اعمال بد کی ان پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ حق بات ان تک پہنچا دیں کہ شاید وہ اس سے نصیحت حاصل کر کے صحیح راستہ پر آ جائیں۔

اگلی آیت کا مضمون تقریباً اسی جیسا ہے " وذر الذین اتخذوا دینھم لھواً ولعباً" آپ ان لوگوں کو چھوڑ دیجیے جن لوگوں نے اپنے دین کو لہو و لعب یعنی کھیل تماشا بنا رکھا ہے، اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک تو یہ ہے کہ جو دین حق ان کے پاس بھیجا گیا تھا اس کو لہو و لعب بنا لیا یعنی اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ اصلی دین کو چھوڑ کر لہو و لعب کو ہی اپنا دین و مذہب بنا لیا ہے، "و غرتھم الحیوۃ الدنیا" اور ان کو دنیا کی چندروزہ زندگی

نے غرور اور دھوکہ میں ڈال رکھا ہے ان سے اعراض کریں اور آگے فرمایا صرف اعراض کرنا ہی کافی نہیں ہے "وذکر به" بلکہ قرآن کریم کے ذریعے ان کو نصیحت بھی کرتے رہیں اور خدا تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے بھی رہیں کہ کہیں اس کے عذاب میں گرفتار نہ ہو جائیں، اگر اس کے عذاب میں گرفتار ہو گئے تو اس کے علاوہ اس کے پاس کوئی حمایت کرنے والا بھی نہیں ہوگا اور سفارش کرنے والا بھی کوئی نہیں ہوگا، اور اگر بدلہ دے کر چھوٹنا چاہو گے تو بھی نہیں چھوٹ سکو گے، چونکہ دنیا کے اندر سزا سے بچنے کے تین ہی ذریعے ہوتے ہیں، جماعت کا زور، بڑے آدمی کی سفارش، اور مال کا خرچ کرنا، دنیا کے اندر تو یہ چیزیں سزا سے بچا سکتی ہیں آخرت کے اندر یہ چیزیں فائدہ مند نہیں ہوں گی اس لیے سب کی نفی کر دی" اولئك الذين ابسلوا بما كسبوا" یہی وہ لوگ ہیں جو اپنے برے اعمال کی سزا میں پکڑ لیے گئے، ان کو پینے کے لیے جہنم کا کھولتا ہوا پانی ملے گا اور دوسرے بھی دردناک قسم کے عذاب ہوں گے ان کے کفر کی سزا کے طور پر۔
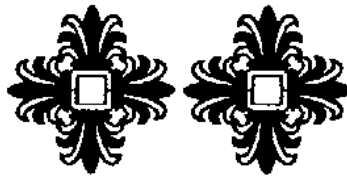
قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ

آپ کہہ دیجئے کیا ہم پکاریں اللہ کے علاوہ اس کو جو ہمیں نفع نہیں دیتا اور جو ہمیں تکلیف نہیں دیتا اور ہم لوٹا دیے جائیں گے اپنی ایڑیوں

اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۪ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ

پر بعد اس کے کہ اللہ نے ہمیں ہدایت دے دی کیا ہم اس شخص کی طرح ہو جائیں جسے شیاطین نے جنگل میں بے راہ کر دیا ہو اس حال میں کہ حیران ہو کر بھٹکتا پھر رہا ہو اس کے ساتھی ہیں جو اسے

يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ

بلاتے ہیں ہدایت کی طرف کہ آجا ہمارے پاس، آپ کہہ دیجئے بے شک اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم فرمانبردار ہو جائیں

لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۷۱ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِىْٓ اِلَيْهِ

رب العالمین کے (۷۱) اور یہ کہ نماز کو قائم کرو اور اسی سے ڈرو وہی ہے جس کی طرف

تُحْشَرُوْنَ ۝۷۲ وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَيَوْمَ

تم جمع کیے جاؤ گے (۷۲) اور وہی ہے جس نے حق کے ساتھ آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا اور جس دن

يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ۚ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ ؕ

وہ فرمائے گا کہ ہو جا پس وہ ہو جائے گا اور اس کا فرمان حق ہے اور اسی کے لیے ساری حکومت ہے جس دن صور میں پھونک ماری جائے گی

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝۷۳

وہ جاننے والا ہے غیب کی چیزوں کو اور ظاہر چیزوں کو اور وہ حکمت والا ہے خبر رکھنے والا ہے (۷۳)

تفسیر:

شانِ نزول:

ان آیات کے شانِ نزول میں مفسرین نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ مشرکین مکہ نے مسلمانوں کو کہا کہ تم ہمارے راستے کا اتباع کرلو اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ چھوڑ دو، اس پر آیت کریمہ " قل اندعوا من دون اللہ الخ" نازل ہوئی۔

آیات کا مفہوم:

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مثال کے طور پر ایک شخص کی حالت بیان کی ہے کہ جو راستہ بھٹک گیا اور جو لوگ اس کے ساتھ تھے وہ اسے صحیح راستہ کی طرف بلا رہے تھے اور جنگل میں جس جگہ وہ گم ہوا تھا وہاں شیاطین موجود ہیں انہوں نے اسے پریشان کر رکھا ہے، وہ اسے اپنی طرف بلا کر پریشان کرتے ہیں اس حالت میں وہ حیران کھڑا ہے اگر وہ شیاطین کی طرف جاتا ہے تو ہلاکت میں پڑتا ہے اور اگر اپنے ساتھیوں کی طرف جاتا ہے تو ہدایت پا جاتا ہے اور شیاطین سے محفوظ ہو جاتا ہے اسی طرح یہاں اہل ایمان کو کافروں نے واپس گمراہی کی طرف لوٹ جانے کی دعوت دی اور بت پرستی کی ترغیب دی، مسلمانوں کو اللہ نے حکم فرمایا کہ تم ان کو جواب دے دو کہ کیا اللہ کو چھوڑ کر جو پوری طرح نفع وضرر کا مالک ہے ہم ان کو پکاریں جو کچھ بھی نفع وضرر نہیں دے سکتے؟ اور کیا اللہ کی طرف ہدایت مل جانے کے بعد الٹے پاؤں واپس ہو جائیں؟ ایسا نہیں ہوسکتا خدانخواستہ اگر ہم ایسا کرلیں تو ہماری مثال وہی ہو جائے گی جیسے کوئی شخص جنگل میں راستہ گم کر کے کھڑا ہے، اور شیاطین نے اسے حیران کر رکھا ہے وہ اسے اپنی گمراہی میں ڈالنا چاہتے ہیں اور اس کے ساتھی اس کو ہدایت کی طرف بلا رہے ہیں پھر ہماری مثال بھی اسی طرح ہوگی۔

آپ کہہ دیجئے اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے، جب اللہ نے ہمیں ہدایت کی نعمت سے نواز دیا اب ہم کفر و شرک کی طرف کیوں جائیں؟ اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم رب العالمین ہی کے فرمانبردار رہیں، اور یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ نماز قائم کرو اور رب العالمین سے ڈرو وہ وہی ذات ہے جس کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے، ہمارا رب وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ یعنی بالکل ٹھیک طریقے کے ساتھ پیدا فرمایا اور جس دن اللہ تعالیٰ فرمادے گا کہ ہو جا پس ہو جائے گا، اس کا فرمادینا حق ہے اور جس دن صور پھونکا جائے گا اس دن ساری حکومت اسی کی ہوگی، وہ پوشیدہ اور ظاہر سب چیزوں کو جانتا ہے اور وہ حکمت والا ہے خبر رکھنے والا ہے، اس کا کوئی کام بھی حکمت سے خالی نہیں ہوتا وہ اپنی حکمت اور اپنے علم کے مطابق جزا سزا دے گا اور یہ جو قیامت قائم نہیں ہو رہی اور ابھی کافروں پر عذاب نہیں آرہا ہے یہ بھی اس کی حکمت کے مطابق ہے جب اس کی حکمت کا تقاضہ ہوگا قیامت قائم ہو جائے گی اور کافروں پر عذاب بھی آجائے گا۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَٰهِيمُ لِأَبِيهِ ءَازَرَ أَتَتَّخِذُ أَصْنَامًا ءَالِهَةً ۖ إِنِّىٓ أَرَىٰكَ وَقَوْمَكَ

اور جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کہ کیا تو بتوں کو معبود مانتا ہے، بے شک میں دیکھتا ہوں تجھے اور تیری قوم کو

فِى ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ ﴿٧٤﴾ وَكَذَٰلِكَ نُرِىٓ إِبْرَٰهِيمَ مَلَكُوتَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ

کھلی گمراہی میں ﴿۷۴﴾ اور اسی طرح ہم نے دکھائیں ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی مخلوقات

وَلِيَكُونَ مِنَ ٱلْمُوقِنِينَ ﴿٧٥﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ ٱلَّيْلُ رَءَا كَوْكَبًا ۖ قَالَ هَٰذَا رَبِّى ۖ

تاکہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہوجائے ﴿۷۵﴾ پھر جب اس پر رات کی تاریکی چھاگئی تو اس نے ایک ستارہ دیکھا، کہا کہ یہ میرا رب ہے،

فَلَمَّآ أَفَلَ قَالَ لَآ أُحِبُّ ٱلْءَافِلِينَ ﴿٧٦﴾ فَلَمَّا رَءَا ٱلْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هَٰذَا

جب وہ ستارہ غروب ہوگیا تو اس نے کہا میں غائب ہوجانے والوں سے محبت نہیں رکھتا ﴿۷۶﴾ پھر جب چاند کو چمکتا ہوا دیکھا تو کہا کہ یہ

رَبِّى ۖ فَلَمَّآ أَفَلَ قَالَ لَئِن لَّمْ يَهْدِنِى رَبِّى لَأَكُونَنَّ مِنَ ٱلْقَوْمِ

میرا رب ہے پھر جب وہ غروب ہوگیا تو کہا اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ کرتا تو میں ضرور گمراہ لوگوں میں سے

ٱلضَّآلِّينَ ﴿٧٧﴾ فَلَمَّا رَءَا ٱلشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هَٰذَا رَبِّى هَٰذَآ أَكْبَرُ ۖ فَلَمَّآ

ہوتا ﴿۷۷﴾ پھر جب سورج کو چمکتا ہوا دیکھا تو کہا کہ یہ میرا رب ہے، یہ سب سے بڑا ہے پھر جب

أَفَلَتْ قَالَ يَٰقَوْمِ إِنِّى بَرِىٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ﴿٧٨﴾ إِنِّى وَجَّهْتُ وَجْهِىَ

وہ بھی غروب ہوگیا تو کہا اے میری قوم! میں ان چیزوں سے بری ہوں جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو ﴿۷۸﴾ بے شک میں نے اپنا رخ اس ذات کی طرف

لِلَّذِى فَطَرَ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضَ حَنِيفًا ۖ وَمَآ أَنَا۠ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ ﴿٧٩﴾

موڑا جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا فرمایا میں سب کو چھوڑ کر اسی کی طرف مائل ہونے والا ہوں اور مشرکوں میں سے نہیں ہوں ﴿۷۹﴾

وَحَآجَّهُۥ قَوْمُهُۥ ۚ قَالَ أَتُحَٰٓجُّوٓنِّى فِى ٱللَّهِ وَقَدْ هَدَىٰنِ ۚ وَلَآ أَخَافُ

اور قوم نے حجت بازی کی تو اس نے کہا کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں حجت بازی کرتے ہو حالانکہ اس نے مجھے ہدایت دی اور میں ان سے نہیں ڈرتا

مَا تُشْرِكُونَ بِهِۦٓ إِلَّآ أَن يَشَآءَ رَبِّى شَيْـًٔا ۗ وَسِعَ رَبِّى كُلَّ شَىْءٍ عِلْمًا ۗ

جن کو تم اس کا شریک بناتے ہو مگر جو کچھ میرا رب چاہتا ہے میرے رب کا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے،

اَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ۝٨٠ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُونَ اَنَّكُمْ

کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے ۝٨٠ میں کیونکر ان سے ڈروں جنہیں تم نے شریک بنایا ہوا ہے حالانکہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے

اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ۗ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ

کہ تم نے اللہ کے ساتھ ان چیزوں کو شریک بنالیا ہے جس کی کوئی دلیل تم پر اللہ نے نازل نہیں فرمائی، پس دونوں فریقوں

اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝٨١ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا

میں سے کون امن کا مستحق ہے اگر تم جانتے ہو ۝٨١ اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان

اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝٨٢

میں ظلم کی ملاوٹ نہ کی انہی لوگوں کے لیے امن ہے اور یہ لوگ ہی ہدایت یافتہ ہیں ۝٨٢

تفسیر:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ:

"واذقال ابراھیم لابیه آزر" یہاں سے واقعہ شروع ہو رہا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ سے مشرکین کے اوپر حجت مقصود ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام ایک مرکزی شخصیت ہیں، پہلے آپ کے سامنے سورۃ بقرۃ میں اور سورۃ آل عمران میں آچکا کہ یہود ہوں یا نصاریٰ یہ بھی اپنا انتساب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف کرتے تھے، یہود کہتے تھے کہ ابراہیم علیہ السلام ہمارے طریقے پر تھے، اور نصاریٰ کہتے تھے کہ ہمارے طریقے پر تھے، اللہ تعالیٰ نے مختلف واقعات و آیات کے ذریعے نمایاں کیا تھا کہ ابراہیم علیہ السلام مسلم حنیف تھے "ماکان ابراھیم یھودیاً ولا نصرانیاً ولکن کان حنیفاً مسلماً" کہ ابراہیم علیہ السلام نہ نصرانی تھے نہ یہودی تھے وہ تو حنیف مسلم تھے، مسلم حنیف تھے، فرمانبردار تھے اور سب کی طرف سے اپنی توجہ ہٹا کر اللہ کی طرف لگانے والے تھے جیسے وہاں یہود و نصاریٰ کے نظریہ کے اوپر یہ چوٹ لگائی گئی تھی جو اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کے اوپر قرار دیتے تھے کہ تمہارا ابراہیم علیہ السلام سے کیا تعلق؟ تم ان کے طریقے کو چھوڑ بیٹھے تمہارا انتساب ابراہیم علیہ السلام کی طرف غلط ہے، تم اس کی ملت پر نہیں ہو، ان کا تو کام تھا کہ اللہ کی طرف سے جو حکم ہو جائے مان جائیں اور تم اپنے خیالات پر اڑے ہوئے ہو تو تم ملت ابراہیمی پر کیسے ہوئے؟

اسی طرح مشرکین مکہ یہ بھی فخر کرتے تھے ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب ہونے پر تو یہاں ان کو بتایا جارہا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا طریقہ کیا ہے کہ نسبت تو تم کرتے ہو ابراہیم علیہ السلام کی طرف لیکن حال تمہارا وہ ہے جو ابراہیم علیہ السلام کے آباء کا تھا جو مخالفین کا تھا، جن کے مقابلے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مباحثے کیے تمہارا حال اس قوم جیسا ہے، ابراہیم علیہ السلام جیسا نہیں اس لیے اگر تم آبائی تقلید کے قائل ہو تو تم اپنے جداعلیٰ کی تقلید کیوں نہیں کرتے یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بات کیوں نہیں مانتے؟ اور اس کے ضمن میں یہ بات بھی آجائے گی، سنت ابراہیمی کے تحت یہ بات بھی آگئی کہ قابل اتباع وہ بات ہے جو علمی دلیل کے ساتھ ہو، آبائی طریقہ یہ کوئی قابل اعتبار نہیں دیکھو تم جو کہتے ہو کہ ''ماوجد نا علیه آبائنا'' کہ ہم تو اسی طریقے کو اپنائیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ کو پایا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ اصول نہیں تھا کہ جس طریقے پر اپنے باپ کو پایا اسی طریقے پر چل پڑیں۔

بلکہ انہوں نے خود مخالفت کی تو یہی طریقہ تمہیں اپنانا چاہیے، اس نظریہ کے تحت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کو اس ضمن میں بیان کیا جارہا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کا آغاز:

حضرت ابراہیم علیہ السلام اس علاقہ میں پیدا ہوئے جو آج کل عراق کا علاقہ کہلاتا ہے اور قرآن کریم میں جو کچھ ان کی قوم کے اور خاندان کے حالات ذکر کیے گئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ساری کی ساری قوم اس علاقہ کے باشندے بمع حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان کے یہ مشرک تھے اور مشرک وہ ہوتا ہے کہ جو اللہ کے وجود کا بھی قائل ہے۔

لیکن دوسروں کو ساتھ شریک کرتا ہے، وہ اللہ کے وجود کے منکر نہیں تھے اور شرک ان کا دو قسم کا تھا ایک تو وہ اپنی تراشیدہ مورتیوں کو پوجتے تھے اور زمین کے اندر حاکم وقت بھی ان کے لیے رب کے درجے میں مانا جاتا تھا اور اسی کی تصویریں بنا بنا کر رکھتے تھے اور اس کو بھی پوجتے تھے اور ایک ان کا شرک یہ تھا کہ ستاروں کو وہ عالم کے اندر متصرف سمجھتے تھے اور ان کی ربوبیت کے قائل تھے اور ستاروں کی ربوبیت کے قائل ہونے کی بناء پر ان کو بھی اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے ہوئے تھے، حاکم وقت کو بھی رب سمجھتے تھے اس کے ساتھ بھی ان کا معاملہ ایسے تھے جیسے رب کے ساتھ ہوتا ہے اور اسی کی تصویریں بنا بنا کر مختلف جگہوں پر رکھتے تھے اور ان کو پوجتے تھے اور اپنے تراشیدہ بت

جو تھے ان کے ساتھ ان کا معاملہ جو تھا وہ بھی عبادت کا تھا اور ستاروں کے متعلق بھی ان کے نظریات ایسے تھے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس ماحول کے اندر پیدا ہوئے اور جس طرح سے نبی صحیح فطرت پر پیدا ہوا کرتا ہے آپ بھی صحیح فطرت پر تھے، ایسا ممکن نہیں کہ نبی کسی دور میں بھی بچپن میں، جوانی میں، وحی کے نازل ہونے سے قبل کفر اور شرک والی حرکت کرے ایسی کوئی بات نہیں وہ پہلے سے ہی فطرت سلیم پر ہوتا ہے۔

لیکن دعوت کا آغاز اس وقت ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے اوپر وحی نازل ہو جاتی ہے پھر وہ دعوت شروع کر دیتا ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اسی طرح سے اسی ماحول میں رہے جب اس ماحول میں رہے تو جب اللہ کی طرف سے تبلیغ کا حکم ہوا تو جیسے طریقہ ہے انبیاء علیہم السلام کا کہ جس بات کو حق سمجھتے ہیں وہ لوگوں کو کہتے ہیں تو سب سے پہلے ابتداء انہی لوگوں کے ساتھ کرتے ہیں جو ان کے قریبی ہوتے ہیں اور ان کے رشتہ دار ہوتے ہیں، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کا آغاز بھی ایسے ہوا تھا قرآن کریم میں حکم دیا گیا ”وانذر عشیرتك الاقربین“ اپنے قریبی رشتے داروں کو ڈراؤ تو جس بات کو حق سمجھا تو اس کی آذان سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں کے کانوں میں پہنچائی جاتی ہے، اپنے عزیزوں کے کانوں میں وہ آذان دی جاتی ہے اور اس کے بعد وہ دوسروں تک آواز پہنچتی ہے تو سب سے پہلے اپنے باپ کو خطاب کر کے انہوں نے اپنی دعوت کا آغاز کیا۔

آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد تھا یا چچا؟

یہاں ” لابیہ آزر“ آزر کو اب کے لفظ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے تو بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کے چچا ہیں باپ نہیں اور چچا بھی چونکہ باپ کی طرح ہوتا ہے اس لیے قرآن کریم نے اس کو اب کے لفظ کے ساتھ تعبیر کیا خاص طور پر جب کہ چچا باپ کی جگہ مربی بھی ہو۔

مثال کے طور پر باپ فوت ہو گیا، بچہ یتیم ہو گیا تو چچا نے پالا تو پھر تو بالکل ہی وہ باپ کے درجے میں آ جاتا ہے لیکن قرآن کریم کے الفاظ کا تبادر اس کے خلاف ہے اگر چہ بہت بڑے بڑے حضرات ہیں یہ قول کرنے والے اور یہ قول کرنے کی وجہ اصل میں اس کا پس منظر آپ کے سامنے ظاہر کر دوں کہ بہت سارے علماء کا یہ خیال ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد میں کوئی شخص جہنمی نہیں ہے وہ سب مغفور ہیں۔

یعنی آپ کے والدین وہ بھی مغفور اور اسی طرح سے سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام تک جتنا بھی چلا ہے آپ

کے آباؤ اجداد میں کوئی مشرک نہیں، کوئی کافر نہیں، سارے کے سارے مغفور ہیں یہ بعض لوگوں نے ایک نظریہ پیش کیا اور اس نظریہ کو پیش کرنے کے بعد اس نظریے کو ثابت کرنے لگے کہ بعضے تو دین حق پر تھے، بعضے فترت کے زمانے میں تھے اور اس طرح سے مشرک نہیں تھے جس کی بناء پر وہ آخرت میں بخشے نہیں جاسکتے۔

لیکن سب سے بڑی رکاوٹ جو اس نظریے میں پیش آتی ہے وہ آزر کا وجود ہے کہ ابراہیم علیہ السلام بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء میں داخل ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کا باپ بھی آپ کے آباء میں داخل ہوا اور اس کا مشرک ہونا قطعی ہے قرآن کریم میں آگیا اور اس کا شرک کے اوپر مرنا بھی قطعی ہے یہ بھی قرآن کریم میں آیا ہوا ہے ''فلما تبين لہٗ انه عدولله تبرأ منه'' جب ابراہیم علیہ السلام کو پتہ چلا کہ وہ تو عدو اللہ ہونے کی حالت میں گیا ہے تو ''تبرأ منه'' قرآن کریم میں آتا ہے ''ماكان استغفار ابراهيم لابيه'' قرآن کریم میں صراحتاً آیا ہوا ہے اور حدیث شریف میں صراحتاً مذکور ہے کہ قیامت کے میدان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملاقات اپنے باپ آزر سے ہوجائے گی اور آزر بہت برے حال میں ہوگا اس کے چہرے پر گردوغبار تاریکی طاری ہوگی جس طرح سے کافروں مشرکوں کے چہرے پر ہوگی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے کہیں گے کہ میں تجھ سے کہتا نہیں تھا کہ تو میری اطاعت کرلے وہ دعا کی کہ یا اللہ! تو نے میرے سے وعدہ کیا تھا کہ تجھے قیامت کے دن رسواء نہیں کروں گا اور میرے لیے اس سے بڑی رسوائی کیا ہوگی کہ میرا یہ باپ ایسا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملے گا کہ جنت کافروں کو نہیں مل سکتی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی توجہ ہوگی تو آپ دیکھیں گے کہ اس کو ایک بجو کی شکل میں مسخ کرکے اور نجاست اور گندگی میں آلودہ کرکے اس کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا حدیث شریف کے اندر صحیح روایات موجود ہیں گویا کہ اس کی عاقبت میں بھی مذکور ہے کہ وہ جہنم میں جائے گا۔

اب یہ نظریہ جو ہے وہ یہاں آکے رکاوٹ محسوس کرتا ہے کہ اب یہاں کیا کریں کہ اس کا قطعی طور پر کفر بھی ثابت اور جہنمی ہونا بھی ثابت اس لیے پھر زور لگایا لوگوں نے کہ آزر باپ نہیں ہے بلکہ چچا ہے اور باپ کا نام لکھا ہے تارخ اور اس کے احوال مذکور نہیں ہیں اور چچے کے لیے باپ کا لفظ استعمال کیا جاسکتا ہے اس نظریہ کو پیش کرنے والے بھی بڑے بڑے علماء ہیں، یہ کوئی معمولی بات نہیں، صاحب روح المعانی نے اسی نظریے کو اپنایا ہے اس نے

پورا زور لگایا ہے اس پر اور اس طرح سے بعض دوسرے حضرات بھی ہیں اپنے قاضی ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی نظریے کی تائید کی ہے اور وہ سب لوگ اسی چیز کے قائل ہیں کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد میں کوئی جہنمی نہیں ہے والدین کے بارے میں بھی صراحت کتابوں میں اسی طرح سے آئی ہے۔

لیکن بظاہر ان لفظوں کی طرف دیکھتے ہوئے قرآن کریم کے تبادر کے خلاف ہے کہ ہر جگہ اس کو اب اب کے لفظ کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے کہ کہیں بھی اس کے لیے چچے کا لفظ نہیں آیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد کو خطاب:

بہر حال ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر کو خطاب کر کے کہا'' اتتخذ اصنا ماً آلھة'' اپنے باپ کو خطاب کر کے جو باتیں کہی گئی ہیں اس کی زیادہ تفصیل آپ کے سامنے سورۃ مریم میں آئے گی یہاں اجمالاً مذکور ہے کیا تو اصنام کو آلھه بناتا ہے، آلھه اله کی جمع ہے اور اله معبود جو بھی مفہوم اله کا ہے کہ جواب لااله الا اللہ میں اللہ کے اوپر اله کا اطلاق کرتے ہیں وہ اسی مفہوم کے طور پر ان چیزوں پر بھی اله کا لفظ بولتے تھے جس کی بناء پر اس میں انہوں نے وہ چیزیں مان لیں جو معبود میں ہوا کرتی ہیں تو صراحتاً یہ شرک ہو گیا، اصنام صنم، تراشیدہ تصویریں پتھروں وغیرہ کی جو تم نے تراش لیں کیا تم ان کو اللہ قرار دیتے ہو یہ استفہام انکاری ہے یعنی ایسا نہیں تمہیں کرنا چاہیئے'' انی ارٰك و قومك في ضلٰل مبين'' بے شک میں تجھے بھی اور تیری قوم کو بھی صریح گمراہی میں دیکھتا ہوں، اس میں تو ہدایت کا نشان نہیں تم تو سارے کے سارے مل کر بھٹک گئے یہ صاف طور پر علی الاعلان اپنے باپ کے سامنے ان کے طریقے سے تبری کر دیا تو مشرکین کا یہ اصول کہاں چلا گیا جو اپنے آپ کو ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے ہیں پھر یہ کہتے ہیں کہ کچھ ہو جائے ہم تو اپنے آباء کے طریقے پر چلنے والے ہوں گے، کیا ابراہیم علیہ السلام کا یہی طریقہ تھا کہ وہ اپنے باپ کے طریقے پر چلے تھے انہوں نے تو جب دیکھا کہ باپ کا طریقہ غلط ہے گمراہی ہے اور دلیل کے خلاف ہے تو صاف طور پر اعلان کر دیا اور اسی واقعہ کو نمونہ قرار دیا آنے والے لوگوں کے لیے قرآن کریم میں ''لقد كانت لكم اسوة حسنة في ابراهيم والذين معه اذ قالوا لقومه'' صاف اعلان کر دیا۔

اور اس کو اسوۂ حسنہ قرار دیا، قرآن کریم نے کہا کہ ابراہیم اور ان کے ساتھیوں کے اندر اچھا نمونہ موجود ہے تو انہوں نے صاف طور پر اعلان کر دیا کہ ہم تم سے بھی لاتعلق اور ان چیزوں سے بھی لاتعلق جن کو تم شریک کرتے

ہوتو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ابراہیمی اصول یہ ہے کہ جو بات دلیل صحیح کے ساتھ ثابت ہو اس کو مانا جائے اگرچہ باپ کے طریقے کے خلاف ہو اور جو بات غلط ہے اس کو غلط کہا جائے چاہے وہ باپ کا طریقہ ہی کیوں نہ ہو، اپنے باپ سے خطاب کر کے کہا کہ بے شک میں تجھے بھی اور تیری قوم کو بھی صریح گمراہی میں دیکھتا ہوں۔

زمین وآسمان میں غور وفکر سے مقصود:

''وکذلك نری ابراهیم ملکوت السمٰوٰت والارض'' ہم ایسے ہی کامل طریقے سے ابراہیم علیہ السلام کو زمین اور آسمان کے عجائبات مخلوقات دکھاتے تھے، کامل طریقے سے ان کو تعارف کروایا زمین وآسمان کی مخلوقات کا تا کہ ان کا عرفان بڑھے اور تا کہ وہ یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں یا تا کہ اس کائنات کو پہچاننے کے بعد اچھی طرح سے اپنی قوم کے خلاف حجت قائم کرنے والے ہو جائیں اور اس کائنات کے حالات سے استدلال کر کے لوگوں کے سامنے ثابت کر سکیں کہ اس کا پیدا کرنے والا ایک ہی ہے۔

اور اس کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہیں ٹھہرایا جا سکتا اور تا کہ ان کے اپنے یقین کے اندر بھی اضافہ ہو اس کائنات کے حالات سے انہوں نے اثبات توحید کے لیے جس طرح سے دلیل پکڑی اور جس طرح سے شرک کو رد کیا اگلے الفاظ کے اندر اس کا ذکر ہے، کل کے سبق کی آخری آیت میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح سے حضرت ابرہیم علیہ السلام کو بت پرستی کا بطلان سمجھا دیا اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے ابرہیم علیہ السلام کو زمین وآسمان کی مخلوق کا بھی کامل طریقے سے مشاہدہ کروایا اور اس مشاہدے کے نتیجے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یقین بھی کامل ہوا اور قوم کے خلاف وہ حجت بھی قائم کر سکے، یقین کامل ہونا تو اس طرح سے ہے کہ جب انسان زمین وآسمان کے اندر غور کرتا ہے۔

اور اس کی مخلوقات کو بنظرِ تفکر وتدبر دیکھتا ہے تو انسان کا ذہن اس بات کی طرف منتقل ہوتا ہے کہ کیا یہ ساری کی ساری کائنات خود ہی پیدا ہو گئی یا اس کا کوئی خالق مالک بھی ہے؟ یہاں سے انسان کا تفکر شروع ہوتا ہے پھر اگر اس کا خالق اور مالک ہے تو اس کی کیا صفات ہیں اور یہ سارے کا سارا نظام جو کائنات کے اندر چل رہا ہے اس کے اندر کسی ایک کا علم وحکمت اور قدرت کارفرما ہے یا اس کے ساتھ کوئی اور شریک بھی ہے باقی مخلوقات میں سے انسان جو کہ ایک ممتاز درجہ رکھتا ہے یہ بھی کسی کے سامنے مسئول ہے کہ نہیں؟ اس کا کوئی

حساب بھی لیا جائے گا یا اس کو شترِ بے مہار کی طرح آزاد چھوڑ دیا گیا اور اس کائنات کے اندر جو ظلم وستم ہے اس کے انصاف کا دن بھی کوئی آئے گا یا نہیں۔

اور جو لوگ انصاف اور شرافت کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں ان کو بھی کوئی انعام ملے گا یا نہیں ملے گا، ان نکات پر جس وقت انسان غور کرتا ہے تو آہستہ آہستہ اس کے سامنے حقیقت منکشف ہونی شروع ہو جاتی ہے قرآن کریم میں سورۃ آل عمران کے آخری رکوع میں اسی طرز فکر کی نشاندھی کی گئی ہے ''الذین یتفکرون فی خلق السمٰوٰت والارض ربنا ماخلقت ھذا باطلا'' کہ زمین وآسمان کے اندر تفکر کر کے وہ لوگ اس بات کو سمجھتے ہیں کہ اے اللہ! تو نے اس کو باطل اور بیکار پیدا نہیں کیا بلکہ اس کا کوئی نتیجہ نکلنے والا ہے تو کائنات کا یہی مشاہدہ ہے جس سے دلیل اخذ کی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب قوم کے سامنے پیش ہوئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اندازِ مناظرہ:

آگے اس دلیل کا تذکرہ آرہا ہے اس بات سے پہلے کہ آپ کے سامنے اس دلیل کی تفصیل ذکر کی جائے اس بات کو آپ جان لیجئے کہ انبیاء علیہم السلام ہمیشہ فطرت صحیحہ پر ہوتے ہیں اور کامل طریقے سے پیدائشی طور پر معصوم ہوتے ہیں، نہ ان سے کوئی کبیرہ گناہ صادر ہو سکتا ہے اور نہ کسی دور میں وہ کفر اور شرک کے اندر مبتلاء ہو سکتے ہیں اللہ تعالیٰ کی اس درجے کی معرفت کہ ایمان صحیح ان کے قلب میں ہو یہ فطرت سے ہی حاصل ہوتی ہے، یہ علیحدہ بات ہے کہ اپنی زبان سے وہ اس کی تفصیل ذکر نہ کر سکیں جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا کہ ''ماتدری ماالکتاب ولاالایمان'' آپ کو پتہ ہی نہیں تھا کہ کتاب کیا ہوتی ہے ایمان کیا ہوتا ہے یعنی اس کی تفصیل آپ کے سامنے نہیں تھی اللہ تعالیٰ راہنمائی کرتا ہے پھر ایمان کی تفصیل، اللہ تعالیٰ کے احکام، اس کی مرضیات یہ سب کے سب واضح کرتے ہیں تفصیل کے طور پر۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ نبی کسی وقت بھی ایمان سے خالی ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی اتنی معرفت ان کو فطری طور پر حاصل ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہیں اور ''وحدہ لاشریك'' ہیں، ساری مخلوق کی فطرت میں اللہ تعالیٰ نے یہ چیز ڈالی ہے عقیدہ توحید ''الست بربکم قالو بلیٰ'' کے تحت، یہی وجہ ہے کہ عقیدہ توحید کا انسان مکلف ہے چاہے کوئی ڈرانے والا آیا ہو چاہے نہ آیا ہو، پیغمبر اور رسول کی آواز کہیں پہنچے یا نہ پہنچے عقیدہ توحید کے اوپر انسان کی گرفت ہوگی

جس نے اس عقیدے کو نقصان پہنچایا اس کی آخرت میں مغفرت نہیں تو انبیاء علیہم السلام فطری طور پر موحد ہوتے ہیں ان کو اس بارے میں کبھی شک اور شبہ پیش نہیں آتا۔

اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جو آگے یہ تقریر آ رہی ہے قوم کے سامنے یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے فطری ارتقاء نہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سوچتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچے اور اس طرح سے انہوں نے توحید کا سبق حاصل کیا کہ اپنے اردگرد ماحول میں جب انہوں نے دیکھا کہ ستارہ پرستی ہے تو نعوذباللہ ان کو قوم کی طرف دیکھ کر شبہ ہوا کہ شاید یہ ستارہ میرا رب ہے پھر اس کو باطل کیا، پھر چاند کو دیکھ کر شبہ ہوا کہ شاید یہ میرا رب ہے تو پھر اس کو باطل کیا، پھر سورج کو دیکھ کر سمجھے کہ شاید یہ میرا رب ہے پھر اس کو باطل کیا یہ فکری ارتقاء نہیں ہے ابراہیم علیہ السلام کا، یہ گفتگو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے ساتھ جو ہو رہی ہے نبی بننے کے بعد ہو رہی ہے جب کہ وہ پہلے بت پرستی کے اوپر انکار کر چکے ہیں۔

جس طرح سے اوپر کی آیات میں مذکور ہے اتنی وضاحت کے ساتھ انکار بت پرستی پر یہ قبل از نبوت نہیں، نبوت مل چکی اس کے بعد انہوں نے تبلیغ شروع کی اپنے باپ کے سامنے اور قوم کے سامنے پہلے بت پرستی کی تردید کی۔

اب آگے وہ ستارہ پرستی کی تردید کرتے ہیں اور یہ تردید کرنے کا ایک انداز ہے جس کو مناظرے کی اصطلاح میں استدراج کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے کہ دوسرے کی بات کو ایسے طور پر ذکر کرو گویا کہ وہ مسلم ہے لیکن پھر اس کا نتیجہ اس طرح سے نکالو کہ اس کا بطلان سب کے اوپر واضح ہو گیا یعنی بات ابتداء سے ہی انکار کی صورت میں نہ ہو۔

کیونکہ انکار کی صورت میں بات کی جائے تو مخاطب بسا اوقات پہلے ہی ضد میں آ جاتا ہے اور پہلے ہی آگے سے اکڑ جاتا ہے اس کے ساتھ ساتھ چلو جس طرح سے وہ چلتا ہے پھر چلتے ہوئے اس کے نظریات کی غلطی نکالو کہ دیکھو یہ نظریہ تو غلط ہے جس طرح سے ہم پہلے کہتے تھے وہ بات تو غلط نکلی یہ مناظرہ کا ایک اصول ہے اور مخاطب کو گھیر اڈالنے اور اس کو اس کے نظریہ کا بطلان سمجھانے کی ایک تدبیر ہے، استدراج کے ساتھ اس کو تعبیر کیا جاتا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی قوم کے ساتھ گفتگو اسی انداز کے ساتھ کی پہلے براہ راست انکار نہیں کیا بلکہ اس

انداز کے ساتھ گفتگو کی کہ گویا کہ یہ بات ایسی ہے کہ یہ مانی ہوئی ہے۔

لیکن یہ قول کرنا ماننے کے لیے نہیں تردید کے لیے ہے یہ مناظرے کے مختلف انداز ہوتے ہیں کبھی انسان کسی دوسرے کی بات کو مسلم قرار دے کر پھر اس کو باطل قرار دیتا ہے کہ جیسے تو کہتا ہے کہ چلو ایسے ہی صحیح لیکن پھر اس کا کیا جواب اس طرح سے اس بات کی تردید کی جاتی ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی قوم کے نظریہ کی تردید کی ہے اسی انداز کے ساتھ، یہ نہیں کہ نعوذباللہ آپ کو کوئی شک تھا کہ شاید یہ ستارہ رب ہے یا چاند رب ہے یا سورج رب ہے اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ خود سمجھنے کے لیے استدلال کرنا ہوتا تو یہ ترتیب یوں ہونی چاہیئے تھی کہ سب سے پہلے وہ سورج کی طرف دیکھ کر اس حقیقت کو سمجھنے کی کوشش کرتے پہلے موٹی باتیں سامنے آیا کرتی ہیں پھر باریک باتیں سامنے آیا کرتی ہیں، ستارے کے اندر ربوبیت اتنی نمایاں نہ ہوتی سورج میں زیادہ نمایاں ہوتی اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس بات کو اپنے طور پر سمجھنا ہوتا تو سب سے پہلے ان کی توجہ سورج کی طرف ہوتی پھر آہستہ آہستہ وہ چاند کی طرف جاتے ستاروں کی طرف جاتے موٹی بات سے باریک بات کی طرف جایا کرتے ہیں

یہ کیا سورج کو دیکھ کر تو ان توجہ نہ ہوئی اور سب سے پہلے ان کی توجہ جو ہوئی وہ ستارے کو دیکھ کر ہوئی ایسی کوئی بات نہیں ہے تو یہ دلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم کے خلاف پیش کی ہے جیسے اگلے رکوع کے اندر صراحتاً آئے گا ''تلك حجتنا آتينا ها ابراهيم على قومه'' یہ حجت ہے جو ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کی قوم کے خلاف دی تھی اس لیے یہ زمانہ نبوت کی بات ہے اور قوم کے ساتھ بحث مناظرہ کرتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس بات کو ذکر کیا۔

مودودی صاحب کی لغزش:

اس موقعہ پر مودودی صاحب سے تفسیر میں بہت زبردست لغزش ہوئی ہے اور انہوں نے اس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فکری ارتقاء سے تعبیر کیا ہے کہ مشرکانہ ماحول کے اندر چونکہ آنکھیں کھولی تھیں تو اس طرح سے انہوں نے آہستہ آہستہ منزلیں طے کیں اور اپنے نظریات کی اصلاح کی اور آخر کار وہ توحید تک پہنچے۔

گویا کہ پہلے اسی طرح سے جیسے سمجھنے کے لیے تحقیق کرنے کے لیے انسان کہتا ہے کہ یہی رب ہے پھر اس کی تردید ہوگی، پھر سوچتے آگے بڑھے کہ یہی رب ہے پھر اس کی تردید ہوگی، پھر سوچتے آگے بڑھے کہ یہی رب

ہے پھر اس کی تردید ہوگی اس طرح سے اس کو فکری ارتقاء کے ساتھ تعبیر کر کے گویا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے یہ چیزیں جو تھیں یہ ہدایت کا ذریعہ بن رہی ہیں اور آخر کار حضرت ابراہیم علیہ السلام توحید تک پہنچے، یہ بات غلط ہے، انبیاء علیہم السلام ابتداء سے ہی موحد ہوتے ہیں ان کو توحید کا عقیدہ سمجھنے کے لیے کسی قسم کی غور و فکر کی ضرورت نہیں ہوتی ہاں یہ علیحدہ بات ہے کہ جب تک نبوت کا اظہار نہ ہو، اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نہ آجائے اس وقت تک وہ تفصیلات نہیں ذکر کر سکتے تفصیلات معلوم ہوا کرتی ہیں، لوگوں کے ساتھ بحث وجدال کا دور شروع ہوتا ہے وحی کے اتر آنے کے بعد ورنہ انبیاء علیہم السلام اپنی فطرت کے اعتبار سے موحد ہوتے ہیں، ان کے لیے اس میدان میں کوئی شک اور شبہ والی بات نہیں ہے۔

ستارہ پرستی کی تردید حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبانی:

قوم کے سامنے تقریر کرتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کہتے ہیں ''فلما جن علیه اللیل راٰ کو کبا'' جس وقت آپ پر رات طاری ہوگئی تو آپ نے ستارہ دیکھا یہ بحث کی ابتداء ہے چھوٹی بات سے بڑی بات کی طرف ان کو منتقل کیا جائے گا تو یہ بحث کی ابتداء کی دلیل بھی قرار دی جا سکتی ہے کہ کیا اس سے قبل زندگی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کبھی ستارہ نہیں دیکھا تھا جو آج نظر پڑی تو اس کے اوپر بحث شروع کر دی، ستارے دیکھے تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام سب کو سمجھے ہوئے تھے لیکن قوم کے سامنے جس وقت گفتگو شروع ہوئی تو معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء اس کی رات کو ستارے سے کی تھی۔

کیونکہ وہ ستاروں کو پوجتے تھے اور اس ''کو کب'' کا مصداق بھی کوئی ایسے ہی نمایاں ستارہ ہوگا جس کی پوجا وہ خصوصیت کے ساتھ کیا کرتے تھے جیسے کہ مفسرین نے لکھا ہے کہ اس قوم کے اندر زہرہ ستارہ کی حیثیت نمایاں تھی تو ہوسکتا ہے کہ اس ''کو کب'' سے وہی زہرہ ستارہ مراد ہو، جب طاری ہوگئی اس کے اوپر رات تو انہوں نے ایک ستارہ دیکھا اور کہا یعنی قوم کو خطاب کر کے نہیں کہا بلکہ جس طرح انسان اپنے متعلق خود ہی گفتگو کرتا ہے۔

لیکن ایسے انداز سے کہ دوسرے بھی سامنے بیٹھے ہوتے ہیں، دوسرے بھی آس پاس ملنے والے بیٹھے ہوں گے اپنے طور پر جس طرح انسان گفتگو کرتا ہے، اپنے پہ رکھ کر ستارے کی طرف دیکھا اور دیکھ کر کہنے لگے'' ھذا ربی'' یہ گویا کہ لوگوں کی بات جو تھی اس کو ذکر کر لیا کہ لوگوں کے خیال کے مطابق یہ'' ھذا ربی'' کا مصداق ہے یہ

جیسے میں نے عرض کیا کہ بحث ومناظرہ کا ایک طرز ہوتا ہے تو انہوں نے یہ طرز اپنایا کہ جس میں ابتداء میں ٹکراؤ نہیں ہے اور ابتداء میں اپنی قوم کو سامنے رکھ کر اس کے اوپر انکار کی صورت اختیار نہیں کی ان کے نظریے کو یوں ذکر کیا کہ '' ھذا ربی '' '' یہ میرا رب ہے '' فلما افل '' چلتا رہا سلسلہ جس وقت وہ غروب ہو گیا غروب ہونے کے بعد کہنے لگے کہ '' قال لااحب الافلین '' '' یہ غروب ہونے والوں سے تو میں محبت نہیں رکھتا اور جو رب ہو اس کے ساتھ محبت لازماً ہونی چاہیئے ،غروب ہونے کا ذکر کیا اس لیے کہ یہ ستارہ جب طلوع ہوتا ہے اس کی چمک دمک کو دیکھ کر وہ لوگ اس کی شان وشوکت کے گویا کہ قائل ہوتے تھے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ اس کے طلوع ہونے کو اگر دیکھتے ہو،اس کے چمکنے کو اگر دیکھتے ہو تو اس کے غروب ہونے اور اس کے بے نور ہونے کو بھی تو دیکھو تمہیں پتہ چلے کہ اس کے اوپر بھی زوال آتا ہے یا اس کے طلوع سے لے کر غروب تک تم اس کی رفتار کو دیکھو کہ کس طرح سے بندھا بندھایا متعین رفتار کے ساتھ چلتا ہے،اس کے طلوع کا وقت متعین ہے غروب کا وقت متعین ہے، اور آپ نہیں دیکھ سکتے یہ کسی دن بھی اپنے اختیارات کے ساتھ جس طرح سے یہ طلوع ہوتا ہے وہاں سے نہ ہو کسی دوسری جگہ سے اپنے اختیار سے طلوع ہو جائے اپنے راستے کو چھوڑ کر کسی اور طرف چلا جائے ،غروب کے لیے جو اس کی جگہ متعین ہے اس جگہ غروب نہ ہو۔

بلکہ کسی اور طرف یہ نکل جائے آپ اس کو کبھی نہیں دیکھیں گے تو طلوع سے لے کر غروب تک یہ ساری اس کی رفتار اور سارے اس کے حالات بتاتے ہیں کہ یہ خود مختار نہیں بلکہ یہ تو کسی کا چلایا ہوا چل رہا ہے، جب چڑھایا چڑھ گیا، جس وقت چھپایا چھپ گیا اور جب چاہا اس کو نورانی کر دیا اور جب چاہا اس کو بے نور کر دیا تو ایسی چیز جو کہ کسی دوسرے کے سامنے مجبور نظر آتی ہے میں تو اس کے ساتھ ایسی محبت نہیں رکھتا جیسی رب کے ساتھ رکھی جایا کرتی ہے یہ اپنے اوپر رکھ کر گفتگو کر رہے ہیں۔

تا کہ دوسرے سنیں اور ان کے ذہن میں بھی یہ بات پڑے کہ واقعی یہ غور کرنے کا پہلو ہے ہم جو اس کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے ہیں ہم نے اس کا یہ پہلو سوچا ہی نہیں ،دوسروں کے ذہن کے اندر اس طرح سے بات ڈال دی جاتی ہے یعنی اگر کوئی شخص کسی کی شان وشوکت کو دیکھ کر اس کے طرز کو دیکھ کر کسی کی عظمت کا قائل ہو جائے تو اس کا ناقص پہلو ظاہر کرنے کے لیے سب سے مناسب وقت وہ ہوا کرتا ہے کہ جب اس کی لاش سامنے پڑی ہوئی ہو جب

اس کو مرا ہوا دیکھیں، لاش اس کی گلی سڑی دیکھیں اور اس کے اندر کسی قسم کی پھر وہ شان وشوکت باقی نہ ہو تو ایسے وقت ہی اس کی تردید کرنا زیادہ مناسب ہوتا ہے۔

تو یہاں بھی غروب کا جو وقت ہوتا ہے وہ ستارے کی گویا کہ ایک قسم کی بے بسی کا وقت ہے جب نظروں سے یہ غیب ہو رہا ہے تو اس وقت متوجہ کیا کہ ایسی چیز جو کہ وقت پہ آ کر چھپ جاتی ہے میں اس کے ساتھ محبت نہیں رکھتا، اپنے اوپر رکھ کر بات کر رہے ہیں سننے والے سن رہے ہیں تا کہ ان کا ذہن جو ہے وہ بھی اس طرح ہو جائے کہ واقعی یہ چیز اس پہلو کے ساتھ بھی قابل غور ہے اس کو بھی دیکھنا چاہیئے پہلی رات تو گفتگو ہوگی ستارے کی طرف گویا کہ ایک شوشہ چھوڑ دیا لوگوں کے دماغ میں۔

چاند پرستی اور سورج پرستی کی تردید حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبانی:

پھر کسی دوسری رات میں اس سے آگے قدم بڑھا دیا'' فلما راالقمر بازغا'' ضروری نہیں ہے کہ یہ اسی رات کو پیش آیا ہو ایک رات میں اتنی سی گفتگو کر کے گویا کہ قوم کے ذہن میں ایک شوشہ چھوڑ دیا کہ ستارے پوجنے کے قابل نہیں ہیں ان کے اوپر طلوع غروب کا نظام بتاتا ہے کہ کسی کے ہاتھ میں یہ مجبور ہیں، جس طرح کوئی ان کو چلانا چاہتا ہے یہ اس طرح سے چلتے ہیں دوسری رات آ گئی تو چاند کو نشانہ بنا لیا اپنی گفتگو کا، وہ بھی اسی طرح'' فلما راالقمر بازغا'' یہ ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہو رہی ہے جس وقت دیکھا چاند کو چمکتا ہوا'' قال هذا ربی'' اسی طرح سے گفتگو کی کہ یہ میرا رب ہے'' فلما افل'' جس وقت وہ غیب ہو گیا'' قال لئن لم یهدنی ربی لاکونن من القوم الضالین'' یہ پہلے سے قدم آگے بڑھا دیا لوگوں کو سنا کر کہتے ہیں ایسے طور پر گفتگو کرتے ہیں اپنے متعلق ہی کہ یہ تو اللہ نے میری راہنمائی کر دی میں تو سمجھ گیا کہ یہ رب بنانے قابل نہیں اگر اللہ میری راہنمائی نہ کرتا تو میں تو بھٹکے ہوئے لوگوں میں سے ہو جاتا جس میں یہ اشارہ ہو گیا کہ جو لوگ اس کو رب سمجھے ہوئے ہیں وہ سارے بھٹکے ہوئے ہیں اور سارے گمراہ ہیں، یہ سارے ہدایت سے محروم ہیں ضمناً یہ بات نکل آئی، دیکھو پہلے کے مقابلہ میں یہ بات آگے بڑھ گئی۔

'' فلما راالشمس بازغاً'' پھر جب سورج کو دیکھا چمکتا ہوا اسی رات کی صبح کو یا کسی دوسرے موقع پر وقفے وقفے سے یہ فقرے چھوڑے جا رہے ہیں، یہ باتیں چھوڑی جا رہی ہیں تا کہ قوم کا ذہن ادھر متوجہ ہو

اور وہ ان باتوں کو سوچیں، جب سورج کو دیکھا چمکتا ہوا تو کہنے لگے" ھذا ربی ھذا اکبر "یہ رب ہے یہ تو سب کے مقابلے میں بڑا ہے۔

لیکن جب اپنا سفر طے کرتا ہوا وہ بھی آخر غروب کے قریب پہنچ گیا" فلما افل "جب وہ غروب ہو گیا "قال یقوم انی بری ء مما تشرکون" یہ پہلے سے اور آگے قدم بڑھالیا اور اپنی قوم کو خطاب کر کے کہہ دیا کہ بھائی تم ہو مشرک، میں تو ان چیزوں سے لاتعلق ہوں جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو ایسی چیزیں جو نوکروں چاکروں کی طرح اپنے متعین وقت پر آتی ہیں، متعین وقت پر چلی جاتی ہیں میں ان کو شریک ٹھہرانے کے لیے تیار نہیں تو دیکھو پہلے سے بات جو تھی وہ کھل کر سامنے آگئی۔

"یقوم "قوم کو خطاب کر کے کہہ دیا، اے قوم! بے شک میں لاتعلق ہوں ان چیزوں سے جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو میرا ان سے کوئی تعلق نہیں جیسے دوسرے نمبر پر کہہ دیا کہ اس کو رب ماننا تو گمراہی ہے اگر میرا رب مجھے سیدھا راستہ نہ دکھاتا تو میں بھی بھٹکے ہوئے لوگوں میں سے ہو جاتا جیسے ضمناً ان کو بھٹکے ہوئے کہہ دیا۔

اب آگے سورج کا قصہ آیا تو براہ راست کہہ دیا "یقوم انی بری ء مما تشرکون "میرا کوئی تعلق نہیں ان سے جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو۔

شرک سے برأت اور توحید کا اعلان:

اور پھر میرا مسلک کیا ہوا؟ میرا مسلک یہ ہے جو آگے ذکر کیا جا رہا ہے "انی وجھت وجھی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین "اب اتنی واضح اور صاف توحید کا عقیدہ اور شرک کی تردید یہ قبل از نبوت کے زمانے میں نہیں بلکہ یہ نبوت کے زمانے کے بعد کی بات ہے، اپنے مسلک کو ان الفاظ میں ذکر کر دیا میں نے تو اپنی ذات کو متوجہ کر دیا اس ذات کی طرف جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو اس حال میں کہ میں ہر طرف سے ہٹ کر ایک طرف ہونے والا ہوں اور میں مشرکین میں سے نہیں ہوں۔

گویا کہ اپنا کلمہ توحید جو تھا اس کو ان الفاظ کے ساتھ ادا کر دیا اپنے چہرے کو میں نے متوجہ کر دیا اللہ کی طرف، اپنے آپ کو میں نے سپرد کر دیا اس میں اسلام والا معنیٰ بھی ہے، اپنی ذات کو میں نے سپرد کر دیا اس کے لیے جو زمین اور آسمان کو پیدا کرنے والا ہے اس حال میں کہ میں سب سے توجہ ہٹانے والا ہوں نہ میری چاند کی طرف

توجہ، نہ میری سورج کی طرف توجہ، نہ ستارے کی طرف، نہ پتھر کے بتوں کی طرف، میں نے ہر طرف سے توجہ ہٹالی اور اس کی طرف اپنے آپ کو متوجہ کر دیا اور اس کی طرف متوجہ میں نے ایسے طور پر کیا کہ میں کسی دوسرے کو اس کے ساتھ شریک ٹھہرانے کے لیے تیار نہیں یہ کلمہ توحید ہے ملت ابراہیمی کا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے مخالفین کو جواب:

توجب یہاں تک بات کھل کر آ گئی تو اب دو فریق بن گئے ایک طرف قوم آ گئی جو کہ مشرک تھی دوسری طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہو گئے جنہوں نے شرک سے برأت کا اعلان کر دیا۔

اب جیسے مشرکین کی عادت ہوتی ہے پھر وہ موحدین کے ساتھ جھگڑتے ہیں اور جھگڑے کے اندر وہ ڈراتے بھی ہیں کہ دیکھو تم ان کی مخالفت نہ کرو ورنہ ہم تمہاری ٹانگ توڑ دیں گے، ایسا نہ کرو ورنہ یوں ہو جائے گا یہ بہت ڈرایا کرتے ہیں اسی طرح سے اولاد مر جائے گی، گھر اجڑ جائیں گے، فصلیں برباد ہو جائیں گی اس قسم کی چیزیں ہیں جو توہمات کے درجے میں لوگوں کے ذہنوں میں ڈالی جایا کرتی ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کا جھگڑا قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ شروع کر دیا ''وحاجه قومه'' ان الفاظ کی روش یہ بتاتی ہے کہ یہ زمانہء تبلیغ کی باتیں ہیں، یہ اس وقت کی باتیں ہیں جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مقام تبلیغ کے اندر فائز کر دیا گیا تھا یہ کوئی بچپن کے قصے نہیں کہ جب وہ ابھی خود بھی توحید کی منزلیں طے کر رہے تھے یہ اس وقت کی بات نہیں جیسے کہ مودودی صاحب نے اس کو بچپن کے زمانے پر محمول کیا یہ بات قرآن کریم کی روش کے خلاف ہے اور یہ تحریر ان کی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے منصب سے جوڑ نہیں کھاتی۔

''وحاجه قومه'' جھگڑا کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اس کی قوم نے ''قال اتحاجونی فی الله'' حضرت ابراہیم علیہ السلام کہنے لگے کہ کیا تم میرے ساتھ اللہ کے معاملے میں جھگڑا کرتے ہو حالانکہ اس نے مجھے سیدھا راستہ دکھا دیا مطلب یہ کہ میرے سامنے ہدایت آ گئی، دلیل کے ساتھ ہر چیز میرے سامنے واضح ہے تم اس کے بارے میں میرے ساتھ جھگڑا کرتے ہو''ولا اخاف ماتشرکون به'' ان لفظوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے پھر اپنے شرکاء سے ان کو ڈرایا تھا کہ ان کی مخالفت نہ کرو، ان سے لاتعلقی کا اعلان نہ کرو ورنہ تیرا کوئی نقصان کر دیں گے۔

تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ نہیں ڈرتا میں ان چیزوں سے جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو، ان سے میں نہیں ڈرتا، ان سے مجھے کوئی خطرہ نہیں، کوئی خوف نہیں کہ میرا کچھ بگاڑ لیں گے یا کوئی نقصان پہنچائیں گے ایسا مجھے کوئی خوف نہیں ہے ہاں میرا اللہ جو چاہے گا وہ کرے گا، یہ لفظ اس لیے کہہ دیئے کہ آخر انسان ہے، انسان کو دنیا کے اندر تکلیفیں بھی ہوتی رہتی ہیں کبھی بخار چڑھ گیا کبھی کوئی اور تکلیف پہنچ گئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس قسم کی تکلیف پہنچے تو کہیں وہ یہ نہ کہہ دیں کہ دیکھا ہم کہتے تھے کہ بتوں کی مخالفت نہ کرو ورنہ تجھے تکلیف پہنچے گی دیکھو تمہیں تکلیف پہنچ گئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی اس بات کا جواب پہلے مہیا کر دیا کہ جو کچھ ہوگا میرے رب کے چاہنے سے ہوگا اس لیے میری زندگی کے اندر جو کچھ بھی انقلاب آئے، جو بھی تغیر آئے، جو بھی حادثہ پیش آئے میں تو اس کو اپنے رب کی طرف منسوب کروں گا کہ اس کی طرف سے ہے، میں کسی واقعے کے پیش آجانے کے بعد تمہارے شرکاء کی طرف اس کی نسبت کرنے کے لیے تیار نہیں یہ گویا کہ گنجائش پہلے رکھ دی کہ اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ مجھے کوئی تکلیف بھی نہیں پہنچے گی اگر پہنچے گی تو وہ میرے رب کی طرف سے ہوگی میرے رب کا چاہنا ہو کر رہتا ہے ''وسع ربی کل شئ علما'' میرا رب وسیع ہے ہر چیز سے از روئے علم کے، کوئی چیز اس کے احاطہ سے علم سے باہر نہیں ہے ''افلا تتذکرون'' کیا تم سوچتے نہیں ہو؟ یہ باتیں تمہارے لیے کوئی سوچ پیدا نہیں کرتیں۔

''وکیف اخاف مااشرکتم'' میں کیسے ڈروں ان چیزوں سے جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو اور تم نہیں خوف کرتے اس بات سے کہ تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو ''مالم ینزل به علیکم سلطانا'' ایسی چیزوں کو جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے تم پر کوئی دلیل نہیں اتاری، مطلب کیا کہ دیکھو جہاں تک تو اللہ تعالیٰ کی ذات کو ماننے کا تعلق ہے تم بھی مانتے ہو میں بھی مانتا ہوں یہاں تک تو ہو گیا اتفاق کہ اللہ ہے۔

باقی ہم میں اختلاف کہاں سے ہوا کہ کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور بھی ہیں یا نہیں؟ تم کہتے ہو کہ اور بھی ہیں تو اس کا ثبوت تمہارے ذمے ہے کہ تم دلیل کے ساتھ ثابت کرو کہ اور بھی ہیں، میرا تو اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ جب دلیل سے کوئی اور ثابت نہیں لہٰذا میں کسی اور کو مانتا نہیں، میرا مسلک تو صاف ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے وجود پر تو تمہارا بھی اتفاق اور ہمارا بھی اتفاق۔

جس طرح سے مولانا شمس الحق افغانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میری عیسائی سے بحث ہو گئی وہ

تثلیث کا دعویٰ کرتا تھا کہ اللہ تین ہیں اور میں کہتا تھا کہ اللہ ایک ہے تو بحث کرتے ہوئے مجھے کہتا ہے کہ اچھا آپ اللہ کے ایک ہونے کی دلیل دیجئے تو میں نے کہا کہ پادری صاحب بات سن لو جب تم کہتے ہو کہ خدا تین ہیں تو تین کے ضمن میں ایک تو آ گیا۔

اب ایک کے اوپر دو کا اضافہ تم کرتے ہو تو دو کے زائد ہونے کی دلیل تم دو، باقی جب تم نے تین کو مان لیا تو مجھے ایک کی دلیل دینے کی کیا ضرورت ہے، میں کہتا ہوں کہ میری جیب میں ایک روپیہ ہے وہ تو تین کے ضمن میں ایک آ گیا میری بات تو تم نے مان لی کہ ایک ہے باقی یہ ہے کہ ایک کے علاوہ باقی دو اور بھی ہیں یا نہیں؟ یہ تمہارا دعویٰ ہے تو اثبات تمہارے ذمے ہے کہ دلیل بیان کرو کہ دو اور بھی ہیں، دلیل کسی کی سمجھ میں آئے گی تو وہ مان لے گا، نہیں آئے گی تو اپنے موقف پر ٹھہرا ہوا ہے۔

اسی طرح سے یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کہتے ہیں کہ جہاں تک اللہ تعالیٰ کو ماننے کا تعلق ہے اس کے وجود کی بات ہے وہ تو تم بھی جانتے ہو میں بھی جانتا ہوں کہ اللہ ہے باقی جھگڑا تو اگلی بات میں ہے کہ اللہ کے علاوہ کوئی اور بھی ہیں یا نہیں، اس کے ساتھ شریک تمہارا دعویٰ ہے کہ ہیں تو ثبوت تمہارے ذمے ہے اور جب تم بلا ثبوت اثبات کا قول کیے ہوئے ہو تو مجرم تم ہو یا میں ہوں؟ ڈرنا اس اللہ سے تمہیں چاہیئے کہ مجھے ڈرنا چاہیئے؟ جرم تو تم کر رہے ہو کہ بلا دلیل اس کی خدائی میں کسی دوسرے کو شریک کیے بیٹھے ہو اور ڈراتے مجھے ہو تو عقل کے ساتھ سوچو تو تمہیں پتہ چلے اور تم ڈرتے نہیں الٹا مجھے ڈراتے ہو یہ تو وہی مثال ہے کہ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے کہ مسلک تو میرا صاف ہے کہ میں بلا دلیل کسی چیز کو اللہ کے ساتھ شریک نہیں ٹھہراتا۔

لہٰذا میں تو امن میں ہوں اور تم بلا دلیل اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسروں کو شریک کیے بیٹھے ہو تو ڈرنا تمہیں چاہیئے، یہ ہے ان الفاظ کا مطلب ''کیف اخاف ما اشرکتم '' کیسے ڈروں میں ان چیزوں سے جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو، مجھے ان سے ڈرنے کی کیا ضرورت ہے ان کے لیے کوئی قدرت ثابت نہیں، ان کے لیے کوئی علم ثابت نہیں، ان کے لیے کوئی اختیار ثابت نہیں، وہ نفع نقصان کے مختار نہیں تو میں کیوں ڈروں اور تم نہیں ڈرتے اس بات سے کہ تم اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں، خدا کی خدائی میں بے دلیل تم نے چیزوں کو شامل کر رکھا ہے تو ڈرنا تمہیں چاہیئے ''فای الفریقین احق بالا من '' دونوں گروہوں میں سے کون سا فریق امن کا زیادہ

حق دار ہے یعنی میں امن کا زیادہ حق دار ہوں جو بے دلیل بات نہیں کرتا اور تم بے دلیل اللہ کے ساتھ جو شرکاء ٹھہرائے ہوئے ہو تمہیں ڈرنا چاہئے ''ان کنتم تعلمون'' اگر تم علم رکھتے ہو، اگر کچھ جانتے ہو تو تمہیں پتہ چل جائے گا کہ ''احق بالا من'' دونوں فریقوں میں سے وہی فریق ہے جو بے دلیل کوئی عقیدہ اختیار نہیں کرتا اور جو بے دلیل شرکاء قائم کیے ہوئے ہیں ان کو ڈرنا چاہئے وہ امن کے حق دار نہیں ہیں۔

ایمان کا اعتبار تب ہوگا جب اس کے ساتھ شرک کی آمیزش نہ ہو:

''ای الفریقین'' کے اندر استفہام ہے اور ''الذین آمنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم اولئك لھم الامن'' کے اندر اس کا جواب ہے کہ جو لوگ ایمان لاتے ہیں اور ایمان لانے کے بعد اپنے ایمانوں کے اندر ظلم کو خلط ملط نہیں کرتے، ظلم کی آمیزش نہیں کرتے ان کے لیے امن ہے۔

ظلم سے کیا مراد ہے؟ قرآن وحدیث کی اصطلاح میں ظلم ہر قسم کی معصیت پر بولا جاتا ہے ''ربنا ظلمنا انفسنا'' اے اللہ! ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا، جہاں بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوگی، اس کے احکام کے خلاف کوئی بات آجائے گی یہ کرنے والے کا اپنے نفس کے اوپر ظلم ہے، اس لیے چھوٹی معصیت ہو، بڑی معصیت ہو یہ ظلم کا مصداق ہے تو جس وقت یہ آیت اتری ہے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذہن ادھر ہی گیا کہ ظلم کا معنیٰ یہ ہے کہ کوئی نافرمانی کی جائے، کوئی گناہ کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایمان کام تبھی دے گا، امن تبھی حاصل ہوگا جب کہ ایمان لے آنے کے بعد کسی قسم کے گناہ کا ارتکاب نہ ہو، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ذہن ان الفاظ کے ساتھ ادھر منتقل ہوا جس کے بعد وہ ڈر گئے یہ تو بڑی مشکل بات ہے، گناہ تو ہم سے ہو جاتا ہے، ایمان کے ساتھ ظلم کی آمیزش تو ہو جاتی ہے تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں امن حاصل نہیں ہوگا تو یہ اشکال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ذکر کیا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بات اس طرح سے نہیں کہ جیسے تم سمجھے، یہاں ظلم سے عام ظلم مراد نہیں ہے بلکہ یہاں ظلم کا مصداق وہی ہے جو حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا تھا ''ان الشرك لظلم عظیم'' کہ شرک ظلم عظیم ہے، تو یہاں ظلم سے ظلم عظیم مراد ہے، جس کا مصداق شرک ہے تو جس کا مطلب یہ ہوگا کہ ایمان لانے کے بعد اپنے ایمان کے اندر شرک کی آمیزش نہ کریں تب جا کر ان کو امن حاصل ہوگا اور اگر ایمان لے آنے کے بعد اپنے ایمان کے اندر شرک کی آمیزش کر دی تو

پھر امن نہیں ہے، عام معاصی اور گناہ اس سے مراد نہیں، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے اس اشکال کی وضاحت کردی کہ اس سے عام معاصی مراد نہیں ہیں بلکہ ظلم سے ظلم عظیم مراد ہے جس کا مصداق شرک ہے جیسا کہ حضرت لقمان علیہ السلام کی تقریر کے اندر یہ بات آئی "یبنی لا تشرک باللہ ان الشرک لظلم عظیم" "اولئک لھم الامن وھم مھتدون" "ان لوگوں کے لئے امن ہے اور یہ ہدایت یافتہ ہیں۔
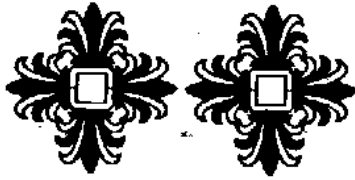
وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ

یہ ہماری دی ہوئی دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم کو دی اس کی قوم کے خلاف، ہم اونچا کرتے ہیں جس کو چاہتے ہیں درجات میں ۔

اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۸۳﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ

بے شک تیرا رب حکمت والا ہے اور علم والا ہے (۸۳) عطا کیے ہم نے ابراہیم کو اسحق اور یعقوب ان میں سے ہر ایک کو ہم نے ہدایت پر چلایا،

وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ

اور نوح کو ہم نے ہدایت دی ابراہیم سے قبل اور اس (ابراہیم) کی اولاد میں سے داؤد، سلیمان، ایوب،

وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۴﴾ لا وَزَكَرِيَّا

یوسف، موسیٰ اور ہارون کو اور ایسے ہی ہم بدلہ دیتے ہیں نیکو کاروں کو (۸۴) اور زکریا،

وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۵﴾ لا وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ

یحییٰ، عیسیٰ اور الیاس کو یہ سارے شائستہ لوگوں میں سے تھے (۸۵) اور اسماعیل اور یسع

وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۶﴾ لا وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ

اور یونس اور لوط کو فضیلت دی ان میں سے ہر ایک کو عالمین کے مقابلہ میں (۸۶) اور ان کے آباء میں سے

وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۸۷﴾

اور ان کی اولاد میں سے اور ان کے بھائیوں میں سے بعض کو ہم نے چن لیا اور ان کو سیدھے راستے کی طرف چلایا (۸۷)

ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِىْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا

یہ اللہ کی ہدایت ہے جس کو چاہتا ہے وہ دیتا ہے اپنے بندوں میں سے اور اگر یہ بھی شرک اختیار کر لیتے

لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ

تو ضائع ہو جاتے ان کے وہ کام جو یہ کرتے تھے (۸۸) یہی لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب دی

وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا

اور حکم دیا اور نبوت دی اگر اس نبوت کا انکار کریں یہ لوگ تو ہم نے مقرر کر دیا ہے اس کے ساتھ اور لوگوں کو

لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ

جو اس کا انکار کرنے والے نہیں ہیں ﴿۸۹﴾ یہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی پس آپ ان کی ہدایت کا اقتداء کریں،

قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۰﴾

آپ کہہ دیجئے میں اس پر تم سے کسی اجرت کا مطالبہ نہیں کرتا نہیں ہے یہ مگر نصیحت جہانوں کے لیے ﴿۹۰﴾

تفسیر:

اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ انبیاء علیہم السلام کا ذکر:

"وتلك حجتنا آتيناها ابراهيم علىٰ قومه" یہ ہماری دی ہوئی دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو دی اس کی قوم کے خلاف، یہ حجت ہم نے سمجھائی، یہ استدلال کر کے قوم کے سامنے ستاروں کی الوہیت کو باطل کرنا اور ان کی ربوبیت کو باطل کرنا یہ ہم نے سمجھایا ابراہیم علیہ السلام کو، یہ ہماری دلیل ہے، وہی ہم نے یہ دلیل ابراہیم علیہ السلام کو قوم کے خلاف "نرفع درجات من نشاء" ہم اونچا کرتے ہیں جس کو چاہتے ہیں درجات میں، ہم جس کے چاہتے ہیں درجات بڑھا دیتے ہیں علم میں، معرفت میں، یقین میں، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہم نے درجات اونچے کیے کہ ایسا صحیح علم ان کو نصیب فرمایا اور صحیح علم کی وجہ سے انہوں نے کیسی واضح حجت کے ساتھ شرک کی تردید کر دی "ان ربك حكيم عليم" بے شک تیرا رب حکمت والا ہے اور علم والا ہے۔

"ووهبناله اسحاق ويعقوب" اب یہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو نوازا، دنیا کے اندر بھی عزت دی اور آخرت میں بھی ان کے درجات اونچے کیے اسی کی کچھ وضاحت ہے، ہم نے عطا کیا ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق علیہ السلام، یہ بیٹا ہے اور یعقوب علیہ السلام، یہ پوتا ہے "كلا هدينا" ان میں سے ہر ایک کو ہم نے سیدھے راستے پر چلایا "ونوحا" اور نوح کو ہم نے سیدھے راستہ پر چلایا ابراہیم علیہ السلام سے قبل، یہ ابراہیم علیہ السلام کے آباء کا ذکر آ گیا نوح علیہ السلام یہ ابراہیم علیہ السلام کے آباء میں شامل ہیں اور نوح علیہ السلام کو ہم نے سیدھے راستے پر چلایا ابراہیم علیہ السلام سے پہلے "ومن ذريته داؤد وسليمان" ذريته کی ضمیر جو ہے یہ بھی ابراہیم علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے داؤد علیہ السلام کو اور سلیمان علیہ السلام کو اور ایوب علیہ السلام کو اور یوسف علیہ السلام کو موسیٰ

علیہ السلام کو اور ہارون علیہ السلام کو ہم نے سیدھے راستے پر چلایا اور ایسے ہی ہم بدلہ دیا کرتے ہیں نیکوکاروں کو جس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کو جو ہدایت نصیب ہوئی تھی یہ ان کے صفت احسان کی وجہ سے تھی کہ اچھے لوگ تھے، اچھی فکر والے تھے، نیکوکار تھے جس کی بناء پر آئے دن اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت میں ترقی دی۔

"وزکریا ویحییٰ" اور زکریا علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام کو اور عیسیٰ علیہ السلام اور الیاس علیہ السلام کو ہم نے ہدایت دی "کل من الصالحین" یہ سارے شائستہ لوگوں میں سے تھے، عمدہ لوگوں میں سے تھے، اسماعیل علیہ السلام اور یسع علیہ السلام کو یونس علیہ السلام کو اور لوط علیہ السلام کو "وکلاً فضلنا علی العالمین" یعنی ان سب کو ہم نے ہدایت دی اور ان سب کو ہم نے عالمین کے مقابلے میں فضیلت دی، چن لیا ہم نے ان کو عالمین کے مقابلے میں "ومن آبائھم وذریاتھم" یہ چند تو نام ذکر کر دیئے باقی ان کے علاوہ ان کے آباء کے سلسلے میں اولاد کے سلسلے میں بھائی بندوں کے سلسلے میں بھی ہدایت یافتہ لوگ ہوئے "اخوانھم" بھائی 'ذریات" اولاد "آباء" آباؤاجداد، ان کے آباء سے اور ان کی اولاد سے اور ان کے بھائیوں میں سے بھی ہم نے بعض کو ہدایت دی "واجتبیناھم" ہم نے انہیں چن لیا "وھدیناھم الیٰ صراط مستقیم" اور ان کو سیدھے راستے کی طرف چلایا۔

"ذلك ھدی اللہ یھدی بہ من یشاء" یہی ہدایت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کو دی تھی یہ اللہ کی ہدایت ہے جس کو چاہتا ہے وہ دیتا ہے اپنے بندوں میں سے، یہ تو تھا برگزیدہ گروہ جس کا ذکر آپ کے سامنے آ گیا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اس سے پہلے نوح علیہ السلام پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں یہ سارے پیغمبر جن کا ذکر آ گیا، مجموعی طور پر اس رکوع میں یہ سترہ ہیں جن کا ذکر یہاں صراحتاً کیا گیا اور یہی پیغمبر ہیں جو مشہور ہیں جن کو سب جانتے پہچانتے تھے، اہل کتاب بھی ان کو اچھی طرح سے جانتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف انتساب مشرکین بھی کرتے تھے۔

شرک کی مذمت:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "لواشرکوا لحبط عنھم ماکانوایعملون" اتنے برگزیدہ لوگ اگر ان سے بھی شرک کا صدور ہو جاتا تو اللہ تعالیٰ ان کے بھی اعمال برباد کر دیتا، یعنی جن لوگوں کی طرف تم انتساب کی بناء پر فخر کرتے ہو، اور اپنے لئے نجات کو تجویز کئے بیٹھے ہو شرک تو ایک ایسی بیماری ہے کہ اگر ان میں سے بھی کسی سے صادر

ہو جاتی تو وہ بھی راستے سے بھٹک جاتا اور ہم اس کے اعمال برباد کر دیتے اور تم جو ان کی طرف انتساب رکھنے والے ہو تو تمہارا شرک تمہارے لئے بربادی کا سبب کیسے نہیں بنے گا؟ تو ان ہدایت یافتہ لوگوں کا ذکر کرنے کے بعد گویا کہ شرک کی مذمت کو نمایاں کر دیا گیا کہ اگر ان سے بھی یہ صادر ہو جاتا تو ان کے بھی اعمال برباد ہو جاتے۔

حق اور باطل ساتھ ساتھ:

''اولئك الذين آتيناهم الكتاب والحكم والنبوة '' یہی لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب دی اور حکم دیا، حکم اور حکمت ایک ہی چیز ہے، حکم کا معنی ہوتا ہے فہم صحیح پھر اس کے مطابق فیصلہ کرنا اور کتاب عملی صورت اختیار اسی حکم اور حکمت کے تحت ہی کیا کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ کتاب جو اتارا کرتا ہے تو صرف اس کے الفاظ ہی مقصود نہیں ہوا کرتے یا اس کو تبرک بنا کر رکھنا مقصود نہیں ہوتا بلکہ اس کتاب سے مقصد یہ ہوا کرتا ہے کہ اس کو صحیح طور پر سمجھا جائے اور پھر اس کے مطابق فیصلہ جات صحیح کیے جائیں جب وہ عملی صورت اختیار کرتی ہے تو گویا کہ حکم اور حکمت سامنے آجاتی ہے ہم نے ان کو کتاب دی اور حکم دیا اور نبوت دی ''فان يكفربها هؤلاء '' سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخاطبین مراد ہیں اگر اس نبوت کا انکار یہ لوگ کرتے ہیں ''فقد وكلنا بها قوما ليسوا بها بكافرين '' ہم نے کفیل بنا دیا ہے اس کے ساتھ اور لوگوں کو جو کہ اس کا انکار کرنے والے نہیں ہیں، کفیل بنا دیا یعنی متعین کر دیا یعنی یہ آپ کی نبوت کے اگر انکاری ہیں تو آپ کی نبوت کے ماننے کے لئے ہم نے اور قوم متعین کر دی ہے اس سے مراد وہ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی ہو سکتے ہیں جو اس وقت تک ایمان لے آئے تھے اور بعد میں آنے والے بھی سارے کے سارے مراد ہوں گے کہ یہ نہیں مانتے تو ان کے نہ ماننے سے کوئی نقصان نہیں ہوگا ہم دوسرے لوگوں کو کھڑا کر لیں گے جو اس نبوت کو مانیں گے اور اس کے حقوق ادا کریں گے ''ليسوابها بكافرين '' وہ اس کا انکار کرنے والے نہیں ہوں گے۔

''اولئك الذين هدى الله '' یہی جماعت ہے جن کا ذکر پیچھے آیا اللہ نے ان کی راہنمائی کی ''فبهداهم اقتده'' آپ بھی انہیں کے طریقے پر چلیے چونکہ یہ بھی اللہ کی ہدایت کے حامل ہیں اور ان کا طریقہ ہی اللہ کی ہدایت کا مصداق ہے آپ اسی طریقے کی اقتداء کیجئے۔

حضور ﷺ کی طرف سے دین کی دعوت پر اجرت نہ لینے کا اعلان:

''قل لا اسئلکم علیه اجرا'' اور انہیں کہہ دیجئے کہ تم اگر نہیں مانتے تو اس میں میرا نقصان کوئی نہیں، یعنی میں جو تمہارے ساتھ اس قسم کا معاملہ رکھتا ہوں یہ کوئی میری تجارت نہیں ہے، میری دکانداری نہیں ہے کہ اگر تم خریدار نہیں بنو گے تو میری دکان بیٹھ جائے اور میرا کاروبار مندا ہو جائے گا ایسی بات نہیں ہے یہ تو اللہ کی ہدایت ہے جو اللہ کی طرف سے مجھے مفت ملی ہے، مفت بانٹ رہا ہوں، قبول کرنے میں تمہارا فائدہ ہے اگر قبول نہیں کرو گے تو تم اپنا نقصان کرو گے "قل لا اسئلکم علیه اجرا" آپ کہہ دیجئے کہ میں اس تبلیغ پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا کہ تمہارے نہ ماننے کی صورت میں میرا اس میں کوئی نقصان ہو جائے۔

''ان ھو الا ذکریٰ للعالمین'' نہیں ہے یہ قرآن مگر ذکریٰ جہانوں کے لئے، ذکریٰ کا معنی یاد دہانی یعنی یہ قرآن یاددہانی کا ذریعہ ہے، یاددہانی کس چیز کی کرواتا ہے؟ فطری تقاضوں کی یاددہانی کرواتا ہے اللہ تعالیٰ نے تمہیں پیدا جو کیا تو تمہاری فطرت میں اللہ تعالیٰ نے کیا کیا چیز ڈالی؟ فطرت کے تقاضے کیا کیا ہیں؟ قرآن اس کی یاددہانی بھی کرواتا ہے، انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کی بھی یاددہانی کرواتا ہے، اور دنیا کی تاریخ کے اندر جس قسم کے واقعات گزرے جو انسان کے لئے عبرت کا باعث ہیں اس کی یاددہانی بھی کرواتا ہے تو جو شخص اس یاددہانی سے فائدہ اٹھائے گا کامیاب ہوگا اور جو اس یاددہانی کی طرف توجہ نہیں کرے گا تو وہ نقصان اٹھائے گا، میرا اس میں کوئی کسی قسم کا نقصان نہیں، میں کوئی اجرت نہیں مانگتا جو تمہارے نہ ماننے کی صورت میں مجھے کوئی نقصان ہو، آپ کہہ دیجئے کہ نہیں سوال کرتا میں تم سے اس قرآن پر یا اس تبلیغ پر کسی قسم کے اجر کا نہیں ہے یہ قرآن مگر تمام جہانوں کے لئے نصیحت۔
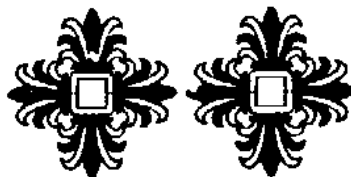
وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ

اور اللہ تعالیٰ کی قدر نہیں کی ان لوگوں نے جیسا کہ اس کی قدر کرنے کا حق تھا جب کہ کہا انہوں نے نہیں اتاری اللہ نے کسی انسان پر

شَيْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا

کوئی چیز آپ کہہ دیجئے کہ کس نے اتاری وہ کتاب جس کو موسیٰ لائے تھے اس حال میں کہ وہ نور تھی

وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ

اور لوگوں کے لئے راہنمائی ہے بناتے ہو تم اس کتاب کے مختلف اوراق کچھ کو ظاہر کرتے ہو اور بہت سے اوراق چھپاتے ہو

وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ

اور تعلیم دیے گئے تم جو تم نہیں جانتے تھے اور نہ تمہارے آباء تو آپ خود ہی جواب دیجئے کہ اللہ نے، پھر انہیں چھوڑ دیجئے

خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿٩٠﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ

اور وہ اپنے مشغلے میں کھیلتے رہیں ﴿٩١﴾ اور یہ کتاب اس کو ہم نے اتارا یہ برکت دی ہوئی ہے مصداق بننے والی ہے اس

بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ

کتاب کا جو کہ اس سے پہلے ہے اور تاکہ تو ڈرائے ام القریٰ کو اور ان لوگوں کو جو کہ ام القریٰ کے اردگرد ہیں اور جو لوگ ایمان لاتے ہیں

بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿٩٢﴾ وَمَنْ

آخرت پر وہ اس قرآن پر بھی ایمان لاتے ہیں اور وہ اپنی نمازوں کے اوپر محافظت کرنے والے ہیں ﴿٩٢﴾ کون

اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ

بڑا ظالم ہے اس شخص سے جو اللہ کے اوپر جھوٹ گھڑے یا کہے میری طرف وحی کی جاتی ہے حالانکہ وحی نہیں کی جاتی

اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ

اس کی طرف کچھ بھی اور جو کہے عنقریب میں بھی اتاروں گا مثل اس چیز کے جو اللہ نے اتاری اور اگر تو دیکھے جب

الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا

ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھوں کو پھیلانے والے ہوں گے اور کہتے ہوں گے کہ نکالو

أَنفُسَكُمُ ۖ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا كُنتُمْ تَقُولُونَ عَلَى

اپنی جانیں آج تم بدلہ دیئے جاؤ گے ذلت کے عذاب کا بسبب اس کے کہ تم بولتے تھے

اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنتُمْ عَنْ آيَاتِهِ تَسْتَكْبِرُونَ ﴿٩٣﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا

اللہ کے اوپر ناحق اور تم اللہ تعالیٰ کی آیات سے تکبر کرتے تھے (۹۳) البتہ تحقیق تم آ گئے ہو ہمارے پاس

فُرَادَىٰ كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُم مَّا خَوَّلْنَاكُمْ وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ ۖ

تنہا تنہا جیسے کہ ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اور چھوڑ آئے تم وہ چیزیں جو ہم نے تمہیں دی تھی اپنی پشتوں کے پیچھے (یعنی دنیا میں)

وَمَا نَرَىٰ مَعَكُمْ شُفَعَاءَكُمُ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَاءُ ۚ

اور نہیں دیکھتے ہم تمہارے ساتھ تمہارے سفارشی جن کو تم سمجھتے تھے کہ وہ ہماری سفارش کریں گے

لَقَد تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنكُم مَّا كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٩٤﴾ ع

ٹوٹ گیا وہ تعلق جو تمہارے درمیان تھا اور گم ہو گئی تم سے وہ چیزیں جو تم سمجھا کرتے تھے کہ وقت پر کام آنے والی ہیں (۹۴)

تفسیر:

گذشتہ سبق کا خلاصہ:

پچھلے بیان میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ ہوا تھا جس میں انہوں نے اپنی قوم کے مقابلہ میں اللہ کی وحدانیت کو ثابت کیا تھا، ستاروں کی ربوبیت کی تردید کی تھی اور اصنام کی الوہیت کو رد کیا تھا، یہ دو مضمون بنیادی طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تذکرے میں آپ کے سامنے آئے تھے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس اثبات توحید اور رد شرک میں محنت کی اور اس راستے کے اندر مشکلات برداشت کیں اور قربانیاں دیں، وطن چھوڑا، خاندان چھوڑا، برادری کو ترک کیا اور دیگر آزمائشیں جو اللہ کی طرف سے آئیں وہ ساری کی ساری برداشت کیں، تو اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت میں عزت سے نوازا اور ان کے نام کو اس قدر روشن کیا کہ بعد میں نبوت کا سلسلہ سارے کا سارا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے تعلق پکڑ گیا چنانچہ پچھلے رکوع میں جو سترہ پیغمبروں کا ذکر آیا تھا ان میں حضرت نوح علیہ السلام کو چھوڑ کر باقی جو مذکور ہوئے وہ سارے کے سارے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہی تھے، تو یہ

نیک نام کا باقی رہ جانا اور آنے والے وقت میں لوگ ان کو مقتدیٰ قرار دیں یہ دنیاوی عزت ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے دی ہے اور آخرت کی عزت کا تو کیا ہی کہنا کیونکہ یہ کارِ خیر جو ان کے سلسلے میں باقی رہا ان سب میں وہ برابر کے شریک ہیں اور ابوالانبیاء ہیں آخرت کے مراتب بھی ان کے ہوں گے۔

تو ان انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی گویا کہ ایک دنیاوی عزت کا ذکر بھی تھا، ان کی کامیابی کا ذکر بھی تھا اور ساتھ ہی رسالت کا ذکر بھی ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح بعد میں بھی جاری رہا اور وہ سارے کے سارے موحد تھے اور اگر ان میں سے کسی سے شرک صادر ہو جاتا تو ان کی بھی زندگی بھر کی کمائیاں ختم ہو جاتیں اور ان کے اعمال برباد ہو جاتے یعنی تم ان کی طرف محض انتساب کر کے بے فکر ہوئے بیٹھے ہو اور ہر قسم کا شرک کرتے ہو اور اللہ سے نہیں ڈرتے تو جن کی طرف تم انتساب پر فخر کرتے ہو ان کا بھی مقام ایسا ہے کہ اگر شرک وہ بھی کرتے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ بھی ٹھکرا دیے جاتے تو ان کی طرف نسبت کرنے والوں کی کیا قدر و قیمت ہے اور ان کا ذکر کرنے کے بعد پھر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ انہیں کے ساتھ جوڑا تھا کہ آپ بھی اسی طریقے پر ہیں جس طریقے پر یہ لوگ آئے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو سیدھے راستے پر چلایا تھا تو آپ بھی انہیں کی اقتداء کیجئے یعنی آپ بھی انہی والا طریقہ اختیار کیجئے۔

اور اس طریقے سے مراد ہے اصول دین کا اختیار کرنا اور فروع جو منسوخ نہ ہوئے ہوں ان کو اختیار کرنا یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلے حکم کے خلاف کوئی حکم آ جائے پھر تو اسلام اور فرمانبرداری جو انبیاء علیہم السلام کا مسلک ہے اس کا تقاضہ یہی ہے کہ نئے حکم کو مانا جائے اور اگر کوئی نیا حکم نہ آئے تو پھر جو حکم انبیاء علیہم السلام کو پہلے آیا ہوا تھا شرائع سابقہ میں اسی کے اوپر ہی عمل کیا جائے گا، اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کرنے کے بعد پھر آپ سے ایسا اعلان کروایا گیا تھا جو انبیاء علیہم السلام کے درمیان میں مشترکہ اعلان ہے جہاں واقعات انبیاء علیہم السلام کے مفصل آئیں گے وہاں یہ بات تقریباً ہر نبی کے واقعہ میں آئے گی کہ نبی اپنی قوم کے مقابلہ میں اعلان کرتا ہوا یہ ضرور کہتا ہے ''لا اسئلکم علیہ اجرا'' کہ میں تمہارے لئے اس دین کے بارے میں جو محنت کر رہا ہوں، تبلیغ کر رہا ہوں، اللہ کا دین پہنچا رہا ہوں یہ میرا ایک فرض ہے جو میں ادا کر رہا ہوں اور میرا کوئی کاروبار نہیں کہ جس کے بارے میں مجھے یہ اندیشہ ہو کہ اگر تم نے اس کو قبول نہ کیا تو میرا کوئی نقصان ہو جائے گا یا میری تجارت فیل ہو جائے گی ایسی کوئی بات نہیں ہے اگر قبول

کروگے، اس میں تمہارا نفع ہے، نہیں قبول کروگے تو میرا کوئی نقصان نہیں، میرا تو جو اجر بھی ہے وہ سب اللہ کے ذمے ہے یہ انبیاء علیہم السلام اعلان کرتے ہیں۔

اور اس اعلان کا اثر یہ پڑتا ہے کہ دوسرا شخص متوجہ ہوتا ہے کہ یہ بے غرضی ہے، بے مطلب ہے اس میں اس کا کوئی مطلب نہیں، دنیاوی کوئی مفاد حاصل نہیں کرنا چاہتا، اس سے خلوص اثر انداز ہوتا ہے دوسرے پر، یہ اعلان ہوا تھا۔

آج کے سبق کا خلاصہ اور آیات کا شانِ نزول:

اور آگے جو آپ کے سامنے رکوع پڑھا گیا اس میں مسئلہ رسالت کی تفصیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ سورۃ الانعام اگرچہ مکی ہے اور مکہ معظمہ میں رہتے ہوئے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ جو پڑا تھا وہ اہل مکہ سے تھا جو کہ مشرک تھے اور نبوت کے سرے سے منکر تھے ان کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ اللہ تعالیٰ کسی انسان کے اوپر اپنی کتاب یا اپنا پیغام کس طرح سے اتارتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بنا کر بھیجنا ہے تو کسی فرشتے کو بھیج دے ''ابعث اللہ بشرا رسولا'' ''ابشر یھدوننا'' اس قسم کے الفاظ جو قرآن کریم میں آئے ہیں ان سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ بشر کے رسول ہونے کے منکر تھے کہ بشر رسول نہیں ہوسکتا، تو مشرکین مکہ کے ساتھ آپ کا براہ راست واسطہ تھا اور اس زمانے میں اہل کتاب یہود جو مدینہ کے اردگرد موجود تھے اگرچہ ان کے ساتھ آپ کی براہ راست اس وقت ٹکر نہیں تھی لیکن یہود نے آخر حالات تو سن رکھے تھے تو انہوں نے بھی اس اٹھنے والے مذہب کو، اس اٹھنے والے دین کو اپنے لئے خطرہ محسوس کرنا شروع کر دیا ابتداء سے ہی وہ سمجھتے تھے کہ اگر ان امیوں میں پیغمبر آگیا تو ہماری عملی ریاست جو ہے وہ بنی اسحاق سے، بنی اسرائیل سے منتقل ہو کر بنی اسماعیل کی طرف چلی جائے گی یہ ہماری خاندانی وجاہت کے خلاف ہے۔

تو جب اس قسم کی کوئی صداقت نمایاں ہوتی ہے جیسے کہ کسی کے کاروبار کو نقصان پہنچتا ہے، کسی کی حیثیت مجروح ہوتی ہے تو پھر وہ مختلف سازشوں کے ذریعے سے اس کو دبانے کی کوشش کرتے ہیں تو اہل مکہ نے جب یہ آواز اٹھائی کہ اللہ کی طرف سے کوئی رسول آیا ہے اس کے اوپر کوئی کتاب اتری ہے تو گاہے گاہے وہ یہود سے ملتے تھے اور ان کے سامنے حالات کا تذکرہ کرتے اور اس کو دبانے کے لئے ان سے مشورہ لیتے تھے اور وہ یہود آئے دن

ان کو کچھ نہ کچھ پٹی پڑھاتے رہتے اب اس میں تو کوئی شک نہیں کہ یہود اہل کتاب ہیں اور ان کا ایمان تھا موسیٰ علیہ السلام پر اور وہ موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر مانتے تھے اور موسیٰ علیہ السلام بشر تھے اور ان پر جو توراۃ اتری تھی اس کو بھی وہ لئے ہوئے تھے اور اسی توراۃ کی وجہ سے وہ دنیا کے اندر اپنے علم کا سکہ چلائے ہوئے تھے تو وہ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ بشروں کو رسول بناتا ہے اور ان کے اوپر کتابیں بھی اتارتا ہے، ان کا یہ عقیدہ تھا لیکن اللہ تعالیٰ برا کرے اس ضد کا جب یہ آجاتی ہے تو اس وقت پھر واضح سے واضح حقائق سے بھی انسان چشم پوشی کر جاتا ہے، ان کو بھی تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

اب ان کا مقصد تو تھا کہ بنی اسماعیل بنی اسرائیل کے مقابلہ میں ابھر نہ آئیں اور ان کے اندر کوئی کسی قسم کی خیر باقی نہیں رہنی چاہیئے لیکن یہ بات اگر وہ اپنی زبان سے کہتے تو ایسی صورت میں ہوسکتا تھا کہ اہل عرب کا تعصب بھڑک اٹھے اور وہ یہود کے مقابلہ میں تعصب میں آکر حضور ﷺ کا ساتھ دینا شروع کردیں یہ بھی تو اندیشہ ہوتا ہے تو وہ تعصب بھی بھڑکنے نہیں دیتے تھے، تو اسی سیاسی چال کے طور پر وہ آئے دن شبہات پیدا کرتے رہتے تھے تاکہ یہ عرب ان کو قبول نہ کریں، جب اس کو قبول نہیں کریں گے تو ان کے اندر یہ اسلام پھیلے گا ہی نہیں تو بنی اسرائیل کی عملی ریاست ان کی طرف منتقل نہیں ہوگی تو کہیں کوئی ملاقات ہوئی ہوگی مشرکین مکہ کی ان کے ساتھ تو انہوں نے یہ کہا کہ یہ تو بات ہی غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی چیز کسی بندے کی طرف اترتی ہے، کسی انسان پر اللہ تعالیٰ نے کبھی کوئی چیز نہیں اتاری، اب اس فقرے سے وہ بددل کرنا چاہتے ہیں اور دور ہٹانا چاہتے ہیں اہل مکہ کو سرورِ کائنات ﷺ پر ایمان لانے سے، یہ بھی غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کبھی کسی انسان پر کچھ اتارا ہی نہیں۔

اب اس میں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اہل عرب الٹ کر یہ کہہ دیں کہ پھر تم کیوں موسیٰ علیہ السلام کو مانے بیٹھے ہو؟ تم اس کتاب کے اوپر ایمان کس طرح سے لائے ہو؟ لیکن ضد بازی میں یہ چیزیں نہیں سوچا کرتیں، اس میں تو دوسرے کی مخالفت پر اکسانا مقصود ہے چاہے نتیجۃً اپنا ہی نقصان ہوجائے جب حسد آجایا کرتا ہے اور ضد آجایا کرتی ہے تو پھر انسان یہ نہیں دیکھتا کہ یہ بات میرے لئے نقصان دہ ہے بلکہ وہ یہ دیکھتا ہے کہ وقتی طور پر بات کرکے دوسرے کو نقصان پہنچاؤں، جب یہ بات الٹ کر اپنے پر آئی پھر دیکھی جائے گی پہلے کون سے اہل عرب ہمیں مانے بیٹھے ہیں جو بعد میں ہمارے منکر ہوجائیں گے، مشرکین مکہ تو پہلے ان کے ساتھ نہیں تھے تو اگر اس بات کے نتیجہ میں

اور بدول ہو جائیں گے یا بداعتقاد ہو جائیں گے تو کیا فرق پڑتا ہے مقصد تو یہ ہے کہ حضور ﷺ کے ساتھ ان کی عقیدت نہ ہو یہ آنے والی کتاب کو نہ تسلیم کریں۔

جیسے کسی فارسی شاعر کا شعر ہے وہ اسی مفہوم کو ادا کرنے کے لئے ہے

کہ شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گزشتی
گو شتیم خاک ماہم برباد کردہ باشی

کہ ہمارے لئے تو یہ خوشی کی بات ہے کہ تو نے ہمارے رقیبوں سے جان چھڑالی، ہم بھی چاہے برباد ہو جائیں اس کی پرواہ نہیں ہے، اپنی بربادی کی فکر نہیں خوشی اس بات کی ہے کہ تو نے ہمارے رقیبوں سے دامن چھڑالیا، تو یہاں بھی وہی بات ہے وہ چاہتے تھے کہ محمد ﷺ کو یہ نہ مانیں باقی ہم سے بداعتقاد رہیں، ہم سے دور رہیں اس کی کوئی بات نہیں، وہ پہلے کونسے ہمارے معتقد ہیں تو یہ پٹی پڑھادی تو جب یہ پٹی پڑھادی تو سرور کائنات ﷺ کے سامنے اس قسم کا کوئی اعتراض آیا تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کے اندر پہلے تو ان یہود کی خبر لی ہے، ان کے اس اعتراض کو اٹھایا جو انہوں نے کیا تھا وضاحت کر کے اس کا رد کر دیا، وہ مانیں یا نہ مانیں منصف قسم کے اہل عرب کے سامنے بات آگئی کہ یہ بات یہود کے تعصب کی ہے اور یہ بات انہوں نے غلط پڑھائی ہے جس کو بھی پڑھائی ہے۔

اور پھر وہ مشرکین مکہ جو رؤساء تھے وہ اپنے تکبر کی بناء پر ماننے کے لئے تیار نہیں تھے اور سرور کائنات ﷺ کو اس لئے ٹھکرا رہے تھے کہ ذی وجاہت تو ہم ہیں، مالدار تو ہم ہیں اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب اترنی تھی، اگر اللہ نے اپنا نمائندہ بندوں کی طرف بنانا تھا تو نمائندہ ہمیں بننا چاہیئے تھا، وہ اس حسد کے اندر مبتلاء تھے اور اپنے غرور کی بناء پر قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھے تو رکوع کی آخری آیات میں براہ راست ان کے اوپر انکار ہے تو پہلی آیات کا تعلق یہود کے ساتھ ہے اور رکوع کی جو آخری آیات ہیں ان کا تعلق مشرکین کے رؤساء کے ساتھ ہے۔

یہود کی ناشکری:

پہلی بات جو کہی گئی وہ یہ ہے کہ جب یہ لوگ کہتے ہیں کہ اللہ نے کسی انسان پر کوئی چیز نہیں اتاری تو انہوں نے اللہ کی شان نہیں پہچانی، اللہ کی قدر نہیں کی یہ قدر شناسی نہیں ہے کہ جس اللہ پر ان کا ایمان ہے، جس کے

رسولوں پر ان کا ایمان ہے، جس کی کتاب کی برکت کی وجہ سے یہ پیر بنے بیٹھے ہیں، مولوی بنے بیٹھے ہیں اور پیٹ پال رہے ہیں اور ایک وقت میں آ کر اس کے متعلق کہتے ہیں کہ اللہ نے کچھ بھی نہیں اتارا یہ کتنی زیادہ ناشکری ہے، جس کے اتارنے کی برکت سے عالم بنے بیٹھے ہیں، جس کتاب دینے کی برکت سے عملی سرداری ان کے لئے ہوگئی، پیر بن گئے، رھبان بن گئے، احبار بن گئے اور خوامخواہ عیش پرستی کر رہے ہیں اب اس کے متعلق کہتے ہیں کہ اللہ نے کچھ نہیں اتارا اور پھر یہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کو انہوں نے کیا پہچانا کہ اللہ تعالیٰ انسان کی اس پیاس کو بجھانے کے لئے پانی کو زمین سے بھی اچھالے اور آسمان سے بھی برسائے اور اس کے پیٹ کو بھرنے کے لئے اللہ تعالیٰ جگہ بجگہ نعمتوں کے انبار لگا دے تو جو روح اس کے اندر ڈالی ہے اس روح کی پیاس کو بجھانے کے لئے اللہ نے کوئی انتظام نہیں کیا اور انسان کی فطرت کے اندر اللہ نے جو طلب حق کا جذبہ رکھا ہے اس طلب کو پورا کرنے کے لئے اللہ نے کوئی سامان نہیں کیا تو تم نے کیا پہچانا اللہ کو کہ اپنی مخلوق کی کس طرح سے ضرورتیں پوری کرتا ہے تم نے اس کو نہیں پہچانا تو ''ماقدروا الله'' کے اندر یہ سارے پہلو آ جائیں گے، ان لوگوں نے جب یہ کہا تو اللہ کی قدر نہیں کی جس طرح قدر کرنی چاہیئے تھی یہ اللہ کی قدر شناسی نہیں ہے جب کہ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان پر کوئی چیز نہیں اتاری۔

یہود کی بات کا جواب:

اب ذرا دیکھیے اس کو کہ ایک تو علمی اصطلاح کے طور پر ''ماانزل الله علیٰ بشر من شیء'' یہ سالبہ کلیہ ہے آپ کی منطقی اصطلاح کے اعتبار سے یہ سالبہ کلیہ ہے اللہ نے کسی انسان پر کچھ نہیں اتارا اور آپ کیا پڑھتے ہیں کہ سالبہ کلیہ کی نقیض موجبہ جزئیہ آتی ہے، دیکھو قرآن کریم نے اس انداز کے ساتھ جواب دیا ہے کہ سالبہ کلیہ کو جھوٹا ثابت کیا موجبہ جزئیہ کے ساتھ، کسی انسان پر اللہ نے کچھ نہیں اتارا تو آپ ان سے پوچھئے کہ موسیٰ علیہ السلام جو کتاب لائے تھے وہ کس نے اتاری تھی کہ اب دیکھو موسیٰ علیہ السلام بھی ایک جزئیہ ہے اور موسیٰ علیہ السلام پر جو کتاب اتری تورات وہ بھی ایک جزئیہ ہے، انہوں نے کہا کہ کسی انسان پر کچھ نہیں اترا اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام پر جو تورات اتری تھی وہ کس نے اتاری، اب ایک جزئیہ بھی ثابت ہو جائے تو کلیہ ٹوٹ گیا، سالبہ کلیہ کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے دوسری جانب موجبہ کلیہ ضروری نہیں ہوتا، ایجاب جزئی کے ساتھ بھی سالبہ کلیہ کی تردید ہو جاتی ہے تو یہ اسی انداز

کے ساتھ تردید ہے کہ آپ ان سے پوچھیے کہ جو کتاب موسیٰ علیہ السلام لائے تھے یہ بشر کی تردید ہوگئی، آپ کہتے ہیں کہ کسی بشر پر نہیں اتری موسیٰ علیہ السلام پر اتری، تم کہتے ہو کچھ نہیں اترا ہم کہتے ہیں کہ توراۃ موسیٰ علیہ السلام پر اتری تو توراۃ کا موسیٰ علیہ السلام پر اترنا یہ پچھلے جملے کی تردید ہے کہ کسی انسان پر کچھ نہیں اترا، ایک انسان پر ایک کتاب کے اترنے کا ذکر کر کے اس سالبہ کلیہ کو توڑ دیا گیا اور وہ کتاب اس حیثیت کی تھی کہ نور ہے اور ہدایت ہے واضح ہے یعنی ایسی مبہم نہیں کہ جس کا مقصد سمجھنا مشکل ہو نور کی طرح واضح ہے، اور لوگوں کے لئے راہنمائی کا باعث ہے یہ اس کی ذاتی حیثیت ہوگئی۔

یہود کا رویہ اپنی کتاب کے ساتھ:

پھر تم نے اس کتاب کو کاروبار بنالیا کہ اس طرح سے نہیں جس طرح سے ہمارے ہاں کتاب اللہ یہ ایک کتاب کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے وہ اس طرح سے نہیں کرتے تھے بلکہ مختلف کاغذوں کے اوپر لکھ کر اس کو رکھتے تھے بقدر ضرورت ظاہر کرتے جس ورق کو چھپانے کی ضرورت ہوتی اس کو چھپا لیتے یعنی علماء اپنی اغراض کے تحت جس کو چھپانا چاہتے آسانی سے چھپا لیتے اس کو تم مختلف قرطاسوں پر لکھے ہوئے ہو، اس کتاب کے تم مختلف ورقے بنانے ہوئے ہو ظاہر کرتے ہو ان اوراق کو اور بعض کو چھپا بھی لیتے ہو یہاں کثیر کا لفظ ہے اکثر کا نہیں ہے، کثیر کا معنی ہوتا ہے جو آپ نے چھپایا ہے وہ فی حد ذاتہ بہت ہے اگر چہ کل کتاب کے مقابلہ میں وہ زیادہ نہ ہو کہ زیادہ حصہ چھپایا ہو اور کم حصہ ظاہر کیا ہو یہ بات نہیں، فی حد ذاتہ وہ باتیں کافی ہیں جو تم نے چھپالیں چاہے وہ کتاب کا چوتھا حصہ ہو چاہے نصف ہو چاہے نصف سے کم ہو اس سے بحث نہیں ہے فی حد ذاتہ ان میں کثرت ہے۔

''وعلمتم مالم تعلموا انتم ولاآباؤکم'' اس کتاب کے ذریعے سے تم سکھائے گئے تھے ایسی چیزیں جو نہیں جانتے تھے تم اور نہ تمہارے آباء ''ولاآباؤکم مالم تعلموا'' نفی کی تاکید ہے، آپ ان سے پوچھیے وہ کتاب کس نے اتاری تھی موسیٰ پر اور جواب بالکل واضح ہے کہ اللہ نے اتاری تھی جب اللہ نے اتاری تھی تو پھر ان کے یہ شوشے چھوڑنا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان پر کچھ نہیں اتارا یہ کہاں تک صحیح ہوا، آپ کہہ دیجئے کہ اللہ نے اتاری تھی یہ جواب دے کر ''ثم ذرھم فی خوض یلعبون'' پھر ان کو ان کے مشغلے کے اندر لگا رہنے دیجئے، یہ اپنے مشغلے کے اندر کھیلتے رہیں، پھر انہیں چھوڑ دیجئے ان کا پیچھا کرنے کی

ضرورت نہیں صحیح جواب ان کے سامنے ذکر کر دیا، ذکر کرنے کے بعد پھر وہ مانیں یا نہ مانیں پھر اس بحث میں آپ نہ الجھیں، یہ تو موسیٰ علیہ السلام کی کتاب کا ذکر تھا۔

قرآن کریم کے منزل من اللہ ہونے کی دلیل:

''وھذا کتاب انزلناہ'' یہ کتاب اس کو بھی ہم نے اتارا یہ مبارک ہے یہ آفتاب آمد دلیل آفتاب جس طرح سے کہتے ہیں کہ آفتاب کو آفتاب ثابت کرنے کے لئے یا آفتاب چڑھا ہوا ہے اس کو ثابت کرنے کے لئے یہ آفتاب خود ہی دلیل ہے، کسی نئی چیز کی ضرورت نہیں، یہ کتاب خود دلیل ہے اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کے اوپر کچھ اتارتا ہے وہ کیسے کہ اس نے بار بار آپ کو چیلنج جو کر کے دکھا دیا کہ یہ اللہ کی کتاب ہے اگر اللہ کی کتاب نہیں تو تم اس کا مقابلہ کر کے دکھا دو تو جب یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ کی کتاب ہے تو کسی انسان کے اوپر یہ اتر رہی ہے تو بھی یہ بات ثابت ہو گئی کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کے اوپر اتارتا ہے ''ھذا کتاب انزلناہ مبارک'' یہ کتاب ہم نے اس کو اتارا یہ برکت دی ہوئی ہے اور ''الذی بین یدیہ'' کا مصداق ہے اس کی تصدیق کرنے والی ہے تصدیق کا مطلب یہی ہے کہ جو اس میں پیش گوئیاں ہیں اس کا یہ مصداق ہے کیونکہ پیش گوئی کا مصداق مہیا نہ ہو تو پیش گوئی جھوٹی ہوتی ہے، اور پہلی کتابوں کے اندر جو ذکر آیا کہ بعد میں ایسی کتاب اترے گی تو اس کے مطابق کتاب کا ظاہر ہو جانا یہ اس کی تصدیق ہے۔

اور اتاری اسی لئے ہے تاکہ لوگوں کے لئے برکت بھی ہو اور تاکہ تو ام القریٰ کے رہنے والوں کو ان کے ارد گرد رہنے والوں کو ڈرائے اگر تو ''من حولہ'' سے عرب مراد ہے تو پھر یہ ابتدائی خطاب کے اعتبار سے ہے کہ اہل مکہ کو اور اہل مکہ کے ارد گرد رہنے والوں کو ڈرائے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عام ہے اور سب لوگ آپ کے مخاطب ہیں جیسے ''لتکون للعلمین نذیرا'' کے اندر اس بات کو واضح کیا ہے۔

اہل کتاب کے معتدل لوگ:

''والذین یؤمنون بالآخرۃ'' یہ وہی اہل کتاب میں سے جو لوگ آخرت پر صحیح ایمان رکھتے ہیں وہ اس قرآن پر بھی یقیناً ایمان لے آئیں گے جن کو اپنے پچھلے انجام کی فکر ہے کہ مرنے کے بعد ہمارے ساتھ کیا ہونے والا ہے ہمیں کوئی نیکی کرنی چاہیئے اللہ کو راضی کرنا چاہیئے، جن کا عقیدہ اس قسم کا ہے وہ اس پر ایمان لائیں گے اور اپنی

نمازوں کی محافظت کرتے ہیں، نمازوں کی محافظت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ نمازوں کا خیال رکھنا، نمازوں کا دھیان رکھنا وقت پر پڑھنا آداب اور شرائط کی رعایت رکھتے ہوئے پڑھنا اس کو ''محافظۃ علی الصلوۃ'' کہتے ہیں ''حافظوا علی الصلوات والصلوۃ الوسطیٰ'' جیسے یہ لفظ دوسری جگہ پر قرآن کریم میں آئے ہوئے ہیں ساری نمازوں کا خیال رکھو خاص طور صلوۃ وسطیٰ کا وہاں بھی ''حافظوا'' کا صیغہ آیا ہوا ہے تو ہم اپنی زبان میں ''حافظوا'' کا یہی مفہوم ادا کرسکتے ہیں کہ نمازوں کا خیال رکھتے ہیں اور خیال رکھنے کے اندر سب کچھ آ گیا وقت پر پڑھتے ہیں، قضا نہیں کرتے اور اس طریقے کے مطابق پڑھتے ہیں جو طریقہ ان کو بتایا گیا ہے۔

وحی الٰہی کے مقابلہ میں مشرکین کی ڈھینگیں:

''ومن اظلم ممن افتریٰ علی اللہ کذبا''اس کے اندر اب انکار ہے ان رؤساء مشرکین پر جو اپنے ماتحتوں کو مطمئن رکھنے کے لئے اس قسم کی ڈھینگیں مارا کرتے تھے، جب ان کی مجلس میں ذکر آتا قرآن کریم کا تو اپنے معتقدین کو، اپنے ماتحتوں کو مطمئن رکھنے کے لئے وہ کہتے کہ یہ کونسی بات ہے یہ قرآن اترا ہے تو کیا ہو گیا اگر ہم چاہیں تو ایسی کلام تو ہم بھی لا سکتے ہیں ''اذاتتلیٰ علیھم آیاتنا قالوا لقد سمعنا لونشاء لقلنا مثل ھذا'' جب ان کے اوپر ہماری آیات پڑھی جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے سن لی کونسی اس میں نئی بات آ گئی اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسی باتیں کر سکتے ہیں ''ان ھذا الا اساطیر الاولین'' اس میں کیا ہے پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں تو جیسے پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں اس میں بیان کیے جارہے ہیں تو کیا ہم نہیں بیان کر سکتے ایسی باتیں، لیکن ہم ان کو کوئی اہمیت ہی نہیں دیتے جس کی وجہ سے ہم ایسی کلام بناتے ہی نہیں یہ اپنے ماتحتوں کو مطمئن کرنے کے لئے اس قسم کی باتیں کیا کرتے تھے۔

یہ ہمیشہ قاعدہ ہوتا ہے تو جب کوئی ایسی حقیقت نمایاں ہو کہ جس کو لوگوں نے اپنی اغراض کے تحت پوشیدہ کر رکھا ہے اور اس حقیقت کے نمایاں ہونے کے ساتھ کسی کی بڑائی پر زد پڑتی ہے اور اس کی اپنی حیثیت خراب ہوتی ہو تو پھر اپنی حیثیت کو بچانے کے لئے نفسیاتی قاعدہ ہے کہ وہ اپنی حیثیت کو بچانے کے لئے لوگوں کے سامنے ڈھینگیں مارا کرتا ہے اور اس طرح وہ نمائشی طور پر شاہ زوری دکھاتا ہے کہ میں بھی ایسا کر سکتا ہوں میں یوں کر دوں گا، اس قسم کی باتیں کر کے اپنے معتقدین کو وہ محفوظ رکھنا چاہتا ہے تاکہ یہ دوسری طرف متوجہ نہ ہوں لیکن ایسی نمائشی

شاہ زوری کتنی دیر تک چلتی ہے جب قرآن کریم نے بار بار چیلنج دیا تو پھر وہ آگے سے کوئی جواب نہ لا سکے تو منصف مزاج کہتے ہیں کہ محض ان کی ڈھینگیں ہی ڈھینگیں ہیں اس میں حقیقت کچھ نہیں تو ایسے تھے مشرکوں کے سردار جو کہتے تھے کہ ایسی وحی تو ہم پر بھی آتی ہے جیسی یہ کہتا ہے کہ وحی آتی ہے اور اس قسم کی باتیں تو ہم بھی کر سکتے ہیں جیسے یہ کر رہا ہے، یہ کیا قصے کہانیاں ہیں ہم بھی تو سنا سکتے ہیں اس قسم کی باتیں وہ کیا کرتے تھے۔

تو اللہ تعالیٰ نے یہاں ان کے اوپر انکار کیا کہ کون بڑا ظالم ہے اس شخص سے جو اللہ پر جھوٹ گڑھے اور اللہ پر جھوٹ گڑھنا اس کے متعلق شرک کا قول کرنا بھی ہے، اللہ پر جھوٹ گڑھنا یہ بھی ہے کہ وہ کہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں شرک کرنے کی اجازت دی ہے یا وہ اللہ پر جھوٹ گڑھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم پر بھی ایسی باتیں اتارتا ہے جس طرح سے تم پر اتاری جاتی ہیں یہ جتنے بھی برے عقیدے اللہ تعالیٰ کی تعلیم کی طرف منسوب کر دیے جاتے ہیں جو اللہ کی تعلیم نہیں وہ سب افتریٰ علی اللہ ہے یا وہ کہتا ہے کہ میری طرف وحی کی جاتی ہے حالانکہ اس کی طرف کوئی وحی نہیں کی جاتی اور وہ کہتا ہے کہ میں بھی عنقریب اتاروں گا مثل اس کے جو اللہ نے اتاری یہ اپنے معتقدین کے ذہن کو مطمئن کرنے کے لئے اس قسم کی باتیں کیا کرتے تھے یہ سب بڑے ظالم ہیں اور ان ظالموں کا انجام خراب ہوگا۔

موت اور حشر میں کفار کا حال:

اگر دیکھے تو اے مخاطب تو عجیب حال دیکھے گا، جزاء محذوف نکال لی جائے گی ''لو تری لرأیت امرا عجیبا'' اگر تو دیکھے تو دیکھنے کے قابل ہے وہ حال یا عجیب حال دیکھے گا جس وقت ظالم موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوں گے اس طرح سے جس طرح سے کوئی چیز چھیننے کے لئے، نکالنے کے لئے ہاتھ پھیلایا جاتا ہے، اور کہتے ہوں گے کہ نکالو اپنی جانیں یہ تو وہ تنبیہ ہے جس طرح سے کوئی کسی کو پیٹا کرتا ہے اور پھر زبان سے بھی اس قسم کی دھمکیاں دیتا ہے باتیں کیا کرتا ہے ویسے ہی یہ بات ہے نکالو تم اپنی جانیں آج تم جزا دیئے جاؤ گے، بدلہ دیے جاؤ گے ذلت کا عذاب، دنیا کے اندر جو تم نے نمائشی عزت بنا رکھی تھی اب وہ عزت کا مقام چلا گیا اب تم ذلت کا عذاب دیئے جاؤ گے بسبب اس کے کہ تم اللہ کے اوپر ناحق بولتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے اعراض کرتے ہوئے، اللہ کی آیات سے اعراض کرتے ہوئے تم بڑے بنتے تھے تم تکبر کرتے تھے، بڑائی تم نے اپنے لئے اختیار کر رکھی تھی تو اس کے مقابلہ میں آج تمہیں اللہ ذلت کا عذاب دے گا۔

''لقد جئتمونا فرادیٰ'' کا مطلب یہ ہوا کہ وہ تمہارے جتھے، تمہاری جماعتیں، تمہاری گروہ بندیاں سب ختم ہوگئیں تم اگر آرہے ہو تو سب انفرادی حیثیت میں آرہے ہو، آگئے ہو تم ہمارے پاس اکیلے اکیلے جیسے کہ ہم نے تمہیں پیدا کیا تھا ویسے ہی آگئے ہو ننگ دھڑنگ ٹوپی جوتے سے خالی جس طرح سے پہلے مفہوم ذکر کیا بچہ جس طرح سے پیدا ہوتا ہے قبروں سے نکل کر ایسے ہی سارے کے سارے حشر کی طرف چلے جائیں گے جیسے ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا ''وترکتم ماخولناکم وراء ظهورکم'' اور چھوڑ آئے تم وہ چیزیں جو ہم نے تمہیں دی تھی جس مال و دولت پر تمہیں ناز تھا وہ بھی تم چھوڑ آئے کہاں چھوڑ آئے ''وراء ظهورکم'' اپنے پیچھے یعنی دنیا میں ''ومانریٰ معکم شفعاء کم الذین زعمتم'' اور ہمیں تمہارے وہ سہارے بھی نظر نہیں آتے جو تم نے اختیار کرر کھے تھے، وہ سفارشی تمہارے نظر نہیں آرہے جن کو تم سمجھا کرتے تھے کہ تمہارے بارے میں شریک ہیں اللہ کے ''فیکم شرکاء'' یعنی تمہارے بارے میں اللہ کے شریک ہیں، تمہاری عبادت میں شریک، تمہارے مال میں شریک ہیں جس طرح سے تم عبادت بھی ان کی ایسی کرتے تھے جیسے اللہ کی کی جاتی ہے، نذرونیاز بھی تم ان کی ایسے دیتے تھے جیسے اللہ کی دی جاتی ہے جن کو تم یہ سمجھا کرتے تھے کہ تمہارے بارے میں اللہ کے شریک ہیں وہ بھی کہیں نظر نہیں آرہے یعنی سفارشی کی حیثیت سے موجود نہیں کیونکہ جب ان کی حیثیت شفعاء والی ہے ہی نہیں تو دیکھا کیسے جائے ''لقد تقطع بینکم'' دنیا کے اندر رہتے ہوئے تم نے آپس میں جو یاریاں لگا رکھی تھیں، جو آپس میں تعلق قائم کرر کھا تھا وہ سب ٹوٹ گیا ''وضل عنکم ماکنتم تزعمون'' اور جس قسم کے خیال تم پکاتے تھے، جو چیزیں تم سمجھتے تھے وہ تم سے گم ہوگئیں۔

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَ النَّوٰى ؕ يُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ مُخْرِجُ الْمَيِّتِ

بے شک اللہ تعالیٰ پھاڑنے والا ہے دانے کو اور گٹھلی کو، نکالتا ہے وہ زندہ کو میت سے اور نکالنے والا ہے میت کو

مِنَ الْحَیِّ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۹۵﴾ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ ۚ وَ جَعَلَ الَّيْلَ

حیی سے یہی ہے اللہ پھر تم کدھر پھرے جارہے ہو ﴿۹۵﴾ پھاڑ نکالنے والا ہے صبح کو اور بنایا اس نے رات کو

سَكَنًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ حُسْبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۹۶﴾ وَ هُوَ

سکون کی چیز اور بنایا اس اللہ نے سورج کو اور چاند کو حساب کے لئے یہ اندازہ کرتا ہے زبردست کا علم والے کا ﴿۹۶﴾ اور اللہ وہ ہے

الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ

جس نے تمہارے نفع کے لئے ستاروں کو بنایا تاکہ تم راہنمائی حاصل کرو ان ستاروں کے ساتھ خشکی اور سمندر کی تاریکیوں میں

قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۹۷﴾ وَ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ

تحقیق کھول کھول کر بیان کیا ہم نے آیات کو علم والے لوگوں کے لئے ﴿۹۷﴾ اور اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا تمہیں

نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّ مُسْتَوْدَعٌ ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ

نفس واحدہ سے پھر تمہارے لئے مستقر بنایا اور مستودع بنایا تحقیق کھول کھول کر بیان کیا ہم نے آیات کو ایسے لوگوں کے لیے

يَّفْقَهُوْنَ ﴿۹۸﴾ وَ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ

جو سمجھدار ہیں ﴿۹۸﴾ اور اللہ وہ ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا پھر نکالا ہم نے اس پانی کے ذریعے سے ہر چیز کی نباتات کو

كُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ

پھر اس نباتات سے ہم نے نکالی سبز شاخ پھر اس سبز شاخ سے ہم نکالتے ہیں تہ بتہ غلہ

وَ مِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّ جَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ

اور کھجوروں کے درخت سے یعنی ان کے گابوں سے خوشے نکالے جو جھکے ہوئے ہیں اور باغات انگور کے

وَّ الزَّيْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّ غَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اُنْظُرُوْۤا اِلٰى ثَمَرِهٖۤ

اور زیتون کو اور رمان کو ان میں سے ہر ایک ملتا جلتا ہے اور ملتا جلتا نہیں ہے دیکھو تم اس کے پھل کی طرف

اِذَآ اَثۡمَرَ وَیَنۡعِهٖ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکُمۡ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۹۹﴾ وَجَعَلُوۡا

جب یہ پھلتا ہے اور اس کے پکنے کی طرف دیکھو بے شک البتہ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو کہ ایمان لاتے ہیں (۹۹) اور بنالیا ان لوگوں

لِلّٰهِ شُرَکَآءَ الۡجِنَّ وَخَلَقَهُمۡ وَخَرَقُوۡا لَهٗ بَنِیۡنَ وَبَنٰتٍۭ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ ؕ

نے اللہ کے لئے جنوں کو شرکاء حالانکہ اللہ نے انہیں پیدا کیا اور تراشے انہوں نے اللہ کے لئے بیٹے اور بیٹیاں بغیر کسی علمی تحقیق کے

سُبۡحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یَصِفُوۡنَ ﴿۱۰۰﴾ ع بَدِیۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ اَنّٰی

اللہ پاک ہے اولاد سے اور بلند ہے ان باتوں سے جو یہ بیان کرتے ہیں (۱۰۰) اللہ تعالیٰ ایجاد کرنے والا ہے سموٰت اور ارض کو،

یَکُوۡنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمۡ تَکُنۡ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ کُلَّ شَیۡءٍ ۚ وَهُوَ

کیونکر ہوگی اس کے لئے اولاد اس کی تو بیوی ہی نہیں اللہ نے ہر چیز کو پیدا کیا اور وہ

بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمٌ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِکُمُ اللّٰهُ رَبُّکُمۡ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ کُلِّ

ہر چیز کے متعلق علم رکھنے والا ہے (۱۰۱) یہی اللہ تمہارا رب ہے کوئی معبود نہیں مگر وہی، وہ ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے

شَیۡءٍ فَاعۡبُدُوۡهُ ۚ وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ وَّکِیۡلٌ ﴿۱۰۲﴾ لَا تُدۡرِکُهُ

پس تم اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کے اوپر وکیل ہے (۱۰۲) اس کا ادراک نہیں کرسکتیں

الۡاَبۡصَارُ ۫ وَهُوَ یُدۡرِکُ الۡاَبۡصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِیۡفُ الۡخَبِیۡرُ ﴿۱۰۳﴾ قَدۡ

آنکھیں اور وہ آنکھوں کا ادراک کرتا ہے اور وہ لطیف ہے اور خبر رکھنے والا ہے (۱۰۳) تحقیق

جَآءَکُمۡ بَصَآئِرُ مِنۡ رَّبِّکُمۡ ۚ فَمَنۡ اَبۡصَرَ فَلِنَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ عَمِیَ

اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے بصیرت کی چیزیں بھیجیں جو کہ مبصر ہو جائے تو اس کے اپنے نفع کے لئے ہے اور جو اندھا رہے گا

فَعَلَیۡهَا ؕ وَمَاۤ اَنَا عَلَیۡکُمۡ بِحَفِیۡظٍ ﴿۱۰۴﴾ وَکَذٰلِکَ نُصَرِّفُ الۡاٰیٰتِ

تو اس کا وبال اسی پر پڑے گا اور میں تم پر کوئی نگہبان نہیں ہوں (۱۰۴) اور اسی طرح سے ہم پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں آیات کو

وَلِیَقُوۡلُوۡا دَرَسۡتَ وَلِنُبَیِّنَهٗ لِقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۰۵﴾ اِتَّبِعۡ مَاۤ اُوۡحِیَ

تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ تو نے کہیں سے پڑھ لیا ہے اور تاکہ ہم واضح کریں اس کو علم والے لوگوں کے لئے (۱۰۵) اس طریقہ پہ چل

اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٠٦﴾

جو تیری طرف تیرے رب کی طرف سے وحی کر دیا گیا اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور مشرکین سے منہ موڑ لے ﴿١٠٦﴾

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ۗ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ

اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ شرک نہ کرتے اور ہم نے آپ کو ان پر کوئی نگہبان بنا کر نہیں بھیجا، اور نہیں ہیں آپ

عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿١٠٧﴾ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ

ان پر متعین کئے ہوئے داروغہ ﴿١٠٧﴾ نہ گالی دیا کرو ان کو جن کو پکارتے ہیں یہ اللہ کے علاوہ

اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ

پس یہ گالی دینے لگ جائیں گے اللہ کو حد سے تجاوز کرتے ہوئے بغیر علم کے اسی طرح سے ہم نے مزین کر دیا ہے ہر جماعت کے لئے ان کے عمل کو

ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٠٨﴾

پھر ان کے رب کی طرف ان کا لوٹنا ہے پھر اللہ تعالیٰ خبر دے گا انہیں ان کاموں کی جو یہ کرتے تھے ﴿١٠٨﴾

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ

اور یہ قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی اپنی قسموں کو پختہ کرتے ہوئے کہ اگر ان کے پاس نشانی آ جائے تو البتہ ضرور ایمان لے آئیں گے

بِهَا ۗ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ

اس نشانی پر آپ کہہ دیجئے سوائے اس کے نہیں کہ نشانی اللہ کے پاس ہے اے اہل ایمان کونسی چیز تمہیں اطلاع دیتی ہے کہ یہ نشانی جب آ جائے گی

لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠٩﴾ وَنُقَلِّبُ اَفْئِدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ

تو یہ ایمان نہیں لائیں گے ﴿١٠٩﴾ اور ہم ان کے دلوں کو پلٹا دیں گے اور ان کی آنکھوں کو پلٹا دیں گے جس طرح سے

يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿١١٠﴾ ع

یہ ایمان نہیں لائے اس قرآن کے ساتھ پہلی مرتبہ اور ہم انہیں چھوڑ دیں گے ان کی سرکشی کے اندر اسی حال میں کہ یہ بھٹکتے ہوں گے ﴿١١٠﴾

تفسیر

سبق کا خلاصہ:

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی توحید کا اثبات کرنے کے لیئے، توحید کو ثابت کرنے کے لئے اپنی آیات قدرت کو واضح فرماتے ہیں، تو یہ آیات جو پیش کی جارہی ہیں ان میں اللہ تعالیٰ کی خالقیت، اس کی قدرت، اس کا علم، اس کا محسن ہونا یہ بہت زیادہ نمایاں ہے اوران چیزوں میں غور کرنے کے بعد انسان کی عقل تقاضا کرتی ہے کہ جو قادر ہے، جو علیم ہے، جو محسن ہے، جو خالق ہے اور جس کا ان کاموں کے اندر کوئی شریک نہیں تو عبادت کے اندر بھی کسی کو شریک نہیں ٹھہرانا چاہیئے، کارساز بھی صرف اس کو سمجھنا چاہیئے تو یہ تصرفات جو اللہ تعالیٰ ذکر فرمائیں گے اپنے خلق کے اعتبار سے کہ جب تک علم نہ ہو اس وقت تک کس طرح سے تصرف کیا جاسکتا ہے تو علم وقدرت ثابت ہوجانے کے ساتھ معاد کا مسئلہ خود بخود ثابت ہوتا چلا جائے گا کیونکہ آخرت میں جی اٹھنے پر ان کا جو اشکال تھا یہی تھا کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کون کرے گا، جب ہڈیاں بوسیدہ ہوجائیں گی تو دوبارہ ان میں جان کون ڈالے گا؟ تو جب اللہ تعالیٰ کی قدرت ان سب کاموں کے اوپر ثابت ہوجائے گی تو مارنے کے بعد دوبارہ زندہ کرنا یہ بھی آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے تو ان آیات کے اندر اثبات توحید بھی ہے، رد شرک بھی ہے اور اثبات معاد بھی ہے، بات واضح سی ہے اس میں کوئی اشکال نہیں۔

دانہ اور گٹھلی سے پودا نکلنا قدرت الٰہی کا مظہر ہے:

''ان اللہ فلق الحب والنوی'' یہ نظارہ ہر روز نظر آتا ہے، آپ کی آنکھوں کے سامنے ہے کہ دانہ بویا جاتا ہے، کاشت کار کا کام صرف اتنا ہے کہ زمین کو سازگار کرکے اور ہل جوت کر نرم کرکے اس کے اندر غلے کو بکھیر دے یا کسی چیز کی گٹھلی کو دبا دے اس کے بعد اس کا کوئی کام نہیں ہے، اب اس دانے کو پھاڑنا چیرنا اور اس میں سے نباتات کا نکالنا یا اس گٹھلی میں سے پودا نکالنا یہ محض اللہ کا کام ہے جس میں انسان کی قدرت کا کوئی دخل نہیں جیسا کہ سورۃ الواقعہ میں آئے گا ''افرءیتم ماتحرثون ءانتم تزرعونہ ام نحن الزارعون'' حرث کی نسبت تو انسان کی طرف کی ہے حرث بیج ڈالنا کہ تم بتلاؤ جو تم بیج ڈالتے ہو اس کو تم اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں؟ اگانا

کام اللہ کا ہے ظاہری طور پر اگر آپ نے کیا ہے تو یہی کیا ہے کہ مٹی میں بیج کو دبا دیا اب اس کے بعد انسان کا کوئی زور نہیں چلتا بے شک اللہ تعالیٰ پھاڑنے والا ہے دانے کو اور گٹھلی کو۔

زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ کو نکالنا:

''یخرج الحیی من المیت'' یہ تصرف بھی روز آپ کے سامنے ہے، وہ بے جان چیز سے جاندار چیز کو نکالتا رہتا ہے، بے جان حقیقی جیسے انڈہ ہے اس میں کوئی حیات نہیں بے جان ہے اور اس میں سے جاندار کو نکال دیا کہ اسی انڈے میں سے بولتا ہوا بچہ نکل آتا ہے، بے جان میں جان ڈالنا آپ کے سامنے آ گیا کہ بے جان کو اللہ تعالیٰ کس طرح سے جان ڈال کر زندہ کر دیتا ہے اور بے جان میں سے زندہ کو نکالنا اس کی قریبی مثال یہی نباتات بھی بنائی جاتی ہے کہ ایک خشک دانہ ہے خشک گٹھلی ہے اور یہ خشکی کو بے جان کے ساتھ ہی تعبیر کیا جاتا ہے ارض میتہ آپ کے سامنے کئی دفعہ آیا بنجر زمین خشک زمین جو خشک پڑی ہوئی ہے اور اس کے اندر نباتات کا اگ آنا یہ ایک قسم کی حیات ہے۔

''یحیی الارض بعد موتھا'' یہ کتنی بار قرآن کریم کے اندر ذکر کیا گیا، کہ اللہ تعالیٰ زمین کی موت کے بعد زمین کو زندہ کر دیتا ہے زمین کا بنجر ہونا اس کا خشک ہونا ہے اور اس کی حیات اس کا سرسبز ہو جانا ہے تو گویا کہ یہ ''فالق الحب والنوی'' یہ بھی مثال ہے ''یخرج الحی من المیت'' کی کہ خشک چیز میں سے اس نے سرسبز چیز کو اٹھا دیا اور پھر ایک وقت آئے گا کہ اسی سرسبز کو دوبارہ خشک کر کے پھر اسی سے ایک بے جان دانہ نکال لے گا تو یہ زمین کا اس طرح سے بنجر ہونا اور بار بار آباد ہونا یہ ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرتا رہتا ہے اور زندوں کو مردہ کرتا رہتا ہے تو حیات اور موت کی مثال یہ خشکی اور نباتات بھی بن سکتے ہیں یہ بات قرآن کریم کے محاورے کے عین مطابق ہے اس کے ساتھ کوئی اختلاف نہیں رکھتی۔

''کذلک یحیی الارض بعد موتھا'' کے لفظ قرآن کریم میں کئی جگہ ذکر کیے گئے ہیں اور اس احیاء ارض کو موت کے بعد زندہ کرنے کی مثال بنایا ہے ''کذلک یحیی الموتیٰ'' کہ اللہ تعالیٰ ایسے ہی مردوں کو اٹھا کر کھڑا کرے گا جیسے روز تمہارے سامنے بے جان چیز میں جان ڈالی جاتی ہے تو یہ نباتات بھی اس کی مثال بن سکتا ہے اور انڈے سے بچے کا نکل آنا یہ بھی مفسرین نے مثال دی اور اسی طرح سے نطفے سے انسان کا نکل آنا اور

''مخرج المیت من الحیی'' زندہ چیز سے بے جان چیز کو نکالنے والا اس کی مثال ہے مرغی سے انڈہ نکل آیا، اور یہ سبز نباتات جو ایک حیات کی علامت ہے اسی سے وہی خشک غلہ نکل آیا، ماقبل کے ساتھ مناسبت رکھتے ہوئے یہ مفہوم بھی بیان کیا جا سکتا ہے۔

قوموں کا عروج وزوال حق وباطل کی علامت نہیں:

اور اس سے کچھ اور وسعت بھی کر دی گئی کہ روحانی موت اور روحانی حیات بھی اس سے مراد لی جا سکتی ہے کہ ایک قوم روحانی طور پر مردہ ہو گئی اللہ تعالیٰ اس میں حیات کے آثار پیدا کر دیتا ہے اس کو ابھار دیتا ہے، اس کو اٹھا دیتا ہے وہ سرسبز وشاداب ہو جاتی ہے اور ایک قوم سرسبز وشاداب ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اسی کو موت کی نیند سلا دیتے ہیں یعنی ہر لحاظ سے اس کو پست کر دیتے ہیں اور اس کی صلاحیتیں ضائع ہو جاتی ہیں تو جس طرح سے تم روز غلے سے نباتات کا پیدا ہونا پھر نباتات سے غلے کا پیدا ہونا یہ دیکھتے ہو اسی طرح سے قوموں کے زوال اور عروج کا فلسفہ ہے اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے تحت کبھی کسی کو ابھارتے ہیں کبھی کسی کو گراتے ہیں۔

یعنی آج آپ کو معلوم ہوتا ہے کہ امریکہ اور روس یہ چڑھے ہوئے ہیں ان کو عروج حاصل ہے اپنے اپنے درجے کے اعتبار سے تو یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے اگر ماقبل کی طرف آپ دیکھیں گے تو آپ کو یہ قوموں کے زوال اور عروج کی بے شمار مثالیں معلوم ہوں گی ان کو نمایاں ہوئے ابھی کوئی زیادہ عرصہ نہیں ہوا یہ دونوں ابھرے ہیں جنگ عظیم کے بعد، پہلی جنگ عظیم ۱۹۱۴ء میں ہوئی اور دوسری جنگ عظیم ۱۹۳۸ء میں ہوئی تھی یہ دو جنگیں ہیں جس کے نتیجے میں یہ دونوں قومیں روس اور امریکہ دنیا کے نقشہ کے اوپر اس طرح سے نمایاں ہوئے ہیں اور اس سے قبل اس دنیا کے اوپر برطانیہ کا طوطی بول رہا تھا، برطانیہ کی حکومت تھی انگریز کی اس کی حکومت اتنی طویل وعریض حکومت تھی کہ سورج ہی غروب نہیں ہوتا تھا اور اس کے مدمقابل کوئی ایسی حکومت نہیں تھی جس کا ذکر کیا جا سکے اب وہ سکڑتے سکڑتے اپنے ملک میں اکٹھے ہو گئے اور ان جنگوں کے نتیجے میں ان روسیوں اور امریکیوں کو برتری حاصل ہو گئی۔

اور برطانیہ کے دور سے قبل ترکوں کا دور تھا، ہندوستان کے اندر برطانیہ کے دور سے قبل مغلوں کا دور تھا اور اتنی عظمت اور اتنی شان والا دور تھا کہ انسان سمجھتا تھا کہ اب ان کو کبھی زوال نہیں آئے گا، ایسے معلوم ہوتا تھا کہ یہ

ساری دنیا کے اندر حاوی ہو جائیں گے، مغلوں کا دور بڑی شان وشوکت کا دور گزرا، ترکوں کا دور بڑی شان وشوکت کا دور گزرا اور آپ اس سے پیچھے ہٹیں گے تو بنوعباس کا ڈنکا بجتا تھا ان سے پیچھے بنوامیہ تھے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل اسی نقشے کے اوپر آپ کو روم اور فارس نظر آتے ہیں، کسی طرف روم کی شان وشوکت ہے، کسی طرف فارس کی شان وشوکت ہے، کوئی بڑھ رہا ہے تو کوئی چڑھ رہا ہے کوئی گر رہا ہے اور پیچھے ہٹتے چلے جاؤ تاریخ میں جا کر دیکھو سکندر اور دارا کی مثالیں، فرعون اور نمرود کی مثالیں تاریخ کے اوراق کے اوپر بکھری ہوئی ہیں اس لئے کسی کو چڑھتا ہوا دیکھ کر سمجھ لینا کہ حق یہی ہے اور کسی کو گرتا ہوا دیکھ کر سمجھ لینا کہ باطل یہی ہے یہ کوئی ایسی بات نہیں ہوا کرتی جیسے ایک آدمی اپنی زندگی کے اندر کمال حاصل کرتا ہے تو اس کو موت بھی آجائے تو بھی موت کے بعد اس کے کمالات کمالات ہی کہلاتے رہتے ہیں اسی طرح سے حق حق ہی رہتا ہے چاہے کسی میدان میں غالب ہو جائے، چاہے کسی میدان میں مغلوب ہو جائے۔

تو کسی قوم کا عروج کی طرف چلے جانا اس کے حق ہونے کی علامت نہیں ہوتی، کسی کا زوال کی طرف چلے جانا اس کے باطل ہونے کی دلیل نہیں ہوتی "تلك الايام نداولهابين الناس" اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات ہوتی رہتی ہے، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی یہ نقشہ آپ کے سامنے موجود ہے کہ حق وباطل کا ٹکراؤ ہوا تو بدر میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت کو بے نظیر فتح حاصل ہوئی اس وقت بھی حق آپ کے ساتھ تھا، اور اگر بعض وجوہ کی بناء پر احد کے اندر شکست ہوگئی زخمی ہوئے دانت ٹوٹے تو اب اس کا یہ مطلب نہیں کہ حق دوسروں کے ساتھ چلا گیا تھا، اور حق آپ کے پاس نہیں تھا جو حق بدر میں تھا وہی حق احد میں تھا لیکن اللہ کی حکمت کے تحت کبھی حق جیتتا ہے اور کبھی حق ہارتا ہے، کبھی غالب آتا ہے اور کبھی مغلوب ہوتا ہے، لیکن نتیجہ ہمیشہ اہل حق کے ساتھ ہوتا ہے انجام انہی کا اچھا ہوگا۔

تو اسی طرح سے حی اور میت کا فرق جو ہے یہ قوموں کے عروج وزوال کے ساتھ بھی ہوتا ہے، جاہل لوگوں میں سے، امیوں میں سے، ان پڑھ لوگوں میں سے، بدویوں میں سے ایسی قوم اٹھادی کہ جو ساری دنیا کے اوپر حاوی ہوگئی اور یہ اہل کتاب اور دوسرے لوگ جو علم وفضل کے مالک ہونے کی وجہ سے ایک زندہ قوم کہلاتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے اوپر مردہ حالت طاری کردی یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تصرفات ہیں جن کی یہاں

نشان دہی کی جارہی ہے جس سے اللہ کی قدرت بھی نمایاں ہوتی ہے، علمی احاطہ بھی نمایاں ہوتا ہے، حکمت بھی نمایاں ہوتی ہے، اس کی خالقیت مالکیت ہر چیز کا ثبوت ملتا ہے اسی تدبر کے لئے اور غور وفکر کے لئے ان چیزوں کی نشاندہی کی جارہی ہے یہی اللہ ہے "فانیٰ تؤفکون" تم کدھر کو پھرے جارہے ہو۔

صبح کی روشنی، رات کی تاریکی اور شمس وقمر میں قدرتِ الٰہی کے مظاہر:

"فالق الاصباح" یہ اب وہ باتیں آگئیں جن کا تعلق عالم کے ساتھ ہے، زمین وآسمان کے درمیان کے ساتھ ہے، تاریکی کو چیر کر اللہ تعالیٰ روشنی صبح کو نکال لاتا ہے، صبح کی روشنی نکالنے والا ہے، رات کو اس نے تمہارے لئے سکون کی چیز بنایا، ایک ایک چیز پر غور کرو گے تو پتہ چلے گا کہ اللہ کی طرف سے یہ کتنا بڑا انعام اور کتنا بڑا احسان ہے اور کتنی بڑی نعمت ہے کہ کیسا سکون ہوتا ہے، اطمینان حاصل ہوتا ہے سارا عالم ایک سکون کی نیند سو جاتا ہے، اور سورج چاند کو اللہ نے حساب کے لئے بنایا جس سے معلوم ہو گیا کہ حساب کا تعلق سورج سے بھی رکھا جا سکتا ہے چاند سے بھی، اس لئے شمسی مہینے بھی حق ہیں اور قمری مہینے بھی حق ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت شریعت کے احکام کا تعلق قمری مہینوں کے ساتھ لگا دیا ہے، اس لئے قمری مہینوں کو یاد رکھنا اور ان کی تاریخوں کو یاد رکھنا فرض کفایہ ہے اگر سارے کے سارے لوگ بھول جائیں کہ یہ کونسا مہینہ ہے، کون سی تاریخ ہے تو ساری امت گناہ گار ہوگی، کیونکہ زکوٰۃ کا حساب، رمضان کا حساب، حج کا حساب یہ سارے کا سارا قمری مہینوں سے تعلق رکھتا ہے تو ویسے اگر حساب وکتاب کے لئے شمسی مہینے استعمال کیے جائیں تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں لیکن فرض کفایہ کو ادا کرنے والا ثواب یقیناً پاتا ہے۔

سورۃ البقرۃ کے اندر یہ مسئلہ ذکر کیا تھا جیسے جنازہ پڑھنا ہر کسی کے ذمہ فرض نہیں ہے لیکن جو پڑھے گا اس کو ثواب ایسے ہی ملے گا جیسے فرض کے ادا کرنے والے کو ملتا ہے، اسی طرح ہے جو عربی تاریخیں یاد رکھتے ہیں اور یاد رکھنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ان کو اپنے خط وکتابت میں، اپنے معاملات میں استعمال کیا جائے، تاریخ جب درج کی جائے تو اسلامی تاریخ درج کی جائے تو یہ یقیناً کارِ ثواب ہے کیونکہ اس میں فرض کفایہ کی ادائگی ہے اور اگر ساری قوم اس کے استعمال کو چھوڑ دے گی، مہینے خلط ملط ہو جائیں گے، تاریخ کا پتہ نہیں چلے گا، جب تاریخ کا پتہ نہیں چلے گا تو رمضان بھی مشتبہ ہو جائے گا، اور یہ سارے کا سارا نظام عبادت گڑبڑ ہو جائے گا باقی حساب کا تعلق

شمس کے ساتھ بھی ہے جیسے ہماری نمازوں کو شمسی حساب کے متعلق کردیا گیا، روزے اور حج قمری مہینوں کے متعلق ہیں اور نمازیں شمسی حساب سے متعلق ہیں، سورج اتنا چڑھ آئے تو یہ نماز پڑھو ہمارا سارے کا سارا نماز کا نظام سورج کے حساب سے ہے۔

''والشمس والقمر بحسبان'' اور پھران کو بھی ایسے حساب کے ساتھ رکھا ہے،ان کی حرکات کو ایسا منظم کیا ہے کہ کروڑہا سال بھی گزرتے چلے جائیں گے تو ان کا نظم ایسے ہی چلے گا اور ایسے ہی چلتا رہے گا جب تک کہ اللہ کی مشیت اس نظام کو بگاڑنے کی نہ ہو اور جب ان کا نظام بگاڑنا ہی اللہ کی مشیت ہو جائے گی تو پھر یہ اپنی چال چھوڑ دیں گے، سورج مشرق کی بجائے مغرب کی جانب سے طلوع ہوگا اور نظام سارا درہم برہم ہو جائے گا، جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا ان کی چال کے اندر فرق نہیں آسکتا اور یہ اسی طرح سے اپنے حساب کو ادا کرتے رہیں گے یہ اندازہ ہے یعنی ان کو اس طرح سے حساب کے ساتھ چلانا، حساب کے ساتھ بنانا، حساب کے لئے قرار دینا یہ اندازہ ہے زبردست کا اور علم والے کا اس سے اس کی قدرت بھی نمایاں ہے اور علم بھی نمایاں ہے۔

ستاروں میں قدرتِ الٰہی کا مظہر:

اور اللہ وہی ہے جس نے تمہارے لئے ستاروں کو بنایا تاکہ تم اس کے ذریعے سے راہنمائی حاصل کرو، ستاروں کے ذریعے سے راہنمائی حاصل ہوتی ہے جنگل کی تاریکیوں میں اور سمندر کی تاریکیوں میں، ریگستان جس میں کوئی ایسی علامت نہیں ہوتی جس کو دیکھ کر انسان راہ معلوم کرلے کہ کونسا شہر کدھر ہے وہاں بھی یہ ستارے کام دیتے ہیں اور آج بھی خشکی کا سفر ہوائی سفر، سمندروں کا سفرانہیں ستاروں کی مدد سے ہوتا ہے یہ علیحدہ بات ہے اب منہ اٹھا کر ستارے دیکھنے کی نوبت نہیں آتی کیونکہ آلات ایسے کے ذریعہ سے ستاروں کا رخ معلوم کرلیا جاتا ہے یہ سمندری جہاز جتنے چلتے ہیں اور ہوائی جہاز جتنے اڑتے ہیں قطب نما کی مدد سے اڑتے ہیں کہ اس زاویہ پر چلیں گے تو قطب ستارہ یہاں ہوگا، اس زاویہ پر ہوگا تو فلاں شہر میں پہنچ جائیں گے اور وہ رخ ستارے کا قطب نما کے ذریعے سے معلوم کرتے رہتے ہیں''قد فصلنا الآیات لقوم یعلمون'' یہ ایک ایک کو ذکر کر کے متوجہ کیا جارہا ہے۔

انسانیت کی تخلیق میں قدرتِ الٰہی کا مظہر:

''وھوالذی خلقکم من نفس واحدۃ'' وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا ایک ہی نفس سے، ایک نفس

کا مصداق آدم علیہ السلام ہیں، تمام آسمانی مذاہب اس بات پر متفق ہیں اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں کہ انسان کی ابتداء جو ہے وہ حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی، آدم علیہ السلام اول انسان ہیں جن کو اللہ نے پیدا کیا، اور اسی سے پھر آگے نسل چلی ہے، آسمانی مذاہب سب کے سب اس بات کے اوپر متفق ہیں جس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے، اور موجودہ دہریت اس بات کا انکار کرتی ہے وہ کسی ایک انسان کو اصل نہیں مانتی وہ کہتے ہیں کہ جس طرح سے کیڑے مکوڑے پیدا ہوئے پھر اس میں ترقی کر کے اگلی چیز بن گئی پھر اس میں ترقی کر کے اگلی چیز بن گئی اور اس سے ترقی یافتہ آخر میں حیوان پھر اس میں ترقی یافتہ بندر آ گیا اور بندر سے ترقی کر کے ایک چھلانگ میں انسان بن گیا تو کوئی ایک آدھ اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہو اس کی نسل سے چلے ہوں ایسے نہیں بلکہ بندر سے اوپر کا درجہ ہے انسان کا یعنی حیوانات میں ترقی یافتہ بندر ہے، اور بندر سے تھوڑی ترقی کر کے آگے انسان بن گیا بس اتنی سی بات ہوئی کہ اس کی دم کٹ گئی اور یہ بولنے لگ گیا تو یہ انسان بن گیا۔

تو یہ انسانیت کی ابتدائی منزل یعنی پچھلی منزل انسانیت کی ان کے ہاں بندر ہے جس سے ترقی کر کے انسان وجود میں آ گیا موجودہ دہریت کا یہی نظریہ ہے، یہ ڈارون کا فلسفہ جو ذکر کرتے ہیں، ڈارون کی تھیوری اس میں یہی ذکر کرتے ہیں لیکن یہ نظریہ آسمانی مذاہب کے خلاف ہے، چاہے آسمانی مذہب قدیم ہے یا جدید ہے جو بھی ہے جس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے ہر مسلک میں بنیادی طور پر اس چیز کو تسلیم کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو آدم علیہ السلام کی نسل سے پھیلایا ہے، اللہ وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا ایک ہی جان سے ''فمستقر ومستودع'' اس کی تفصیل آپ کے سامنے ذکر کر دی گئی تو اس کے لئے مستقر بھی بنایا اور مستودع بھی بنایا عارضی طور پر ٹھہرنے کی جگہ بھی بنائی اور مستقل ٹھہرنے کی جگہ بھی بنائی ''قد فصلنا الآيات لقوم يفقهون'' تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہم نے آیات کو سمجھدار لوگوں کے لئے۔

بارش اور نباتات میں قدرتِ الٰہی کے مظاہر:

اور اللہ وہ ہے جس نے اتارا آسمان سے پانی کو، یہ نشانی جو ذکر کی جا رہی ہے پانی کے اتارنے کی یہ اپنی ابتداء کے اعتبار سے عالم بالا کے ساتھ تعلق رکھتی ہے انتہاء کے اعتبار سے زمین کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اور درمیانہ درجہ اس کا فضاء سے تعلق رکھتا ہے، اوپر سے لے کر نیچے تک گویا کہ سارے اول اور انتہاء کے اعتبار سے یہ نشانی

پھیلی ہوئی ہے ہم نے آسمان سے پانی اتارا یہ ایک نعمت ہے، اتنا پانی اگر یکدم اوپر سے گرادیا جاتا تو جس طرح سے آبشار گرتی ہے تو جس مکان پر گرتا مکان زمین بوس ہو جاتا اور سڑکوں پر گرتا تو سڑکوں پر کھڈے پڑ جاتے کس طرح سے قطرہ قطرہ کر کے اللہ تعالیٰ اتارتے ہیں، کتنی حکمت کے ساتھ اتارتے ہیں کہ اس کو مکان بھی برداشت کر لیتے ہیں، خیمے بھی برداشت کر لیتے ہیں، فصلیں بھی برداشت کر لیتی ہیں تو یہ اتارنا یہ مستقل اللہ کی نعمت اور قدرت ہے پھر ہم نے اسی پانی کے ذریعہ سے ہر چیز کی نباتات کو نکالا اور پھر اس نباتات میں سے سبز شاخ کو نکالا پھر اس سبز شاخ سے غلہ نکالا جو تہہ بہ تہہ رکھا ہوا ہے یہ سب اللہ کی قدرت ہے۔

''ومن النخل من طلعها قنوان دانیة'' اور کھجوروں سے یعنی ان کے گابوں سے یہ خوشے ایسے خوشے جو وزن کے اعتبار سے نیچے کو جھکے ہوئے ہیں، زمین کی طرف قریب آنے والے ہیں اور پیدا کیے اسی پانی کے ذریعہ سے اس نے باغات انگوروں کے اور پیدا کیا زیتون کو اور رمان کو بعضے آپس میں ملتے جلتے ہیں اور بعضے آپس میں ملتے جلتے نہیں ہیں ''انظروا الیٰ ثمرہ'' ان میں سے ہر ایک کے پھل کی طرف دیکھو جب یہ پھلتا ہے یعنی جب پھل پیدا ہوتا ہے تو اس کی ابتدائی منزل کیسی ہوتی ہے کیسی شکل، کیسا مزا، کیسی رنگت، اور دیکھو اس کے پکنے کی طرف جب یہ پکتا ہے ''اذا اثمر'' کے مقابلے میں یہ لفظ ''وینعہ اذا عینا'' دیکھو اس کے پکنے کی طرف جب یہ پکتا ہے تو پھر اس میں کیا کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ ابتداء اور انتہاء میں کوئی مناسبت ہی نہیں رہ جاتی، کیسا خوش رنگ، کیسا خوش ذائقہ، کیسی اس میں خوشبو ہوگی تو اول سے لے کر آخر تک مطالعہ کرو تو تمہیں پتہ چلے گا کہ اللہ کی کتنی قدرت اس میں نمایاں ہے، بے شک البتہ ان میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو کہ ایمان لاتے ہیں۔

ردِ شرک اور قدرتِ الٰہی کے چند مظاہر:

آگے وہی ردِ شرک ''وجعلوا للہ شرکاء'' انہوں نے جنوں کو شرکاء بنالیا، بنائے انہوں نے اللہ کے لئے شرکاء جن حالانکہ ان جنوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور تراش لیا انہوں نے اللہ کے لئے بیٹے اور بیٹیاں اور بے ڈھنگے پن سے قرار دے دیے، تراش لئے بغیر کسی علمی دلیل کے جہالت کے ساتھ، یعنی یہ سارے کے سارے کام اللہ کے آگے انہوں نے اور شرکاء قرار دے لئے اور بغیر دلیل کے بیٹے بیٹیاں قرار دے دیے، پاک ہے اللہ تعالیٰ ان سب چیزوں سے اور بلند ہے ان سے جو یہ بیان کرتے ہیں۔

"بدیع السمٰوات والارض" زمین و آسمان کو نئے سرے سے نئی طرح سے بنانے والا ہے بغیر نمونے کے، کیسے ہوسکتی ہے اس کے لئے اولاد اس کی تو بیوی ہی نہیں ہے کیونکہ عرفاً اولاد ہوتی ہے بیوی اور خاوند کے تعلق سے جو اللہ کے لئے بیٹیاں بیٹے قرار دیتے ہیں تو پہلے اس کی بیوی تجویز کرو (نعوذ باللہ) پھر خاوند بیوی والے تعلقات ثابت کرو تب جا کر آگے اولاد ہوگی تو اس کے لئے اولاد کیسے ہوسکتی ہے جس کی بیوی ہی نہیں "وخلق کل شیئ" ہر چیز کا خالق وہی ہے پیدا کیا اس نے ہر چیز کو اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے یہی اللہ تمہارا رب ہے "لا الٰہ الا ھو" ربوبیت کو پیش کر کے آگے الوہیت کو ذکر کیا جا رہا ہے، قرآن کریم میں خاص طور پر اس انداز کو اپنایا گیا ہے رب کا معنی ہوتا ہے پیدا کرنے والا، ضرورتیں پوری کرنے والا یہی تمہارا رب ہے، یہی تمہیں وجود دیتا ہے، یہی تمہارے وجود کو آگے نشو ونما دیتا ہے اور یہی معبود ہے اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہر چیز کو پیدا کرنے والا ہے بس تم اسی کی عبادت کرو اور وہ ہر چیز کے اوپر وکیل ہے، ذمہ دار ہے، کارساز ہے۔

دنیا و آخرت میں رویت باری تعالیٰ کی تفصیل:

"لا تدرکہ الابصار" آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کرسکتیں، دنیا کے اندر رہتے ہوئے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کو دیکھا نہیں جا سکتا، اس دنیا کے اندر رہتے ہوئے ان آنکھوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رویت نہیں ہوسکتی آپ کے سامنے سورۃ الاعراف میں آجائے گا کہ اللہ تعالیٰ نے طور پر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گفتگو کی تھی تو اس گفتگو کے نتیجے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں دیدار کا شوق ہوگیا جیسے کہتے ہیں کہ عشق کی ابتداء صرف دیدار سے نہیں ہوا کرتی کہ دیکھیں تو محبت ہوتی ہے کبھی گفتار سے بھی ہو جاتی ہے کہ پس پردہ کوئی بات ہوئی اور دل میں عشق کی آگ بھڑک اٹھی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پس پردہ تذکرہ سنا تو عشق نے جوش مارا تو مطالبہ کیا کہ اب شکل بھی دکھا دیں "ارنی انظر الیک" تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ملا "لن ترانی" اور لن یہ دنیا میں نفی دوام کے لئے ہوتا ہے کہ تو ہرگز نہیں دیکھ سکے گا جس سے معلوم ہوگیا کہ دنیا کے اندر رہتے ہوئے ان آنکھوں سے اللہ تعالیٰ کو دیکھا نہیں جا سکتا یہ اہل سنت والجماعت کا متفق علیہ مسلک ہے۔

اور قیامت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا اہل ایمان کو ہوگا کافروں کو نہیں ہوگا اس کا ذکر سورۃ المطففین میں ہے: "کلا انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون" بے شک یہ لوگ اپنے رب سے پردے میں رکھے جائیں گے،

اہل ایمان کو محشر میں بھی دیدار ہوگا اور جنت میں جانے کے بعد بھی اہل جنت کو دیدار ہوگا اور اللہ تعالیٰ کا دیدار اور اللہ تعالیٰ کی زیارت جنت کی نعمتوں میں سے اعلیٰ ترین نعمت ہوگی کہ جب تک اللہ تعالیٰ کی زیارت ہوتی رہے گی جنت کی کسی نعمت کی طرف بھی اہل جنت متوجہ نہیں ہوں گے۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو لیلۃ المعراج میں زیارت ہوئی یا نہیں؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے لیکن اگر قول کیا جائے کہ رؤیت ہوئی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے تو پھر اس میں یہ اشکال نہیں ہوگا کہ دنیا میں کیسے دیکھ لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو دنیاوی زندگی میں تھے تو اس کا حل اکابر نے یہی لکھا ہے کہ ایک ہے عالم آخرت اور ایک ہے زمان آخرت، زمان آخرت تو ہوگا قیامت کے بعد اور عالم آخرت اس وقت بھی موجود ہے، اگر اب بھی کوئی شخص اس عالم آخرت میں منتقل ہو جائے تو اس کے اوپر وہی آثار طاری ہو جائیں گے جو کہ زمان آخرت کے بعد طاری ہوں گے مثلاً عیسیٰ علیہ السلام اس وقت عالم آخرت میں موجود ہیں اب یہ ہزار ہا سال بھی بیٹھے رہیں ان پر کوئی اثر نہیں پڑے گا جیسے تھے ویسے ہی واپس آجائیں گے، اور اسی طرح سے عالم آخرت میں پہنچ جانے کے بعد کھانے پینے کی، پیشاب پاخانے کی احتیاج بالکل نہیں رہتی، اللہ کے ذکر کے اوپر گزارہ ہوگا، تسبیح کے اوپر وقت گزرے گا، اس لئے نہ پیشاب کی ضرورت، نہ پاخانے کی، نہ بیماری کی، نہ صحت کی، کوئی چیز زیر بحث ہی نہیں ہے جیسے گئے اسی طرح سے محفوظ رہیں گے، جب اللہ تعالیٰ اتارے گا اس کے بعد ہی پھر یہ قصہ چلے گا۔

حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں جتنا عرصہ رکھا گیا وہ ان کی عمر میں شمار نہیں ہے، ان کی عمر جو شروع ہوئی تو زمین پر آنے کے بعد شروع ہوئی تو جس طرح سے آخرت میں منتقل ہو جانے کے بعد زمان آخرت کے آثار طاری ہوتے ہیں تو اس طرح سے اگر عالم آخرت میں منتقل ہو جائیں تو بھی وہی آثار طاری ہوتے ہیں، تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اگر زیارت کا قول کیا جاتا ہے یا رؤیت کا قول کیا جاتا ہے تو عالم آخرت میں پہنچ جانے کے بعد کیا جاتا ہے نہ کہ عالم دنیا میں تو وہاں زیارت و رؤیت جیسے قیامت کے بعد ہو سکتی ہے اسی طرح سے آج بھی ہو سکتی ہے، بہر حال یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے بعض صحابہ رویت کا قول کرتے ہیں اور بعض نہیں کرتے، لیکن یہ مسئلہ متفق علیہ ہوا کہ دنیا کے اندر رہتے ہوئے ان آنکھوں کے ساتھ کسی کو اللہ تعالیٰ کی رویت نہیں ہو سکتی، اور اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ ادراک کرتا ہے آنکھوں کا، سب آنکھوں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

دنیا میں موحد ومشرک کا وجود اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہے:

''قدجاء کم بصائر من ربکم '' تمہارے پاس ایسی نشانیاں آگئیں جن کے ساتھ تم بصیرت حاصل کرسکتے ہو، اسباب بصیرت آگئے، بصائر بصیرت کی جمع ہے جو کوئی بصیرت حاصل کرے گا اپنے نفع کے لئے کرے گا اور جو کوئی اندھا بنا رہے گا اس کا وبال اسی پر پڑے گا، میں تم پر کوئی نگہبان نہیں ہوں کہ تمہیں زبردستی راہِ راست پر لانے کی کوشش کروں اوا گر ایسا نہ کروں تو میرے اوپر کوئی ذمہ داری عائد ہوایسی بات نہیں ہے''و کذلك نصرف الآیات'' ہم یہ آیات پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں تاکہ آپ کو تبلیغ کا اجر حاصل ہو آپ تبلیغ کریں اور یہ لوگ کہیں کہ تونے پڑھ لیا ہے کہیں سے، پڑھ پڑھ کر لاکے سناتا ہے یعنی ان کے اوپر اتمام حجت زیادہ ہوجائے گی، جیسے جیسے وضاحت ہوتی جائے گی ویسے ویسے یہ انکار کرتے جائیں گے، زیادہ مجرم بنتے چلے جائیں گے اور تاکہ ہم واضح کردیں''ھو''ضمیر یہ قرآن کریم کی طرف لوٹ رہی ہے جس کے اوپر بصائر دلالت کرتا ہے ان لوگوں کے لئے جو کہ علم رکھتے ہیں، آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے جو طریقہ وحی کردیا گیا آپ اسی کی اتباع کرتے رہیئے۔

اوراس طریقے کی بنیاد یہی ہے''لا الٰہ الا ھو واعرض عن المشرکین '' اور مشرکوں سے منہ موڑ لیجئے ان کے پیچھے زیادہ پڑنے کی ضرورت نہیں یہ سمجھ لیجئے کہ اللہ کی حکمت ہے کہ دنیا کے اندر کوئی صحیح ہوگا کوئی غلط ہوگا اگر اللہ یہ چاہتا کہ دنیا میں سارے موحد ہی ہوں کوئی بھی مشرک نہ ہوتو کسی کی مجال نہ تھی کہ کوئی شرک کرتا لیکن جب اللہ نے صلاحیت پیدا کرکے آزاد چھوڑ دیا کوئی موحد ہے کوئی مشرک ہے، کوئی اچھا ہے اور کوئی برا ہے تو سمجھو کہ اللہ کی حکمت کا تقاضا یہی ہے ورنہ اللہ کی مشیت کے خلاف کوئی کام نہیں ہوسکتا اگر اللہ کی مشیت یہ ہوتی کہ کوئی شرک نہ کرے تو سارے ہی موحد ہوتے، زبردستی تو کوئی مشرک نہیں بن سکتا تو یہ اللہ کی حکمت ہے آزاد چھوڑ دیے ہیں لہٰذا کچھ اچھے بھی ہوں گے برے بھی ہوں گے، دنیا خیر وشر کا مجموعہ ہے، ہم نے آپ کو ان کے اوپر نہ نگہبان بنا کر بھیجا ہے اور نہ ان کے اوپر آپ داروغہ متعین ہیں کہ آپ کی یہ ذمہ داری ہو کہ آپ نے ان کو ٹھیک ضرور کرنا ہے۔

تبلیغ کا ایک سنہری اصول:

اور آگے تبلیغ کا ایک ادب سکھایا کہ تبلیغ دوسرے کو ایسے طور پر کرو کہ دوسرے کے نظریات پر اس طرح سے تنقید نہ ہو کہ اس میں اشتعال پیدا ہوجائے کیونکہ اشتعال پیدا ہونے کے بعد پھر سمجھنا ممکن نہیں رہتا اب یہ مشرکین

جن کو اللہ کے علاوہ پکارتے ہیں چاہے وہ بت ہوں، چاہے وہ درخت ہیں، چاہے روحیں ہیں، اور چاہے فرشتے ہیں، چاہے جن ہیں، جو بھی ہیں ان کے ساتھ ان کی عقیدت ہے اور ان کی عبادت کے جو طریقے تجویز کر لیے ہیں وہ قومی سطح پر ان کے دیرینہ طریقے چلے آرہے ہیں جن کے ساتھ ان کو انس ہے، اپنے طرز وطریق کے ساتھ انس ہے، ہر قوم کو اپنے طرز وطریق کے ساتھ پیار ہوتا ہے، اپنے شعار ان کو پیارے ہوتے ہیں اور انسان اپنی عادات وغیرہ کو چھوڑنے کے لئے بھی تیار نہیں ہوتے، تو اگر اس کو سمجھاتے وقت اس کا استہزاء اڑایا جائے، مذاق اڑایا جائے، تحقیر کی جائے یا اس کی معتقد فیہ شخصیات کو گالی دی جائے، برا بھلا کہا جائے تو وہ یقیناً اشتعال میں آجائے گا اور اپنے دفاع کے لئے تیار ہو جائے گا۔

اور پھر جس سے سمجھنے کا دروازہ بند ہو جاتا ہے تو جن کو آپ بات سمجھانا چاہتے ہیں اگر آپ انداز ایسا اختیار کریں گے کہ وہ دل کی کھڑکیاں پہلے بند کر کے وہ زور کے ساتھ مدافعت کے لئے آمادہ ہو جائیں تو پھر آپ کی کوشش فضول ہے، پھر وہ سمجھ نہیں سکتے اس لئے فرمایا کہ جن کو یہ مشرکین اللہ کے علاوہ پکارتے ہیں ان کو برا بھلا نہ کہو ورنہ ضد میں آکر وہ اللہ کو برا بھلا کہنے لگ جائیں گے، اور اللہ کو برا بھلا کہنا ان کی جہالت کی وجہ سے ہوگا، ضد کی وجہ سے ہوگا لیکن چونکہ تم سبب بنے کہلوانے کا اس لئے مجرم تم بھی بن جاؤ گے۔

جیسے حدیث شریف میں آتا ہے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے باپ کو گالی نہ دیا کرو اور اپنی ماں کو گالی نہ دیا کرو، صحابہ نے کہا کہ یارسول اللہ! بھلا کوئی شخص اپنے ماں باپ کو بھی گالی دیا کرتا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ یہ جو آپ کہتے ہیں کہ ماں باپ کو گالی نہ دیا کرو ماں باپ کو تو کوئی گالی دیتا ہی نہیں، ایسا بھی کوئی شخص ہے جو اپنے ماں باپ کو گالی دے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں جب تم کسی کے باپ کو گالی دو گے تو جواب میں وہ بھی تمہارے باپ کو گالی دے گا، تو اپنے باپ کو گالی تم نے دلوائی تو سبب بن گئے تم اپنے ماں باپ کو گالی دلوانے کا، تو اپنے باپ کو گالی نہ دو کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے باپ کو گالی نہ دو تا کہ وہ جواباً تمہارے باپ کو گالی نہ دے تو جس سے معلوم ہو گیا کہ جیسے برا کام کرنا خود جائز نہیں اسی طرح سے کسی برے کام کا سبب بننا بھی جائز نہیں، ایسا طرز عمل اختیار نہ کرو کہ جس کے نتیجے کے اندر کوئی برائی جنم لے لے۔

دوسروں کے پیشواؤں کو گالیاں دینے کا نقصان:

بھائی توجہ کرو! میں آپ کو ایک واقعہ سناؤں جس وقت میں کمالیہ میں مدرس تھا اس وقت فیصل آباد سے ایک

رسالہ نکلا کرتا تھا پاکستانی، فیصل آباد اس وقت لائل پور تھا تو وہاں سے جو رسالہ نکلا کرتا تھا پاکستانی وہ بریلویوں کے خلاف کوئی ضرورت سے زیادہ متشدد تھا اور کوٹلی (سیالکوٹ) سے ایک رسالہ نکلا کرتا تھا ''ماء طیبہ'' میں یہ دونوں رسالے منگواتا تھا چونکہ میں اس وقت ایک مسجد میں خطیب بھی تھا تقریر بھی کرنی ہوتی تھی، تو اس قسم کے حالات کو جمع کر کے رکھا جاتا ہے میں فاروقیہ مسجد میں جمعہ پڑھاتا تھا تو ''ماء طیبہ'' کا مطالعہ بھی کرتا تھا اور ''پاکستانی'' کا مطالعہ بھی کرتا تھا، ابتداء پاکستانی نے کی ایک عنوان اختیار کیا ''الٹے بانس بریلی کے'' اور اس کے تحت اس نے مضامین کا سلسلہ شروع کیا کہ احمد رضا خان بریلوی کی عبارات لے کر اس کا مذاق اڑانا شروع کیا کہ اس نے یہ لکھا ہے پھر اس کے اوپر تبصرہ کرتا اور تبصرہ کر کے مذاق اڑاتا، ایک یا دو قسطیں آئی ہوں گی کہ ''ماء طیبہ'' میں ایک عنوان شروع ہوگیا ''مجرم دیکھا تھانے میں'' اور یہ عنوان قائم کرنے کے بعد اس نے نیچے لکھا کہ چونکہ پاکستانی نے یہ عنوان شروع کیا ہے ''الٹے بانس بریلی کے'' اور اس میں اعلیٰ حضرت کی عبارات جو کہ صحیح ہوتی ہیں، اچھے مطلب پر محمول ہوتی ہیں ان کو لے کر ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے تو جب تک وہ عنوان اس پرچے کے اندر آتا رہے گا تو ہمارے اس پرچے کے اندر عنوان آئے گا ''مجرم دیکھا تھانے میں''، اور ہم اس میں ان کے حکیم الامت کی وہ باتیں آپ لوگوں کو سنائیں گے جو واقعی قابل اعتراض ہیں۔

تو انہوں نے اس کے مقابلہ میں مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو لے لیا اور مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ چونکہ تھانہ بھون کے رہنے والے تھے تو اس لئے وہیں سے عنوان اخذ کر لیا مجرم دیکھا تھانے میں، اور مجرم اور تھانے کی مناسبت آپ جانتے ہی ہیں تو اس وقت میرے دل میں یہ آیا کہ بسا اوقات دوسرے کو چھیڑ کر اپنوں کو یوں گالیاں دلوائی جاتی ہیں، اب میں تو یقین کے ساتھ جانتا تھا کہ اب ''مجرم دیکھا تھانے میں'' اس عنوان کے ساتھ جو وہ مذاق اڑائیں گے باتیں وہ اپنی جگہ صحیح ہوں گی لیکن بات کو بگاڑنا اور بگاڑ کر بات بنالینا یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے، انسان کو بڑے کرتب آتے ہیں وہ واقعہ لکھتا ہے لکھنے کے بعد اس کا مذاق اڑاتا ہے آخر میں لکھتا ہے

گر ہمی حکمت ہمی جدت

کارامت تمام خواہد شد

کیونکہ ہم حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو حکیم الامت اور مجدد الامت کہتے ہیں تو بات نقل کرنے کے بعد یہ الفاظ

کہتا ہے، تو انہوں نے ادھر سے یہ سلسلہ شروع کیا تو جواب انہوں نے بھی شروع کر دیا، اب اس پر جتنا بھی وبال آئے گا اس پر ہی آئے گا جس نے ابتداء کی، ابتداء کرنے والا بڑا ظالم ہوتا ہے اور اگر ادھر سے ابتداء پہلے ہوتی جواباً یہ کاروائی ہوتی تو پھر بات وہ آتی کہ دیکھو انہوں نے اپنوں کو برا بھلا کہلوایا ہمارے بزرگوں کو برا کہہ کر، اور یہاں اس جزوی واقعہ کے تحت یعنی کلیت پر بحث نہیں اس جزوی واقعہ کے تحت گویا کہ ہمارا ''پاکستانی'' یہ سبب بن گیا حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا مذاق کروانے کا اور استہزاء کروانے کا تو یہ صورت جو ہے یہ نادانی کی ہے یہ عقل مندی نہیں ہے، اگر کوئی تمہیں چھیڑتا نہیں ہے تو تم خواہ مخواہ دوسروں کو چھیڑ کر اپنوں کو برا کہلواؤ یا اس طرح سے بات بنواؤ یہ کوئی حوصلہ افزائی کی بات نہیں یہ حوصلہ شکنی کی بات ہے کہ ایسا بالکل نہ ہونا چاہیئے۔

ہاں البتہ اگر کوئی برا بھلا کہتا ہے اور جواباً اگر کاروائی کی جائے گی تو چونکہ ابتداء ان کی طرف سے ہے تو گناہ گار وہ ہوں گے، اگر ہم چھیڑیں گے ایسے انداز کے ساتھ کہ جس میں اشتعال انگیزی ہو جس پر وہ بھی گالی گلوچ پر آمادہ ہو جائیں تو پھر مجرم ہم ہوں گے، تو یہ تمیز سکھائی گئی ہے تبلیغ کے میدان میں کہ کبھی کسی دوسرے کا ایسا استہزاء نہ اڑاؤ جس کے نتیجے میں وہ تمہاری صحیح باتوں کا استہزاء اڑانے لگ جائیں، برا بھلا نہ کہو ان چیزوں کو جن کو یہ مشرک پکارتے ہیں اللہ کے علاوہ کہ پھر وہ برا بھلا کہنے لگ جائیں گے اللہ کو نادانی کے ساتھ اور جہالت کی وجہ سے حد سے تجاوز کرتے ہوئے کیونکہ جب دوسرا آدمی ضد میں آتا ہے تو ضد میں آنے کے بعد پھر وہ صحیح غلط کی تمیز کیے بغیر ایسی باتیں کرے گا جس سے تمہارے اندر اشتعال پھیلے گا۔

''کذلک زینا لکل امۃ عملھم'' ہم نے اسی طرح سے ہر جماعت کے نزدیک اس کے عمل کو مزین کر رکھا ہے، ہر شخص کو اپنے نظریات پسند ہیں، ہر شخص کو اپنا طرز وطریق پسند ہے، اپنی بود و باش پسند ہے، اور نظریات پر تعصب ہوتا ہے کسی کے ساتھ تم اس طرح سے بات کرو کہ دلیل کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کرو اپنا طرز فکر بدلنے کی کوشش کرو جیسے قرآن کریم نے بتوں کی تردید کی ہے تو دلائل کے ساتھ کی ہے سنجیدگی کے ساتھ کی ہے لیکن اشتعال انگیزی گالی گلوچ یہ برا طریقہ ہے ورنہ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اپنے طرز وطریق کے ساتھ ہر کسی کو محبت ہے جب تم اس کا مذاق اڑاؤ گے تو وہ دفاع کے لئے تیار ہو جائیں گے وہ تمہارا مذاق اڑانے لگ جائیں گے، ایسے ہی مزین کیا ہم نے ہر جماعت کے عمل کو پھر ان کے رب کی طرف ان کا لوٹنا ہے پھر خبر دیں گے ہم انہیں اس کام کی جو وہ کیا کرتے تھے۔

منہ مانگا معجزہ نہ دینے کی حکمت:

''واقسموا باالله جهد ایمانهم ''اور یہ مشرکین مکہ قسمیں کھاتے ہیں پکی قسمیں کہ اگر آ جائے ان کے پاس نشانی یعنی ان کی منہ مانگی جس قسم کی نشانی یہ مانگتے ہیں تو ضرور اس پر ایمان لے آئیں گے، آپ انہیں کہہ دیجئے کہ آیات کا لانا تو اللہ کے قبضے میں ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل ایمان کو تسلی دی جا رہی ہے کہ تمہارے دل میں اگر یہ باتیں آتی ہیں کہ نشانی آ ہی جائے، شاید یہ مان جائیں یہ بات غلط ہے، تمہیں کیا پتہ جب نشانی آ جائے گی تو یہ ایمان نہیں لائیں گے اور اگر منہ مانگا معجزہ ظاہر کر دیا جائے تو پھر وہ قوم تباہ ہو جاتی ہے جو اس قسم کا معجزہ ظاہر ہونے کے بعد بھی مانتی نہیں ہے اس لئے ہم ان کو اس بربادی کی طرف جلدی سے نہیں لے جانا چاہتے، ہم پلٹا دے دیں گے ان کی آنکھوں کو اور ان کے دلوں کو جیسے یہ ایمان نہیں لائے قرآن کے ساتھ پہلی مرتبہ اور تکذیب کر دی یہی کیفیت ان کی بعد میں پیدا ہو جائے گی، اور ہم چھوڑ دیں گے انہیں ان کی سرکشی کے اندر بھٹکتے ہوئے۔

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا

اور اگر بے شک ہم اتار دیں ان کی طرف فرشتے اور باتیں کرنے لگ جائیں ان لوگوں کے ساتھ مردے اور جمع
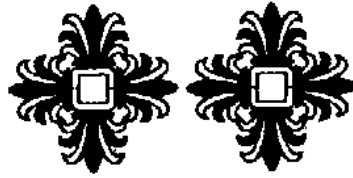
عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ

کر دیں ہم ان پر ہر چیز کو جماعت در جماعت تو نہیں ہیں یہ لوگ کہ ایمان لے آئیں مگر یہ کہ اللہ ہی چاہے

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا

لیکن ان میں سے اکثر جہالت کی حرکتیں کرتے ہیں ﴿۱۱۱﴾ اور ایسے ہی بنائے ہم نے ہر نبی کے لئے دشمن

شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ

انسانوں اور جنوں میں سے شیاطین کو وحی کرتا ہے ان کا بعض بعض کی طرف مزین کی ہوئی بات کو

الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا

دھوکے میں ڈالنے کے لئے اگر تیرا رب چاہتا تو یہ نہ کرتے آپ انہیں چھوڑ دیجئے اور اس بات کو چھوڑ دیجئے جو یہ

يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

گھڑتے ہیں ﴿۱۱۲﴾ مائل ہو جائیں اس مزین بات کی طرف دل ان لوگوں کے جو کہ ایمان نہیں لاتے

بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ اَفَغَيْرَ

آخرت پر تاکہ وہ اس کو پسند کر لیں تاکہ وہ کرتے رہیں وہی کام جس کام کو وہ کرنے والے ہیں ﴿۱۱۳﴾ کیا پھر میں اللہ

اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ

کے غیر کو حکم طلب کروں حالانکہ اللہ وہ ہے جس نے تمہاری طرف کتاب اتاری اس حال میں کہ وہ کتاب مفصل ہے

وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ

اور وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ کتاب اتاری ہوئی ہے تیرے رب کی طرف سے

بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا

حق کے ساتھ پس تو نہ ہو شک کرنے والوں میں سے ﴿۱۱۴﴾ اور پوری ہوگئی تیرے رب کی کلام از روئے صدق کے

وَّ عَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۱۵﴾ وَ اِنْ

اور عدل کے، اللہ تعالیٰ کی باتوں کو کوئی بدلنے والا نہیں، اور وہ سننے والا ہے جاننے والا ہے ﴿۱۱۵﴾ اور اگر

تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنْ

تو اطاعت کرے گا من فی الارض میں سے اکثر کی تو یہ تجھے بھٹکا دیں گے اللہ کے راستے سے،

يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ

زمین میں بسنے والوں میں سے اکثر نہیں اتباع کرتے مگر ظن کی، اور نہیں ہیں وہ مگر اٹکل چلاتے ﴿۱۱۶﴾ بے شک تیرا رب

اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَكُلُوْا

خوب جانتا ہے اس کو جو بھٹکتا ہے اس کے راستے سے اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت یافتہ لوگوں کو ﴿۱۱۷﴾ پس کھایا کرو تم

مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ وَ مَا

اس چیز میں سے جس کے اوپر اللہ کا نام ذکر کر دیا گیا اگر تم اللہ کی آیات کے ساتھ ایمان لانے والے ہو ﴿۱۱۸﴾ اور کیا ہو گیا

لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَ قَدْ فَصَّلَ لَكُمْ

تمہیں کہ تم نہ کھاؤ اس چیز میں سے جس کے اوپر اللہ کا نام لیا گیا ہے حالانکہ کھول کر بیان کر چکا اللہ تعالیٰ تمہارے لئے

مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ وَ اِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ

اس چیز کو جو اس نے تم پر حرام ٹھہرائی ہے سوائے اس چیز کے جس کی طرف تم مضطر ہو جاؤ اور بے شک بہت لوگ البتہ گمراہ

بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

کرتے ہیں اپنی خواہشات کے وجہ سے بغیر علم کے بے شک تیرا رب زیادہ جاننے والا ہے حد سے تجاوز کرنے والوں کو ﴿۱۱۹﴾

وَ ذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَ بَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ

چھوڑ دو گناہ کے ظاہر کو بھی اور اس کے باطن کو بھی بے شک جو لوگ گناہ کماتے ہیں

سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَ لَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ

عنقریب بدلہ دیئے جائیں گے اس کام کی وجہ سے جو وہ کیا کرتے تھے ﴿۱۲۰﴾ اور نہ کھایا کرو ان جانوروں میں سے جن پر نہ لیا گیا ہو

اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى

اللہ کا نام ایسے جانور کو کھانا فسق ہے اور بے شک شیاطین البتہ وحی کرتے ہیں

اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

اپنے دوستوں کی طرف تا کہ وہ تمہارے ساتھ جھگڑا کریں اگر تم نے ان کی اطاعت کر لی تو بے شک پھر تم بھی البتہ مشرک ہو جاؤ گے ﴿۱۲۱﴾

تفسیر:

من پسند نشانی مانگنے کا مقصد:

''ولو اننا نزلنا'' اس کا تعلق پچھلے مضمون کے ساتھ ہے جو ''اقسموا بالله جهد ایمانهم'' سے شروع ہوا تھا، کل کے سبق کے آخر میں یہ بات آئی تھی کہ وہ مشرک لوگ قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ اگر ہماری مرضی کے مطابق آیت واضح کر دی جائے، نشانی دکھا دی جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے اور یہ کہہ کر اصل کے اعتبار سے وہ سیاسی فائدہ اٹھانا چاہتے تھے ایک تو اپنے معتقدین کے ذہن میں یہ اثر ڈالنا چاہتے تھے کہ دیکھو ہم منصف ہیں کہ اگر ہماری مرضی کے مطابق ہمیں اس بات کی تحقیق کروادی جائے تو اس کو ہم ماننے کے لئے تیار ہیں گویا کہ ہم نے ایک شرط رکھی ہے اگر کوئی اس شرط کو پورا کر دے کہ ہماری مرضی کے مطابق کوئی نشانی دکھا دے تو ہمارے دل میں کوئی تعصب نہیں ہے ہم مان جائیں گے، اور دوسرے جو ایمان لانے والے لوگ تھے مؤمنین ان میں سے جو کمزور لوگ تھے ان کے دل ودماغ پر بھی اثر ڈالنا مقصود ہے جس کا حاصل یہ ہوگا کہ ان کے دل میں بھی یہ بات آئے گی کہ جب ان کا ایمان لانا مطلوب ہے اور صبح وشام کوشش کی جارہی ہے کہ کسی طرح سے مان جائیں تو پھر ان کی مرضی کے مطابق ان کی تحقیق کیوں نہیں کروادی جاتی، یہ اثر ڈالنا چاہتے تھے وہ دوطرفہ اپنے معتقدین پر بھی اور دوسروں پر بھی۔

منہ مانگا معجزہ دینا حکمت اور اصول عدالت کے خلاف ہے:

لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ نہیں تھی کہ ان کو منہ مانگا معجزہ دکھا دیا جائے، حکمت کیوں نہیں تھی؟ اس لئے کہ اللہ کے علم میں تھا کہ یہ محض ایک وقتی بات ہے جو یہ کر رہے ہیں ورنہ ان کے دل میں جس طرح سے ضد اور عناد

بھرا ہوا ہے اگر ان کی مرضی کے مطابق بھی معجزہ دکھا دیا گیا تو اس میں بھی کوئی نہ کوئی بات نکال لیں گے اور بات نکال کر اس کا انکار کریں گے، ایمان تو انہوں نے لانا نہیں اور اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے طور پر یہ عادت رکھی ہے کہ جب کسی قوم کو اس کی مرضی کے مطابق معجزہ دکھا دیا جائے پھر وہ نہ مانے تو پھر اس کو کلیۃً نیست و نابود کر دیا جاتا ہے، اور ان کو نیست و نابود کرنا بھی اللہ کی حکمت کا تقاضا نہیں تھا۔

دوسرا یہ ایک فطری اصول ہے کہ ایک شخص ایک دعویٰ کرتا ہے مدعی ہے مثلاً آج کل عدالت کے اندر ایک شخص جا کر کسی پر کوئی دعویٰ کر دے اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے گواہ تو پیش کرنے ضروری ہیں، دلیل تو دینی ضروری ہے اپنے مدعیٰ کو ثابت کرنے کے لئے لیکن مدعیٰ علیہ کی مرضی کے مطابق دلیل قائم کرنا یہ دنیا کی کسی عدالت کا اصول نہیں ہے، مثلاً مدعیٰ علیہ کا یہ فرض تو ہے، یہ حق تو ہے کہ مدعی نے اپنے دعویٰ کے لئے جو دلیل پیش کی ہے وہ اس پر جرح کرے، جو گواہ پیش کئے ہیں ان گواہوں کا ناقابل اعتماد ہونا ثابت کرے تو پھر مدعی کا دعویٰ ثابت نہیں ہوگا لیکن مدعیٰ علیہ کو یہ حق نہیں ہوتا کہ یوں کہے کہ یہ گواہ تو میں مانتا نہیں، فلاں فلاں شخص گواہی دے دے تو میں ماننے کے لئے تیار ہوں دنیا کی کوئی عدالت مدعیٰ علیہ کو یہ حق نہیں دیتی کہ گواہوں کی تعیین وہ اپنی مرضی سے کرے۔

اسی طرح سے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعویٰ رسالت کیا، دعویٰ نبوت کیا اور اللہ تعالیٰ کی توحید کا اعلان کیا تو اس کے اوپر دلیل دینا یہ ایک منصب کا تقاضا ہے باقی اگر یہ دروازہ کھول دیا جائے کہ ہر شخص اپنی مرضی کے مطابق دلیل کا مطالبہ کرے اور اس کی دلیل پوری کر دی جائے، اس کے مطابق چلا جائے تو پھر تو سارے کا سارا نظام ہی درہم برہم ہو جائے گا، ہر شخص آزمانے کی کوشش کرے گا کہ دیکھیں ہماری مرضی کے مطابق معجزہ ظاہر ہوتا ہے یا نہیں، تو الٹ پلٹ قسم کے مطالبے ہوں گے، اوٹ پٹانگ قسم کی باتیں ہوں گی، کوئی کچھ کہے گا تو کوئی کچھ کہے گا پھر لوگوں کے پیچھے پیچھے حق کو کہاں لئے پھریں گے، جیسا کہ دوسری جگہ قرآن کریم میں آتا ہے کہ اگر حق کو ان کی خواہشات کے پیچھے لگا دیا جائے تو پھر تو زمین و آسمان کا نظام درہم برہم ہو جائے گا، اب دوپہر کے وقت ایک آدمی مطالبہ کر بیٹھے کہ میں تب مانوں گا کہ ابھی رات موجود کر کے دکھاؤ، اور آدھی رات کو کوئی شخص مطالبہ کئے بیٹھا ہو کہ میں تب مانوں گا ابھی سورج چڑھا کر دکھاؤ، اگر یہ دروازہ کھول دیا جائے کہ جو شخص کہے کہ ایسا معجزہ دکھاؤ تو مانوں گا تو اس معجزے کو اس کے سامنے ظاہر کیا جائے تو ہر شخص کی اپنی اپنی مرضی ہو گی جتنے منہ اتنی باتیں تو کہاں ان باتوں کو ان کے پیچھے پیچھے لئے پھریں گے۔

اس لئے ایک اصولی جواب دے دیا گیا سرور کائنات ﷺ کی طرف سے کہ جس قسم کے معجزات کا تم مطالبہ کرتے ہو تو یہ صاف صاف بات ہے یہ میرے اختیار میں نہیں، اللہ تعالیٰ قادر ہے ہر قسم کا معجزہ دکھا سکتا ہے، ہر قسم کی نشانی واضح کر سکتا ہے لیکن یہ میرے بس کی بات نہیں ہے میں تو منذر بن کر آیا ہوں، مبشر بن کر آیا ہوں، میں تو اللہ کی طرف سے جو باتیں اترتی ہیں ان کو تمہارے سامنے واضح کرتا ہوں باقی اللہ کی حکمت ہوگی معجزہ ظاہر کر دے گا، حکمت نہیں ہوگی تو ظاہر نہیں کرے گا میں تمہارا یہ چیلنج قبول نہیں کر سکتا، جو شرط تم لگا رہے ہو میں اس شرط کے او پر اترنے کے لئے تیار نہیں ہوں چونکہ یہ میرے بس کی بات نہیں ہے۔

منہ مانگا معجزہ دینے پر مؤمنین کو جواب:

اور پھر وہ مسلمان جن کے دل میں یہ خیال آتا تھا کہ یہ شرط ان کی پوری کر دینی چاہیئے شاید یہ مان جائیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو کہا تھا ''وما یشعر کم انھا اذا جاءت لایؤمنون'' تمہیں کیا پتہ تم ان کی ظاہری باتوں میں نہ آ ؤ جو یہ کہتے ہیں کہ ہم مخلص ہیں جب یہ بات پوری ہو جائے گی ہم تسلیم کر لیں گے تمہیں کیا پتہ کہ جب یہ نشانی آ جائے گی تو بھی یہ نہیں مانیں گے، اوران کا نہ ماننا ایسے ہی ہوگا کہ جب پہلے ان کے سامنے حق پیش ہوا تو انہوں نے ضد وعناد کے طور پر اس سے آنکھیں پھیر لیں اور اپنے دلوں کو ادھر متوجہ نہیں ہونے دیا، اسی طرح سے بعد میں بھی اللہ تعالیٰ ان کی آنکھیں پھیر دے گا، اوران کے دلوں کو پلٹا دے دے گا جیسے کہ اللہ کی عادت ہے کہ اگر کوئی شخص الٹے راستے پر چلنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے سامنے وہی راستہ واضح کر دیتے ہیں چونکہ ہر کیفیت کا خالق اللہ ہے اس لئے اس گمراہی کی اس قسم کی چیزوں کی نسبت بسا اوقات اللہ کی طرف بھی کر دیتے ہیں کہ اللہ نے بھٹکا دیا کیونکہ جب ایک آدمی اپنے اختیار کو استعمال کرتا ہوا کوئی ٹیڑھی چال چلنا چاہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اختیار دیتے ہیں تو خلق کے اعتبار سے نسبت اللہ کی طرف کر دی جاتی ہے۔

جیسے پہلے حق پیش ہونے کے بعد انہوں نے حق کو قبول نہیں کیا بلکہ آنکھیں پھیر لیں اور اپنے دلوں کو دوسری طرف کر لیا ایسے ہی ان کی پھر بھی آنکھیں پھر جائیں گی اوران کے دل پلٹا کھا جائیں گے، اور یہ سرکشی میں طغیانی میں جس طرح سے پہلے ہیں ویسے بھٹکتے پھریں گے اگلی آیات اسی مضمون سے تعلق رکھتی ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر ہم ان پر فرشتے اتار دیں فرشتے آ جائیں جیسا کہ ان کا مطالبہ ہے ''او کلمھم الموتی'' یا ان کے

ساتھ مردے باتیں کرنے لگ جائیں جس طرح سے یہ کہتے ہیں ''فاتوا بآبائنا'' ہمارے آباؤاجداد کو لے آؤ ہمارے سامنے جو مر گئے ان کو زندہ کر کے دکھا دو وہ مردے ان کے ساتھ باتیں کرنے لگ جائیں ''لو'' بالفرض کے لئے ہوتا ہے اگر بالفرض ان کا یہ مطالبہ پورا کر دیا جائے کہ فرشتے اتار دیے جائیں، مردے ان کے ساتھ باتیں کرنے لگ جائیں ''وحشرنا علیھم کل شیئ'' کل شیئ سے مراد ہے مغیبات جو ان کی آنکھوں سے غیب ہے جنت و دوزخ اور مخلوق جتنی غیب ہے ہر چیز ہم ان کے سامنے گروہ در گروہ لے آئیں، جماعت در جماعت لے آئیں یا مقابلۃً آمنے سامنے ہم پیش کر دیں ''ما کانوالیؤمنوا'' یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں ''الا وقت مشیة اللہ'' ہاں اللہ کے چاہنے کے وقت اور اللہ چاہتا ہے تو اپنی کسی حکمت کے تحت ہی چاہتا ہے اور اللہ چاہے تو پھر کون نافرمانی کر سکتا ہے پھر تو اللہ تعالیٰ زبردستی چلا دے گا لیکن اللہ تعالیٰ نے جب اختیار دیا ہے تو اس اعتبار کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اختلاف بھی ہوگا کہ کوئی مانے گا کوئی نہیں مانے گا مگر یہ کہ اللہ چاہے ''ولکن اکثرھم یجھلون'' ان میں سے اکثر لوگ جاہل ہیں، جہالت کی حرکتیں کرتے ہیں، ماننا ان کا مقصود نہیں، ماننے کا ان کا ارادہ نہیں اور خواہ مخواہ اس قسم کے مطالبے کر کے حالات کو بگاڑتے ہیں۔

ہر نبی کا کوئی نہ کوئی دشمن ضرور تھا:

''وکذلک جعلنا لکل نبی عدواً'' اس آیت کا تعلق سرور کائنات ﷺ کی تسلی کے لئے ہے کہ یہ لوگ جو آپ کی مخالفت کرتے ہیں یہ نئی بات نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے بھی جب کبھی بھی کوئی نبی آیا تو انسانوں میں سے شریر اور جنوں میں سے شریر ہمیشہ اس نبی کے دشمن ہوئے اور اسی اصول کے مطابق یہ آپ سے دشمنی کرتے ہیں تو بالکل پرواہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے جیسے آپ کے ساتھ یہ لوگ عداوت سے پیش آرہے ہیں، شرارتیں کر رہے ہیں اسی طرح سے ہم نے انسانوں میں سے شیاطین کو اور جنوں میں سے شیاطین کو، شریر طبقے کو ہر نبی کے لئے دشمن بنایا ہے پھر وہ دشمنی ظاہر کس طرح سے کرتے ہیں؟ دشمنی ظاہر اس طرح سے کرتے ہیں کہ بعض بعض کے دل میں بات ڈالتا ہے، شریر انسان شریر انسان کے دل میں بات ڈالتا ہے، کان کے راستے شریر جو ہے وہ دوسرے جنوں کو بھڑکاتا ہے یا جن جو ہے وہ انسان کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے ساری صورتیں پائی جاتی ہیں انسانوں میں جو شیطان ہیں وہ دوسرے انسانوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں، کان کے راستے بات ان کے دل میں ڈال دی جو ایک وسوسے کی صورت اختیار کر گئی جو برائی کی طرف داعی ہوتی ہے۔

ان کا بعض بعض کی طرف وحی کرتا ہے یعنی چپکے چپکے سے باتیں سکھلاتے ہیں، ایک دوسرے کی طرف وحی کرتا ہے کس چیز کی وحی کرتا ہے ''زخرف القول'' مزین باتوں کی، بظاہر دیکھنے میں وہ باتیں اچھی لگتی ہیں بجی سجائی باتیں ہیں، ملمع شدہ جن میں حقیقت کچھ نہیں ہوتی لیکن اس کے اوپر الفاظ اچھے استعمال کیے جاتے ہیں، لیبل ان کے اوپر اچھا لگا لیا جاتا ہے، وحی کرتے ہیں دھوکہ دینے کے لئے، یہ ان کی عادت ہے ایک دوسرے کو بہکانا اور ایک دوسرے کو اکسانا حق کے خلاف اور بجی سجائی باتیں ایک دوسرے کے کان میں ڈالتے ہیں ''ولوشاء ربك مافعلوہ'' اگر تیرے رب کی مشیت ہوتی تو یہ ایسا نہ کرتے، اللہ تعالیٰ زبردستی ان کو ہر نبی کا متبع بنا دیتا لیکن یہ اللہ کی مشیت نہیں ہے تو جب اللہ کی مشیت کے تحت یہ اختلافات پیش آرہے ہیں، زبردستی سب کو ایک راستے پر چلانا مقصود نہیں ہے تو ان کی عداوت سے آپ گھبرائیے نہیں۔

''فذرھم ومایفترون'' ان کو ان کے جھوٹ کے ساتھ ہی چھوڑ دیجئے جو یہ جھوٹ بولتے ہیں، بری بری باتیں کرتے ہیں، خلاف دلیل اپنے عقائد بنائے ہوئے ہیں اور زبان سے باتیں کرتے ہیں ان کی پرواہ نہ کیجئے ان کو ان کے جھوٹ کے ساتھ ہی رہنے دیجئے، یہ حضور ﷺ کو تسلی دی گئی ہے۔

شیاطین کا مخالفت سے مقصود:

اور یہ وحی جو کرتے ہیں دھوکہ دینے کے لئے کرتے ہیں تاکہ دین سے پھیریں اس طرح سے ان کا مقصد یہ ہے کہ مائل ہو جائیں اس بات کی طرف دل ان لوگوں کے جو کہ آخرت پر یقین نہیں لاتے کیونکہ زیادہ تر شیطان کا وسوسہ وہی لوگ قبول کرتے ہیں جن کا آخرت کے متعلق عقیدہ صحیح نہیں ہوتا، آخرت کی فکر نہیں ہوتی، مائل ہو جائیں اس کی طرف دل ان لوگوں کے جو کہ آخرت پر ایمان نہیں لاتے تاکہ عقیدے کے درجے میں وہ اس بات کو پسند کرلیں۔

''ولیقترفوا ماھم مقترفون'' اور تاکہ عملی زندگی کے اندر بھی اسی کے مطابق عمل کریں، تاکہ لگے رہیں وہ ان کاموں میں جو وہ کرتے ہیں یعنی بعض کا بعض کے دل میں وسوسہ ڈالنے سے مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کو دھوکہ دے دیں اور ان کے قلوب مائل ہو جائیں خیالات کے درجے میں، عقیدے کے درجے میں اس بات کو پسند کرلیں اور عمل کے درجے میں بھی اس کو اپنالیں یہی ان کا مقصد ہے جو غلط باتیں ایک دوسرے کی طرف ڈالتے رہتے ہیں ان آیات کا تعلق تو سرور کائنات ﷺ کی تسلی سے تھا۔

توحید و رسالت کے اثبات کے لیے کیا غیر اللہ کو فیصل بنائیں؟

آگے یہ کہا جا رہا ہے کہ اس وقت مختلف فیہ مسئلہ حضور ﷺ کے درمیان اور مشرکین کے درمیان توحید اور سرور کائنات ﷺ کی رسالت ہے، اب اس مختلف فیہ مسئلے کو ثابت کرنے کے لئے کیا طرز اختیار کیا جائے؟ جب دو آدمیوں کے درمیان میں ایک جھگڑا ہو جاتا ہے تو کسی تیسرے سمجھ دار آدمی کے سامنے اس واقعہ کو پیش کر دیا جائے تو وہ فیصلہ کر دے جیسے شروع سورۃ کے اندر لفظ آیا تھا، شروع سورۃ میں یہی چیز پیش کی گئی تھی۔

''قل ای شیء اکبر شھادۃ'' کونسی چیز بڑی ہے ازروئے شہادت کے اور پھر آگے خود ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا جواب تلقین کر دیا گیا ''قل اللہ شھید بینی وبینکم'' آپ کہہ دیجئے کہ اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے، اللہ کی گواہی سب سے بڑی ہے جو بات اللہ کی گواہی کے ساتھ ثابت ہو جائے گی تو اس کے بعد اختلاف ختم ہو جانا چاہیئے، اور اللہ تعالیٰ نے گواہی دے دی آیات تنزیلہ کے ساتھ بھی اور آیات آفاقیہ کے ساتھ بھی، وحدانیت پر بھی واضح دلائل بیان کر دیے جس طرح سے پیچھے سارے کے سارے گزرے، جس کے ساتھ سرور کائنات ﷺ کی زبان سے توحید کا اظہار بھی ہوگا اثبات بھی ہوگا اور یہی آپ کی نبوت اور رسالت کی دلیل بھی بن سکتی ہے جس طرح سے تفصیل آپ کے سامنے ذکر کر دی گئی اب اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی شہادت کے اوپر مطمئن نہ ہو تو اس کے ساتھ اور بڑی شہادت کیا لائی جائے تو اور کون سا غیر ہے کہ جس کے پاس اس مسئلے کو لے جائیں تو وہ ہمارا فیصلہ کر دے یہی بات اب آگے کہتے ہیں۔

''افغیر اللہ ابتغی حکما'' کیا میں اللہ کے غیر کو حکم تلاش کروں، حکم فیصلہ کرنے والا کہ اللہ کے فیصلے پر تو ہم مطمئن نہ ہوں اور اللہ کے غیر کو ہم فیصل بنائیں حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ سنا چکا اس کتاب کو نازل کر کے اور یہ کتاب اللہ کی کلام ہے اس لئے اس کتاب کی خصوصیات واضح کی جا رہی ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ واقعی اللہ کی اتاری ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے جو بات اس کتاب کے اندر واضح کر دی وہ اللہ کی شہادت کے ساتھ ثابت ہوگی۔

قرآن کے منزل من اللہ ہونے پر اہل کتاب کی شہادت:

''وھو الذی انزل الیکم الکتاب مفصلا'' اللہ وہ ہے جس نے تمہاری طرف کتاب اتاری جس کی پہلی شان تو یہ ہے کہ وہ مفصل ہے ضروری ضروری باتیں، عقائد ضروریہ، بنیادی باتیں اصول کے درجے میں جو ہیں

وہ کھول کھول کر بیان کردی گئیں، جس میں کوئی خفا نہیں ہے یہ کتاب اپنے مدعیٰ کو خوب اچھی طرح واضح کرتی ہے اور عقائد کے درجے کی چیزیں، اصول کے درجے کی چیزیں نہایت تفصیل کے ساتھ پیش کردی گئیں ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ''والذین آتیناھم الکتاب یعلمون انه منزل من ربك'' اہل کتاب میں سے جو منصف لوگ ہیں وہ بھی شہادت دیتے ہیں کہ یہ کتاب اللہ کی طرف سے اتری ہوئی ہے، جب ان کی طرف سے بھی شہادت ہوگئی تو یہ بھی اس کی حقانیت کی ایک دلیل ہے اور اہل کتاب میں جو منصف تھے وہ اس کتاب کو سننے کے بعد ایمان لے آئے جیسے ذکر آپ کے سامنے کئی دفعہ ہوا اور وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی وہ جانتے ہیں کہ یہ تیرے رب کی طرف سے اتاری ہوئی ہے ٹھیک ٹھیک ''فلا تکونن من الممترین'' پس تو شک کرنے والوں میں سے نہ ہو، اس میں بظاہر اگرچہ خطاب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے لیکن آپ کو سامنے رکھ کر سنانا دوسروں کو مقصود ہے کہ اس کتاب کے اتر آنے کے بعد اب کسی شک کی گنجائش نہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتاب نازل ہوگئی یہ لکھا لکھایا اس کا فیصلہ ہے جو بات اس کتاب کے اندر کہہ دی گئی بس وہی صحیح ہے اب اللہ کے فیصلے کو نہ مانا جائے کسی دوسری طرف ہم بھاگیں یہ کوئی عقل مندی نہیں، یہ کتاب اللہ کی طرف سے آئی ہے اپنے مفہوم کو خوب اچھی طرح سے بیان کرتی ہے اور اس کے حق ہونے کے اوپر اہل کتاب کے منصف علماء جو ہیں وہ بھی شہادت دیتے ہیں۔

کتاب اللہ کی شان:

''وتمت کلمة ربك صدقا وعدلا'' یہ بھی شان ہے اس کتاب کی کہ تیرے رب کی کلام جو کہ اس کتاب کی شکل میں نازل ہوئی ہے یہ تمامیت کو پہنچی ہوئی ہے یہ تمام کامل ہے از روئے صدق کے اور عدل کے یعنی اس کتاب میں واقعات بیان کئے گئے ہیں وہ واقعہ کے مطابق ہیں ان میں کوئی کسی قسم کا کذب نہیں ہے وہ صدق ہے تاریخی حقائق جتنے بیان کئے گئے ہیں ان کے اندر کوئی کسی قسم کا شبہ نہیں ہے اور جو آیات اس میں احکام کی ہیں وہ عدل پر مشتمل ہیں، عدل کا مفہوم دونوں طرح سے آپ کے سامنے ذکر کردیا گیا کہ نہ تو اس میں کسی قسم کی حق تلفی ہوتی ہے اور نہ اس کے اندر کوئی افراط وتفریط ہے حقوق کی حفاظت کی گئی ہے، ہر ایک کا حق ادا کردیا گیا ہے کسی کے حق کو تلف نہیں کیا گیا اس لئے اس میں ظلم کا شبہ نہیں اور پھر اس میں کوئی افراط وتفریط نہیں، بالکل فطری امور کے مطابق ہے اگر اس کے احکام فطرت کے خلاف ہوتے پھر بھی قابل قبول نہیں تھی بالکل انسانی خواہشات کے مطابق

ہو جائے ایسا بھی نہیں ہے بلکہ یہ معتدل ہے، فطری خواہشات کی اس میں رعایت رکھی گئی ہے اور غیر فطری خواہشات کو اس میں ختم کیا گیا ہے عدل اور اعتدال لئے ہوئے ہے۔

''لامبدل لکلماته'' یہ بھی اس کتاب کی ایک شان ہے کہ اللہ کے کلمات جو کہ اس کتاب کی شکل میں آئے ہیں کوئی شخص ان کو بدل نہیں سکتا، کوئی شخص اس میں تبدیلی نہیں کر سکتا، اس کے لئے تبدیلی نہیں ہے، اب ایک تبدیلی تو ہے انسانوں کی طرف سے کہ اس میں تحریف کر دیں اور تحریف کر کے اس کی حقیقت کو بدل کر رکھ دیں ایسا بھی نہیں ہو سکتا اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کی ذمہ داری لے لی ''انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحٰفظون'' یہ حفاظت اللہ تعالیٰ نے کر لی اور آنے والے دور نے ثابت کر دیا کہ واقعی یہ حقیقت ہے کہ اللہ اس کا محافظ ہے چودہ سو سال کے اندر ہر قسم کے دشمن اس کتاب کے پیدا ہوئے، ہر قسم کے اسباب کے ساتھ وہ لیس تھے اور مخالفت کرنے کے ہر قسم کے ہتھیار ان کو حاصل تھے لیکن اس کتاب کی حقیقت کو وہ تبدیل نہیں کر سکے، زیر زبر کا فرق وہ نہیں ڈال سکے چودہ سو سال کی تاریخ اس بات کے اوپر شاہد ہے اور سرور کائنات ﷺ چونکہ آخری نبی ہیں اور آپ ﷺ کے بعد دوسرا کوئی نبی آنے والا نہیں ہے تو اللہ کی طرف سے بھی اس کلام کو منسوخ نہیں کیا جائے گا اس لئے وہ ہمیشہ کے لئے باقی ہے، انسانوں کی طرف سے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس میں کوئی نسخ نہیں آئے گا۔

''وهو السميع العليم'' وہ سننے والا ہے جاننے والا ہے، یہ تو ہے اس کتاب کی حقیقت، اپنی دلیل کے ساتھ یہ کتاب اللہ تعالیٰ کی کتاب ثابت ہوتی ہے اور جو کچھ اس میں بیان کیا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے۔

حق کے ثبوت کے لیے دلیل ضروری ہے لوگوں کی اکثریت نہیں:

اکثریت اگر اس اصول کا انکار کرے اور اس حقیقت کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہے تو اکثریت سے ہم مرعوب نہ ہوں، افرادی اکثریت جو ہے یہ کوئی مرعوب ہونے کی چیز نہیں ہے، اگر آپ دنیا کے اوپر نظر ڈالیں گے تو آپ کو ایسے ہی نظر آئے گا کہ ہر دور میں اکثریت انسانوں کی راستے سے بھٹکی ہوئی ہوتی ہے، اپنی خواہشات کے پیچھے چلنے والے زیادہ ہوتے ہیں، جب بھی کوئی حقیقت نمایاں کی جاتی ہے تو اس سوسائٹی کے جتنے لیڈر ہوتے ہیں، اس وقت کے موجود لوگوں میں سے جو شریر طبقہ ہوتا ہے اور جن کو معاشرے کے اندر کسی قسم کی برتری حاصل ہوتی

ہے وہ اس حق کی مخالفت کرتے ہیں اس لئے کہ حق کے ظاہر ہونے کے بعد ان کی سیادت اور قیادت کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے کہ ایک نظریہ قائم کر کے وہ اس کی قیادت کر رہے ہیں اور ایک معاشرہ قائم کر کے اس کے اندر وہ ریاست قائم کئے ہوئے ہیں۔

اور اس کے خلاف ایک حقیقت ظاہر ہوگی اب اس حقیقت کے ساتھ یہ معاشرہ ٹوٹے گا اس نظریہ کی تردید ہوگی تو ان کی قیادت اور سیادت بھی ختم ہو جائے گی، لیڈر طبقہ اور جو بالا دست لوگ ہوتے ہیں وہ اس لئے اس حقیقت کے ساتھ ٹکراتے ہیں کہ ان کی شخصیت کو نقصان پہنچتا ہے، ان کی قیادت کے زائل ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے اور عوام اس لئے مخالفت کرتے ہیں کہ وہ اپنے آبائی طریقے سے مانوس ہوتے ہیں جب ان کے دل میں اپنے آباء کی عظمت ہوتی ہے تو ان کے طریقے کی بھی عظمت ہوتی ہے ان کے سامنے سب سے پہلے یہ بات آتی ہے کہ ہم اپنے آباء کو گمراہ کس طرح سے مان لیں اور ان کو غلط کس طرح سے کہہ دیں تو آباء کی عظمت جو قلب کے اندر بیٹھی ہوئی ہوتی ہے وہ ان کے طریقے کو چھوڑنے نہیں دیتی، اس لئے اکثریت جو ہے وہ حقیقت سے ٹکرا جاتی ہے۔

تو کسی حقیقت کو پہچاننے کا یہ اصول نہیں ہے کہ اس کے ساتھ افرادی اکثریت ہے یا نہیں، بلکہ دیکھنا چاہیئے کہ فی حد ذاتہ اس بات کی کیا حیثیت ہے، اس فن کے جاننے والے سمجھ دار طبقے کی رائے اس کے موافق ہونی چاہیئے، اور جو اس فن کے نہیں ہیں اور اس حقیقت کو پہچاننے کی صلاحیت نہیں رکھتے ان کی رائے کا کوئی اعتبار نہیں، جہاں اپنی حقیقت کے اعتبار سے بھی بات ٹھیک اور خارجی طور پر اہل علم بھی اس کے حق ہونے پر شہادت دیتے ہیں تو وہ بات اپنی جگہ حق ثابت ہوگی (اب اگر اکثریت اس کے خلاف کرتے ہیں تو اکثریت کا کوئی اعتبار نہیں) یہ اصول شریعت نے تسلیم نہیں کیا کہ جدھر ہاتھ زیادہ اٹھیں اور جدھر زبانیں زیادہ کھلیں، جدھر بھیڑ زیادہ ہو جائے اور جدھر لوگ زیادہ جمع ہو جائیں، شور وغل زیادہ ہو اسی کو حق تسلیم کر لیا جائے یہ کوئی شرعی اصول نہیں ہے، حق ثابت ہوتا ہے دلیل کے ساتھ اور خارجی شہادت اس کے اوپر ہوا کرتی ہے سمجھدار لوگوں کی تو سمجھ دار لوگ جس بات کی شہادت دے دیں اور دلیل کے ساتھ اس بات کا حق ہونا ثابت ہو جائے وہ حق ہے چاہے ماننے والا اس کا ایک ہی فرد ہو اور ساری دنیا اس کے ساتھ اختلاف کرنے والی ہو یہاں بھی یہی بات ہے کہ آپ بھی اکثریت سے مرعوب نہ ہوں، اکثریت ہمیشہ راہ راست سے ہٹی ہوئی ہوتی ہے اگر آپ ان کا خیال کریں گے اور شریعت کی بات لینا چاہیں گے تو جیسے وہ بھٹکے ہوئے ہیں ایسے آپ کو بھی بھٹکا دیں گے۔

''وان تطع اکثرمن فی الارض'' اگر تو اطاعت کرے گا زمین میں آباد لوگوں میں سے اکثریت کی ''یضلوک عن سبیل اللہ'' تو یہ اللہ کے راستے سے تمہیں بھٹکا دیں گے، اکثریت جو ہوتی ہے وہ حق سے ہٹے ہوئے لوگوں کی ہوتی ہے ہر دور میں، جس کی وجہ میں نے آپ کے سامنے عرض کر دی کہ باپ دادے کا طریقہ لوگوں کے نزدیک مالوف ہوتا ہے، مانوس ہوتا ہے، لوگ اس کی پابندی کرتے ہیں اور ایک غلط معاشرے کے اندر جب غلط لیڈر پیدا ہوتے ہیں تو پھر وہ حقیقت کو ثابت نہیں ہونے دیا کرتے، ''ان یتبعون الا الظن'' اور ان کے اپنے نظریات اور عقائد یہ محض توہمات اور خیالات پر مبنی ہیں، وہ ظن وتوہمات کی اتباع کرتے ہیں اور باتیں ان کی ساری کی ساری اٹکل ہیں جن کی بنیاد کوئی نہیں ''ان ھم الا یخرصون'' تو ایسے لوگوں کا کیا اعتبار اور ان کی اکثریت سے کیا حقیقت ثابت ہو سکتی ہے۔

''ان ربك ھواعلم من یضل عن سبیله'' تیرا رب خوب جانتا ہے ان لوگوں کو جو کہ اس کے راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت یافتہ لوگوں کو، تو ہدایت یافتہ لوگوں کی نشاندہی بھی اللہ نے کر دی، بھٹکے ہوؤں کی نشاندہی بھی اللہ نے کر دی اس لئے بھٹکے ہوؤں سے بچ کر رہو، اور ہدایت یافتہ لوگوں کے ساتھ ملنے کی کوشش کرو، اکثریت کا کوئی اصول نہیں جو مہتدی ہے، اللہ تعالیٰ کے بیان کرنے کے ساتھ جس کا مہتدی ہونا ثابت ہے وہ اس قابل ہے کہ اس کا ساتھ دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے واضح کرنے کے ساتھ جو معلوم ہو گیا کہ یہ شخص بھٹکا ہوا ہے اس کا ساتھ نہ دو چاہے وہ کتنی ہی اکثریت میں کیوں نہ ہو۔

جانوروں کی حلت وحرمت پر مشرکین کے پروپیگنڈے کا جواب:

''فکلوا مماذکراسم اللہ علیه'' اب یہاں سے ایسی باتیں ذکر کی جا رہی ہیں جو مشرکین اہل اسلام کے خلاف پروپیگنڈا کے طور پر کرتے تھے اور عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے تھے اس میں خصوصیت کے ساتھ یہ بات تھی کہ جب قرآن کریم یہ میں حکم آیا کہ اللہ کے نام پر کسی جانور کو ذبح کیا کرو، غیر اللہ کے نام پر ذبح نہ کیا کرو اور جو چیز غیر اللہ کے نام پر ذبح کر دی جائے اور اس کی طرف منسوب کر دی جائے۔

جیسے ''مااھل به لغیر اللہ'' کے اندر ذکر آیا تھا تو وہ چیز حرام ہو جاتی ہے اس کا کھانا جائز نہیں ہے، اس پر مشرکین نے بڑا شور مچایا بعض تو یوں کہتے تھے کہ دیکھو جی، یہ کیا نیا دین آ گیا کہ جس وقت یہ خود مارتے ہیں اس

کو تو حلال سمجھتے ہیں اس کو تو کھاتے ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ کسی چیز کو مار دیتا ہے تو اللہ کی ماری ہوئی چیز کو یہ حرام کہتے ہیں یہ ''حرم علیکم المیتة'' کا جس طرح سے ذکر آیا تو کہتے تھے کہ دیکھو اللہ کی ماری ہوئی چیز کو تو حرام کہتے ہیں اور جس چیز کو یہ خود مارتے ہیں اس کو حلال کہتے ہیں، پھر اسی طرح سے آبائی طریقہ جو ان کا چلا آرہا تھا کہ غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتے تھے، غیر اللہ کی طرف نسبت کر کے جانوروں کو ذبح کرنے کے بعد اس کو کھاتے تھے بلکہ تبرک سمجھ کر کھاتے تھے تو قرآن کریم نے جو اس کی تردید کردی تو اس پر انہوں نے بہت شور مچایا، کھانے پینے کا مسئلہ جو تھا وہ اسی طرح سے زیر بحث آ گیا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان آیات کے اندر خصوصیت کے ساتھ تاکید کی کہ ان کے پروپیگنڈا سے متأثر نہ ہونا ان کے شور پر کوئی کان نہ دھرو۔

تمہارے سامنے یہ بات ذکر کردی گئی کہ اللہ کی اطاعت تم نے کرنی ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دے دیا کہ جس حلال جانور کو اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے اس کو تو کھایا کرو اور جس کو اللہ کے نام پر ذبح نہ کیا جائے غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے یا جان بوجھ کر اللہ کا نام اس پر لینا چھوڑ دیا گیا تو اس کو نہ کھایا کرو تو جو غیر اللہ کے نام پر ذبح ہوا ہے، جس کو اللہ کے نام پر ذبح نہیں کیا گیا ایسے جانور کا کھانا یہ فسق ہے اس لئے ہم یہ تجھے تاکید کرتے ہیں کہ ان کو کھاؤ اور ان کو نہ کھاؤ اور مشرکین کی باتوں پر کان نہ دھرو، اگر ان مشرکین کی باتوں کے پیچھے تم لگ جاؤ گے تو تم بھی مشرک ہو جاؤ گے یہاں مشرک ہونے کا معنیٰ یہی ہے کہ کسی چیز کو حلال قرار دینا یا کسی چیز کو حرام قرار دینا یہ منصب اللہ تعالیٰ کا ہے اللہ تعالیٰ کسی چیز کو حلال قرار دے تو اس کو حلال جاننا ضروری ہے اور اگر اللہ تعالیٰ کسی چیز کو حرام قرار دے تو اس کو حرام جاننا ضروری ہے اور اگر کسی کے پیچھے لگ کر حلال کو حرام ٹھہرا دیا جائے یا حرام کو حلال ٹھہرا دیا جائے تو یہ تحلیل اور تحریم کا اختیار کسی دوسرے کے سپرد کر دینا اللہ تعالیٰ کی تصریح کے خلاف ہے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک شرک ہے یا جیسا کہ آپ کے سامنے ذکر کیا گیا تھا کہ قرآن کریم میں جب یہ آیت آئی تھی ''اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ'' کہ انہوں نے اپنے علماء کو اور درویشوں کو اہل کتاب نے ''ارباباً من دون اللہ'' بنا لیا جس کی بناء پر یہ مشرک ہو گئے تو بعض اہل کتاب کی طرف سے یہ اشکال کیا گیا تھا، کہ یہ تو اپنے احبار و رہبان کو رب نہیں کہتے قرآن کریم نے یہ الزام کس طرح سے لگا دیا کہ انہوں نے علماء کو اور درویشوں کو رب بنا لیا ہے۔

تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تو وضاحت یہی کی گئی تھی کہ تم یہ بتاؤ کہ کیا اللہ کے احکام کے خلاف ان کو تم نے تحلیل اور تحریم کا اختیار نہیں دے دیا کہ جس کو یہ حرام کہہ دیں وہ حرام ہے چاہے وہ اللہ کی کتاب میں حلال ہی ہوں اور جس کو یہ حلال کہہ دیں وہ حلال ہے چاہے اللہ کی کتاب میں وہ حرام ہی ہو، وہ کہنے لگے یہ بات تو ہے فرمایا کہ بس یہ تحلیل اور تحریم کا اختیار جو تم نے اپنے علماء اور درویشوں کو دے دیا یہی علامت ہے کہ تم نے اللہ کے علاوہ ان کو رب بنالیا ہے تو یہاں یہ آئے گا کہ ان مشرکوں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر اگر تم نے بھی کسی حرام کو حلال سمجھ لیا یا کسی حلال کو حرام قرار دے دیا تو تم بھی اسی طرح مشرک ہو جاؤ گے، تحلیل تحریم کا اختیار اللہ کو ہے جس کو وہ حلال قرار دے اسے حلال سمجھو اور کھاؤ، اور جس کو وہ حرام قرار دیتا ہے اس کو حرام سمجھو اور اس سے بچو یہ ہے ایمان کا تقاضا اس کے خلاف اگر چلو گے تو یہ بھی مشرکوں والا فعل ہے، کھایا کرو اس چیز میں سے جس کے اوپر اللہ کا نام لے لیا گیا ''ان کنتم بآیاته مومنین'' اگر تم اللہ کی آیات پر ایمان لانے والے ہو یعنی حلال جانور جن کو اللہ کے نام پر ذبح کر لیا جائے اسے کھایا کرو۔

تم اللہ کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانوروں کو کیوں نہیں کھاتے؟

''ومالکم ان لاتأکلوا'' تمہیں کیا ہو گیا یعنی تمہارے پاس کیا عذر ہے کہ تم نہ کھاؤ اس جانور میں سے جس کے اوپر اللہ کا نام لے لیا گیا یعنی وہ جانور حلال اور اس کو اللہ کے نام پر ذبح کر لیا گیا اس میں سے تم نہ کھاؤ یہ کیسے ہو سکتا ہے کیا ہو گیا تمہیں ''وقد فصل لکم ماحرم علیکم'' اللہ تعالیٰ کھول کر بیان کر چکا تم پر وہ چیزیں جو اس نے تم پر حرام ٹھہرائی ہیں یہ اس سے پہلے آیت اتری تھی، جیسے سورۃ النحل کے اندر بھی آیا اور بعض دوسری سورتوں میں بھی ''حرمت علیکم المیتة'' یہ مدنی سورتوں میں بھی ہے اور مکی سورتوں میں بھی ہے اور ان آیات میں بھی ہے جو سورۃ الانعام سے پہلے اتری ہیں انہی کا حوالہ ہے، اللہ تعالیٰ کھول کر بیان کر چکا تمہارے لئے اس چیز کو جو اس نے تم پر حرام ٹھہرائی ہے ہاں جس کی طرف تم مضطر کر دیئے جاؤ وہ باوجود اس بات کے کہ اللہ تعالیٰ کی حرام ٹھہرائی ہوئی ہے لیکن وقتی طور پر اضطرار کے طور پر تم پر وہ حلال کر دی گئی یہ تفصیل ان آیات کے اندر آ گئی۔

''وان کثیرا لیضلون باھواء ھم بغیر علم'' اور بہت سارے لوگ البتہ گمراہ کرتے ہیں اپنی خواہشات کے مطابق یعنی جو خیالات انہوں نے پکا رکھے ہیں اسی کے مطابق دوسروں کو چلانا چاہتے ہیں اور وہ

ہوتے ہیں بغیر علم کے، علمی تحقیق کے خلاف اپنی خواہشات بدعات جوانہوں نے اختیار کررکھی ہیں اس کے مطابق لوگوں کو چلا کر گمراہ کرنا چاہتے ہیں یعنی حرام کو حلال ثابت کرتے ہیں وہ اپنی خواہشات کے مطابق ، بے شک تیرا رب خوب جانتا ہے حد سے تجاوز کرنے والوں کو۔

ظاہری اور باطنی گناہوں سے بچنے کا حکم:

''وذروا ظاهر الاثم وباطنه'' ظاہرالاثم سے مراد تو ظاہری عمل ہو گیا جو انسان اختیار کرتا ہے جیسے کہ حرام کو حرام سمجھنا اور حلال کو حلال سمجھنا یہ ظاہر ہے، حلال کے ساتھ حلال والا اور حرام کے ساتھ حرام والا برتاؤ کرنا اور دل کا عقیدہ یہ باطن ہے اس لئے جس کو گناہ قرار دے دیا گیا تو اس کے متعلق دل کا عقیدہ بھی ٹھیک کرو اور ظاہری عمل کو بھی درست کرو، ایک جانور جو اللہ کے غیر کے نام پر ذبح کردیا گیا اس کو باطن کے اندر حرام جاننا ضروری، اگر کوئی شخص اسے حلال سمجھے گا یہ باطن اثم ہے اور اگر اس کے ساتھ ظاہری طور پہ حلال والا برتاؤ کرے گا اور اسے کھائے گا تو یہ ظاہر اثم ہے، دل سے بھی گناہ کے اثرات مٹادو اور ظاہری عمل کے ساتھ بھی گناہ کو ترک کردو، برائی کے یہ دونوں پہلو ہوتے ہیں یہ قلب سے اٹھتی ہے اور عمل کے درجے میں آ کر ظاہر ہوتی ہے اور ان دونوں باتوں کا آپس میں تعلق ہوتا ہے، دل میں بات ہوگی تو عمل میں بھی کجی آجائے گی اور عمل کے اندر کجی ہوگی تو دل کے اندر بھی بات بیٹھ جائے گی تو اگر گناہ سے کامل طریقے سے بچنا چاہتے ہو تو دل کو بھی صاف کرو کہ اس کے متعلق عقیدہ اور رجحان نہ ہو اور اس طرح سے ظاہر کے اندر اس گناہ کی جو شکل اختیار کی جاتی ہے اس کو بھی ترک کرو تب جا کے کامل طریقے سے تم گناہ سے بچ سکو گے، چھوڑ دو گناہ کے ظاہری حصے کو بھی اور باطنی حصے کو بھی، یعنی دل کے عقیدے کے اندر بھی معصیت کو ترک کردو اور عمل کے اندر بھی معصیت کو ترک کردو۔

''ان الذين يكسبون الاثم سيجزون بما كانوا يقترفون'' بے شک وہ لوگ جو گناہ کا کسب کرتے ہیں، گناہ کی کمائی کرتے ہیں عنقریب وہ بدلہ دیئے جائیں گے اس چیز کے ساتھ جو وہ کیا کرتے تھے۔

متروک التسمیہ جانور کے کھانے کا حکم:

''ولا تأكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه'' کھایا نہ کرو اس جانور میں سے جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو، اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو چاہے غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو چاہے غیر اللہ کا نام بھی نہیں لیا گیا جس طرح سے کہ ہمارے ہاں یہ

مسلک مشہور ہے آپ کو معلوم ہوگا کہ نسیان تو معافی کے درجے میں ہے کہ نسیان ہو گیا اور اللہ کا نام نہیں لیا ذبح کرتے وقت وہ جانور تو حلال ہے اور اگر جانتے بوجھتے ہوئے ذبح کرتے وقت اللہ کا نام چھوڑ دیا گیا تو ایسی صورت میں ہم اس جانور کو حرام کہتے ہیں۔

اور جو آپ کی کتابوں میں مذکور ہے وہ بات بھی صحیح ہے کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک متروک التسمیہ عمداً بھی حلال ہے یہ بات آپ نے پڑھی ہوگی اصول الشاشی اور دوسری کتابوں میں کہ متروک التسمیہ عمداً حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حلال ہے، تو بظاہر یہ اشکال ہوتا ہے کہ کتنے صاف لفظوں میں اللہ نے حکم دیا ہے کہ جس کے اوپر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس میں سے نہ کھایا کرو پھر حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ متروک التسمیہ عمداً کو کیسے حلال قرار دیتے ہیں تو اصل بات یہ ہے کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر اس جگہ واقعہ کے مطابق ہے کہ واقعہ اس وقت یہ تھا کہ جس جانور پر اللہ کا نام نہ لیا جائے تو اس کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جاتا تھا، اور جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے وہ بالکل حرام ہے سب کے نزدیک اور جس کے اوپر غیر اللہ کا نام بھی نہیں لیا گیا اور اللہ کا نام بھی نہیں لیا گیا چونکہ یہ جزئیہ اس وقت موجود نہیں تھا تو یہ مجتہد فیہ ہے اس لئے کہتے ہیں کہ مؤمن کے دل پر دماغ پر اللہ کا تصور ہوتا ہے اگر وہ جان بوجھ کر بھی چھوڑ دے تو وہ اس میں داخل نہیں۔

''مالم یذکر اسم اللہ علیہ'' چونکہ اس کا مصداق تھا لات عزیٰ کے نام پر غیر اللہ کے نام پر جو جانور ذبح کیا جاتا تھا، یہ اجتہاد مرجوح ہے اور ہمارے نزدیک یہ راجح نہیں راجح وہی حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ والی بات ہے کہ اللہ کا نام جان بوجھ کر چھوڑ دیا جائے تو جانور حرام۔ ہے لیکن ایک مجتہد کا نظریہ اس طرح سے کوئی بالکل صاف ستھری آیت کے خلاف ہے ایسی بات بھی نہیں، ان کے نزدیک اس آیت کی توجیہ ہے کہ اس سے مراد وہ جانور ہے جو اللہ کے غیر کے نام پر ذبح کیا گیا چونکہ اس وقت واقعہ ایسے ہی تھا کہ جب اللہ کا نام نہیں لیتے تھے تو غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتے تھے ''وانہ لفسق'' ایسے جانور کا کھانا فسق ہے، نافرمانی ہے ''وان الشیاطین لیوحون الیٰ اولیاء ھم'' ''بے شک شیاطین البتہ وحی کرتے ہیں اپنے دوستوں کی طرف ''لیجادلوکم'' تاکہ وہ تم

سے جدال کریں تم سے جھگڑیں" وان اطعتموھم "اگر تم نے ان کا کہنا مان لیا جو مختلف قسم کے جھگڑے آ کر ڈالتے ہیں اور حرام کو تمہارے ہاں حلال کروانا چاہتے ہیں اگر تم نے ان کا کہنا مان لیا "انکم لمشرکون" بے شک تم بھی مشرک ہو جاؤ گے کیونکہ اللہ کے احکام کے خلاف کسی حرام کو حلال قرار دینا یا حلال کو حرام قرار دینا یہ بھی شرک ہے۔
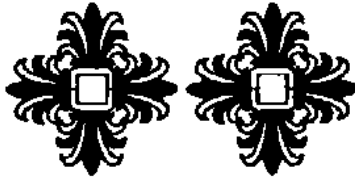
اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي

کیا وہ شخص جو کہ مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندگی دی اور ہم نے اس کے لئے روشنی بنائی چلتا پھرتا ہے وہ اس روشنی کے

النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ

ساتھ لوگوں میں وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے کہ جس کی مثال یہ ہے کہ وہ تاریکیوں میں پڑا ہوا ہے ان سے وہ نکلنے والا نہیں ہے ایسے ہی

زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ

مزین کردیا ہم نے کافروں کے لئے اس چیز کو جو وہ کرتے ہیں (۱۲۲) اور ایسے ہی بنا دیا ہم نے ہر بستی میں

قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ

بڑے لوگوں کو اسی بستی کا مجرم تا کہ وہ لوگ اس بستی میں شرارتیں کرتے رہیں نہیں مکر وفریب کرتے وہ مگر اپنی جانوں کے ساتھ

وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى

اور وہ سمجھتے نہیں ہیں (۱۲۳) اور جب ان کے پاس کوئی نشانی آتی ہے تو یہ کہتے ہیں ہرگز ایمان نہیں لائیں گے ہم جب

نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ

تک کہ نہ دیئے جائیں ہم مثل اس چیز کے جو دیئے گئے اللہ کے رسول، اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے اس مقام کو جہاں وہ اپنی رسالت

رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ

رکھے عنقریب پہنچے گی ان لوگوں کو جنہوں نے جرم کیا ذلت اللہ کے نزدیک اور سخت عذاب ہوگا

شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ

بسبب اس کے کہ یہ شرارتیں کیا کرتے تھے (۱۲۴) پھر اللہ تعالیٰ جس کے متعلق ارادہ کرتا ہے کہ اسے ہدایت دے

صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا

اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ بھٹکانا چاہتا ہے کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے سینے کو

حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ

بہت تنگ گویا کہ وہ شخص چڑھتا ہے بلندی میں، ایسے ہی کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ رجس

عَلَى الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٢٥﴾ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيمًا ۭ قَدْ

ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے ﴿۱۲۵﴾ یہی تیرے رب کا راستہ ہے سیدھا، ہم نے کھول کھول کر

فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُونَ ﴿١٢٦﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ

بیان کردیئے آیات واں لوگوں کے لئے جو کہ نصیحت حاصل کرتے ہیں ﴿۱۲۶﴾ انہیں لوگوں کے لئے سلامتی کا گھر ہے ان کے رب کے پاس

وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٢٧﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ۚ

اللہ ان کا دوست ہے ان کے عملوں کی وجہ سے ﴿۱۲۷﴾ جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو اکٹھا کرے گا کہے گا

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ

اے جنوں کے گروہ! تم نے انسانوں میں سے کثرت حاصل کرلی۔ کہیں گے ان شیاطین کے دوست

مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ

انسانوں میں سے اے ہمارے پروردگار! ہم میں سے بعض نے بعض سے فائدہ اٹھایا اور ہم پہنچ گئے اپنی معیاد کو جو تو نے ہمارے لئے

اَجَّلْتَ لَنَا ۭ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ

متعین کی تھی، اللہ تعالیٰ کہیں گے کہ جہنم تمہارا ٹھکانہ ہے ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اس جہنم میں مگر جو چاہے اللہ وہی ہوگا،

اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿١٢٨﴾ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ

بے شک تیرا رب حکمت والا ہے علم والا ہے ﴿۱۲۸﴾ ایسے ہی ہم بعض ظالموں کو بعض کے قریب کردیں گے

بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿١٢٩﴾

بسبب ان کاموں کے جو یہ کیا کرتے تھے ﴿۱۲۹﴾

تفسیر:

مومن اور کافر کی مثال:

''اومن کان میتا فاحییناہ'' کیا وہ شخص جو کہ مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندگی دی ''وجعلنا له نورا''

اور ہم نے اس کے لئے روشنی بنائی ''یمشی به'' چلتا پھرتا ہے وہ اس روشنی کے ساتھ ''فی الناس'' لوگوں میں ''کمن مثله فی الظلمات'' وہ اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے کہ جس کی مثال یہ ہے کہ وہ تاریکیوں میں پڑا ہوا ہے، جس کا حال یہ ہے کہ وہ تاریکیوں میں پڑا ہوا ہے ''لیس بخارج منها'' ان تاریکیوں اور اندھیروں سے نکلنے والا نہیں ہے ''کذلك زین للکافرین ما کانوا یعملون'' ایسے ہی مزین کردیا ہم نے کافروں کے لئے اس چیز کو جو وہ کرتے ہیں، جو وہ عمل کرتے ہیں ہم نے کافروں کے لئے مزین کردیا۔

پچھلے رکوع کی آخری آیت میں یہ ذکر کیا گیا تھا کہ شیاطین میں سے بعض بعض کی طرف وحی کرتے ہیں، اپنے اولیاء کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں تاکہ وہ تمہارے ساتھ جھگڑا کریں اور مسلمانوں کو یہ تنبیہ کی گئی تھی کہ اگر تم نے ان کی اتباع کی، اطاعت کی تو تم بھی مشرک ہوجاؤ گے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مؤمن اور کافر کا حال ایک مثال کے ساتھ واضح کیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ مؤمن شیاطین کے وسوسوں کو قبول نہیں کرتا اور اس کا وسوسہ اس پر اثر انداز نہیں ہوتا، یہ مردہ تھا روحانی موت کے ساتھ، کفر جو ہے یہ ایک روحانی موت ہے پھر ہم نے اس کو زندگی دی ایمان کی توفیق دے کر، ایمان کے ساتھ زندگی ملتی ہے، کفر روحانی موت اس طرح سے ہے کہ جس طرح سے مردہ اپنے نفع ونقصان میں فرق نہیں کرتا، اور اپنی صلاحیتیں ضائع کر بیٹھتا ہے اسی طرح سے جب انسان کفر میں مبتلا ہوتا ہے تو اللہ کی دی ہوئی صلاحیتوں سے فائدہ نہیں اٹھاتا اور اپنے دائمی نفع ونقصان سے غافل ہوتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ زندگی دے دیتے ہیں دل اور دماغ بیدار ہوجاتا ہے، دائمی نفع، نقصان کی فکر لگ جاتی ہے تو یہ ایک روشنی ہے جو انسان کے دل ودماغ میں آگئی اور یہ حیات ہے جس سے انسان اپنے حقیقی مقصد کو پہچانتا ہے اور مقصد کو حاصل کرنے کے لئے اپنے صلاحیتیں صرف کرتا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسا شخص جو مردہ تھا اور ہم نے اس کو زندگی دے دی پھر اس کے دل ودماغ میں ایک روشنی ڈال دی، روشنی سے ایمان والی روشنی مراد ہے جس سے انسان غلط اور صحیح میں فرق کرتا ہے وہ شخص اس طرح نہیں ہوسکتا جو تاریکیوں میں پڑ جائے، کفر کی، ضلالت کی، فسق وفجور کی تاریکیوں میں مبتلاء ہے، اور اس سے نکلنے والا نہیں ہے ایسے لوگ ہیں جو اندھیرے کے اندر ہیں اور یہی لوگ ہیں جن کو شیاطین اپنے قبضے میں لیتے ہیں اور اکسا کے بہکا کے غلط راستوں کے اوپر ڈالتے ہیں۔

ورنہ جس کے سامنے روشنی ہے، وہ صحیح اور غلط میں امتیاز کرتا ہے تو کوئی شخص اس کو بہکا نہیں سکتا باقی یہ رہا کہ یہ کافر سمجھانے کے باوجود سمجھتے کیوں نہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں یہی ٹھیک ہے۔

بستی کے رؤساء کا جرم اور ان کی شرارت کا نقصان:

اگلی آیات میں سرور کائنات ﷺ کے لیے تسلی بھی ہے اور انجام ذکر کر کے دونوں فریقوں کا حال بتانا بھی مقصود ہے اور پھر اس سے اگلے رکوع میں مشرکانہ رسوم کی کچھ تردید ہے " وکذالك جعلنا فی کل قریۃ اکابر مجرمیھا " اور ایسے ہی یعنی جیسے آپ کے ساتھ ہو رہا ہے کہ جس بستی میں آ کر آپ نے اعلان حق کیا تو اس بستی کے رؤساء کو مجرم بنا دیا یعنی اس بستی میں جو اکابر کا مصداق ہیں، جو بڑے بنے بیٹھے ہیں، جن کے لئے لیڈری اور قیادت ہے وہی اسی بستی کے بڑے مجرم بنے، وہی مجرمین ہیں اس بستی کے جو حق کو قبول نہیں کرتے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر ہم نے حق کا ساتھ دیا تو ہماری سیادت اور قیادت کو نقصان پہنچے گا تو جیسے آپ کے مقابلہ میں یہ لوگ کسی وجہ سے اپنی قوم کے اندر ممتاز ہیں اور ان کو بڑائی حاصل ہے، آپ کے مقابلہ میں آئے ہوئے ہیں اور آپ کو پریشان کرتے ہیں تو یہ گھبرانے کی بات نہیں ایسا ہر نبی کے ساتھ ہوا ہے اور ہم نے ہر بستی کے اندر وہاں کے بڑے لوگوں کو ہی بستی کا مجرم بنایا، اس بستی کے اندر جرم کرنے والے وہی ہوتے ہیں ترجمہ پھر یوں ہو جائے گا ایسے ہی بنایا ہم نے ہر بستی میں بڑے لوگوں کو اس بستی کا مجرم۔

"لیمکروا فیھا" تاکہ وہ لوگ اس بستی میں شرارتیں کرتے رہیں، مکر کرتے رہیں، مکر حق کے خلاف جو کہ خفیہ تدبیریں وہ کرتے تھے اس لئے ترجمے میں اگر اس طرح سے کہہ دیا جائے کہ تاکہ وہ اس میں شرارتیں کرتے رہیں، فتنے اٹھاتے رہیں تو یہ ترجمہ بالکل صحیح ہے، اور نہیں شرارتیں کرتے وہ مگر اپنے نفسوں کے ساتھ، نہیں مکر وفریب کرتے وہ مگر اپنی جانوں کے ساتھ، کیا مطلب کہ جس قسم کے مکر وفریب بھی وہ کرتے ہیں ان کا نقصان الٹ کر انہی کو ہونے والا ہے، حق کو کوئی نقصان نہیں، اہل حق کو کوئی نقصان نہیں کیونکہ دنیا کے اندر ظاہری طور پر وہ لوگ کچھ کامیاب ہو بھی جائیں جس کے نتیجے میں وہ حق کو دبالیں یا جس کے نتیجے میں اہل حق کو وہ زخمی کر دیں، قتل کر دیں، گھروں سے نکال دیں، مالی نقصان پہنچا دیں تو یہ تو اہل حق کی ایک تجارت ہوتی ہے کہ اگر ان کی دولت کو نقصان پہنچتا ہے یا ان کے بدن کو نقصان پہنچتا ہے یا کوئی چیز ان سے چھنتی ہے یا وہ کسی چیز کی قربانی دیتے ہیں تو اس

کے مقابلہ میں اللہ تعالیٰ ان کو بہت زیادہ اجر دیتے ہیں تو اہل حق کبھی بھی نقصان میں نہیں رہتے وہ اس تجارت میں ہمیشہ نفع پاتے ہیں، اور یہ جو ظاہری طور پر نقصان پہنچانے والے ہیں، غلبہ پانے والے ہیں حقیقت یہ اپنے آپ کو برباد کررہے ہیں دنیا میں اللہ کے عذاب کی گرفت میں آسکتے ہیں اور آخرت میں آئیں گے ہی، اس لئے ان کا یہ مکروفریب ان کی یہ شرارتیں انہی کے لئے وبال بننے والی ہیں، نہیں شرارتیں کرتے وہ مگر اپنے نفسوں کے ساتھ نہیں مکر کرتے وہ مگر اپنے نفسوں کے ساتھ "وما یشعرون" اور وہ سمجھتے نہیں ہیں، ان کو شعور نہیں ہے۔

"واذاجاء تهم آية قالوا لن نؤمن حتىٰ نؤتىٰ مثل مااوتی رسل الله" اور جب ان کے پاس کوئی نشانی آتی ہے تو یہ کہتے ہیں ہرگز ایمان نہیں لائیں گے ہم جب تک کہ نہ دیے جائیں، حتیٰ کے بعد محاورۃ ہمیشہ نفی کا ترجمہ کیا جاتا ہے جب تک کہ نہ دیے جائیں ہم مثل اس چیز کے جو دیے گئے اللہ کے رسول، یہ بھی ان کی بڑائی کی ایک ڈھینگ ہے چونکہ وہ اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہیں اور ان کا خیال یہ ہے کہ جس طرح سے دنیا کی دولت ہمیں ملی تو اس طرح سے نبوت اور رسالت اور اس طرح کی چیزیں ہمیں بھی ملنی چاہئیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نشانی ان کے سامنے واضح ہو کوئی معجزہ آئے لیکن وہ نہیں مانتے وہ کہتے ہیں کہ ہمیں وہ چیز ملے یعنی نبوت رسالت وحی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ مکالمہ، فرشتوں کا نزول جب تک ہمیں یہ چیزیں نہیں دی جائیں گی اس وقت تک ہم ماننے والے نہیں ہیں۔

تو اللہ تعالیٰ ان کو جواب دیتے ہیں "الله اعلم حيث يجعل رسالته" اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے اس مقام کو جہاں وہ اپنی رسالت رکھے، مقام رسالت کو اللہ بہتر جانتا ہے کہ کس میں اللہ تعالیٰ نے ایسی صلاحیتیں رکھی ہیں اور کس نے اپنے آپ کو پاک اور صاف رکھا ہے جو اللہ کا رسول بننے کے قابل ہے، اللہ تعالیٰ کا رسول ہونا یہ اللہ تعالیٰ کی ایک دین ہے، اس کی عطا ہے یہ محنت کے ساتھ یا مشقت کے ساتھ یا دنیاوی جاہ وجلال کے ساتھ حاصل نہیں کی جاسکتی یہ اللہ ہی جانتا ہے کہ کون رسالت کے قابل ہے کون نہیں؟ کس کو پیغام براہ راست دیا جائے کس کو نہ دیا جائے؟ یہ ان لوگوں کی اپنے آپ میں ایک بڑائی اور تکبر کی بات ہے جو کہتے ہیں کہ ہمیں اللہ رسول کیوں نہیں بناتا؟ یہ رسالت ہمارے اوپر کیوں نہیں آتی؟ اللہ کا پیغام ہمارے اوپر کیوں نہیں اترتا؟ "سيصيب الذين اجرموا صغار عندالله" صغار ذلت کو کہتے ہیں، عنقریب پہنچے گی ان لوگوں کو جنہوں نے جرم کیا ذلت اللہ کے نزدیک یعنی یہ

تو اپنے آپ کو اتنا بڑا سمجھتے ہیں مرتکب رسالت بنے بیٹھے ہیں تو یہ ان کی بڑائی کا احساس آخرت میں یہی ذلت کی صورت میں نمایاں ہوگا، اللہ کے ہاں جائیں گے تو ذلت ان کو پہنچے گی "وعذاب شدید بما کانوا یمکرون" اور سخت عذاب ہوگا بسبب اس کے کہ یہ شرارتیں کیا کرتے تھے، یہ مکاریاں اور فریب جو حق کے خلاف کرتے تھے اس کے سبب سے ان کو عذاب شدید پہنچے گا اور ان کی اسی احساس بڑائی کے نتیجے میں ان کو اللہ تعالیٰ کے ہاں ذلت نصیب ہوگی۔

اللہ جس کو ہدایت دینا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے:

"فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام" پھر اللہ تعالیٰ جس کے متعلق ارادہ کرتا ہے کہ اسے ہدایت دے، جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دینے کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے، شرح صدر کر دیتا ہے اسلام کے لئے شرح صدر کا مفہوم یہ ہے کہ اس کے قلب میں یہ صلاحیتیں نمایاں ہو جاتی ہیں کہ اسلام کی بات جب اس کے سامنے آتی ہے تو فوراً اس کو قبول کر لیتا ہے وہ ایسے ہوتا ہے جیسے اس کی من بھاتی غذا ہے اور اس کے اپنے ہی دل کی پکار ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے مل رہی ہے اس طرح سے دل کے اندر کشادگی پیدا ہو جاتی ہے اور اسلام کی ہر بات کو وہ خوشی کے ساتھ قبول کرنے لگ جاتا ہے۔

اللہ جس کو گمراہ کرنا چاہے اس کا سینہ تنگ کر دیتا ہے:

"ومن یرد ان یضلہ" اور جس کو اللہ تعالیٰ بھٹکانا چاہتا ہے، جس کے بھٹکانے کا ارادہ کر لیتا ہے "یجعل صدرہ ضیقا" کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے سینے کو تنگ 'حرجا' بہت تنگ کر دیتا ہے "کانما یصعد فی السماء" گویا کہ وہ شخص چڑھتا ہے بلندی میں، سماء سے یہاں بلندی مراد ہے مطلب اس کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اگر کسی کے لئے ہدایت مقدر ہو جائے اور وہ شخص اپنے ارادے کے ساتھ اس ہدایت کو حاصل کرنے کی کوشش کرے تو اس کی نیکی کی صلاحیتیں دن بدن بڑھتی چلی جاتی ہیں، نیکی اس کے لئے مرغوب طبع ہو جاتی ہے اور ہدایت کی باتیں اس کے لئے اپنی من بھاتی غذا کی طرح ہو جاتی ہیں کہ جب وہ بات سامنے آتی ہے تو انسان اس میں راحت اور سکون محسوس کرتا ہے، قبول کرتا جاتا ہے، دن بدن اس میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے اور جس کا رخ گمراہی کی طرف ہو گیا اور اللہ نے اس کو گمراہی کے اندر ڈال دیا تو اس میں نیکی قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رہتی، اگر اس کو

کسی نیک کام کے لئے کہا جائے تو اس کی مثال ایسی بن جاتی ہے جیسے کہ بہت کوئی دشوار گزار گھاٹی ہے جس کے اوپر اس کو چڑھنے کے لئے کہا جا رہا ہے اور وہ زور لگا کر چڑھتا ہے لیکن اس سے چڑھا نہیں جاتا تو دل کے اندر تنگی سی پیدا ہوتی ہے تو حق کا قبول کرنا اس کے نزدیک بہت دشوار گزار گھاٹی پر چڑھنے کی طرح ہوتا ہے۔

اور جس کے لئے شرح صدر ہو جائے اللہ تعالیٰ اس کے سینے اور دل کو اسلام کے لیے کھول دیتا ہے وہ اس کے لئے مرغوب فیہ چیز ہوتی ہے۔

انسان کا ظاہری ماحول اس کے باطنی جذبات کی عکاسی کرتا ہے:

دنیا کے اندر آپ کے سامنے بھی اس کی مثالیں ہیں کفر اور اسلام سے اتر کر نیچے آجائیے، مسلمانوں میں خاص طور پر آپ اپنے طبقے میں دیکھیں گے اپنی سطح کے لوگوں میں کہ بعضے لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جن کا رجحان نیکی کی طرف ہے، ان کے لئے نیکی کے کام بہت آسان ہوتے جاتے ہیں، مسجد میں ان کو گھنٹوں بیٹھنا آسان، درس گاہ میں گھنٹوں بیٹھنا ان کے لئے باعث راحت، دینی کتاب کا مطالعہ کریں گے دل دماغ خوش ہوتا چلا جائے گا، اللہ تعالیٰ کا نام لیں گے طبعیت خوش ہو جائے گی، مسرور ہو جائے گی، اور اگر وہ کبھی کسی غلط ماحول میں پھنس جائیں اور ماحول کی مجبوری کے تحت ان کو وہ کام کرنا پڑ جائے جو کہ شریعت کے خلاف ہے ان کے لئے ایسا ہی ہے جیسے کہ زہر کا پیالہ پینے کے لئے کہہ دیا، وہ بات انہیں انتہائی کڑوی اور تلخ معلوم ہوتی ہے جو بات فسق یا فجور کی ہوتی ہے یا شریعت کے خلاف بات ہے، اس کا اختیار کرنا ان کے لئے انتہائی ناگوار ہوتا ہے وہ غلط ماحول میں اسی طرح سے تڑپتے ہیں جس طرح سے مچھلی کو پانی سے باہر نکال دیا جائے تو تڑپتی ہے، صحیح ماحول میں ان کو سکون ملتا ہے۔

اور جن کا رجحان عیاشی اور بدمعاشی کی طرف ہوتا ہے ان کے لئے سینماؤں میں تین تین گھنٹے تک بیٹھنا تو بہت خوشگوار ہے لیکن ان کو گھیر کر کبھی مسجد میں لے آئیں تو پانچ منٹ بیٹھیں گے تو اس طرح تڑپیں گے جس طرح سے کسی مصیبت میں پھنس گئے ہوں، بے قرار ہوں گے کہ کسی طرح سے اس ماحول سے نکل جائیں، اچھے ماحول میں وہ اپنا وقت نہیں گزار سکتے، باطنی مناسبت جس طرح سے ہو جاتی ہے اچھائی کے ساتھ ہو جائے تو آئے دن اس کے لئے اچھائی کرنا آسان ہوتی چلی جائے گی، اور اگر یہ باطنی مناسبت ان کو برائی کے ساتھ ہو جائے تو آئے دن اس کی برائی کی طرف ترقی ہوتی چلی جاتی ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہوتا ہے کہ کسی شخص کی طبعی مناسبت

اچھائی کے ساتھ ہو جائے اچھائی کے ساتھ مناسبت ہوگی تو اچھے لوگوں کی مجلس میں بیٹھے گا، اچھے لوگ اس کو اچھے لگیں گے، اچھی باتیں اس کو پسند ہوں گی ا، چھے کام کرنے کے اندر وہ سرور محسوس کرے گا دن بدن اس گروہ کے اندر شمولیت ہوتی چلی جائے گی کیونکہ باطنی جذبات جو ہیں وہ ظاہر اسی طرح سے ہوا کرتے ہیں اگر دل کے اندر نیکی کا جذبہ ہوگا تو انسان اپنے رفقاء نیک تجویز کرے گا، دل کے اندر نیکی کا جذبہ ہوگا تو نیک ماحول کے اندر انسان اپنا وقت گزارنے کی کوشش کرے گا، اور اگر دل کے اندر فسق و فجور ہے تو اسی قسم کے دوست تلاش کرے گا جو اس کے ساتھ فسق و فجور میں معاون بنیں اور اسی قسم کا ماحول تلاش کرے گا جس میں اس کو فسق و فجور کے مواقع ملیں۔

تو یہ ظاہری عادات جو ہوا کرتی ہیں، ظاہری ماحول انسان کا یہ باطنی جذبات کی عکاسی کرتا ہے اس لئے ظاہر کے حالات کو دیکھ کر انسان اندازہ کر لیتا ہے کہ اس کے قلب کی کیفیت کیسی ہے؟ اس کے قلب کے اندر نیکی کی طرف رجحان ہے یا برائی کی طرف رجحان ہے اور اس کا اندازہ ہو جایا کرتا ہے اس کے ہم نشینوں سے، اس کے پسندیدہ ماحول سے اور اس کے طرز عمل سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ اس کے قلب کے اندر کتنی صلاحیت ہے اور کتنی نہیں ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ یہی بیان فرماتے ہیں کہ جس کے لئے ہدایت کا ارادہ ہو جائے اللہ کی طرف سے اسلام کے لئے اس کا سینہ کھل جاتا ہے اور اسلام کو بہت آسانی کے ساتھ قبول کرنے لگ جاتا ہے بلکہ خوشی کے ساتھ اس کی باتوں کو سننے کے بعد اس کے اوپر عمل کرتا ہے۔

اور جس کا رجحان ضلالت کی طرف کر دیا جائے، اللہ تعالیٰ اس کو گمراہ کرنے کا ارادہ کر لے اس کا دل انتہائی تنگ ہو جاتا ہے جب اس کو کوئی اسلام کی بات قبول کرنے کے لئے کہا جائے تو ایسے ہوتا ہے کہ گویا کہ بلندی کے اندر بڑے زور کے ساتھ چڑھنا چاہتا ہے، آسمان کی طرف چڑھنا چاہتا ہے اور چڑھ سکتا نہیں اس مزاحمت کی بناء پر پھر اس کا دل تنگ ہوتا ہے ایسے ہی کر دیتے ہیں اللہ تعالیٰ رجس ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے۔ رجس پالیدگی کو کہتے ہیں یہاں کفر اور شرک کی پالیدی مراد ہے ایمان نہ لانے کی وجہ سے دن بدن ان کے اوپر کفر کی فسق کی تہیں بیٹھ جاتی ہیں حتیٰ کہ انسان پوری طرح سے اس فسق و فجور میں غرق ہو جاتا ہے، پھر اس کی زندگی کے کسی حصے کے اندر بھی نیکی کا نام ونشان نہیں رہتا۔

صراطِ مستقیم پر چلنے کا انعام:

"وھذا صراط ربك مستقیما" ھذا کا اشارہ اسی اسلام کی طرف ہے جو پیچھے ذکر ہوا اور اسلام کا مفہوم

آپ کے سامنے ذکر کیا جا چکا ہے کہ اللہ کی اطاعت میں اپنی گردن رکھ دینا یہ اصل میں اسلام ہے جو حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتا جائے اس کو قبول کرتے چلے جاؤ یہی تیرے رب کا راستہ ہے سیدھا "مستقیما" یہ "صراط ربك" سے حال واقع ہو رہا ہے اور ھذا اسم اشارہ اس میں فعل والا معنی ہے "ھذا رجل قائما" جس طرح سے آپ مثال پڑھا کرتے ہیں، ھذا کے اندر جو اشارے والا معنی ہے اس نے آکر اس میں عمل کیا ہے یہ تیرے رب کا راستہ ہے اس حال میں کہ سیدھا ہے۔

"قد فصلنا الآیات لقوم یذکرون" ہم نے کھول کھول کر بیان کر دیا ان لوگوں کے لئے جو نصیحت حاصل کرتے ہیں، انہی لوگوں کے لئے جو دنیا میں اس صراط رب کو اختیار کرتے ہیں یعنی اسلام کو اختیار کرتے ہیں، دنیا میں اسلام والا نتیجہ یہ ہوگا کہ انہی لوگوں کے لئے سلامتی کا گھر ہے ان کے رب کے پاس یعنی جب آخرت میں جائیں گے اللہ کے سامنے پیش ہوں گے تو ان کو سلامتی کا گھر نصیب ہوگا، سلامتی کے گھر کا مصداق ہے جنت، جنت میں سلامتی ہی سلامتی ہے، ہر قسم کی آفات سے حفاظت، ہر قسم کی تکلیف سے حفاظت جنت کے اندر ہوگی اس میں کوئی کسی قسم کی آفت اور پریشانی کی بات نہیں ہوگی اور یہ ایک ایسی نعمت ہے جو کہ دنیا کے اندر رہتے ہوئے نصیب نہیں ہوتی۔

ہاں اگر اللہ تعالیٰ کسی کا دل اپنے ساتھ جوڑ لے، اس کو ذکر اللہ کے ساتھ مناسبت ہو جائے، سکون قلبی حاصل ہو جائے تو اس دنیا کے اندر رہتے ہوئے بھی اس کے دل میں ایک خنکی ہوتی ہے، ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے جس کی بناء پر دنیا کی تکلیفیں آسان ہو جاتی ہیں، لیکن اگر کوئی شخص کہے کہ کلیۃً دنیا کے اندر عافیت نصیب ہو جائے، ظاہری باطنی کسی قسم کی تکلیف کا انسان شکار نہ ہو تو یہ دنیا کے اندر رہتے ہوئے بہت کم ہوتا ہے، بلکہ تقریباً ناممکن ہے چاہے کسی حکمت کے تحت ہو تکلیفیں پہنچتی ہیں، پریشانیاں پیش آتی ہیں، انسان کی مرضی کے خلاف حالات زیادہ پیش آتے ہیں مرضی کے موافق کم ہوتے ہیں جس کی بناء پر طبیعت کو ناگواری بھی ہوتی ہے لیکن جنت میں چلے جانے کے بعد سلامتی ہی سلامتی ہے وہاں کوئی بات اس قسم کی نہیں ہوگی جو آپ کی طبیعت کو ناگوار گزرے تو یہ نتیجہ اسی کا ہے کہ دنیا کے اندر بھی آپ اسلام کو اختیار کیجئے، اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بنیں تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آخرت میں سلامتی کا گھر مل جائے گا "وھو ولیھم بما کانوا یعملون" اللہ ان کا دوست ہے ان

کے عملوں کی وجہ سے جو یہ کرتے تھے ان کے عمل کی وجہ سے اللہ ان کا دوست ہے یعنی اسلام اختیار کرنے کے نتیجے میں اللہ کی دوستی نصیب ہوگی۔

میدان محشر میں اللہ تعالیٰ کا شیاطین الجن والانس سے مکالمہ:

"ویوم یحشرھم جمیعا" جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو اکٹھا کرے گا، ان سب کو یعنی کافروں کو ان کے معبودوں کو اور ان کے شیاطین دوستوں کو سب کو جمع کرے گا اور کہے گا "یمعشر الجن قد استکثرتم من الانس" اے جنوں کے گروہ! جنوں کے گروہ سے یہاں وہی گروہ مراد ہے جو ابلیس اور ابلیس کا پیروکار انسانوں کو گمراہ کرنے کے اندر حصہ لیتا تھا، استکثار کا معنی ہوتا ہے کسی چیز کی کثرت حاصل کر لینا، انسانوں میں سے تم نے کثرت حاصل کر لی، لفظی معنی یوں بنتا ہے اے جنوں کے گروہ! تم نے انسانوں میں سے کثرت حاصل کر لی یعنی انسانوں میں سے بہت سے انسانوں کو تم نے گمراہ کر لیا جو ابلیس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے دعویٰ کیا تھا "لاتجد اکثرھم شاکرین" کہ ان میں سے اکثر کو تو شکر گزار نہیں پائے گا، تو اللہ تعالیٰ کہیں گے کہ تم نے اپنا زور لگا کر بہت سارے لوگوں کو گمراہ کر لیا یہ بطور تنبیہ کے ہوگا کہ تمہاری یہ گمراہی کا عمل جو تھا وہ اس طرح سے نتیجہ خیز ہوا کہ بہت سارے انسانوں کو انہوں نے بہکا لیا۔

یہ تنبیہ ہو رہی ہے ان جنوں کو جو گمراہ کرنے والے ہیں تو ساتھ ہی ان کے دوست انسان بول پڑیں گے "وقال اولیاء ھم من الانس" ان شیاطین کے دوست جو ہیں انسانوں میں سے وہ کہیں گے "ربنا" اے ہمارے پروردگار! ہم میں سے بعض نے بعض سے فائدہ اٹھایا یعنی دنیا کے اندر ہم ایک دوسرے سے فائدہ اٹھاتے تھے، گمراہ کرنے والے گمراہ کرنے میں لذت محسوس کرتے تھے جب کسی کو گمراہ کر لیتے تو وہ کہتے تھے کہ ہم کامیاب ہو گئے اور ان سے نذرانے چڑھاوے وصول کرتے تھے اور گمراہ ہونے والوں کی چونکہ خواہش پوری ہوتی تھی ان کے اتباع کرنے کے ساتھ وہ سمجھتے تھے کہ ہم بھی ان سے فائدہ اٹھا رہے ہیں جس کی کسی کے ذریعے سے خواہش پوری ہوتی ہے وہ سمجھتا ہے کہ میں اس سے فائدہ اٹھا رہا ہوں تو ہمارے بعض نے بعض کے ساتھ فائدہ اٹھایا۔

"وبلغنا اجلنا الذی اجلت لنا" اور ہم پہنچ گئے اپنی اس میعاد کو جو تو نے ہمارے لئے متعین کی تھی یعنی دنیا کے اندر تو ہم ایک دوسرے سے انتفاع کرتے رہے لیکن وہ عارضی تعلق ثابت ہوا اور اب ہم اس معین

وقت پر آگئے جو تو نے ہمارے لئے متعین کیا تھا مطلب یہ ہے کہ معذرت کرنے کے لئے اپنے جرم کا اعتراف کریں گے کہنا یہ چاہیں گے کہ دنیا کے اندر جو کاروائی ہم نے کی ایک دوسرے سے نفع اٹھایا اور آخرت سے ہم غافل تھے اب ہم اس میعاد پر پہنچ گئے ہیں جو متعین کی تھی، آگے وہ کرنا چاہیں گے عذر، اقرار اور اعتراف کرنے کے بعد آگے معافی کی درخواست کریں گے لیکن ان کو کہنے کی نوبت ہی نہیں دی جائے گی کیونکہ ان کا نتیجہ ان کے سامنے پہلے ذکر کر دیا جائے گا اللہ تعالیٰ فرمائیں گے ''النار مثوکم'' جہنم تمہارا ٹھکانہ ہے ''خالدین فیھا'' ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اس میں۔

''الا ماشاء الله'' مگر اللہ جو چاہے وہی ہوگا، مگر جو چاہے اللہ وہی ہوگا کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کا جہنم کے اندر رہنا اور ٹھہرنا اللہ کی مشیت کے تابع ہے کوئی شخص اب اس میں کسی قسم کی مداخلت نہیں کر سکے گا یہ نہیں کہ اللہ تو چاہے کہ جہنم میں رہیں اور کوئی دوسرا زبردستی آکر چھڑا لے یا اللہ کی مشیت تو ہو کہ جہنم میں رہیں لیکن کوئی اور طریقہ اختیار کر لیا جائے عذاب سے بچنے کا ایسا کچھ نہیں ہو سکتا، اب جو کچھ ہوگا سب اللہ کی مشیت کے تحت ہوگا کوئی شخص بھی کسی قسم کی رکاوٹ نہیں کر سکے گا اور نہ اللہ کی مشیت کے خلاف ان کو عذاب سے بچا سکے گا جس طرح سے لوگ کہتے ہیں زبردستی فلاں فلاں کو چھڑا لے گا یہ جیسے شفاعت جبری کے عقیدے مشرکوں کے تھے ان سب کی نفی ہوگئی ''الا ماشاء الله'' کے تحت، ہوگا وہی جو اللہ کو منظور ہوگا ''ان ربك حکیم علیم'' بے شک تیرا رب حکمت والا ہے علم والا ہے۔

''وکذلك نولی بعض الظالمین بعضا بما کانوا یکسبون'' جس طرح سے آج یہ ایک دوسرے کے دوست بنے ہوئے ہیں ایسے ہی ہم بعض ظالموں کو بعض کے قریب کر دیں گے یعنی جہنم کے اندر بھی ان کے نظریاتی طور پر جوڑ لگا دیں گے، عمل کے اندر کاروائیوں میں جو ایک دوسرے کے ساتھ شریک ہوئے تھے وہاں بھی ہم ان کو آپس میں قریب قریب کر دیں گے جیسے دنیا کے اندر انسان اپنے ہم مسلکوں کو پسند کرتا ہے وہاں بھی اسی طرح سے ظالموں کو ظالموں کے ساتھ جوڑ دیا جائے گا اور صالحین کو صالحین کے ساتھ ملا دیا جائے گا ایسے ہی ہم قریب کر دیں گے بعض ظالموں کو بعض ظالموں کے ''بما کانوا یکسبون'' بسبب ان کاموں کے جو یہ کیا کرتے تھے۔
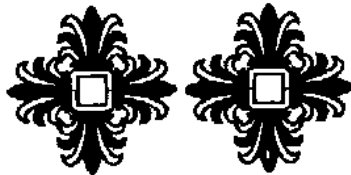
يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ

اے جنوں اور انسانوں کے گروہ! کیا تم میں سے تمہارے پاس رسول نہیں آئے تھے جو پڑھتے تھے

عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ قَالُوْا شَهِدْنَا

تم پر میری آیات اور ڈراتے تھے تمہیں اس دن کی ملاقات سے وہ کہیں گے ہم اقرار کرتے ہیں

عَلٰٓي اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ

اپنے آپ پر اور دھوکہ میں ڈال دیا ان کو دنیاوی زندگی نے اور انہوں نے اپنے آپ پر گواہی دے دی کہ

كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰي بِظُلْمٍ

یہ لوگ کافر تھے ﴿۱۳۰﴾ یہ اس سبب سے ہے کہ تیرا رب ہلاک کرنے والا نہیں ان بستیوں کو ظلم کے سبب سے

وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ۭ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ

اس حال میں کہ وہ غافل ہوں ﴿۱۳۱﴾ ہر کسی کے لیے درجات ہیں ان کے عمل کے سبب اور تیرا رب بے خبر نہیں ان کاموں سے

عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَ

جو وہ کرتے ہیں ﴿۱۳۲﴾ اور تیرا رب بے نیاز ہے رحمت والا ہے اگر وہ چاہے تو تمہیں لے جائے

يَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَاۗءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ ۭ

اور تمہارے پیچھے خلیفہ بنا دے جس کو چاہے جس طرح پیدا کیا تمہیں پہلے لوگوں کی اولاد سے ﴿۱۳۳﴾

اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ قُلْ يٰقَوْمِ

بے شک جس چیز کا تم وعدہ کیے جاتے ہو البتہ وہ آنے والی ہے اور تم عاجز کرنے والے نہیں ہو ﴿۱۳۴﴾ آپ کہہ دیجئے اے میری قوم

اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ

تم عمل کرو اپنی حالت پر میں بھی عمل کرنے والا ہوں پس عنقریب تم جان لو گے کہ کس کے لیے ہے

عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ

عاقبۃ الدار ہے، بے شک ظالم لوگ فلاح نہیں پائیں گے ﴿۱۳۵﴾ مقرر کیا انہوں نے اللہ کے لیے ایک

مِنَ الۡحَرۡثِ وَ الۡاَنۡعَامِ نَصِيۡبًا فَقَالُوۡا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعۡمِهِمۡ

حصہ اس چیز میں سے جو اللہ نے پیدا کیا کھیتی اور چوپاؤں میں سے پھر وہ کہتے ہیں یہ حصہ تو اللہ کے لیے ہے ان کے خیال کے مطابق

وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا‌ ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمۡ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ‌ ۚ

اور یہ دوسرا حصہ ہمارے شرکاء کے لیے ہے پس جو ان کے شرکاء کے لیے ہے وہ تو اللہ کی طرف نہیں پہنچتا

وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمۡ‌ ؕ سَآءَ مَا يَحۡكُمُوۡنَ ﴿۱۳۶﴾

اور جو کچھ اللہ کے لیے ہے وہ شرکاء کی طرف پہنچ جاتا ہے، بہت برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں ﴿۱۳۶﴾

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيۡرٍ مِّنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ قَتۡلَ اَوۡلَادِهِمۡ شُرَكَآؤُهُمۡ

ایسے ہی مزین کر دیا بہت سارے مشرکوں کے لیے اولاد کا قتل کرنا ان کے شرکاء نے

لِيُرۡدُوۡهُمۡ وَلِيَلۡبِسُوۡا عَلَيۡهِمۡ دِيۡنَهُمۡ‌ ؕ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوۡهُ

تاکہ وہ شرکاء ان کو بربادی میں ڈال دیں اور تاکہ ان کے اوپر ان کے دینی طریقے کو خلط ملط کر دیں اگر اللہ چاہتا تو یہ ایسا نہ کرتے

فَذَرۡهُمۡ وَمَا يَفۡتَرُوۡنَ ﴿۱۳۷﴾ وَقَالُوۡا هٰذِهٖۤ اَنۡعَامٌ وَّحَرۡثٌ حِجۡرٌ ۖ

پس آپ چھوڑ دیجئے ان کو اور ان باتوں کو جو یہ گھڑتے ہیں ﴿۱۳۷﴾ وہ کہتے ہیں کہ یہ چوپائے اور کھیتی ممنوع ہے،

لَّا يَطۡعَمُهَاۤ اِلَّا مَنۡ نَّشَآءُ بِزَعۡمِهِمۡ وَاَنۡعَامٌ حُرِّمَتۡ ظُهُوۡرُهَا وَاَنۡعَامٌ

اس کو نہیں کھا سکے گا مگر وہی جس کو ہم چاہیں گے ان کے اپنے گمان کے مطابق اور کچھ چوپائے ہیں جن کی پشتیں حرام کر دی گئیں ہیں ان پر اور کچھ چوپائے ہیں

لَّا يَذۡكُرُوۡنَ اسۡمَ اللّٰهِ عَلَيۡهَا افۡتِرَآءً عَلَيۡهِ‌ ؕ سَيَجۡزِيۡهِمۡ بِمَا

جن پر اللہ کا نام نہیں لیتے اللہ پر افتراء کرتے ہوئے، عنقریب اللہ ان کو بدلہ دے گا ان باتوں کا

كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ ﴿۱۳۸﴾ وَقَالُوۡا مَا فِىۡ بُطُوۡنِ هٰذِهِ الۡاَنۡعَامِ خَالِصَةٌ

جو یہ گھڑتے ہیں ﴿۱۳۸﴾ اور یہ کہتے ہیں ان چوپاؤں کے پیٹ میں جو کچھ ہے وہ خالصتاً

لِّذُكُوۡرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزۡوَاجِنَا‌ ۚ وَاِنۡ يَّكُنۡ مَّيۡتَةً فَهُمۡ فِيۡهِ

ہمارے مذکروں کے لیے ہے ہماری بیویوں پر یہ حرام ہے لیکن اگر وہ پیدا ہونے والا مردہ ہو تو پھر مرد و عورت

شُرَكَآءُ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۳۹﴾ قَدْ خَسِرَ

اس میں شریک ہوتے ہیں، ان کو بدلہ دے گا اللہ ان کے بیان کا بے شک وہ حکمت والا ہے علم والا ہے (۱۳۹) تحقیق خسارے میں

الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ

پڑ گئے وہ لوگ جنہوں نے اپنے بچوں کو قتل کیا نادانی سے بغیر علم کے اور حرام ٹھہرایا اس چیز کو جو اللہ نے انہیں دی

اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ۭ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ ع

اللہ کے اوپر افتراء باندھتے ہوئے تحقیق یہ لوگ گمراہ ہو گئے اور یہ ہدایت یافتہ نہیں ہیں (۱۴۰)

تفسیر:

جنوں اور انسانوں سے خطاب:

"یمعشر الجن والانس" اے جنوں اور انسانوں کے گروہ! اس سے مراد وہی ہیں جو جہنم میں پڑ گئے جن کا ذکر پیچھے آیا، ان جہنمیوں کو تنبیہ کرتے ہوئے یہ بات پوچھی جائے گی اے جنوں اور انسانوں کے گروہ "الم یأتکم رسل منکم" کیا تم میں سے تمہارے پاس رسول نہیں آئے تھے "یقصون علیکم آیاتی" جو تم پر میری آیات پڑھتے تھے "وینذرونکم لقاء یومکم ھذا" اور تمہیں تمہاری اس دن کی ملاقات سے ڈراتے تھے کیا ایسے رسول تمہارے پاس نہیں آئے تھے؟ جنوں اور انس کو مشترکہ خطاب ہوگا کیا تم میں سے تمہارے پاس رسول نہیں آئے تھے۔

جنوں میں سے رسول آئے یا نہیں؟

اس آیت کے تحت مفسرین نے ذکر کیا کہ معلوم یوں ہوتا ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اللہ تعالیٰ نے رسول دونوں قسم کے بھیجے ہیں کہ جنوں کی طرف بھی رسول آئے اور انسانوں کی طرف بھی آئے باقی یہ ہے کہ وہ حقیقتاً ایسے تھے کہ اللہ کی وحی ان کے اوپر اترتی ہو جو جنوں کی طرف بھیجے گئے ہیں یا رسولوں سے تربیت پا کر وہ اپنی قوم کی طرف ڈارانے والے بن کر گئے ہوں اس میں دونوں احتمال ہیں، ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ اصل تو رسول انسان ہوں اور انسانی رسولوں سے تربیت پا کر بعضے جن اپنی قوم کی طرف جاتے اور جا کر ڈراتے ہیں اس کا ذکر قرآن کریم میں

صراحتاً سورۃ الجن کے اندر آئے گا اور اسی طرح سورۃ الاحقاف کے آخری رکوع میں بھی ہے کہ وہ جن ایمان لائے اور ایمان لانے کے بعد پھر اپنی قوم کی طرف چلے گئے اور جا کر قوم کو ڈراتے ہوئے کہنے لگے "یقومنا اجیبوا داعی اللہ" اے ہماری قوم! اللہ کے داعی کی بات مان لو، وہ رسول اللہ کی تعلیم سے متاثر ہو کر ایمان لائے اور ایمان لانے کے بعد پھر جا کر اپنی قوم کو ڈرایا اس کا ذکر وہاں بھی ہے۔

تو ایسے ہی یہ جو جنات لوگوں کو لگتے ہیں تو عاملین یہ بتاتے ہیں کہ جب ان کو حاضر کیا جائے تو ان میں سے کوئی یہودی ہوتا ہے، کوئی نصرانی ہوتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے ان کا ایمان بھی اسی طرح سے کسی کا موسیٰ علیہ السلام پر ہے، کسی کا عیسیٰ علیہ السلام پر ہے، کوئی داؤد علیہ السلام کا کلمہ پڑھتا ہے، یہ گروہ ان کے اندر پائے جاتے ہیں بظاہر معلوم یہ ہوتا ہے کہ مستقل رسول تو آئے انسانوں میں اور انسانوں سے متاثر ہو کر جن تعلیم حاصل کر کے آگے تبلیغ کرتے تھے اور ایسا بھی ممکن ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے مستقل طور پر جنوں میں بھی رسول بھیجے جاتے ہوں لیکن یہ حقیقت اب بالکل واضح ہے اور مسلمہ ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جن وانس دونوں کی طرف بھیجے گئے تھے آپ کی خدمت کے اندر جنوں کا آنا ایمان لانا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو وعظ و تبلیغ کرنا یہ واقعات روایات حدیث کے اندر موجود ہیں۔

"الم یأتکم رسل" رسل سے عام مراد لے لیا جائے تو خطاب دونوں کو ہے کہ جنوں میں بھی رسول آئے چاہے مستقل رسول یا رسول کے نمائندہ اور اسی طرح سے انسان وجن دونوں کے اندر بھی پائے جا سکتے ہیں یا پھر یہ ہوگا کہ مجموعی طور پر مجمع کو خطاب کیا جا رہا ہے تو جب یہ جن اور انسان مجموعہ مراد لیا جائے تو جو انسانوں میں رسول آئے ہیں گویا کہ وہ جنوں کی طرف بھی ہیں چاہے جنوں کے اندر رسول کوئی نہ ہو مطلب یہ ہوا کہ رسل سے اگر مستقل رسول مراد لئے جائیں صاحب رسالت صاحب وحی تو پھر اس مجموعے کی طرف نسبت ہوگی کہ اے جنوں اور انسانوں کے گروہ! کیا ہم نے تمہاری طرف رسول نہیں بھیجے؟ جب دونوں گروہ اکٹھے کر لیے گئے تو ایک گروہ کے اندر جو رسول ہوں گے وہ ایسے ہی ہیں جو دونوں کی طرف ہیں اور اگر اس کو عام رکھا جائے صاحب رسالت ہو یا نہ ہو، وحی اس کے اوپر آتی ہو یا نہ آتی ہو بلکہ صاحب رسالت کی طرف سے کوئی نمائندہ بن کر چلا جائے وہ بھی رسول کا مصداق ہے تو پھر کسی تاویل کی ضرورت نہیں بالیقین جنوں میں سے بھی ہیں اور انسانوں میں سے بھی ہیں تو صاحب رسالت صاحب وحی مستقل ہوئے انسان اور ان کی نمائندگی کے طور پر کچھ لوگ ان کو سمجھانے والے جنوں میں سے بھی ہوئے۔

جنوں اور انسانوں کا اللہ کے دربار میں اعترافِ جرم:

پڑھتے تھے تم پر میری آیات اور ڈراتے تھے تمہیں اس دن کی ملاقات سے، کیا ایسے رسول نہیں آئے مطلب یہ ہے کہ تم جو گمراہ رہے اور غلط کار رہے تو کیا تمہیں کوئی سمجھانے والا نہیں ملا؟ وہ کہیں گے "شھدنا علیٰ انفسنا" شہادت علی النفس یہ اقرار کے معنی میں ہوتا ہے ہم اقرار کرتے ہیں اپنے آپ پر، ہم گواہی دیتے ہیں، اپنے آپ پر جو گواہی ہوتی ہے ہماری اصطلاح میں وہ اقرار کہلاتی ہے، ہم اپنے آپ پر اقرار کرتے ہیں کہ رسول آئے تھے اور انہوں نے ہمیں سمجھایا تھا لیکن ہم نہیں سمجھے۔

نہ سمجھنے کی وجہ کیا تھی؟ "غرتھم الحیوۃ الدنیا" ان جنوں کو اور انسانوں کو دنیاوی زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا، ہم سمجھے کہ یہی زندگی ہے پس جو کچھ کھانا پینا کرنا ہے یہیں کرلو "وشھدوا علیٰ انفسھم" اور انہوں نے اپنے آپ پر گواہی دے دی اور اپنے آپ پر اقرار کرلیا "انھم کانوا کافرین" کہ یہ لوگ کافر تھے، اپنے کفر کا انہوں نے اقرار کرلیا کہ رسول تو ہمارے پاس آئے تھے سمجھانے کے لئے لیکن ہم نہیں سمجھے اور نہ سمجھنے کی درمیان میں وجہ ذکر کردی گئی دنیاوی زندگی کا دھوکے میں ڈال دینا جس میں نشاندہی کردی گئی کہ اگر تم حقیقت پانا چاہتے ہو تو دنیا کی محبت سے بچ کر رہو جو شخص بھی دنیا کی محبت میں مبتلا ہو جائے گا دنیا اس کو بہت دھوکے میں ڈال دیتی ہے پھر سارے حقائق اس سے مخفی رہ جاتے ہیں۔

رسولوں کے بھیجنے کا مقصد:

"ذلك ان لم یکن ربك مھلك القریٰ" یہ اس سبب سے ہے کہ تیرا رب ہلاک کرنے والا نہیں ان بستیوں کو ظلم کے سبب سے اس حال میں کہ وہ غافل ہوں یعنی رسولوں کا بھیجنا اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ غفلت کی حالت میں لوگوں کو بستی والوں کو ہلاک نہیں کرنا چاہتا، غفلت میں پڑے ہوئے لوگوں کو جگانے کے لئے، بیدار کرنے کے لئے پہلے رسول بھیجتے ہیں اور وہ رسول اللہ تعالیٰ کے پیغامات آکر پہنچاتے ہیں، متنبہ کرتے ہیں اور پھر بھی اگر کوئی نہیں سمجھتا تب اللہ تعالیٰ پھر ان بستیوں کو ہلاک اور برباد کردیتے ہیں، یہ اللہ کی عادت نہیں کہ بغیر تنبیہ کرنے کے کسی کو ہلاک کردے، یہ اس سبب سے ہے کہ نہیں ہے تیرا رب ہلاک کرنے والا بستیوں کو ظلم کے سبب سے یعنی ان بستیوں والوں کے ظلم کے سبب سے، بستیاں ظلم کا ارتکاب کررہی ہوں، کفر اور شرک کا ارتکاب کررہی

ہوں اللہ تعالیٰ ان کو غفلت سے تنبیہ کئے بغیر ان کو ہلاک کر دے ایسا کرنے والا نہیں ہے تو یہ ظلم جو ہے یہ انہیں اہل القریٰ کا ہے یعنی ان کے ظلم کے سبب سے جو ان کی طرف سے ہو رہا ہے اور ظلم کا سب سے بڑا مصداق کفر اور شرک ہے 'واھلھا غافلون" اور وہ بستیوں والے غافل ہوں، بے خبر ہوں اس حال میں اللہ ہلاک کرنے والا نہیں۔

"ولکل درجات مما عملوا" ہر کسی کے لئے درجات ہیں ان کے عمل کے سبب سے "وماربك بغافل عما یعملون" تیرا رب بے خبر نہیں ان کاموں سے جو وہ کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی صفتِ غنا اور صفتِ رحمت:

"وربك الغنی ذوالرحمة" اور تیرا رب بے نیاز ہے، غنی جو کسی کا محتاج نہیں اس کے مقابلہ میں لفظ فقیر آیا کرتا ہے دوسری جگہ لفظ آئے گا "یاایھاالناس انتم الفقراء" اے لوگو! تم سب کے سب محتاج ہو" واللہ ھو الغنی الحمید" کہ اللہ تعالیٰ ہی غنی ہے، بے نیاز ہے، ہر قسم کی صفت کے ساتھ موصوف ہے اور تم سب کے سب محتاج ہو، اللہ کے غنی ہونے کا ذکر جو یہاں کیا جا رہا ہے یہ انسان کو تنبیہ کرنے کے لئے ہے کہ تمہارے کفر سے اللہ کا کوئی نقصان نہیں اور تمہاری نیکی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا کوئی نفع نہیں اگر تم سارے کے سارے باغی ہو جاؤ جن اور انسان مل کر انتہائی درجے کے باغی ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ کی سلطنت میں ایک مچھر کے پر کے برابر تم نقصان نہیں پیدا کر سکتے اور اگر سارے کے سارے فرمانبردار ہو جاؤ تو اللہ کے ملک میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا اللہ تعالیٰ تو بے نیاز ہے وہ کسی کا محتاج نہیں۔

پھر بے نیازی کا اثر یہ ہوتا ہے کہ کسی کے حال پر انسان متوجہ بھی نہیں ہوتا، انسان اگر بے نیاز ہو جائے کسی سے تو کسی کے حال پر وہ متوجہ نہیں ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ غنی ہونے کے ساتھ ساتھ ذو رحمت بھی ہے اس لئے انسانوں کو سمجھانے کے لئے رسول بھیجتا ہے، کتابیں اتارتا ہے، ان کو نفع ونقصان سمجھاتا ہے کہ یہ مخلوق کسی خسارے میں نہ پڑ جائے، ہلاکت میں نہ پڑ جائے ورنہ بے نیازی کا تقاضا تو یہ ہوگا کہ دوسرا جس حال میں رہے ہمیں کیا۔

قرآن کریم میں انسان کا مزاج یہ نقل کیا گیا ہے "کلا ان الانسان لیطغیٰ ان راٰہ استغنیٰ" کہ جب انسان اپنے آپ کو بے نیاز دیکھتا ہے تو پھر یہ سرکش ہو جاتا ہے، باغی ہو جاتا ہے پھر ہر کسی کے مقابلہ میں دندناتا ہے، کسی کا کام کرنے کے لئے، کسی کی خدمت کرنے کے لئے بھی تیار نہیں ہوتا، یہ ہم جو ایک دوسرے کی خدمت کرتے

ہیں یا ایک دوسرے کے ساتھ جو تعلق رکھتے ہیں یہ احتیاج کی وجہ سے ہے، سرمایہ دار مزدور کا محتاج ہے، مزدور سرمایہ دار کا محتاج ہے، زمیندار کاشت کار کا محتاج ہے، کاشت کار زمیندار کا محتاج ہے، غریب امیر کا محتاج ہے اور اس طرح سے امیر بعض خدمات کے لئے غریب کا محتاج ہے تو اس طرح سے ایک دوسرے کے ساتھ احتیاج ہے جس کی بناء پر ہم ایک دوسرے کا لحاظ رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کو احتیاج کسی کا نہیں لیکن اس کی صفت چونکہ یہ بھی ہے کہ وہ رحمت والا ہے اس لئے بغیر کسی قسم کی ضرورت کے مخلوق پر وہ مہربانی کرتا ہے مخلوق کے نفع کے لئے۔

تو اللہ کی تعلیمات سے فائدہ اٹھاؤ گے تو اس میں نفع تمہارا ہے، اور اگر اللہ کی تعلیمات سے فائدہ نہیں اٹھاؤ گے تو اللہ کا کوئی نقصان نہیں وہ تو غنی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مشیت:

"ان یشاء یذھبکم ویستخلف من بعد کم مایشاء" اگر وہ اللہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور تمہارے پیچھے خلیفہ بنادے جس کو چاہے جیسے کہ پیدا کیا تمہیں پہلے لوگوں کی اولاد سے "من ذریۃ قوم اخرین" دوسرے لوگوں کی اولاد سے جس طرح سے تمہیں پیدا کیا اسی طرح سے اگر چاہے تو تمہیں بھی لے جائے اور تمہارے پیچھے اور نسل لے آئے، تدریجاً ترتیب کے حساب سے تو ایسا ہوتا ہی رہتا ہے کہ بڑے مرتے جاتے ہیں چھوٹے پیچھے آتے چلے جاتے ہیں، ایک وقت میں آپ کے گھروں کے اندر آپ کا دادا تھا پھر آپ کا باپ تھا پھر اس کے بعد آپ آگئے اسی طرح سے سلسلہ آگے چلتا جائے گا۔

بالترتیب تو ہوتا چلا جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا اظہار یوں بھی کیا کہ یکدم کسی قوم کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا اور اس کی جگہ دوسری قوم کو آباد کر دیا اس کی مثالیں بھی بے شمار ہیں کہ ایک ہی آن کے اندر قوم کی قوم ختم ہوگئی اور اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اور پیدا کر دیئے، اللہ تعالیٰ کی زمین ویران نہیں ہوئی اس کی رونق بحال رہی، مٹنے والے مٹ گئے یہ اللہ کی قدرت ہے کہ اگر وہ چاہے تو تم سب کو لے جائے اور خلیفہ بنادے تمہارے پیچھے جس کو چاہے جیسے کہ پیدا کیا تمہیں پہلے لوگوں کی اولاد سے جو پہلے گزر گئے۔

"ان ماتوعدون لآت" جس چیز کا تم وعدہ کیے جاتے ہو البتہ آنے والی ہے "وما انتم بمعجزین" اور تم ہرانے والے نہیں ہو، عاجز کرنے والے نہیں ہو، اللہ تعالیٰ جب تمہیں فنا کرنا چاہے گا، فنا کرنے کے بعد دوبارہ

اٹھانا چاہے گا قیامت وغیرہ جنت دوزخ جنتی وعدے کی چیزیں ہیں سب آئیں گی اور اللہ تعالیٰ جو واقع کرنا چاہے گا واقع کرے گا اور تم اسے عاجز کرنے والے نہیں ہو۔

دنیا میں کام کرتے رہو انجام آخرت میں معلوم ہوگا:

"قل یقوم اعملوا علیٰ مکانتکم" آپ یہ کہہ دیجئے کہ اے میری قوم! عمل کرو تم اپنی حالت پر جس حال میں تم ہو اپنی جگہ پر تم عمل کرتے رہو "انی عامل" میں بھی عمل کرنے والا ہوں" فسوف تعلمون من تکون له عاقبة الدار" عنقریب جان لو گے تم کون ہے وہ شخص جس کے لئے عاقبۃ الدار ہے، دار سے دار آخرت مراد ہے عاقبت سے اچھا انجام مراد ہے، انجام کار اچھی حالت کس کو ملتی ہے؟ تمہیں خود پتہ چل جائے گا، یہ بات کو ختم کرنے کے لئے، جھگڑا ختم کرنے کے لئے آخری آخری بات ہوتی ہے کہ اگر ہمارے سمجھائے ہوئے تم نہیں سمجھتے تو بہت اچھا تم اپنے حال پر چلتے رہو اپنی جگہ تم بھی کام کرتے رہو عنقریب پتہ چل جائے گا کہ اچھا انجام کس کا ہے، دار سے دار آخرت اور عاقبت سے اچھا انجام مراد ہے آخرت کا اچھا انجام کس شخص کے لئے ہے تم عنقریب جان لو گے "انه لا یفلح الظالمون" یہ بات واضح ہے کہ ظالم لوگ فلاح نہیں پا سکتے اور ظالم کا اصل مصداق، اعلیٰ مصداق تو مشرک ہے اور ہر بد عملی جو ہے وہ ظلم کا مصداق ہے چاہے وہ غیر پر ہو چاہے وہ اپنے پر ہو، بے شک ظالم لوگ فلاح نہیں پائیں گے۔

مشرکین کی بے انصافی:

آگے ان کی بعض مشرکانہ رسوم کی تردید ہے، "وجعلوا لله مماذرا من الحرث والانعام نصیبا" مقرر کیا انہوں نے اللہ کے لئے ایک حصہ اس چیز میں سے جو اللہ نے پیدا کیا چاہے وہ کھیتی ہے چاہے وہ چوپائے ہیں، "من الحرث والانعام" یہ "ماذرا" کا بیان ہے جو اللہ نے کھیتی پیدا کی، جو اللہ نے چوپائے پیدا کئے اس میں سے انہوں نے اللہ کے لئے ایک حصہ لگا یا یعنی کچھ اس میں سے اللہ کے نام کا نکال دیا جس کو فقراء پر خرچ کرتے ہیں، مساکین پر خرچ کرتے ہیں، دوسرے نیکی کے کاموں پر خرچ کرتے ہیں "وقالوا هذا لله" پھر وہ کہتے ہیں کہ یہ حصہ تو اللہ کے لئے ہے ان کے خیال کے مطابق اور ایک دوسرا حصہ لگا لیا وہ کہتے ہیں "هذا لشرکائنا" یہ ہمارے شرکاء کے لئے ہے یعنی مالی عبادت جس طرح سے نذر و نیاز وغیرہ

ہے اللہ کے لئے بھی وہ مانتے ہیں غیر اللہ کے لئے بھی وہ مانتے ہیں یہی ان کا شرک ہے کہ اللہ نے کھیتی بھی پیدا کی اور چوپائے بھی پیدا کیے وہ دیتے غیر اللہ کے نام پر ہیں۔

دوسرے کے نام پر جو کچھ وہ دیتے تھے دو ہی قسمیں تھیں یا نباتات میں سے تھیں یا حیوانات میں سے تھیں جو چیز بھی نذر و نیاز کے طور پر دی جاتی ہے وہ یا حیوانات میں سے ہوتی ہے یا نباتات میں سے ہوتی ہے تو "من الحرث والانعام" کے اندر دونوں قسمیں ذکر کر دیں کہ چاہے وہ حیوانات ہیں چاہے وہ پھل ہیں، غلہ ہے، سبزیاں ہیں، فروٹ ہیں سب کچھ پیدا کیا ہوا اللہ کا ہے تو جب اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے چاہئے تو یہ تھا کہ جتنا خرچ کرنا چاہتے ہیں اللہ کے نام پر خرچ کریں لیکن انہوں نے اپنے خیالات کے مطابق کچھ حصہ تو اللہ کے لئے متعین کر لیا اور کچھ شرکاء کے لئے متعین کر لیا۔

پھر ساتھ بے انصافی یہ "فما کان لشرکائھم فلا یصل الی اللہ" جو ان کے شرکاء کے لئے ہوتا ہے وہ تو اللہ کی طرف نہیں پہنچتا، یعنی اگر کسی وجہ سے اللہ کے رکھے ہوئے حصے میں کمی آ گئی مثلاً کوئی جانور مر گیا یا کچھ ایسا ہو گیا تو ایسا تو نہیں کریں گے کہ اپنے شرکاء کے رکھے ہوئے حصے میں سے نکال کر اس کو پورا کر دیں، اور ایسا ہو جائے گا کہ اگر شرکاء کے حصے میں کمی ہو گئی ہے تو اللہ والے حصے سے نکال کر شرکاء کا حصہ پورا کریں گے، ان کو نہیں ناراض کرنا چاہتے اور ان کے حصے میں کمی نہیں ڈالنا چاہتے جو کچھ ان کے شرکاء کے لئے ہے وہ اللہ کی طرف نہیں پہنچتا "وما کان للہ" اور جو کچھ اللہ کے لئے ہے "فھو یصل الی شرکائھم" وہ شرکاء کی طرف پہنچ جاتا ہے یعنی یہاں آ کر بھی ترازو کے دو پلڑوں میں سے پلڑا جب جھکتا ہے تو شرکاء ہی کا جھکتا ہے، ان کا قلبی رجحان جتنا ہے سارے کا سارا ادھر ہے کہ اللہ کی تو پرواہ نہیں کم چلا گیا تو کوئی بات نہیں ہے، اللہ کے لئے قرار دیے ہوئے میں سے نکال کر شرکاء کی طرف کر دیا تب کوئی بات نہیں لیکن جو شرکاء کے لئے متعین کیا جا چکا ہے وہ کبھی بھی اللہ کی طرف منسوب نہیں کرتے "ساء مایحکمون" بہت برا وہ فیصلہ کرتے ہیں۔

مشرکین کا اپنے شرکاء کی وجہ سے اولاد کو قتل کرنا:

"وکذلک زین لکثیر من المشرکین قتل اولادھم شرکاؤھم" "شرکاؤھم" یہ "زین" کا فاعل ہے، ایسے ہی جس طرح سے ان مالیات کے اندر شیاطین نے ان کو غلط راستے پر ڈال دیا ایسے ہی مزین کر دیا

بہت سارے مشرکوں کے لئے اولاد کا قتل کرنا ان کے شرکاء نے جو کہ جنات ہیں، جنات سے متاثر انسان ہیں انہوں نے ان کے سامنے مزین کر دیا اولاد کا قتل کرنا، اولاد کو قتل کرتے تھے یا تو انہی غلط نظریات کی بناء پر غیرت کی بناء پر کہ ہماری لڑکی کسی اور کی طرف چلی جائے گی اور یہ اپنی غیرت کے خلاف سمجھتے تھے کہ ہماری بیٹی کسی کے نکاح میں ہو اور یا اسی نظریہ کے تحت کہ یہ رزق میں حصہ دار ہو جائیں گے، رزق ہمارے پاس کم ہے ہم کیسے ان کو کھلائیں گے خود ہمیں کھانے کے لئے نہیں ملتا یا جتنا ملتا ہے وہ ہمارے لئے کافی ہے اور آ جائیں گے تو ہمارے لئے ناکافی ہو جائے گا دونوں نظریے تھے کوئی تنگ دستی میں مبتلا تھا اس لئے بچوں کو برداشت نہیں کرتا تھا اور کوئی تھا تو خوشحال لیکن یہ اس کو اندیشہ تھا کہ اگر یہ آبادی زیادہ ہو گئی اور گھر کے اندر افراد زیادہ پیدا ہو گئے تو پھر ہمارا رزق تنگ ہو جائے گا دونوں صورتوں میں ہی قتل کرتے تھے۔

اور ایک صورت یہ بھی تھی کہ بتوں کے نام پر بچوں کو بھینٹ بھی چڑھاتے تھے اگر ہمارا فلاں کام ہو گیا تو ہم اپنے پیارے بیٹے کو فلاں بت کے پاس جا کر اس کے نام پر ذبح کر دیں گے ایسے واقعات بھی تھے تو ان کے شرکاء نے ان کی اولاد کا قتل کرنا ان کے لئے مزین کر رکھا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے "لیردوھم" تاکہ وہ شرکاء ان لوگوں کو، ان انسانوں کو بربادی میں ڈال دیں کہ اولاد کے قتل کرنے سے دنیا کی بربادی بھی اور آخرت کی بربادی بھی ہے "ولیلبسوا علیھم دینھم" تاکہ ان کے اوپر ان کے دینی طریقے کو خلط ملط کر دیں، یہ شرکاء اس لئے ان کو وسوسے ڈالتے ہیں اور باتیں سکھاتے ہیں کہ ان کے دینی طریقے کو بھی خلط ملط کرنا چاہتے ہیں اور ایسے ہی ان کو دین و دنیا کے اعتبار سے برباد بھی کرنا چاہتے ہیں۔

آگے سرور کائنات ﷺ کے لئے تسلی ہے "ولوشاء الله مافعلوه" یہ اللہ نے اپنی حکمت کے تحت ان کی ڈوری ڈھیلی چھوڑ رکھی ہے اور ان کو مہلت دے دی ہے جنوں اور شیاطین کو گمراہ کرنے کی اور انسانوں کو اپنے مفاد کے تحت غلط راستے اختیار کرنے کی، ورنہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ ایسا نہ کرتے زبردستی ان کو سیدھے راستے پر چلا دیتا، گمراہی اختیار کرنے کی ان میں صلاحیت ہی نہ رکھتا تو اللہ کی حکمت ہے "فذرھم وما یفترون" رہنے دیجئے، انہیں چھوڑ دو اور ان باتوں کو جو یہ گھڑتے ہیں، یہ جھوٹی باتیں بناتے ہیں ان کو ان کے ساتھ ہی رہنے دیجئے "ذرھم" یعنی ان کی طرف سے توجہ ہٹا لو اعراض کر لو ان کی باتوں پر زیادہ فکر مند نہ ہوا کرو۔

مشرکین کی چند مشرکانہ رسوم کی تردید:

"وقالوا ھذہ انعام وحرث حجر" حجر ممنوع کے معنی میں ہے، کہتے ہیں کہ یہ چوپائے اور یہ کھیتی ممنوع ہے، کیا مطلب کہ "لا یطعمھا الا من نشاء" اس کو نہیں کھا سکے گا کوئی مگر وہی جس کو ہم چاہیں گے "بزعمھم" ان کے اپنے گمان کے مطابق گویا کہ وہ مشرک لوگوں کے جو قائدین تھے وہی ان کو فتویٰ دیتے کہ فلاں چیز فلاں کے لئے کھانی جائز ہے اور فلاں چیز فلاں کے لئے کھانی جائز نہیں، اس کا نمونہ اگر آپ نے دیکھنا ہو تو یہ حضرت جعفر کے کونڈوں کا فلسفہ سن کر دیکھو ان جاہلوں سے یہ آج کل ہی بنتے ہیں یہی مہینہ ہے ان کا، اب ہم نے تو یہیں آکر سنا ہے پہلے تو سنا ہی نہیں کہ حلوہ پکاتے ہیں کوئی خاص ترتیب کے ساتھ، خاص وزن کے ساتھ پکاتے ہیں، خاص اوقات میں پکاتے ہیں پھر کھانے کا ایک طریقہ متعین کر رکھا ہے کہ فلاں قسم کا آدمی کھا سکتا ہے فلاں قسم کا نہیں کھا سکتا ایسے وقت میں کھایا جائے گا پھر جو کھائے اگلے سال اتنا کر کے دے۔

اس طرح سے یہ اندر اندر ہی رسم چلتی ہے یہ کھانے پینے کے قواعد جیسے مشرکوں کے قائد بتاتے تھے آج کل وہی قصہ یہاں بھی ہے، اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں کے اوپر اپنی طرف سے پابندیاں لگا دیتے ہیں کہ فلاں کھا سکتا ہے فلاں نہیں کھا سکتا، فلاں وقت میں کھا سکتا ہے فلاں وقت میں نہیں کھا سکتا، یہ بالکل وہی جاہلانہ اور مشرکانہ رسم ہے جو کہ اس زمانے کے اندر بھی ان کے بتوں کے جو مجاور ہوتے تھے وہ ان کے لئے اس قسم کی شریعت بنائے بیٹھے تھے ایسے احکام دیتے تھے، اس کے نمونے آج بھی موجود ہیں شیاطین اس قسم کی باتیں سکھاتے ہیں کہتے ہیں کہ یہ چوپائے اور کھیتی ممنوع ہے، ممنوع ہونے کا معنی یہ ہے کہ نہیں کھا سکیں گے اس کو مگر وہی یعنی یہ بات ان کے خیال کے مطابق تھی۔

"وانعام" اور کچھ چوپائے ہیں "حرمت ظھورھا" کہ ان کی پشتیں حرام کر دی گئیں ہیں کہ ان کے اوپر، سواری جائز قرار نہیں دیتے "وانعام لا یذکرون اسم اللہ علیہ" اور بعضے چوپائے ہیں کہ جن کے اوپر اللہ کا نام نہیں لیتے یعنی بتوں کی طرف منسوب کر دینے کی وجہ سے سواری نہیں کرتے، بتوں کی طرف منسوب ہو جانے کی وجہ سے وہ سمجھتے ہیں کہ یہ فلاں بت کا ہو گیا ہمارے شریک کا اب اگر اس کا دودھ دھوتے وقت اللہ کا نام لے لیا یا اس کے اوپر سواری کرتے وقت اللہ کا نام لے لیا یا اس کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لے لیا تو ہمارے شرکاء ناراض

ہو جائیں گے اس لئے وہ ممنوع کر دیتے ہیں کہ ان پر کسی وقت بھی اللہ کا نام نہیں لینا تا کہ ان شرکاء کو تکلیف نہ پہنچے یہ ان کے اپنے بنائے ہوئے مسئلے تھے اور اپنی بنائی ہوئی شریعت تھی "افتراء علیه" اللہ پر افتراء کرتے ہوئے یعنی کہتے وہ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعلیم یہ ہے یہ سارے کا سارا ان کا اللہ پر افتراء ہے "سیجزیھم بما کانوا یفترون" جو یہ باتیں گھڑتے ہیں اپنی طرف سے باتیں بناتے ہیں ان کا اللہ ان کو بدلہ دے گا۔

"وقالوا ما فی بطون ھذہ الانعام خالصة لذکورنا" اور یہ کہتے ہیں کہ ان چوپاؤں کے پیٹ میں جو کچھ ہے یہ خالصتاً ہمارے مذکروں کے لئے ہے خالصتاً اس کو عورت نہیں کھا سکے گی یعنی بعضے جانور جن کو خاص مقصد کے لئے نذر و نیاز کے طور پر چھوڑتے تھے ان کے پیٹ سے نکلا دودھ، ان کے پیٹ سے نکلا ہوا بچہ وہ کہتے تھے کہ مرد کھا سکتے ہیں عورتیں نہیں کھا سکتیں "محرم علی ازواجنا" ہماری بیویوں پر یہ حرام ہے "وان یکن میتة فھم فیه شرکاء" لیکن اگر پیٹ سے پیدا ہونے والا بچہ مردہ پیدا ہوتا ہے تو پھر مرد و عورت اکٹھے ہو کر اس کو کھا لیتے ہیں زندہ پیدا ہو تو یہ صرف مردوں کا حصہ ہے، مردہ پیدا ہو جائے تو عورتیں بھی حصہ دار ہیں اور مرد بھی حصہ دار ہیں۔

یہ ان کے بنائے ہوئے مسئلے جن کو انہوں نے ایک شریعت کے طور پر اپنے لئے بنا لیا تھا، اور اپنا طرز زندگی متعین کر لیا تھا یہ بے ہودہ قسم کے ان کے فتوے تھے، ان کے مجاوروں کے بت پرستی کے جو لیڈر تھے ان کے یہ مسئلے تھے، یہ ان کا نمونہ دکھایا جا رہا ہے، یہ ساری کی ساری مشرکانہ رسمیں ہیں ان کو اگر اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں تو یہ اللہ پر جھوٹ گھڑتے ہیں اور اس جھوٹ کی اللہ انہیں سزا دے گا تو ایسے ہوتا ہوگا کہ بعضے جانور جو کسی بت کی طرف منسوب کر دیے جاتے ہوں گے اس پر وہ اس قسم کی پابندیاں لگاتے تھے کہ ان کے اندر سے جو چیز بھی نکلے گی بچہ پیدا ہوگا وہ مرد کھا سکیں گے عورتیں نہیں، ہاں البتہ اگر وہ مرا ہوا ہو تو پھر وہ عورتیں بھی کھا سکتی ہیں "سیجزیھم وصفھم" ان کو بدلہ دے گا اللہ ان کے بیان کا "انه حکیم علیم" بے شک وہ حکمت والا ہے علم والا ہے۔

"قد خسر الذین" تحقیق خسارے میں پڑ گئے وہ لوگ جنہوں نے اپنے بچوں کو قتل کیا نادانی سے بغیر علم کے، یہ جاہلانہ انداز کے ساتھ نادانی کے ساتھ اپنے بچوں کو قتل کرتے ہیں، چاہے وہ کسی وجہ سے قتل کرتے ہوں غرور کی بناء پر قتل کرتے تھے یا رزق کی تنگی کی وجہ سے یا رزق کی تنگی کے اندیشہ سے قتل کرتے تھے

یا بتوں کے نام پر بھینٹ چڑھا کر ان کو ذبح کرتے تھے وہ سب اس میں آ گئے، خسارے میں پڑ گئے وہ لوگ جنہوں نے اپنے بچوں کو قتل کیا نادانی سے بغیر علم کے اور حرام ٹھہرایا اس چیز کو جو اللہ نے انہیں دی اللہ نے دی تھی کھانے کے لئے اور انہوں نے اس کو اپنے اوپر حرام ٹھہرالیا "افتراء علی الله" اللہ کے اوپر افتراء باندھتے ہوئے یعنی نسبت ان سب کاموں کی وہ اللہ کی طرف کرتے ہیں "قد ضلوا" تحقیق یہ لوگ بھٹک گئے، گمراہ ہو گئے "وما کانوا مھتدین" اور یہ ہدایت یافتہ نہیں ہیں۔
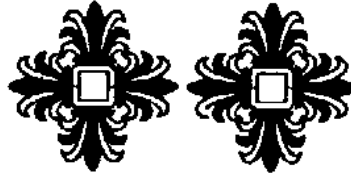
وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ

وہی ذات ہے جس نے پیدا کیا ایسے باغات کو جو سہارے دے کر اونچے کیے جاتے ہیں اور ایسے باغات جو سہارے دے کر اونچے نہیں کیے جاتے

وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا

اور کھجور کے درختوں کو اور کھیتی کو اس حال میں کہ مختلف ہیں اس کے پھل اور زیتون کو اور انار کو ہر ایک آپس میں ملتا جلتا ہے

وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ

اور آپس میں جدا جدا ہیں، کھاؤ ان میں سے ہر ایک کے پھل کو جس وقت کہ وہ پھل والا ہو جائے اور دیا کرو اس کا حق

حَصَادِهٖ ۖ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ وَمِنَ الْاَنْعَامِ

اس کو کاٹنے کے دن، اسراف نہ کیا کرو بے شک اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ﴿۱۴۱﴾ گھریلو جانوروں

حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ

میں سے اس نے بڑے قد کے پیدا کیے اور چھوٹے قد کے پیدا کیے کھاؤ اس چیز میں سے جو اللہ نے تمہیں دی شیطان کے نقش قدم

الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۴۲﴾ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ

کی اتباع نہ کرو بے شک وہ تمہارے لئے صریح دشمن ہے ﴿۱۴۲﴾ پیدا کیں اللہ تعالیٰ نے انہیں انعام میں سے آٹھ قسمیں ضان میں سے

اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ

بھی دو قسمیں اور معز میں سے بھی دو قسمیں پیدا کیں آپ ان سے پوچھئے کہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان میں سے مذکروں کو حرام کیا ہے یا مؤنثوں کو

اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّـُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ

یا وہ چیز حرام ہے جس کے اوپر انثیین کے ارحام مشتمل ہوں خبر دو مجھے کسی علمی دلیل کے ساتھ

صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ

اگر تم سچے ہو ﴿۱۴۳﴾ اور اونٹوں میں سے بھی اللہ نے دو قسمیں پیدا کیں اور گائے میں سے بھی دو قسمیں پیدا کیں آپ ان سے پوچھیے

ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ

کہ کیا ان دو مذکروں کو (یعنی اونٹ اور گائے میں سے) حرام ٹھہرایا ہے یا مؤنثوں کو یا اس چیز کو جس کے اوپر مشتمل ہیں انثیین کے ارحام

الْاُنْثَيَيْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ

کیا تم اس وقت موجود تھے جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس بات کی وصیت کی تھی، پھر کون بڑا ظالم ہے

مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اس شخص سے جو اللہ کے اوپر جھوٹ گھڑے تاکہ لوگوں کو گمراہ کرے بغیر علم کے بے شک اللہ تعالیٰ

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ

ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا ﴿۱۴۴﴾ آپ کہہ دیجئے میں نہیں پاتا اس چیز میں جو میری طرف وحی

مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗۤ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا

کی گئی ہے حرام ٹھہرائی ہوئی کوئی چیز کھانے والے پر جو اس کو کھاتا ہے مگر یہ کہ وہ چیز میتہ ہو یا بہنے والا خون ہو

اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ

یا خنزیر کا گوشت ہو بے شک یہ خنزیر رجس ہے یا وہ جانور سبب فسق ہو جس کے اوپر اللہ کے غیر کی آواز بلند کر دی گئی ہو پھر جو شخص

اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَعَلَى

مضطر کر دیا جائے اس حال میں کہ وہ طالب لذت نہ ہو اور نہ وہ ضرورت سے تجاوز کرنے والا ہو پس بے شک تیرا رب غفور رحیم ہے ﴿۱۴۵﴾ اور ان لوگوں

الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ

پر جو یہودی ہوئے ہم نے حرام ٹھہرایا ہر ناخن والا جانور اور گائے اور بکریوں میں سے

حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ

حرام کر دیا ہم نے ان یہودیوں پر ان کی چربیوں کو مگر وہ چربی جس کو اٹھاتی ہیں ان دونوں کی پشتیں یا وہ چربی جس کو ان کی آنتریاں اٹھاتی ہیں

اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ؕ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۖؗ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾

یا وہ چربی جو ہڈی کے ساتھ خلط ملط ہو یہ ہم نے ان کو سزا دی تھی ان کی شرارتوں کی وجہ سے بے شک ہم البتہ سچے ہیں ﴿۱۴۶﴾

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ

پھر اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ تمہارا رب وسیع رحمت والا ہے نہیں رد کیا جاتا اس کا عذاب

عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ

مجرم لوگوں سے ﴿۱۴۷﴾ عنقریب کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے شرک کیا کہ اگر اللہ چاہتا

مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ

تو ہم شرک نہ کرتے اور نہ ہمارے آباؤ اجداد شرک کرتے اور نہ ہم کسی چیز کو حرام ٹھہراتے اسی طرح سے تکذیب کی

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ

ان لوگوں نے جو ان سے پہلے گزرے ہیں یہاں تک کہ انہوں نے ہمارے عذاب کا مزہ چکھ لیا آپ ان سے پوچھئے کہ کیا تمہارے پاس

عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا

کوئی علم ہے پھر تم اس علم کو ظاہر کرو ہمارے لئے نہیں پیروی کرتے تم مگر توہمات کی اور نہیں ہو تم مگر

تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۴۸﴾ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

اٹکل چلاتے ﴿۱۴۸﴾ آپ کہہ دیجئے پس اللہ ہی کے لئے ہے دلیل کامل پھر اگر وہ اللہ چاہتا تو ہدایت دے دیتا تم سب کو ﴿۱۴۹﴾

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ

آپ کہہ دیجئے لے آؤ تم اپنے گواہوں کو جو گواہی دیں کہ بے شک اللہ نے اس چیز کو حرام ٹھہرایا ہے

فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

پھر اگر وہ شہادت دے ہی دیں تو آپ ان کے ساتھ شہادت نہ دیں اور پیروی نہ کریں آپ ان لوگوں کی خواہشات کی جو جھٹلاتے ہیں

بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾ ع

ہماری آیتوں کو اور جو آخرت کے ساتھ ایمان نہیں لاتے اور وہ اپنے رب کے برابر دوسروں کو ٹھہراتے ہیں ﴿۱۵۰﴾

تفسیر:

ماقبل سے ربط:

ماقبل میں مشرکین کی رسوم شرکیہ کا ذکر تھا جس میں خصوصیت کے ساتھ یہ بات واضح کی گئی تھی کہ یہ نباتات

میں سے بھی اور حیوانات میں سے بھی اللہ کی غیر کی نیاز چڑھاتے ہیں اور اس کی حلت وحرمت کے لئے انہوں نے اپنی طرف سے قواعد بنا رکھے ہیں پیچھے یہ لفظ آئے تھے "وجعلوا لله مماذرا من الحرث والانعام نصیبا" دو کا ذکر آ گیا نباتات کا اور حیوانات کا، اس میں سے وہ اللہ کا حصہ بھی متعین کرتے ہیں اور غیر اللہ کا حصہ بھی متعین کرتے ہیں اور پھر پلڑا ہمیشہ غیر اللہ کا جھکتا ہے اس لئے اگر غیر اللہ کے حصے میں کسی قسم کی کمی آ جائے تو اللہ کا حصہ کاٹ کر پورا کرتے ہیں لیکن اگر اللہ کے حصے میں کسی قسم کی کمی واقع ہو جائے تو غیر اللہ کا حصہ کاٹ کر اللہ کو نہیں دیتے، کون سا جانور کس کے لئے حرام ہے اپنی طرف سے قواعد بنا لیے، فلاں جانور پر سواری حرام، فلاں جانور پر اللہ کا نام نہیں لینا، فلاں جانور کے پیٹ میں جو کچھ ہے وہ مذکر کھا سکتے ہیں مؤنث نہیں کھا سکتے، مرا ہوا نکلے تو دونوں کھا سکتے ہیں یہ ایک ایسا قانونی ضابطہ تھا جو انہوں نے اپنے لئے تجویز کر لیا تھا اور نسبت کرتے تھے اس کی اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے اوپر انکار تھا آگے آنے والے دونوں رکوع جو ہیں وہ اسی مسئلے سے متعلق ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان ماکولات کی حقیقت کو واضح کیا ہے کہ یہ تحریمات تمہارے خلاف دلیل ہیں، بلا دلیل ہیں اور اسی طرح سے تم نے جو کاروائی کر رکھی ہے یہ اللہ تعالیٰ کی ناشکری بھی ہے اور شرک بھی ہے، اس لئے دونوں قسموں کا ذکر آ رہا ہے نباتات کا بھی جو زمین سے اگتی ہیں اور حیوانات کا بھی۔

نباتات کی پیدائش میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور احسان:

پہلے تو نباتات کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا جس میں اس کی قدرت بھی نمایاں ہے اور احسان بھی نمایاں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا، پیدا کرنے کے بعد اس کو جو کھانے کا محتاج بنایا اور اس کی زبان کے اندر جو ذوق رکھا تو اس کے ذوق کو پورا کرنے کے لئے، اس کے کھانے کی ضرورت پوری کرنے کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے نباتات میں سے بھی کیسی کیسی چیزیں پیدا کیں اور اس کے دسترخوان کو کس طرح سے سجایا، یہ نہیں کہ جانوروں کی طرح اگر یہ کھانے کا محتاج تھا تو زمین میں گھاس اگا دی اب ہر روز اٹھو صبح صبح گھاس کھا کر اپنے پیٹ کو بھر لو، انسان کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنایا ہے تو اس کو صرف گھاس سے پیٹ بھرنے پر ہی مجبور نہیں کیا بلکہ اس کی زبان کے تلذذ کی رعایت رکھی ہے۔

اس کی آنکھوں کے لئے بہار اور نشاط پیدا کرنے والی چیزوں کی رعایت بھی رکھی ہے، پیٹ بھرنے کے

لئے مختلف قسم کی چیزیں جو لذت میں بھی مختلف ہیں، قواعد میں بھی مختلف ہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیں اس میں اللہ کی قدرت بھی نمایاں ہے اور اللہ تعالیٰ کے احسان بھی انسانوں کے اوپر بہت نمایاں ہیں، پہلے تو وہی مختلف قسم کی چیزیں ذکر کی ہیں نباتات کی جو اللہ نے انسان کی لذت کے لئے اور پیٹ کو بھرنے کے لئے پیدا فرمائیں ہیں۔

اللہ وہ ہے جس نے باغات پیدا کیے بعضے باغات ایسے ہیں جو سہارا دے کر اونچے کیے جاتے ہیں اور بعضے ایسے ہیں جو سہارا دے کر نہیں چڑھائے جاتے، کھجور کے درخت پیدا کیے، کھیتیاں پیدا کیں، کھیتیوں کے اندر سب غلہ جات اور سبزیاں آگئیں، مختلف قسم کی جو گنی نہیں جاسکتیں اتنی کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مختلف علاقوں کے اندر سبزیاں، پھل پیدا کیے ہیں اور غلہ جات پیدا کیے ہیں اور ان کا پھل مختلف ہے یعنی ان سے جو کھانے کی چیز حاصل ہوتی ہے وہ مختلف ہے وہ ایک جیسی نہیں ہے، رنگ روپ کے اعتبار سے مختلف ہے، حجم کے اعتبار سے مختلف ہے، لذت کے اعتبار سے مختلف ہے، فوائد و منافع کے اعتبار سے مختلف ہے۔

اور یہی جو اختلاف ہے یہی انسان کے لئے لذت بخش ہے، ہر روز یہ منہ کے ذائقے تبدیل کرتا رہتا ہے ایک وقت میں اپنے دسترخواں کے اوپر مختلف چیزیں سجا کر اپنا پیٹ بھی بھرتا ہے اور ہر قسم کے مزے بھی لیتا ہے اور زیتون اور رمان کو پیدا کیا ان میں سے بعض آپس میں ملتے جلتے ہیں، بعض جدا جدا ہیں جو آپس میں ملتے جلتے نہیں ہیں یہ تو اللہ نے نعمتیں دیں۔

زمین کی پیداوار میں عشر کا حکم اور اس کی مقدار:

نعمتیں دینے کے بعد حکم یہ دیا کہ جس وقت یہ چیزیں پھلیں تو ان کے پھل کو کھاؤ بھی لیکن کھانے کے ساتھ ساتھ اس دینے والے کے حق کو بھی یاد رکھو "و آتوا حقه یوم حصاده" جس وقت اس فصل کو کاٹو یا پھلوں کو توڑو اس وقت اس میں متعین حق جو اللہ تعالیٰ کا ہے وہ بھی ادا کیا کرو۔

اب اس حق سے کیا مراد ہے؟ جن حضرات کے نزدیک یہ آیت مکی ہے وہ کہتے ہیں کہ یہاں حق سے حق استحبابی مراد ہے کیونکہ اس وقت تک مکہ معظمہ کے اندر عشر وزکوٰۃ کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے اس لئے شرفاء کے اندر عام طریقہ چلا آتا تھا احسان شناسی کا لوگوں میں کہ جس وقت وہ اپنے پھل کاٹتے، فصل کاٹتے تو فقراء مساکین کو کچھ نہ کچھ حصہ اس میں سے دیا کرتے تھے تو یہاں حق سے وہی حق مراد ہے اور مدینہ منورہ میں آنے کے بعد اس

حق کو پھر وجوبی رنگ دے دیا گیا عشر اور زکوٰۃ کی صورت میں کہ زمین سے پیدا ہونے والی چیزیں چاہے باغات ہوں چاہے وہ فصلیں ہوں ان کا عشر دیا کرو اور دوسری چیزیں جو ہیں ان کی زکوٰۃ دیا کرو تو وہ اس کو حق استحبابی پر محمول کرتے ہیں جو فقراء اور مساکین کو دینے کا عام طور پر شریف سوسائٹی کے اندر رواج تھا لیکن دوسرے حضرات اس حق سے وہی حق عشری مراد لیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ فرضیت اس کی اتر گئی تھی مکہ معظمہ میں لیکن اس کے مقادیر اور اس کا طریقہ کار واضح کیا گیا مدینہ منورہ میں۔

جس طرح سے "اقیموا الصلوۃ واتوا الزکوٰۃ" زکوٰۃ کا حکم بھی اقامت صلوٰۃ کے ساتھ ساتھ ہی آ گیا تھا اور مکہ میں بالاتفاق نماز فرض ہوگئی تھی اور یہ آیات اتری ہیں تو "اقیموا الصلوٰۃ" کے ساتھ "اتوا الزکوٰۃ" کا ذکر بھی ہے تو زکوٰۃ کی فرضیت نازل ہوگئی تھی مکہ معظمہ میں لیکن اس کے مقادیر اور اس کے اندازے کہ کس مال میں سے کتنا دینا ہے اور کس مال میں سے کتنی زکوٰۃ ادا کرنی ہے یہ تشریح حضور ﷺ نے مدینہ میں آنے کے بعد کی ہے اسی طرح سے عشر کے بارے میں ہے کہ وجوب تو آ گیا تھا مکہ معظمہ میں ہی اور اس کی تشریح مدینہ منورہ میں ہوئی ہے۔

اور بعض حضرات کے نزدیک یہ آیات مدنی ہیں وہ اس طرح سے متعین کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں آیات اتری تھیں، مکی سورتوں کے اندر کوئی کوئی آیت مدنی اور مدنی سورتوں کے اندر کوئی کوئی آیت مکی آتی رہتی ہے جس وقت آپ اس کی تفصیل دیکھیں گے اصول کی کتابوں میں تو یہ بات آپ کے سامنے واضح ہو جائے گی، بہر حال حق کا مصداق اب یہاں عشر ہی ہے۔

اور عشر کا اصول آپ پڑھتے ہیں فقہ کی کتابوں میں کہ پھلوں کی شکل میں یا غلہ جات کی صورت میں جو چیز زمین سے پیدا ہوتی ہے حضرت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس میں قلیل کثیر کی کوئی قید نہیں، باقی رہنے نہ رہنے کی کوئی قید نہیں کہ وہ باقی رہنے والی چیز ہے یا فوراً کھا کر ختم کر دینے کی چیز ہے، جیسے سبزیاں ہوگئیں، تازے تازے پھل ہوگئے جن کو زیادہ دیر تک رکھا نہیں جا سکتا، جو چیز بھی پیدا ہو اس میں سے عشر دیا جاتا ہے جس کی مقدار بارانی علاقوں میں جہاں پانی وغیرہ کا خرچ زیادہ نہیں ہے اس میں دسواں حصہ ہے اور جہاں نہری پانی خرید کر دیا جاتا ہے یا کنویں استعمال ہوتے ہیں ٹیوب ویل وغیرہ جس میں پانی دینے کے اوپر مشقت آتی ہے تو وہاں بیسواں حصہ ہے۔

اسراف سے بچنے کا حکم اور اس کی حکمت:

"ولاتسرفوا" اسراف نہ کرو، اسراف کا معنی ہوتا ہے فضول خرچی، ضرورت سے زیادہ دینا، بے موقع

خرچ کرنا، اب یہاں یہ بات کیوں کہہ دی گئی کہ اللہ تعالیٰ جس وقت اپنے راستے میں خرچ کرنے کے لئے کہتا ہے، مساکین کو دینے کے لئے کہتا ہے تو ساتھ ہی تاکید کرتا ہے کہ تم فضول خرچی نہ کیا کرو، اس فضول خرچی کا مطلب یہ ہے کہ اپنے اوپر اپنی ضروریات میں ضرورت سے زیادہ خرچ نہ کرو، بے موقع خرچ نہ کرو اور یہ ایک بہت بڑی اہم بات ہے جو یہاں ظاہر کی جارہی ہے، اس لفظ کے ساتھ بند باندھا جارہا ہے آپ کی خواہشات پر جس شخص کو اپنے اوپر ضروریات سے زیادہ خرچ کرنے کی عادت ہے، بے موقع خرچ کرنے کی عادت ہے، تلذذات میں ضرورت سے زیادہ خرچ کرتا ہے اور بلا ضرورت سرف کرتا ہے وہ شخص کبھی بھی اللہ کے نام پر دے نہیں سکتا، مساکین کی امداد اور فقراء کی حمایت نہیں کرسکتا کیونکہ اس کی اپنی ضروریات اتنی ہو جاتی ہیں اور اپنی خواہشات اتنی پھیلی ہوئی ہوتی ہیں کہ اس کے اپنے اخراجات پورے نہیں ہوتے وہ کسی اور کو کیا دے۔

اور جو شخص اپنے اوپر پابندی لگا کر رکھتا ہے کہ بے موقع خرچ نہیں کرتا، ضرورت سے زیادہ خرچ نہیں کرتا، سرمایہ اس کے پاس بچتا ہے تو اللہ کے نام پر دینا اس کے لئے آسان ہوتا ہے، آج اللہ کے نام پر دینے کی جو کمی آئی ہوئی ہے تو اس کی وجہ یہی ہے کہ لوگوں نے اپنے تلذذ میں بہت وسعت پیدا کرلی، موقع بموقع خرچ کرتے رہتے ہیں، اپنی عیاشی کے اوپر خرچ کرتے رہتے ہیں تو اخراجات ہو گئے زیادہ آمدنی ہوگئی کم، اب ان سے کسی مسجد کے لئے کہو، کسی مدرسے کے لئے کہو، کسی غریب کی حمایت کرنے کے لئے کہو تو اپنی جیب کا جائزہ لیتے ہیں کہ ہمارے پاس اتنی ضرورت سے زائد ہے ہی نہیں ہم مسجد کو مدرسے کو کیسے دیں؟ ہم کسی بھوکے کو کھانا کیسے کھلا دیں؟ ہم کسی ننگے کو کپڑے کیسے دے دیں؟ ہمارے پاس گنجائش ہی نہیں ہے کیونکہ ان کو پتہ ہے کہ ہم نے شام کو سینما میں بھی جانا ہے، فلاں جگہ جانا ہے، فلاں جگہ جانا ہے تو اتنے ہماری جیب میں پیسے کہاں ہیں؟

کل آپ نے اخبار میں دیکھا ہوگا انہوں نے لکھا تھا کہ صرف لاہور میں ایک رات کا سینما کا خرچ پچیس لاکھ ہے یعنی پچیس لاکھ روپیہ یومیہ لاہوری ہر روز سینما دیکھنے پر خرچ کرتے ہیں یعنی جتنے ٹکٹ بکتے ہیں جتنی قیمت پر بکتے ہیں اس کا حساب لگا کر انہوں نے مرتب کیا کہ پچیس لاکھ روپیہ یومیہ عوام جو ہے وہ سینما بینی پر خرچ کرتی ہے، اب اگر کہیں اپیل کی جائے کسی قومی خدمت کے لئے، کسی دینی کام کے لئے تو چیخ چیخ کر مرجاؤ گے اگر چھ مہینہ کے اندر بھی ایک لاکھ روپیہ اکٹھا ہو جائے تو غنیمت ہے تو جب اس قسم کی لذتوں کے اوپر خرچ کرنے کی عادت پڑ جاتی

ہے، فضول عیاشی پر جب پیسے جاتے ہیں تو پھر اللہ کے نام پر دینے کی توفیق نہیں ہوا کرتی پھر وہ اپنے بازوں (عقاب) کو، اپنے شکروں کو، اپنے کتوں کو تو اچھے سے اچھا کھلا سکتے ہیں اور ان کو تو آرام پہنچا سکتے ہیں کیونکہ وہ ان کے لئے ایک دماغی عیاشی کا ذریعہ بنتے ہیں لیکن کسی غریب کی حمایت، کسی ننگے کو کپڑے دے دینا یا کسی بھوکے کو روٹی دے دینا ان کے لئے ممکن نہیں ہوتا، ان کے کتے سیر ہو کر سوتے ہیں پڑوسی بھوکے بلکتے رہیں تو ان کو کسی قسم کی پرواہ نہیں ہوتی۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہاں جو اپنے لئے ایک حق ادا کرنے کے لئے کہا ہے تو ساتھ ہی یہ پابندی لگا دی کہ تم اسراف نہ کیا کرو، فضول خرچی نہ کیا کرو اگر فضول خرچی کے اندر مبتلاء ہو گئے، موقع بموقع تمہیں خرچ کرنے کی عادت پڑ گئی، ضرورت سے زائد خرچ کرنے کی عادت پڑ گئی پھر تم کسی دوسرے کا حق ادا نہیں کر سکتے، اللہ کا حق بھی ادا نہیں کرو گے اور اللہ کا حق حقیقت میں وہی ہے جو مساکین کو دیا جاتا ہے تو مساکین کا حق بھی ادا نہیں کرو گے "انہ لایحب المسرفین" بے شک اللہ تعالیٰ حد سے زیادہ خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتے، ان سے محبت نہیں کرتے اور قرآن کریم میں دوسری جگہ سورۃ اسراء میں یہی بات آئے گی "ولا تبذر تبذیرا" اس کا بھی یہی معنی ہے کہ بے موقع اڑایا نہ کرو، بے موقع اڑانے والے تو شیطان کے بھائی ہیں تو جب بے موقع اڑانے کی عادت پڑ جاتی ہے تو پوری طرح سے انسان شیطنت کی طرف جاتا ہے، شرارتیں کرے گا، شہوت پرستی کرے گا اور دوسری قسم کی عیاشیاں بدمعاشیاں کرے گا۔

لیکن پھر اللہ تعالیٰ کے راستے کی طرف انسان کی توجہ نہیں رہتی جس وقت کہ بے موقع مال اڑانے کی عادت پڑ جائے اس لئے یہاں حق کے ادا کرنے کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے قید لگا دی "لا تسرفوا" حد سے تجاوز نہ کرو "انہ لایحب المسرفین" بے شک وہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، موقع بموقع خرچ کرنا، فضول خرچی کے طور پر اور زائد از ضرورت خرچ کرنا یہ اللہ تعالیٰ کی ناشکری بھی ہے اور اسی طرح سے دوسرے لوگوں کی حق تلفی بھی ہے، یہ تو نباتات کی بات ہوئی کہ اللہ نے پیدا کیں، کھاؤ خوب مزے اڑاؤ اور اس میں سے اللہ کے حق کو یاد رکھو۔

جانوروں کی پیدائش میں اللہ کا احسان اور شیطان کی اتباع سے بچنے کا حکم:

"ومن الانعام" اب اس طرح سے آگے چوپاؤں کا ذکر آ گیا اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بعض تو بڑے

قد کے پیدا کیے جو بوجھ اٹھاتے ہیں، جن کے اوپر سواری ہوتی ہے یہ مستقل انعام ہے اللہ تعالیٰ کا اور بعضے چھوٹے قد کے پیدا کیے جو زمین کے ساتھ لگے ہوئے ہیں زیادہ اونچے نہیں ہوتے جن کے اوپر سواری نہیں ہوتی جن کے اوپر بوجھ نہیں لادا جاتا تم ان کے گوشت، دودھ، چمڑے، بالوں اور اون سے فائدہ اٹھاتے ہو اور جو بڑے ہیں ان کے اوپر بار برداری بھی کرتے ہو، بوجھ بھی لادتے ہو، سواری بھی کرتے ہو اور ان کا گوشت بھی کھاتے ہو، دودھ چمڑا ہر چیز سے فائدہ اٹھاتے ہو "کلوا مما رزقکم الله" جو اللہ نے تمہیں دیا ہے اس میں سے کھاتے پیتے رہو کھاؤ پیو یعنی برتو "کلوا" یہ سب کو شامل ہے جیسے ان کے چمڑے کو استعمال کرو، ان کے اون اور بالوں کو استعمال کرو تو کھانا پینا استعمال کرنا۔

"ولاتتبعوا خطوات الشیطان" ان کو اپنی طرف سے حرام ٹھہرا ٹھہرا کر شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو، یہ شیطانی طریقہ ہے کہ اللہ کی تحریم کے بغیر کسی کو حرام ٹھہرالیا جائے اور اللہ تعالیٰ نے منع نہ کیا ہو کسی چیز سے فائدہ اٹھانے کو اور اس کو منع کر دیا جائے یہ شیطانی طریقہ ہے، تم شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو وہ تو صریح دشمن ہے، جب تم اس کے مشورے مانو گے، اس کے نقش قدم پر چلو گے تو وہ تمہیں دنیا کے اندر بھی اللہ کی نعمتوں سے محروم کرے گا اور آخرت میں بھی تمہیں عذاب کی طرف لے جائے گا اب شیطان کی لگائی ہوئی پابندیاں قبول کر لو یا شیطانی پابندیاں تم لگالو، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں سے یہاں بھی محروم ہو گئے اور اللہ کی نافرمانی کرنے کے ساتھ ساتھ آخرت میں بھی معذب ہو جاؤ گے۔

جانوروں کی مختلف اقسام کی حرمت کی تردید:

آٹھ قسمیں اللہ نے پیدا کی ہیں، ضان میں سے دو قسمیں، ضان سے مراد بھیڑ، دنبہ، چھترا، دو قسموں سے مراد ہو گئے نر اور مادہ بکرے کی بھی دو قسمیں ہیں آپ ان سے پوچھئے کہ ان دونوں میں سے اللہ تعالیٰ نے مذکروں کو حرام کیا ہے یا مؤنثوں کو حرام کیا ہے یا اس چیز کو حرام کیا ہے جو کہ ان مؤنثوں کے رحم کے اندر ہے بچہ دانی میں ہے، کچھ بھی نہیں، کسی چیز کو بھی حرام نہیں کیا، جب حرام نہیں کیا تو تم میں سے کسی کو کیا حق ہے کہ تم کسی مذکر کو حرام ٹھہراؤ، کسی مؤنث کو حرام ٹھہراؤ، کسی کے پیٹ کے بچے کو حرام ٹھہراؤ اگر کوئی حرمت کی دلیل تمہارے پاس ہے تو علمی طور پر لے آؤ "نبؤنی بعلم" آپ انہیں کہہ دیجئے کوئی علمی دلیل تمہارے پاس موجود ہے جس کے ساتھ تم یہ ثابت

کرسکو کہ فلاں مذکر حرام ہے، فلاں مؤنث حرام ہے یا پیٹ کا بچہ حرام ہے تو لے آؤ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو جب تمہارے پاس دلیل ہے ہی نہیں تو پھر تم جھوٹے ہو اور خواہ مخواہ چیزوں کو حرام ٹھہرا کر اللہ کی نعمتوں سے اپنے آپ کو کیوں محروم کرتے ہو۔

ایسے ہی اونٹ اور گائے کے متعلق فرمایا وہاں بھی یہی سوال ہے کہ اس کے مذکر اللہ نے حرام ٹھہرائے یا مؤنث حرام ٹھہرائے یا وہ بچے حرام ٹھہرائے جو ان کے رحم میں ہیں ان میں سے کسی چیز پر دلیل ہے تو لے آؤ، اگر علمی دلیل تمہارے پاس نہیں ہے جس کو آپ عقلی دلیل کے ساتھ تعبیر کرسکتے ہیں جو فطرت سے ماخوذ ہے یا اس طرح سے علمی دلائل جس طرح سے ہوا کرتے ہیں وہ نہیں تو یہ بتادو کہ اللہ تعالیٰ سے براہ راست تم نے سنا ہے، تم اس کے اوپر کوئی گواہ ہو تو ایسی بات ہی تم لے آؤ یا کوئی مشاہدہ ہے تمہارا یا تم اس وقت موجود تھے جس وقت اللہ نے تمہیں یہ حکم دیا تھا تو ایسی بات بھی کوئی نہیں ہے تم یہ دعویٰ بھی نہیں کرسکتے کہ ہاں اللہ نے براہ راست کہا ہے، جب ان کی تحریم کی تھی تو ہم اس وقت موجود تھے، جب کوئی دلیل ہی نہیں کسی قسم کی تو پھر تم اللہ کے اوپر جھوٹی باتیں کیوں گھڑتے ہو اور جھوٹ لگا کر اللہ کے ذمے اپنے آپ کو مشرک کیوں بناتے ہو؟ کون زیادہ بڑا ظالم ہے اس سے جو اللہ کے اوپر جھوٹ گھڑے تاکہ لوگوں کو بغیر علم کے گمراہ کرے بے شک اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا، ان کو مقصد تک نہیں پہنچائے گا اعلیٰ مقصد چونکہ انسان کا جنت ہے تو ایسے ظالم جنت کی راہ نہیں پائیں گے یہ تو انکار فرمایا ان کی تحریم پر جو بلاوجہ وہ بعض چیزوں کو بتوں کی طرف منسوب کر کے اس طرح سے حرام کرتے تھے کہ یہ کوئی طریقہ نہیں ہے۔

صراحتاً چار چیزوں کی حرمت کا اعلان:

اب آگے حضور ﷺ سے کہلوایا جارہا ہے کہ آپ انہیں کہہ دیجئے کہ جن چیزوں کے بارے میں بحث چل رہی ہے اس وقت میرے پاس جو وحی آئی ہے اس میں چار چیزوں کو حرام ٹھہرایا گیا ہے اور یہ چیزیں وہ ہیں کہ جن کو تم حلال کیے بیٹھے ہو، مثلاً میتۃ وہ کھاتے تھے "ماأهل به لغير الله" کھاتے تھے، اس طرح ممکن ہے کہ دم مسفوح بھی استعمال کرتے ہوں تو بعضے مشرک قومیں خنزیر بھی کھاتی ہیں تو یہ ماکولات کے بارے میں جو جھگڑا ہے ان کا بیان ہے کلیۃً یہ واضح نہیں کیا جارہا کہ ساری دنیا کے اندر جتنی چیزیں موجود ہیں ان میں سے صرف یہی چار چیزیں حرام ہیں بلکہ جن کے متعلق گفتگو چل رہی تھی، جو اس وقت زیر بحث تھیں ان کے متعلق یہ بات کہی جارہی ہے ورنہ ان کے

علاوہ بیسیوں چیزیں حرام ہیں جیسے درندے ہوگئے اور پرندوں میں بھی اسی طرح سے جو پنجوں کے ساتھ شکار کرنے والے ہیں ان کے لئے اصول علیحدہ بیان کیے گئے ہیں یعنی جن چیزوں پر اس وقت بحث کی جارہی ہے جو زیر بحث ہیں ان میں سے میرے پاس جو وحی آئی ہے تو ان چار چیزوں کے متعلق وحی آئی ہے کہ اس کو کوئی نہیں کھا سکتا۔

اور جو تم نے نسبتیں کر کے سائبہ، بحیرہ، وسیلۃ حام وغیرہ بنا لیے ان کی حرمت کی میرے پاس کوئی وحی نہیں آئی، یہ حرام نہیں ہیں جس طرح سے پہلے آپ کے سامنے اس کی تفصیل ہو چکی، آپ کہہ دیجئے کہ نہیں پاتا میں "فی ما اوحی الی" اس وحی میں جو میری طرف بھیجی گئی ہے کوئی چیز حرام ٹھہرائی ہوئی کسی کھانے والے پر جو اس کو کھاتا ہے مگر یہ کہ وہ میتۃ ہو، میتۃ کی تفصیل آپ کے سامنے دو دفعہ آ چکی سورۃ البقرۃ میں بھی اور سورۃ المائدۃ میں بھی یہ آیت گزر چکی ہے، بہنے والا خون ہو لحم خنزیر ہو، پس بے شک یہ خنزیر نجس ہے یا ایسا جانور ہو جس کو شرک کا ذریعہ بنا لیا گیا ہو کہ غیر اللہ کا نام اس کے اوپر پکارا جا رہا ہے آواز بلند کی گئی اللہ کے غیر کے لئے اس پر یہ "ما اھل بہ لغیر اللہ" کے تحت ذکر ہوا تھا یہ چیزیں حرام ہیں لیکن اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے اتنی وسعت دے دی کہ اگر کوئی مضطر ہو گیا، ایسا بھوک میں مبتلا ہو گیا کہ اسے اندیشہ ہے کہ اگر میں نہیں کھاؤں گا تو میں مر جاؤں گا، اضطراری حالت میں اور وہ طالب لذت نہیں ہے اضطرار کا ہی بیان ہے کیونکہ جو طالب لذت ہوتا ہے وہ مضطر نہیں ہوتا 'عاد' ضرورت سے زیادہ کھانے والا نہیں ہے صرف اپنی ضرورت کو پورا کرتا ہے "باغ" طالب لذت نہ ہو ضرورت سے زیادہ استعمال کرنے والا نہ ہو تو ایسے مضطر کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ حرمت اٹھا دی۔

"فان ربك غفور رحیم" اب یہ اگر کھائے گا تو گناہ گار نہیں ہے یہ تو چار چیزیں مطلقاً حرام ہیں اور ملت ابراہیمی میں بھی حرام تھیں۔

یہود پر حرام کی ہوئی چیزوں کا حکم:

اور آگے بعض چیزیں حرام ایسی ہیں جو یہود پر عارضی طور پر حرام ٹھہرائی گئی تھیں اور ملت ابراہیمی کی طرف ان کی نسبت نہیں جیسے کہ "الا ما حرم اسرائیل علیٰ نفسه" کے تحت چوتھے پارے میں اس کی تفصیل عرض کی گئی تھی کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے نفس پر اونٹ کو حرام ٹھہرا لیا تھا، اونٹ کے دودھ کو حرام فرما لیا تھا پھر یہودیوں کے اندر وہی حرمت جو تھی وہ دائم ہو گئی اس کی نسبت حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرف ہے ملت ابراہیمی کی طرف نہیں

ہے، اور بعض چیزیں یہود کے اندر ان کی سرکشی کے نتیجے میں حرام کر دی گئیں تھیں، وہ شرارت کی بناء پر تھیں تو ان کے اندر بھی کوئی کسی قسم کا خبث نہیں۔

اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کے بعد چونکہ طیبات حلال کر دی گئیں اور خبائث کو حرام ٹھہرا دیا گیا وہ چیزیں فی حد ذاتہ طیبات کا مصداق تھیں عارضی طور پر یہود پر ان کی شرارت کی بناء پر ان کو ممنوع ٹھہرا دیا گیا تھا وہ بھی ساری کی ساری حلال ہیں، ان لوگوں پر جو یہودی ہوئے ہم نے حرام ٹھہرا دیا ہر ذی ظفر کو ایسا جانور کہ جس کا ناخن ہے "ومن البقر والغنم "اور گائے اور بکریوں میں سے بھی ہم نے ان کی چربیاں حرام ٹھہرا دیں البتہ وہ چربی مستثنیٰ ہے جو ان کی کمروں نے اٹھائی ہے کمر کے ساتھ لگی ہوئی ہے یا آنتڑیوں کے ساتھ یا ان کی ہڈی کے ساتھ خلط ملط ہے یہ جانور جو ہم نے ان کے اوپر حرام کیے تھے یہ "جزیناھم ببغیھم" یہ ہم نے ان کی شرارت پر سزا دی تھی جس سے معلوم ہو گیا کہ فی حد ذاتہ ان کے اندر حرمت نہیں ہے 'وانا لصادقون" اور ہم اپنے اس بیان میں سچے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ جو اس کے خلاف کہتا ہے وہ جھوٹا ہے یہ چیزیں ملت ابراہیمی میں حرام نہیں، عقل وفطرت کے طور پر حرام نہیں بلکہ ان کو سزا کے طور پر یہود پر ممنوع ٹھہرا دیا گیا تھا تو جب سزا کے طور پر ممنوع ٹھہرا دیا گیا تھا تو باقیوں کے لئے وہ حلال ہیں جیسے ہماری شریعت میں یہ چیزیں حلال کر دی گئیں۔

"فان کذبوك " پھر بھی اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہی رہیں اس تحریم وتحلیل کے باب میں اور یوں کہتے رہیں کہ اگر یہ حلال ہیں حرام نہیں ہیں اور ہم انہیں حرام قرار دیتے ہیں تو ایسی صورت میں پھر ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا اس قسم کی باتیں وہ کرتے تھے تو آپ کہہ دیجئے کہ تمہارا رب رحمت واسع والا ہے اس لئے تمہیں بار بار سمجھاتا ہے، تمہیں ڈھیل دیتا ہے، اللہ تعالیٰ ڈھیل تو دیا کرتا ہے لیکن یہ بالکل نہیں کہ مجرم بالکل چھوٹ جائے اور اس کی گرفت سے باہر ہو جائے ایسی بات نہیں ہے یہ اس کی رحمت کا تقاضا ہے کہ تمہیں بار بار سمجھاتا ہے اور انہیں ڈھیل دے رکھی ویسے مجرم قوموں سے اس کے عذاب کو رد نہیں کیا جاتا، تو جو بھی اس کے احکام کے خلاف سوچنے والے، کرنے والے، عقیدہ رکھنے والے ہیں وہ سب مجرم ہیں اور جس وقت اس کا عذاب آئے گا تو اس وقت عذاب مجرموں سے ہٹایا نہیں جائے گا۔

کسی برے فعل پر فوراً سزا نہ ملنا اس کے مقبول ہونے کی دلیل نہیں:

اب ایک مشرکانہ رویہ جو ان کا تھا جس کو وہ بطور دلیل کے پیش کیا کرتے تھے وہ ان الفاظ میں نقل

کیا جارہا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ اگر یہ شرک ہمارا اللہ کو پسند نہ ہوتو پھر ہم شرک کیوں کرتے تو جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس پر معذب نہیں کیا تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہمارا طریقہ اللہ کو پسند ہے اگر اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے آباء اور نہ ہم کسی چیز کو حرام ٹھہراتے یہ دلیل وہ لوگ پیش کیا کرتے تھے جس کو یہاں ذکر کیا جارہا ہے، اللہ تعالیٰ اس کا جورد کرتے ہیں تو اس کے رد کرنے کی صورت یہ ہے کہ یہ تو انتہائی بوگس دلیل ہے اس کو کسی علمی محفل کے اندر پیش بھی نہیں کیا جاسکتا کیونکہ کسی شخص کو کسی کام کے کرنے پر قادر کردینا یا اس کے کرنے پر فوراً گرفت نہ کرنا یہ اس فعل کے جواز یا پسندیدہ ہونے کی دلیل نہیں ہوتی۔

حاصل رد کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو کسی کام کے کرنے پر قدرت دے دیں یا کسی کام کرنے والے پر فوراً گرفت نہ کریں اور عذاب نہ دیں یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جواز کی، اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہونے کی دلیل نہیں ہے، پسندیدہ ہونے کا پتہ، جواز کا پتہ چلے گا اس کے شائع کردہ قانون سے، قانون کے اندر جس چیز کو جائز قرار دیا گیا وہ جائز ہے جس کو ناجائز قرار دیا گیا وہ ناجائز ہے باقی وہ اس کے احکام کے مطابق عمل کرتا ہے یا عمل نہیں کرتا اور کرنے والوں کو فوراً بدلہ نہیں دیتا اور نہ کرنے والوں کو وہ سزا نہیں دیتا یہ بھی اس کی حکمت کی بناء پر ڈھیل ہے کیونکہ دنیا کا نظام اس نے جو چلا رکھا ہے تو یہ جزا سزا کے اصول پر نہیں بلکہ یہ اطلاع کے اصول پر ہے۔

اگر تمہاری یہ دلیل مان لی جائے تو اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے قانون کی اشاعت کرنے والے پیغمبر اور رسول جھوٹے ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ کے نزدیک فلاں چیز اچھی ہے، فلاں چیز اچھی نہیں، تو تمہارے اس قول سے ان کی تکذیب لازم آتی ہے اور پھر تمہارے اس قول سے دنیا کے اندر جو فسق و فجور برائی اچھائی جو کچھ بھی ہے سب کا جواز نکلتا ہے کیونکہ اگر اپنے فعل کے لئے تم اس چیز کو بطور دلیل کے پیش کرتے ہو تو کل کو کوئی زانی یہ کہہ سکتا ہے کہ اگر اللہ نہ چاہتا تو میں ایسا کیوں کرتا، چور ایسا کہہ سکتا ہے کہ اگر اللہ نہ چاہتا تو میں ایسا کیوں کرتا پھر اچھائی برائی کی تقسیم دنیا میں کیا رہ گئی کہ جو جرم کرنے والا جرم کرتا ہے اور وہ فوراً اللہ کی گرفت میں نہیں آتا اس کے لئے یہ دلیل ہے کہ وہ کہے گا کہ جب اللہ چاہتا ہے تو میں ایسا کرتا ہوں اگر اللہ نہ چاہتا تو میں ایسا نہ کرتا حالانکہ اچھائی برائی کی تقسیم تمہارے نزدیک بھی ہے۔

اگر یہی بات ہے کہ جو کرے اور اس کے اوپر سزا نہ ہو وہ جائز ہے اور اللہ کو پسند ہے تو پھر تمہیں موحدین

سے چڑ کیوں ہے؟ آخر وہ جو توحید کا عقیدہ اختیار کیے ہوئے ہیں، توحید کی اشاعت کرتے ہیں تو بھی تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اگر اللہ نہ چاہتا تو ہم ایسا نہ کرتے معلوم ہوگیا کہ یہ دلیل کوئی دلیل نہیں ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے جو مجرموں کو ڈھیل دیتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ اہل حق کو بسا اوقات دنیا کے اندر وہ پٹوا دیتا ہے یہ چیزیں جو ہیں یہ حق اور باطل کی دلیل نہیں ہیں، کوئی چیز پسندیدہ ہے یا پسندیدہ نہیں ہے اس کا پتہ چلتا ہے شائع کردہ قانون سے۔

مثال سے وضاحت:

جیسے آج ایک حکومت ہمارے سر پر مسلط ہے اور ان کا ایک آئین ہے کہ فلاں چیز ہماری مملکت کے اندر جائز ہے اور فلاں جائز نہیں ہے اور ایک آدمی اس کے خلاف جرم کا ارتکاب کرتا ہے اور حکومت کو اطلاع بھی ہو جاتی ہے کہ فلاں شخص بغاوت پھیلاتا پھر رہا ہے اور فلاں اس قسم کی باتیں کرتا ہے لیکن حاکم وقت اس کے اوپر فوراً ہاتھ نہیں ڈالتا اس لئے ہاتھ نہیں ڈالتا کہ ابھی تک رپورٹیں تھوڑی آئی ہیں اور اگر اس کو پکڑ لیا گیا تو ممکن ہے کہ کسی وجہ سے چھوٹ جائے اور کوئی شق ایسی بھی موجود ہو کہ اس کو چھوڑنا پڑے اس لیے اس کو ڈھیل دو تا کہ دو چار تقریریں یہ اور کرلے اور اس سے بھی زیادہ کھل کر بات سامنے آجائے، جب پکڑ نہیں ہوگی تو دن بدن یہ دلیر ہوتا چلا جائے گا آخر میں وہ انتہاء کو پہنچ جائے گا، جب بغاوت انتہاء کو پہنچے گی تو پھر عدالت میں جا کر کچھ چھوٹنے کی گنجائش نہ رہے حکومت تب پکڑے گی۔

اب جتنے دن تک اس مجرم کو نہ پکڑا جائے، چور کو نہ پکڑا جائے، ڈاکو کو نہ پکڑا جائے، باغی کو نہ پکڑا جائے تو وہ یہی سوچنے لگ جائیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ ہماری یہ ساری کاروائیاں حکومت کے نزدیک پسندیدہ ہیں، اگر حکومت کے نزدیک یہ پسندیدہ نہ ہوتیں تو حکومت ہمیں روک دیتی اس قسم کی دلیل اگر وہ دیتا ہے تو انتہائی جاہل ہے کیونکہ وہ حکومت کے نزدیک پسندیدہ ہے ہی نہیں، تو اس کا آئین موجود ہے جو بتاتا ہے کہ یہ جائز ہے اور یہ جائز نہیں ہے، باقی پکڑنا نہ پکڑنا بسا اوقات اس میں حاکم کی مصلحت ہوتی ہے کچھ دن گزر جائیں گے جب تمہارے جرم کا پیمانہ خوب اچھی طرح سے لبریز ہو جائے گا پھر وہ ہاتھ ڈالیں گے اور چھوٹنے کی کوئی صورت نہیں ہوگی۔

اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کے آئین کو سمجھ لیجئے تو اس نے اپنے پسندیدہ اور ناپسندیدہ کی تفصیل تو اپنے

رسولوں کی زبان سے بتادی اگر تمہاری اس دلیل کو مان لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول غلط کہتے ہیں کہ فلاں چیز اللہ کے ہاں پسندیدہ نہیں ہے، یہ تمہارا عقیدہ اللہ کے فرستادہ رسول اور اس کی نازل کردہ کتابوں کی تکذیب کرتا ہے، اور پھر اگر اس کو مان لیا جائے تو دنیا کے اندر جرم جرم ہی نہیں رہتا اور اللہ تعالیٰ کی ڈھیل کو اگر جواز کی دلیل بنالیا جائے تو پھر سارے کے سارے مجرم جو ہیں وہ اپنے جواز کی دلیل کے طور پر اس چیز کو پیش کردیں گے اس لئے یہ بات غلط ہے۔

دنیا میں آپس کا مذہبی اختلاف اللہ کی حکمت کا تقاضا ہے:

ہمارے یہ افعال" قل فللہ الحجۃ البالغۃ" کا یہ معنی ہے کہ کامل حجت جس کے ساتھ مدعیٰ ثابت ہوتا ہے وہ اللہ ہی کی ہے اور اس کو ان الفاظ میں ادا کردیا گیا کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم سب کو سیدھے راستے پر چلادیتا لیکن جب سیدھے راستے پر سب کو نہیں چلایا بلکہ اختلاف تمہارے سامنے نمایاں ہے تو معلوم ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت یہی ہے کہ یہاں زبردستی سب کو ایک راستے پر نہیں لگایا جاتا، اختلاف خود اس بات کی دلیل ہے کہ دنیا کے اندر کسی چیز کا پایا جانا یہ اس کے حق ہونے کی دلیل نہیں ہے ورنہ تو متضاد کا جواز لازم آئے گا، تضادات ہی تضادات ہیں، متضاد چیزیں دنیا کے اندر پائی جاتی ہیں، ایک دوسرے کی نقیض بھی پائی جاتی ہے اگر دنیا کے اندر کسی چیز کا موجود ہونا اس کے حق ہونے کی دلیل ہوتی پھر تو ساری چیزیں جائز ہوجائیں گی، اللہ تعالیٰ نے جب سب کو ایک راستے پر نہیں چلایا، اختلاف کرنے کی گنجائش ہے تو اس اختلاف کی گنجائش سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کسی چیز کا دنیا کے اندر پایا جانا اس کے حق ہونے کی دلیل نہیں ہے ورنہ اگر اللہ تعالیٰ حق پر سب کو چلانا چاہتا تو ایک ہی راستے پر سب کو چلادیتا۔

عنقریب کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے شرک کیا کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم شریک نہ ٹھہراتے، نہ ہمارے آباء شریک ٹھہراتے اور نہ ہم کسی چیز کو حرام ٹھہراتے ایسے ہی جھٹلایا تھا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے گزرے ہیں یعنی پہلے جو مشرک گزرے تھے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی باتوں کی تکذیب اسی اصول کے تحت ہی کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں زبردستی کیوں نہیں روک دیتا جب اللہ تعالیٰ ہمیں نہیں روکتا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا یہ طریقہ ٹھیک ہے اور ان کی یہ بات رسولوں کی تکذیب کا باعث ہے، اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ قانون کی تکذیب کا باعث ہے ایسے ہی جھٹلایا تھا ان لوگوں نے جو پہلے گزرے ہیں حتیٰ کہ انہوں نے ہمارے عذاب کو چکھ لیا تب ان کو پتہ چلا کہ ہماری یہ کرتوتیں ل وا نمال جو بھی تھے وہ اللہ کو پسند نہیں تھے۔

مشرکین سے دلیل کا مطالبہ:

آپ کہہ دیجئے کہ آپ کے پاس کوئی علم ہے تو اس کو ہمارے سامنے ظاہر کرو، علم کس چیز کے متعلق ؟علم اس چیز کے متعلق کہ کسی چیز کا دنیا کے اندر موجود ہونا اس کے پسندیدہ ہونے کی دلیل ہے اس اصول پر اگر تمہارے پاس کوئی علمی دلیل ہے تو لاؤ، کیا ہے تمہارے پاس کوئی علم تو ظاہر کرو اس کو ہمارے لئے، نہیں اتباع کرتے تم مگر توہمات کی، تمہارے اپنے خیالات ہیں جن کے پیچھے تم لگے ہوئے ہو اور نہیں ہو تم مگر اٹکل چلاتے سب باتیں بلا دلیل کرتے ہو۔

"رجما بالغیب" بن دیکھے تیر چلاتے ہو، اٹکل چلاتے ہو اور سارے توہمات کے پیچھے لگے ہوئے ہو، یہ تمہارے اپنے دل کے خیالات ہیں جو کسی دلیل کے ساتھ ثابت نہیں ہیں، آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی کے لئے ہے حجت کاملہ جو کہ مدعیٰ کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی راستے پر چلا دیتا جب ایک راستے پر نہیں چلایا تو تم نے متضاد راہیں اختیار کر رکھی ہیں یہ خود دلیل ہے اس بات کی کہ کسی فعل کا وجود اس کے جواز کی دلیل نہیں ہے ورنہ یہ متضاد اور متناقض چیزیں اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ ٹھہریں گی، آپ کہہ دیجئے کہ لاؤ تم اپنے گواہ اور وہ گواہی دے دیں کہ اللہ نے اس چیز کو حرام ٹھہرایا ہے، اب گواہی کا مدار کس چیز پر ہوتا ہے اور شہادت صحیحہ کونسی ہوتی ہے؟ یا تو وہ مشاہدے پر مبنی ہوتی ہے کہ آنکھوں سے دیکھا واقعہ کوئی بیان کرے اور یا دلیل قطعی کے اوپر مبنی ہوتی ہے قطعیات پر بھی شہادت دی جاتی ہے۔

مثلاً اللہ کو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا نہیں لیکن ہم کہتے ہیں "اشھد ان لاالٰہ الا اللہ" اللہ کے موجود ہونے کی شہادت دیتے ہیں، اس کی وحدانیت کی شہادت دیتے ہیں حالانکہ ہم نے اس کو اپنی آنکھوں کے ساتھ دیکھا نہیں، حس کے ساتھ مشاہدہ نہیں کیا لیکن چونکہ ہم نے قطعیات کے ساتھ اس کو پہچان لیا عقلی دلائل کے ساتھ، نقلی دلائل کے ساتھ، ہم تو اس کی گواہی دے سکتے ہیں یا تو آنکھوں دیکھی چیز ہو مشاہدہ کیا ہوا ہو تو انسان شہادت دے سکتا ہے یہ قابل اعتبار ہے یا کسی قطعی دلیل کے ساتھ ثابت ہو اور جب ان دونوں میں سے کسی چیز کا وجود نہ ہو تو بلا وجہ ایک آدمی کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں یہ اس کی ضد اور ہٹ دھرمی تو کہلائے گی یہ شہادت کے اصول پر نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت:

اس لئے اگر یہ بے شرم بن کر آمادہ ہو جائیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں اور فلاں فلاں شخص گواہ ہے کہ اس چیز کو اللہ نے حرام ٹھہرایا تو چونکہ یہ شہادت کے اصول کے خلاف ہے تو آپ ان کی حرکت سے متأثر نہ ہوں اور آپ ان کے ساتھ مل کر شہادت نہ دیں یہ اپنی خواہشات کے متبع ہیں اگر ان کی باتوں میں آپ آجائیں تو آپ بھی اسی طرح سے بھٹک جائیں گے جس طرح سے یہ بھٹکے ہوئے ہیں اگر یہ گواہی دینے لگ جائیں یعنی گواہی دینے پر آمادہ ہو جائیں "فلا تشهد معهم " تو آپ ان کے ساتھ گواہ نہ بنیں، گواہی نہ دیں یعنی ان کی شہادت کا اعتبار نہ کریں۔

کیونکہ ان کی بات شہادت کے اصول کے خلاف ہے نہ تو ان کے پاس کوئی مشاہدہ ہے اور نہ ان کے پاس کوئی قطعی دلیل ہے "ولاتتبع اهواء الذين كذبوا بأياتنا" جو ہماری آیات کو جھٹلاتے ہیں ان کی خواہشات کی اتباع نہ کیجئے "والذين لايومنون بالآخرة" اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کی خواہشات کی اتباع نہ کیجئے، اس کا عطف اسی کے اوپر ہے، نہ اتباع کیجئے ان لوگوں کی خواہشات کی جو تمہاری آیات کو جھٹلاتے ہیں اور آخرت پر ایمان نہیں لاتے "وهم بربهم يعدلون" اور وہ اپنے رب کے برابر دوسروں کو ٹھہراتے ہیں۔
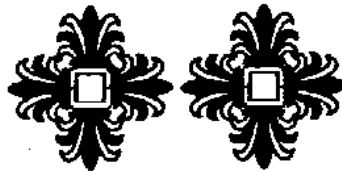
قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ

آپ کہہ دیجئے کہ آؤ تم میں پڑھوں وہ چیز جو حرام ٹھہرائی تمہارے رب نے تم پر، تم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ

بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ

اور والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اور نہ قتل کرو تم اپنے بچوں کو تنگ دستی کی وجہ سے ہم

نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا

تمہیں رزق دیتے ہیں اور انہیں رزق دیتے ہیں اور بے حیائی کے کاموں کے قریب مت جاؤ جو ان میں سے ظاہر ہیں اور جو

بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ

ان میں سے چھپے ہوئے ہیں اور نہ قتل کرو تم ایسے نفس کو جس کا قتل کرنا اللہ نے حرام ٹھہرایا مگر حق کے ساتھ یہ بات ہے

وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا

وصیت کرتا ہے اللہ تعالیٰ تمہیں اس کی تاکہ تم سوچو (۱۵۱) اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر

بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ

ایسے طریقے کے ساتھ جو کہ اچھا ہے یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے اور ناپ تول کو ٹھیک کرو

بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا

انصاف کے ساتھ نہیں تکلیف دیتے ہم کسی نفس کو مگر اس کی گنجائش کے موافق اور جب تم بات کہو تو انصاف کیا کرو

وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ

اگرچہ وہ شخص رشتے دار ہی ہو اور اللہ کے عہد کو پورا کرو یہ بات ہے جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ تمہیں وصیت کرتا ہے تاکہ

تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾ ۙ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا

تم یاد کرو (۱۵۲) اور آپ خبر دیجئے کہ میرا یہ راستہ سیدھا ہے اور اس کی اتباع کرو اور نہ اتباع کرو

السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ

مختلف راستوں کی کہ وہ راستے تمہیں متفرق کر دیں اللہ کے راستے سے یہ بات ہے جس کے ذریعے سے اللہ تاکید کرتا ہے تاکہ

تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ

تم تقویٰ اختیار کرو ﴿۱۵۳﴾ پھر ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی اس شخص پر اپنی نعمت کو پورا کرنے کے لئے جو نیکو کار ہے

وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ

اور ہر چیز کی تفصیل کے لئے اور ہدایت اور رحمت کے لئے تاکہ وہ لوگ اپنے رب کی ملاقات کے ساتھ

يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ

ایمان لائیں ﴿۱۵۴﴾ اور یہ کتاب اتارا ہم نے اس کو برکت دی ہوئی ہے پس اس کی اتباع کرو اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر

تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ

رحم کیا جائے ﴿۱۵۵﴾ تاکہ تم یہ نہ کہو کہ سوائے اس کے نہیں کہ اتاری گئی تھی کتاب ان دو گروہوں پر جو

قَبْلِنَا ۪ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ

ہم سے پہلے ہیں اور بے شک ہم البتہ ان کے لئے پڑھنے پڑھانے سے بے خبر تھے ﴿۱۵۶﴾ یا پھر یوں نہ کہنے لگ جاؤ

اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ

اگر ہم پر کتاب اتاری جاتی تو ہم ان سب سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے پس تحقیق واضح دلیل آ گئی

مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ

تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت آ گئی پھر کون بڑا ظالم ہے اس شخص سے جو اللہ کی آیات کو جھٹلائے

اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ؕ سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا

اور ان سے اعراض کرے عنقریب بدلہ دیں گے ہم ان لوگوں کو جو ہماری آیات سے اعراض کرتے ہیں

سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

برا عذاب بسبب اس کے کہ وہ اعراض کرتے تھے ﴿۱۵۷﴾

تفسیر:

ماقبل سے ربط:

پچھلی آیات میں خصوصیت کے ساتھ تحریم اور تحلیل میں مشرکین نے جو اپنی طرف سے راہ اختیار کر رکھی تھی اس کے اوپر تفصیلاً انکار آیا ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی چیز کو حرام ٹھہرانے کا حق نہیں رکھتا اور نہ کسی چیز کو حلال ٹھہرانے کا حق رکھتا ہے، اور جنہوں نے اپنے تقلید آباء کے طور پر بعض چیزوں کو از خود حرام ٹھہرالیا یا بعض چیزوں کو حلال ٹھہرالیا یہ اللہ تعالیٰ کے راستے سے بھٹکے ہوئے ہیں یہ تفصیل آپ کے سامنے آئی ہے خاص طور پر ماکولات کے بارے میں شرکیہ رسوم کی تردید کی گئی ہے۔

اب یہاں اللہ تعالیٰ ملت ابراہیمی کو واضح کرتا ہے کہ اپنی طرف سے تم راستے تجویز نہ کرو اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح راستہ جو اس تک پہنچنے کا ذریعہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت جو دنیا اور آخرت میں اس کی رحمت حاصل کرنے کا سبب ہے وہ راستہ یہ ہے جو ان آیات کے اندر پیش کیا جا رہا ہے۔

شرک کی حرمت:

اس لئے فرمایا "قل تعالوا" آجاؤ، متوجہ ہو جاؤ میں تمہیں پڑھ کر سناؤں کہ کونسی چیزیں ہیں جو تیرے رب نے حرام ٹھہرائی ہیں، تمہیں تو تحریم کا حق نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں حرام ٹھہرائی ہیں یہ ملت ابراہیمی میں حرام تھیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں حرام تھیں، عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں حرام تھیں یوں سمجھیں کہ انسان کی فطرت کا تقاضا یہی ہے کہ یہ چیزیں حرام ہیں ان کی تم پرواہ ہی نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کی تعلیم کے خلاف، انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کے خلاف اپنے طور پر جو تحلیل اور تحریم کے اصول بنالیے وہ غلط ہیں وہ دنیا اور آخرت میں خسارے میں ڈالنے والے ہیں اور وہ اتباع شیطان ہے۔

"ان لا تشرکوا بہ شیئا" یہ کلام کا اسلوب ہے کہ جو باتیں کہی جا رہی ہیں بعضے نہی کے انداز سے بعضے امر کے انداز سے اور اس میں سے محرمات خود بخود ثابت ہوتی چلی جائیں گی، پہلی بات تو یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ، اس سے معلوم ہو گیا کہ شرک کرنا حرام ہے، شرک کو اللہ نے حرام کیا ہے، کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ، یہ نکرہ تحت النفی ہے جس میں بے جان چیزیں، جاندار چیزیں، مقبولین، غیر مقبولین شیاطین جن

وانس سب آ گئے اور اسی طرح سے ظاہری باطنی، شرک جلی شرک خفی سب کچھ آ گیا، ریا ہے انسان بظاہر عبادت اللہ تعالیٰ کی کرتا ہے لیکن اس میں ریاکاری مطلوب ہو جاتی ہے نکرہ تحت النفی کے تحت ان سب صورتوں کو ذکر کیا جا رہا ہے کہ مالی صدقہ تو دو شہرت مقصود نہ ہو اور اگر نماز پڑھتے ہو تو اس میں دکھلاوا مقصود نہ ہو، جو نیکی بھی کرو اس میں اللہ کی رضا مقصود ہو اگر اللہ کی رضا کے ساتھ کسی دوسرے کو شامل کر لیا تو اس کو بھی شرک خفی کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے تو شرک حرام ہے باقی شرک کا مفہوم اور اس کی دوسری نقیض توحید جو مامور ثابت ہوگی کہ شرک نہ کرو بلکہ توحید اختیار کرو یہ توحید اور شرک اور اس کی تفصیل اور اس کی وضاحت آپ کے سامنے مختلف آیات میں ہو چکی ہے۔

والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم:

"وبالوالدين احسانا،واحسنوا بالوالدين احسانا" اور اپنے والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو، جب اچھا برتاؤ کرنا فرض ہوا تو عدم احسان، بُرا برتاؤ کرنا حرام ہوا جیسے کہ سورۃ بنی اسرائیل میں آئے گا "فلا تقل لهما اف" اپنے والدین کو اف بھی نہ کہو، اف سے مراد ایسا کلمہ ہے جو ان کے لئے باعث تکلیف بنے تو اللہ تعالیٰ نے اپنا حق ذکر کرنے کے بعد والدین کا حق ذکر کر دیا کیونکہ اللہ تعالیٰ محسن ہے ہمارا بھی اور ہمارے والدین کا بھی، خالق ہے سب کا ہمارا بھی اور ہمارے والدین کا بھی لیکن اس دنیا کے اندر ہمارے اوپر اللہ تعالیٰ کے بعد سب سے زیادہ احسانات اگر ہوتے ہیں تو والدین کے ہوتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے حق کے بعد کئی مقامات پر والدین کا ذکر کیا ہے "وقضٰی ربك ان لاتعبدوا الا اياه وبالوالدين احسانا" والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو تو معلوم ہو گیا کہ والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ نہ کرنا یہ حرام ہے۔

زمانہ جاہلیت میں قتل اولاد کے مختلف نظریات:

"ولاتقتلوا اولادكم من املاق" یہ تیسری بات آ گئی، املاق املق رزق کی تنگی میں مبتلا ہونا، قحط زدہ ہونا، اپنے بچوں کو تنگ دستی کی وجہ سے، افلاس کی وجہ سے قتل نہ کیا کرو، مشرکین میں قتل اولاد مختلف طریقوں سے مروج تھا بسا اوقات تو بتوں کے اوپر بھینٹ چڑھا دیتے تھے، اپنی اولاد کی نذر مانتے تھے کہ اگر ہمارا فلاں کام ہو گیا تو فلاں بت کے سامنے اپنا بچہ ذبح کر دیں گے جس کا ذکر ابھی پچھلی آیات کے اندر گزرا ہے کہ شرکاء نے مشرکین کے لئے قتل اولاد کو مزین کر رکھا ہے تاکہ انہیں دین اور دنیا کے اعتبار سے برباد کر دیں یہ بھی ان کے اندر بتوں کے

نام پر قتل اولاد تھا، یہ قربانی دے دیتے تھے اپنے بچوں کی۔

اور ایک ان میں قتل اولاد تھا لڑکیوں کا، ایک اپنی وہمی فرضی غیرت کی بناء پر یہ نخوت اور غرور ان میں ایسا تھا کہ جب ان کے گھر لڑکی پیدا ہوتی تو سوچتے کہ یہ ہماری لڑکی اب کسی کے پاس جائے گی اور وہ ہمارا داماد بنے گا ان کی جو وہمی عزت تھی غیرت تھی وہ یہ برداشت نہ کرتی تو بچی کو وہ قتل کر دیتے اس کا ذکر بھی قرآن کریم میں بہت ساری آیات میں آیا ہوا ہے یہ اس فرضی اور وہمی غیرت کی بناء پر تھا یہ غلو ہے غیرت میں یہ سوچتے کہ ہماری لڑکی کسی کے گھر جائے گی اور وہ ہمارا داماد بنے گا اس وجہ سے وہ لڑکی کو برداشت نہیں کرتے تھے۔

تیسرا نظریہ ان کا قتل اولاد پر یہ تھا جو یہاں مذکور ہے کہ تنگ دست ہوتے، اپنے گزارے کے لئے ان کے پاس کھانے کو نہ ہوتا اب وہ چونکہ ترقی یافتہ دور تو نہیں تھا کہ پیدا ہونے سے قبل تدبیر اختیار کر لیں کہ پیدا نہ ہو، کوئی برتھ کنٹرول کر لیں، پیدائش کے اوپر کنٹرول کر لیں، کوئی گولیاں لے لیں ان کے ہاں طریقہ وہی اجڈ قسم کا تھا ظالمانہ طریقہ تھا کہ بچے پیدا ہو جاتے، پیدا ہو جانے کے بعد ان کا گلہ گھونٹ دیتے صرف اس وجہ سے کہ جب ہمیں اپنی روٹی کا فکر ہے، ہم اپنی روٹی نہیں کما سکتے تو بچوں کو کہاں سے کھلائیں گے اور اس نظریہ کی بنیاد اس پر ہے کہ انسان یہ سمجھتا ہے کہ یہ بچے جو پیدا ہو گئے اس کی روزی ہمارے ذمے ہے، قرآن کریم نے اسی نظریہ کی تردید کی ہے کہ پیدا ہونے والوں کا رزق اللہ کے ذمے ہے تم پر اتنی ذمہ داری ہے کہ ان کی نگہداشت کرو، اللہ کی اس امانت کو سنبھالو، اپنی صلاحیت کے مطابق ان کی خدمت کرو باقی آگے یہ بھوکے مرتے ہیں زندہ رہتے ہیں جیسے کیسے بھی ہیں پھر اس کی ذمہ داری تم پر نہیں ہے تم اپنے طور پر کوتاہی نہ کرو رزق اللہ کے ذمے ہے۔

اس لئے یہاں یہ بات کہہ دی گئی "نحن نرزقکم وایاھم "، ہم تمہیں بھی دیں گے اور انہیں بھی دیں گے یہ رزق رسانی ہمارے ذمے ہے تمہارے ذمے نہیں ہے تم تو ہماری طرف سے اس بات کے مکلّف ہو کہ جو تم سے ہو سکتا ہے وہ بچوں کی خدمت کرو، یہ تمہارے پاس اللہ کی امانت ہیں باقی اگر آپ کی کوشش کے باوجود ان کو کچھ نہیں ملتا وہ بھوکے مر جاتے ہیں تو یہ اللہ کی مخلوق ہے اللہ جانے یہ ذمہ داری اللہ پر ہے تم پر نہیں ہے۔

"من املاق" اور "من خشیۃ املاق" کا فرق:

یہاں "من املاق" کا لفظ آیا ہے تو جس کا معنی یہ ہے کہ والدین تنگ دستی میں مبتلاء ہیں اور بچے

پیدا ہو گئے پہلے ان کو اپنے رزق کا فکر ہوتا ہے بعد میں بچوں کا تو اس لئے اللہ تعالیٰ نے "نرزقکم وایاھم" میں "کم" کو پہلے ذکر کر دیا۔

اور ایک آیت میں آئے گا "من خشیة املاق" اس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت اگر وہ تنگ دستی میں نہیں ہیں، ان کے گزارے کی خوراک ان کے پاس موجود ہے لیکن یہ اندیشہ ہے کہ اگر خاندان بڑھ گیا تو پھر ہم تنگ دست ہو جائیں گے تو گویا کہ وہ اپنی روزی سے تو بے فکر ہوتے ہیں کہ اگر بچے نہ ہوں تو ہمارے پاس اتنا ذریعہ معاش ہے کہ ہم اس پر گزارہ کر سکتے ہیں، بچے پیدا ہونے کی صورت میں ہم ان کو نہیں کھلا سکیں گے تو وہاں اندیشہ ہوتا ہے مفلس ہونے کا تو وہاں اللہ تعالیٰ ذکر فرماتے ہوئے یوں کہتے ہیں "نحن نرزقھم وایاکم" وہاں بچوں کی روزی کا ذکر پہلے کیا اور والدین کی روزی کا ذکر بعد میں کیا، ہم انہیں بھی دیں گے اور تمہیں بھی دیں گے تو یہ تو انفرادی جرم تھا کہ خاندان کا سربراہ سوچتا تھا کہ میں روٹی کا انتظام نہیں کر سکتا اس لئے پیدا ہونے والے بچوں کو ختم کر دیا جاتا تھا مار دیا جاتا تھا۔

جدید دور کے جدید نظریات:

اب یہ ترقی یافتہ دور آ گیا، اب یہ انفرادی نظریے سے قومی اور ملکی سطح پر سوچنے لگ گئے کہ وقت کی حکومت سوچتی ہے کہ ہمارے پاس پیداوار اتنی ہے کہ جتنی اس وقت آبادی ہے بڑی مشکل کے ساتھ اس کا گزارہ ہو رہا ہے اور اگر یہ آبادی بڑھ گئی تو ایسی صورت میں پھر ملک کے اندر قحط پڑ جائے گا اور روزی کی تنگی ہو جائے گی تو انہوں نے پھر ترقی یافتہ طریقے سے خاندانی منصوبہ بندی اور اولاد کو روکنا شروع کر دیا، یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر عدم اعتماد اور اللہ تعالیٰ کی رزاقیت کے اوپر عدم اعتماد اور اللہ تعالیٰ کی ذمہ داری کو اپنے اوپر ڈال لینے والی بات ہے کہ رزق رسانی کا ذمہ تو اللہ نے لیا ہوا ہے لیکن حکومت خواہ مخواہ اس کو اپنے سر تھونپتی ہے اور قدرت کے ساتھ مزاحمت کرتی ہوئی اس قسم کے منصوبے بناتی ہے کہ اس سال گندم اتنی پیدا ہو گی بچے اتنے پیدا ہونے چاہئیں اگر اس سے زیادہ بچے پیدا ہو گئے تو پھر یہ توازن بگڑ جائے گا وہ اپنے طور پر یوں حساب لگانے بیٹھ جاتے ہیں۔

اور یہ دونوں باتیں ہی ان کے بس سے باہر ہیں، گندم اتنی پیدا ہو گی یہ بھی قبل از وقت ان کی منصوبہ بندی خواہ مخواہ اللہ کی قدرت کے ساتھ ٹکر ہے، ہو سکتا ہے کہ اتنی گندم پیدا نہ ہو تم نے اپنے طور پر اتنے کھیتوں کے اندر دانہ

بکھیر دیا لیکن کیا تمہیں پتہ ہے کہ موسم سازگار رہے گا؟ تمہیں کیا پتہ ہے کہ ژالہ باری نہیں ہوگی؟ کیا تمہیں پتہ ہے کہ اور کسی قسم کے طوفان نہیں آئیں گے جن کے ساتھ فصلوں کا نقصان ہو جاتا ہے اس لئے ان کی یہ منصوبہ بندی بھی محض اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ساتھ ٹکراؤ ہے اصل بات یوں ہے کہ اپنی طرف سے کوشش کرو باقی کہو کہ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ رزق کے اندر تنگی نہیں دے گا، کوشش میں کمی نہ کرو، زمین کا سینہ چیر کر اپنا رزق تلاش کرو، پہاڑوں میں تلاش کرو، اپنی کوششیں پوری صرف کرو تم اس بات کے مکلف ہو باقی آگے اللہ پر اعتماد ہے اتنی گندم پیدا ہوگی یہ بھی اپنے طور پر تجویز غلط، اتنے بچے پیدا ہونے چاہئیں یہ تجویز بھی غلط تو بچے اس سے زیادہ پیدا ہو جائیں گندم اس سے کم پیدا ہو جائے تو سوائے اس کے کہ انسان اپنی جگہ پریشان ہو اور حاصل کیا ہوگا۔

یہ چیزیں انسان کے بس میں نہیں ہیں، انسان کا اس انداز کے ساتھ سوچنا کہ اللہ تعالیٰ کی رزاقیت پر اعتماد نہ رہے یہ بدبختی ہے اور یہ وہی مشرکانہ نظریہ ہے جس نظریہ کی بناء پر وہ اپنے بچوں کو قتل کیا کرتے تھے۔

جوذات خالق ہے وہی ذات رازق بھی ہے:

ایک بزرگ نے بڑی اچھی بات کہی، ایک دفعہ ہم مجلس میں بیٹھے تھے تو انہوں نے فرمایا کہ یہ لوگ جو خاندانی منصوبہ بندی کے طور پر سوچتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور اس نظم کو بھی ایسے سمجھتے ہیں کہ جیسے ان کا دفتری نظام ہوتا ہے کہ ایک تو وزیر خوراک ہے مثال کے طور پر یوں سمجھ لیجئے کہ مدرسے میں ایک تو داخلہ کرنے والا ہے دوسرا مطبخ کا انتظام کرنے والا ہے، داخلہ کرنے والا دھڑا دھڑ داخلہ کرتا جا رہا ہے اسے پتہ ہی نہیں کہ مطبخ کا انتظام کرنے والے کے پاس کتنا آٹا ہے کتنا آٹا نہیں ہے یا مطبخ کا انتظام کرنے والے کو پتہ ہی نہیں کہ کتنا داخلہ ہو گیا اور میں نے کتنوں کی روٹی پکوانی ہے اس لئے بدنظمی پیدا ہو جاتی ہے کہ آپس میں کوئی جوڑ نہیں ہے۔

یہ سمجھتے ہیں کہ شاید اللہ تعالیٰ کا یہ کارخانہ بھی ایسے ہی ہے کہ کسی کے ذمے تو رزق لگا رکھا ہے کہ اتنا پیدا کرنا ہے اور کسی کے ذمہ بچے پیدا کرنے لگا رکھے ہیں، بچے پیدا کرنے والے کو پتہ نہیں کہ رزق کتنا ہے اور میں نے بچے کتنے پیدا کرنے ہیں اور رزق والے کو پتہ نہیں کہ پیدا کتنے ہو رہے ہیں اور میں نے انتظام کتنوں کا کرنا ہے یہ بے ڈھنگا نظریہ گویا کہ ان لوگوں کا ہے اور انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ وہ خود ہی خالق ہے اور خود ہی رزاق ہے وہ جتنے پیدا کرے گا اتنے کا انتظام بھی کرے گا اور جتنا اس کی حکمت کے مطابق رزق کا انتظام ہے اتنا ہی پیدا کرے گا

تو اس کے خلق اور رزاقیت میں تناسب ہے یہ ہم لوگ ہیں کہ دونوں قسم کی باتوں کو علیحدہ علیحدہ سمجھتے ہیں جس کی بناء پر ہم کہتے ہیں کہ توازن بگڑ گیا، توازن بگڑتا نہیں اور حکمت کے ساتھ خلق اور صفت رزاقی کے درمیان تناسب ہے اس لئے جن کو پیدا کرے گا ان کے لئے وہ اسباب رزق بھی پیدا کرے گا اور جتنے اسباب رزق پیدا کرتا چلا جائے گا اپنی مخلوق کے اندر اضافہ کرتا چلا جاتا ہے۔

آبادی میں اضافہ کے ساتھ وسائل رزق بھی بڑھ گئے:

آج اگر دنیا کی آبادی آپ کو بڑھی ہوئی نظر آتی ہے تو دیکھو اس کے مقابلہ میں وسائل رزق کتنے حاصل ہو گئے جیسے جیسے آبادی بڑھتی چلی جا رہی ہے ویسے ویسے وسائل رزق حاصل ہوتے جا رہے ہیں، پہلے لوگ صرف لکڑی جلاتے تھے پھر اللہ نے پہاڑی کوئلہ دے دیا، پھر مٹی کا تیل دے دیا پھر گیس دے دی پھر بجلی دے دی جیسے جیسے ضرورتیں بڑھتی جا رہی ہیں ویسے ویسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے نئی نئی چیزیں آتی جا رہی ہیں اور اسی طرح سے آپ دیکھیں گے کہ پہلے زمین کتنی آباد تھی اب اس کے مقابلہ میں کتنی آباد ہو گئی اور ابھی تک کتنی زمین غیر آباد پڑی ہے اگر اس کو آباد کیا جائے تو غلہ اور بھی فراوانی کے ساتھ حاصل کیا جا سکتا ہے، پہلے ایک کھیتی میں جتنی پیداوار تھی اب جدید طریقوں کے ساتھ ترقی کی گئی تو ان کھیتوں سے چار گنی پانچ گنی زیادہ حاصل ہو گئی یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے اس لئے اس نظریہ کے تحت خاندانی منصوبہ بندی کو اپنانا یہ باطنی طور پر گویا کہ مشرکوں والا جذبہ ہے۔

"ولاتقتلوا اولادکم من املاق،من خشیۃ املاق" یہ دو لفظ جو آئے ہیں میں نے ان دونوں کا فرق آپ کے سامنے نمایاں کر دیا ہے کہ اگر والدین تنگی میں ہیں تو "من املاق" ثابت آتا ہے اور اگر فی الحال تنگی نہیں ہے لیکن خاندان بڑھ جانے کی صورت میں وہ ڈرتے ہیں کہ تنگی ہو جائے گی وہاں "من خشیۃ املاق" صادق آتا ہے "من املاق" میں اپنی روزی کی فکر ہے بچوں کو کہاں سے کھلائیں تو "نرزقکم" اس کو پہلے ذکر کر دیا "من خشیۃ املاق" میں اپنی روزی سے کسی درجے میں اطمینان ہے بچوں کی روٹی کی فکر ہے تو وہاں "نرزقھم وایاکم" ہے "وہاں "نرزقھم "کو مقدم کر دیا یہ اللہ تعالیٰ نے جو الفاظ بیان فرمائے ہیں ان کے اندر یہی حکمت ہے۔

فواحش، قتل نفس اور مال یتیم کھانے کی ممانعت:

"ولا تقربوا الفواحش" بے حیائی کے کاموں کے قریب نہ جاؤ جو ان میں سے ظاہر ہیں جو ان میں سے

چھپے ہوئے ہیں، باطنی بے حیائی دل کے اندر غلط سوچنا، غلط بات، غلط نظریے، اور ظاہری بے حیائی اپنے ہاتھوں سے، پاؤں سے، آنکھوں سے بے حیائی کے کام کرنا، زنا کا صدور یہ ظاہری بے حیائی ہے اور اس کے دواعی اور اس کی طرف رغبت اور اس کے متعلق تدبیریں سوچنا یہ باطنی بے حیائی ہے تو بے حیائی کے کام ظاہر ہوں باطن ہوں سب کو چھوڑ دو ان کے قریب نہ جاؤ تو فواحش کا ارتکاب یہ حرام ہوا۔

"ولاتقتلوا النفس التی حرم الله الا بالحق" کسی نفس کو قتل نہ کرو ایسا نفس جس کا قتل کرنا اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے ہاں حق کے ساتھ اس کو قتل کیا جاسکتا ہے، بلا وجہ قتل نفس نہ کرو تو قتل نفس یہ حرام ہے "بالحق" کے اندر آجائے گا جیسے کسی نے زنا کرلیا اور وہ محصن ہے تو اس کو رجم کردیا جائے، ظلماً کسی کو قتل کیا ہے تو قصاص میں اس کو قتل کردیا جائے گا، دین سے مرتد ہوگیا تو ارتداداً اس کو قتل کردیا جائے گا یہ " بالحق" میں صورتیں آجاتی ہیں "ذلکم وصکم به لعلکم تعقلون" اللہ تعالیٰ تمہیں اس بات کی تاکید کرتا ہے تاکہ تم عقل سے کام لو یعنی تمہارے آباؤ اجداد کا طریقہ عقل کے مطابق نہیں ہے وہ فطرت کے خلاف ہے جو تم نے اختیار کرلیا، سوچنے کے بعد تمہیں پتہ چلے گا کہ اللہ تعالیٰ کا بیان کردہ طریقہ ہی ٹھیک ہے اور جو تم نے تقلید آباء کے طور پر چیز اختیار کررکھی ہے وہ عقل کے مطابق نہیں ہے، فطرت کے مطابق نہیں ہے کچھ سوچو تاکہ تقلید آباؤ اجداد کا طوق تمہارے گلے سے اتر جائے عقل سے کام لو۔

"ولاتقربوامال الیتیم " یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ، اس قسم کے احکام سورۃ النساء میں گزر چکے ہیں، قریب نہ جاؤ یہ تاکید ہوتی ہے کہ ایک تو کھالینا اور ایک کھانے کے قریب جانا ممانعت اس کی ہے کہ کھانے کے قریب بھی نہ جاؤ اس میں کوئی کسی قسم کا تصرف نہ کرو جو یتیم کے لئے نقصان دہ ہے "الابالتی هی احسن" مگر ایسے طریقے کے ساتھ ہی جو کہ اچھا ہے، جس میں یتیم کا بھلا ہے، یتیم کے فائدے کے طور پر یتیم کے مال میں تصرف کرو ویسے یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ، جس وقت وہ اپنی جوانی کو پہنچ جائے گا پھر وہ مختار ہوگیا پھر مال اس کے سپرد کردو قصہ ختم یعنی یہ جو "لا تقربوا" ہے یہ "حتیٰ یبلغ اشده" تک ہے کیونکہ احتمال ہی اس وقت ہے جب تک کہ وہ جوان نہیں ہوتا اور جب وہ جوان ہو جائے تو اس کے بعد اس کا مال اس کے سپرد کردیا جائے جس طرح سے سورۃ النساء کے پہلے رکوع میں تفصیل آئی تھی۔

ناپ تول کو پورا کرنے، عدل کو قائم کرنے اور اللہ کے عہد کو پورا کرنے کا ذکر:

"واوفوا الکیل" یہ معاملات آ گئے ناپ اور تول کو پورا پورا کرو، کم تولو نہیں، کم ماپو نہیں "اوفوا بالقسط" انصاف کے ساتھ پورا کرو جتنا بھی اس کا حق بنتا ہے اتنا اس کو ادا کرو اس میں کمی بیشی کرنے والے کو عمل تطفیف کہتے ہیں، سورۃ المطففین کے اندر جس طرح سے ذکر کیا گیا "ویل للمطففین الذین اذا اکتالوا علی الناس یستوفون" اس کے اندر یہی تفصیل کی ہے کہ جب لوگوں سے لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں اور جب ان کو وزن کر کے دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں ان کو مطففین قرار دے کر ان کے لئے ویل کا لفظ بولا گیا ہے۔

"لا نکلف نفسا الا وسعها" یہ تسہیل ہے گویا کہ ان احکام کو مشکل نہ سمجھو ہم نے ہر نفس کو اس کی گنجائش کے مطابق ہی تکلیف دی ہے، برداشت سے زیادہ ہم حکم ہی نہیں دیتے یا یہاں اس کا موقع محل یہ ہے کہ اپنی طرف سے ناپ تول پورا کرو، سہو و نسیان کے ساتھ اگر کچھ کمی بیشی ہو جائے تو انسان کے بس سے باہر ہے اور انسان کی وسعت سے جو بھی چیز باہر ہو ہم اس کا انسان کو مکلف نہیں ٹھہراتے، اپنے عمل اپنے ارادے اور اپنی سمجھ بوجھ کے مطابق تم ٹھیک ادا کرو باقی بھول چوک ہو جائے، کسی قسم کی کمی بیشی ہو گئی تو ہم معاف کر دیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ تکلیف اتنی دیتا ہے کسی کو جتنی اس میں گنجائش ہوتی ہے۔

"واذا قلتم فاعدلوا ولو کان ذا قربی" اس سے وہی شہادت دینا مراد ہے جب تم بات کرو تو انصاف کی رعایت رکھا کرو، انصاف سے کرو اگر چہ وہ شخص جس کے متعلق تم بیان دے رہے ہو رشتے دار ہی کیوں نہ ہو، رشتے دار کی رعایت کرتے ہوئے خلاف حق خلاف عدل بات نہ کہو یہ سب احکام ایسے ہیں کہ مختلف آیات کے اندر ان کی تفصیل گزر چکی ہے۔

"وبعهد الله اوفوا" اور اللہ کے عہد کو پورا کرو، اللہ کے عہد کے اندر یہ بات بھی شامل ہے کہ آپ نے کوئی نذر مان لی اور اللہ کے عہد کے اندر یہ سارے کے سارے احکام شریعت بھی آ گئے کہ جب آپ نے کلمہ پڑھ لیا تو اللہ سے عہد کر لیا کہ ہم تیرے احکام مانیں گے، اللہ کے اس عہد کو پورا کرو، اللہ کے عہد کے اندر عہد میثاق بھی داخل ہے یہ جو "الست بربکم" کے تحت لیا گیا تھا وہ میثاق بھی اس عہد کا مصداق بن سکتا ہے کہ تم نے اقرار کیا تھا میرے ساتھ عہد کیا تھا کہ ہم تجھے ہی رب سمجھتے ہیں اور رب سمجھیں گے تو میری ربوبیت کا عقیدہ رکھو اور اس عہد کو پورا کرو تو گویا کہ "بعهد الله اوفوا" کے اندر سارے احکام شریعت آ گئے۔

"ذلکم وصکم به لعلکم تذکرون" اس بات کے ساتھ تمہیں تاکید کرتا ہے تاکہ تم یاد کرو، یہ بھولی ہوئی باتیں تمہیں یاد دلائی جارہی ہیں جو اصل کے اعتبار سے ابتداء فطرت سے انسان کو اللہ نے سکھائی ہیں، عقل سے کام لوگے تو یہ تمہارا نسیان اور تمہاری خطا دور ہو جائے گی اب یہ باتیں تمہیں اچھی طرح سے یاد آجائیں گی اور پھر یاد ہونے کے بعد اس پر عمل کرو گے تو آخرت کی سعادت حاصل کرلو گے۔

صراطِ مستقیم کا مصداق:

"وان هذا صراطی مستقیما" اور یہ بات بھی انہیں بتلا دو کہ یہی راستہ جو ان آیات کے اندر واضح کیا ہے یہی میرا راستہ ہے اس حال میں کہ سیدھا ہے، مستقیماً یہ صراط سے حال واقع ہے اور اس کے اندر ھذا عامل ہے چونکہ ھذا کے اندر فعل والا معنیٰ موجود ہے میرا یہ راستہ ہے اس حال میں کہ سیدھا ہے "فاتبعوه" اس کی تم اتباع کرو "ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیله" مختلف راستوں کی اتباع نہ کرو جو شیطان نے تم کو سکھا دیے ہیں اور دائیں بائیں نکل گئے ہو، مختلف راستوں کی اتباع نہ کرو وہ تمہیں اللہ کے راستے سے متفرق کر دیں گے، مختلف راستے اختیار کرو گے، کسی کا منہ کدھر کو ہوگا کسی کا کدھر کو ہوگا اللہ کے راستے پر تمہیں یہ چلنے نہیں دیں گے یہ مختلف راستے ہیں، بس یہی سیدھا راستہ ہے جو ان آیات کے اندر واضح کر دیا گیا ہے اسی کو اختیار کرو "ذلکم وصّٰکم به لعلکم تتقون" اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ تمہیں تاکید کرتا ہے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو، عقل سے کام لوگے تو عقل سے کام لینے کے نتیجے میں یہ احکام یاد ہوں گے اور احکام کو یاد رکھنے کے بعد عمل کرو گے تو تقویٰ کی صفت تمہارے اندر پیدا ہوگی اور یہی روحانی کمال ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب کا ذکر:

"ثم آتینا موسی الکتاب" ان احکام کو ذکر کرنے کے بعد اب ان آیات میں مسئلہ رسالت کو ذکر کیا جارہا ہے اور اصل مقصود ان میں بھی ان احکام کی اتباع کی تاکید ہے، اس میں یہ ظاہر کیا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ رسول بھیجتا ہے اور ان کو کتابیں بھی دیتا ہے اور اس میں اسی صراط مستقیم کی وضاحت ہوتی ہے جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے یہ پھر کا لفظ جو بول رہے ہیں یہ ثم تاخیر ذکری کے لئے ہے کہ ان باتوں کے بعد پھر ان باتوں کو بھی سنو کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی تھی "تماما علی الذی احسن وتفصیلا لکل شیء" "الذی احسن" جو لوگ

نیکوکار ہیں صیغہ اگر چہ مفرد کا ہے معناً جمع ہے ان کے اوپر اپنی نعمت کو پورا کرنے کے لئے اور ہر ضروری تفصیل کے لئے اور راہنمائی کے لئے اور رحمت کے لئے یعنی اس لئے دی تھی تا کہ راہنمائی حاصل ہو لوگوں کو تا کہ اس راہنمائی سے فائدہ اٹھائیں اور اللہ کی رحمت کو حاصل کریں "لعلهم بلقاء ربهم يؤمنون" تا کہ وہ لوگ اپنے رب کی ملاقات کے ساتھ ایمان لے آئیں، اصل راہنمائی کتاب کی یہی ہے کہ اللہ کی ملاقات پر یقین لاؤ کہ مرنے کے بعد تم نے دوبارہ اٹھنا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوگی وہاں جا کر جزا اور سزا کا سلسلہ ہوگا۔

جس شخص نے اللہ کی کتاب سے یہ راہنمائی حاصل کر لی اس کو سارے کا سارا دین ہی مل گیا عقیدہ آخرت بنیاد ہے عملی اصلاح کی، موسیٰ علیہ السلام کی کتاب کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب کا ذکر آ گیا جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت بھی مذکور ہوگئی کتاب کی اہمیت بھی آ گئی۔

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب کا ذکر:

"وهذا كتاب" اور یہ کتاب ہے اس کو ہم نے مبارک بنایا، برکت دی ہوئی ہے، برکت کا معنی نفع، نفع کثیر کی حامل ہے، بہت اللہ نے اس میں منافع رکھے ہیں "فاتبعوه" پس تم اس کی اتباع کرو "واتقوا" اور تقویٰ اختیار کرو "لعلكم ترحمون" تا کہ تم پر رحم کیا جائے یعنی جب تم تقویٰ اختیار کرو گے، کتاب کی اتباع کرو گے تو تم اللہ کی رحمت کو حاصل کر لو گے اور اس اتارنے سے ایک یہ بھی مقصد ہے کہ آخرت میں جس وقت تمہیں سزا ہونے لگے گی شرک پر اور نافرمانی پر تو پھر کہیں تم یوں عذر نہ کرنے لگ جاؤ کہ ہمارے پاس کوئی پیغمبر نہیں آیا تھا، ہمارے پاس کوئی کتاب نہیں آئی تھی اور پہلی کتابیں تورات وانجیل جو اتری تھیں وہ یہود ونصاریٰ کے پاس تھیں اور پڑھنے پڑھانے کی ہمیں کوئی خبر نہیں تھی اس طرح سے تم عذر نہ کرنے لگ جاؤ اللہ تعالیٰ نے تمہارا یہ عذر زائل کر دیا اب اس کتاب سے فائدہ اٹھانا تمہارا کام ہے۔

تا کہ تم کہنے نہ لگ جاؤ "لئلا تقولوا يا مخافة ان تقولوا" دونوں طرح سے ترجمہ ہو جایا کرتا ہے ہم نے اس کتاب کو اتارا تا کہ تم کہنے نہ لگ جاؤ کہ سوائے اس کے نہیں کہ اتاری گئی تھی کتاب دو گروہوں پر، دو گروہوں سے یہاں یہود ونصاریٰ مراد ہیں "من قبلنا" ہم سے قبل "وان كنا عن دراستهم لغافلين" اور ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے البتہ بے خبر تھے، اس لئے ہم معذور ہیں یا تم یوں نہ کہنے لگ جاؤ جس وقت باقی امتوں کے

متبعین کوثواب ملے گا اور تم محروم رہو گے تو پھر تم یوں نہ کہنے لگ جاؤ کہ اگر ہم پر کتاب اتاری جاتی تو ہم ان لوگوں کے مقابلہ میں زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے، یہ عذر کرو گے تم کہ ہمارے پاس کتاب ہی نہیں آئی ورنہ اگر کتاب آجاتی تو ہم ان سب سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ نے یہ عذر زائل کر دیا ہے۔

"فقد جاء کم بینة من ربکم " تمہارے رب کی طرف سے واضح دلیل آگئی، واضح دلیل کا مصداق یہی کتاب ہے، واضح اس کو اس لئے کہہ دیا کہ اپنے مقاصد میں بالکل واضح ہے اور حق کو کھول کھول کر بیان کر رہی ہے اور یہ راہنمائی ہے، آگئی تمہارے پاس ہدایت اور رحمت، ہدایت کا مصداق بھی یہی کتاب کہ یہ راہنمائی کا باعث بنتی ہے اور رحمت کا مصداق بھی یہی کتاب کہ اللہ کی رحمت کے حصول کا ذریعہ بنتی ہے، پھر کون بڑا ظالم ہے اس شخص سے جو اللہ کی آیات کو جھٹلائے اور ان سے اعراض کرے "سنجزی الذین یصدفون عن آیاتنا" عنقریب دیں گے ہم ان لوگوں کو جو ہماری آیات سے اعراض کرتے ہیں عذاب "بما کانوا یصدفون "ان کے اعراض کرنے کی وجہ سے۔
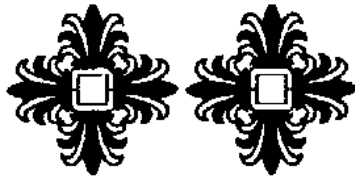
هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ

نہیں انتظار کرتے وہ لوگ مگر اس بات کا کہ آ جائیں ان کے پاس فرشتے یا آنا تیرے رب کا یا آنا

بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا

تیرے رب کی بعض آیات کا جس دن تیرے رب کی آیات میں سے بعض آیات آ جائیں گی نہیں نفع دے گا کسی نفس کو

اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا

اس کا ایمان جو اس سے قبل ایمان نہ لایا ہو یا جس نے اپنے ایمان میں کسب خیر نہ کیا ہو

خَيْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ

آپ کہہ دیجئے کہ تم انتظار کرو بے شک ہم بھی انتظار کرنے والے ہیں ﴿۱۵۸﴾ بے شک وہ لوگ جنہوں نے اپنے دین کو فرقہ فرقہ کر لیا

وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى

اور وہ مختلف گروہ ہو گئے آپ ان سے کسی شیء میں نہیں بے شک ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے

اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ

پھر وہ خبر دے گا انہیں ان کاموں کی جو وہ کیا کرتے تھے ﴿۱۵۹﴾ جو شخص حسنہ لے آئے

فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا

اس کے لئے اس حسنہ کی دس مثل ہیں اور جو کوئی سیئہ لے آیا پس وہ بدلہ نہیں دیا جائے گا مگر

مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ قُلْ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْٓ اِلٰى

اس سیئہ کے برابر اور وہ ظلم نہیں کیے جائیں گے ﴿۱۶۰﴾ آپ فرما دیجئے بے شک مجھے ہدایت دی میرے رب نے

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۚ دِيْنًا قِيَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۚ

سیدھے راستے کی طرف یہ مستحکم دین ہے جو ابراہیم کی ملت ہے ایسا ابراہیم جو حنیف تھا

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ

اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھا ﴿۱۶۱﴾ آپ کہہ دیجئے کہ بے شک میری نماز اور میری قربانی

وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِيْكَ لَهٗ

اور میری زندگی اور میری موت اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے ﴿۱۶۲﴾ اس کا کوئی شریک نہیں

وَ بِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶۳﴾ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ

اور اسی کا میں حکم دیا گیا ہوں اور میں مسلمانوں میں سے پہلا مسلمان ہوں ﴿۱۶۳﴾ آپ کہہ دیجئے کہ کیا میں اللہ

اَبْغِيْ رَبًّا وَّ هُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ؕ وَ لَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ

کے غیر کو رب طلب کروں حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے نہیں کماتا ہے کا کوئی شخص

اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ

مگر اس کا وبال اسی پر پڑنے والا ہے، نہیں بوجھ اٹھائے گا کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ پھر تمہارے رب کی طرف ہی

مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَ هُوَ

تمہارا لوٹنا ہے پھر وہ تمہیں خبر دے گا ان چیزوں کی کہ جن میں تم اختلاف کیا کرتے تھے ﴿۱۶۴﴾ اور اللہ وہ ہے

الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَ رَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ

جس نے تمہیں زمین میں خلیفے بنایا اور اونچا کیا تمہارے بعض کو بعض پر

دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ

درجوں میں تاکہ تمہاری آزمائش کرے اس چیز میں جو اس نے تمہیں دی ہے بے شک تیرا رب جلدی سزا دینے والا ہے

وَ اِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۵﴾

اور بے شک وہ غفور رحیم ہے ﴿۱۶۵﴾

تفسیر:

ماقبل سے ربط:

پچھلی آیات میں شرک کے رد کرنے اور اتباع توحید میں مشرکین پر ہر لحاظ سے حجت تمام کر دی گئی خاص

طور پر تحلیل وتحریم کے مسئلے کی اتنی وضاحت کے ساتھ اور بات کو اتنا مدلل کر دینے کے بعد بھی اگر وہ نہیں مانتے تو اس پر ان کو یہاں تنبیہ کی گئی ہے۔

واضح دلائل آجانے کے باوجود کافروں اور فاسقوں کا حال:

"ھل ینظرون " یہ منتظر نہیں، یہ کسی اور چیز کے منتظر نہیں مگر ان چیزوں کے منتظر ہیں کہ جب یہ چیزیں آجائیں گی تب یہ ایمان لائیں گے لیکن ان چیزوں کے آجانے کے بعد ایمان لانا پھر ان کے کسی کام نہیں آئے گا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ ایمان لانے سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں تو آج وقت ہے ایمان لانے کا اور جب یہ چیزیں واضح ہو جائیں گی اس کے بعد ایمان لانا نہ لانا برابر ہے، چونکہ ایمان کے بارے میں دستور یہ ہے کہ یہ بالغیب اگر ہو تو قابل قبول ہے اور جس وقت عالم آخرت منکشف ہو جائے یا اللہ تعالیٰ کے عذاب کا ڈنڈا سر پر کھڑا ہو جائے تو اس عذاب کے ڈنڈے کو دیکھ کر یا عالم آخرت کے منکشف ہو جانے کی صورت میں جو ایمان لایا جاتا ہے یہ ایمان مشاہدہ ہے اور اس دنیا کے اندر یہ قابل قبول نہیں ہے جیسے کہ آخرت میں جس وقت لوگ جہنم کو دیکھیں گے تو یہ کافر مشرک پکاریں گے کہ ہم ایمان لے آئے اور اللہ تعالیٰ کی آیات کی تصدیق کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے لیکن ان کی یہ تصدیق بھی کار آمد نہیں ہوگی۔

"الا ان تاتیھم الملائکة" مگر یہ کہ ان کے پاس فرشتے آجائیں، اس سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ عذاب لے کر آجائیں اور قیامت کا منظر بھی مراد ہو سکتا ہے کہ فرشتے آجائیں اور تیرا رب آجائے جیسے کہ حساب وکتاب کے لئے آئیں گے مطلب یہ ہے کہ اب یہ قیامت کے منتظر ہیں کہ جب قیامت آئے گی تب یہ مانیں گے اور اس وقت ماننا نہ ماننا برابر ہے، اس میں ان کی طرف سے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو مایوس کرنا بھی مقصود ہے اور ان کو ایک تنبیہ کرنا بھی مقصود ہے کہ جب تم ان دلائل سے متاثر ہو کر ایمان نہیں لاتے تو معلوم ہوتا ہے کہ جب تک عذاب ان لوگوں کے سامنے نہیں آئے گا اس وقت تک نہیں مانیں گے اور اگر تم اس بات پر تلے ہوئے ہو کہ ہمارے سامنے فرشتے آجائیں عذاب لے کر یا اللہ تعالیٰ آجائے حساب وکتاب کے لئے تو یہ تمہاری بدبختی ہے اور یہ تم اپنے متعلق اچھا نہیں سوچ رہے تو "ان تاتیھم الملائکة او یاتی ربك" اس کا مصداق تو قیامت ہو جائے گی قیامت کے دن فرشتے بھی آئیں گے اور رب بھی آئے گا حساب وکتاب کے لئے۔

"او یاتی بعض آیات ربك " یا تیرے رب کی آیات میں سے بعض آیات ان کے سامنے آ جائیں اس بات کے منتظر ہیں اور جس دن تیرے رب کی آیات سے بعض آیات آ جائیں گی تو کسی نفس کو اس کا ایمان لانا نفع نہیں دے گا جو اس سے قبل ایمان نہ لایا ہو، اب اس آیت کی صراحت سے یہ معلوم ہوا کہ بعض آیات ایسی ہیں کہ جن کے پیش آ جانے کے بعد ایمان لانا قبول نہیں ہوگا اور یہ دروازہ بند ہو جائے گا اسی طرح سے "کسبت فی ایمانها خیرا" کسبت کا عطف جب آمنت کے اوپر کریں گے تو "لم تکن کسبت فی ایمانها خیرا"، جس نفس نے اپنے ایمان میں کسب خیر نہیں کیا تھا، نیک کام نہیں کیے تھے یعنی ایمان تو لے آیا لیکن کسب خیر نہیں کیا اب اس کے لئے بھی ایمان نافع نہیں رہے گا لیکن اس نفع سے خاص قسم کا نفع مراد ہے ایمان کا نفع یہ بھی ہوتا ہے کہ کوئی شخص فسق و فجور رہے تو بہ کر لے تو اس کی توبہ قبول ہوتی ہے تو برے کام سے توبہ کر لے تو یہ ایمان کی برکت سے ہے تو توبہ قبول ہو جاتی ہے، کافر کی توبہ قبول نہیں ہے تو اگر کوئی شخص ایمان لایا تھا لیکن فسق و فجور میں مبتلا رہا اور اس نے کسب خیر نہیں کیا اب اس آیت کے پیش آ جانے کے بعد "بعض آیات ربك " کے پیش آ جانے کے بعد اگر وہ توبہ کرنا چاہے گا تو ایمان کا نفع یہاں ختم ہو گیا اب ایمان اس کے لئے نافع نہیں کہ جس طرح عام حالات میں ایمان کا نفع یہ تھا کہ توبہ قبول ہو جاتی تھی اب توبہ قبول نہیں ہوگی۔

تو جس کا مصداق یہ نکلا کہ نہ کافر ایمان لائے تو ایمان قبول اور نہ فاسق فاجر توبہ کرے تو اس کی توبہ قبول۔

"بعض آیات ربک" کا مصداق:

اب سوال یہ ہے کہ اس "بعض آیات ربك" سے کیا مراد ہے؟ جس کے ظاہر ہو جانے کے بعد ایمان بھی معتبر نہیں اور اس طرح سے توبہ کرنا بھی معتبر نہیں، قرآن کریم میں اس کا مصداق واضح نہیں کیا گیا اس کو مبہم رکھا گیا ہے لیکن روایات صحیحہ کی طرف دیکھتے ہوئے اس کا مطلب متعین ہے کہ اس سے مراد ہے مغرب کی طرف سے سورج کا طلوع ہونا کیونکہ بہت ساری روایات میں سرور کائنات ﷺ نے اس مضمون کو بیان فرمایا ہے کہ جب مغرب کی طرف سے سورج طلوع ہو کر آئے گا اس وقت توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا، توبہ کے دروازے کے بند ہونے کی نسبت احادیث میں دو چیزوں کی طرف کی گئی ہے اور ان دونوں کو ہی اس "بعض آیات ربك" کا مصداق بنایا ہے۔

ایک تو یہ ہے کہ "مالم یغرغر" جس وقت تک کہ اس کے اوپر غرغرے کی کیفیت نہ طاری ہو جائے، غرغرے کی کیفیت کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کا سانس اکھڑ گیا اور زندگی کی طرف سے اس کو مایوسی ہوگئی اور عالم آخرت منکشف ہوگیا، موت کا فرشتہ نظر آ گیا، دوسرے فرشتے جو موت کے فرشتے کے ساتھ معاون ہونے کے طور پر آیا کرتے ہیں وہ منکشف ہوگئے ایسی صورت میں وہ توبہ کرے گا تو اس کی توبہ قبول نہیں چاہے کفر سے توبہ کرکے ایمان لائے اور چاہے وہ کسی گناہ سے توبہ کرے اور اس کا ازالہ کرنا چاہے تو اب وقت گزر گیا "مالم یغرغر" جس وقت تک غرغرے کی کیفیت طاری نہ ہو تو اس موت کے طاری ہونے کے ساتھ بھی توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے اور اس کے بعد توبہ قبول نہیں ہوتی۔

اور دوسرا یہی "طلوع الشمس من المغرب" مغرب کی طرف سے سورج کا طلوع ہونا اس کو بھی علامت قرار دیا گیا ہے کہ اب توبہ کا دروازہ بند ہوگیا اس کے بعد اگر کوئی کافر ایمان لانا چاہے تو ایمان معتبر نہیں، کوئی فاسق فاجر توبہ کرنا چاہے تو توبہ کا اعتبار نہیں، لیکن یہ دونوں باتیں آپس میں کوئی مختلف نہیں ہیں ایک ہی چیز ہے، ایک ہے موت انفرادی شخص واحد کی، اور ایک ہے موت عالم کی تو جس طرح سے انفرادی موت کے آثار جب نمایاں ہو جاتے ہیں تو انفرادی طور پر توبہ کا دروازہ بند ہوگیا خاص طور پر اس شخص کے لئے جس کے لئے یہ آثار طاری ہوئے ہیں اور جس وقت عالمی سطح کے اوپر موت کے آثار طاری ہو جائیں گے کیونکہ مغرب کی طرف سورج طلوع ہو جانے کے بعد پھر قیامت بہت جلد آ جائے گی تو یوں ہوگا جیسے عالمی طور پر نزع شروع ہوگئی اور علامات موت بہت نمایاں ہوگئیں تو جس وقت عالمی سطح کے اوپر یہ موت کے آثار نمایاں ہو جائیں گے تو عالمی سطح پر توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا تو حاصل دونوں کا ایک ہی ہے 'بعض آیات ربك " سے یہ موت کے فرشتے مراد لئے جائیں تو یہ انفرادی علامت ہے تو اس پر انفرادی طور پر توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔

جس کو دوسری جگہ قرآن کریم میں وضاحت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے "لیست التوبة للذین یعملون السیأت حتی اذا حضر احدهم الموت " ان لوگوں کے لئے کوئی توبہ نہیں ہے یعنی ان کی توبہ قبول نہیں جو گناہ کرتے رہتے ہیں اور جس وقت ان میں سے کسی کو موت آنے لگتی ہے تو پھر وہ کہتا ہے "انی تبت الآن" میں توبہ کرتا ہوں تو قرآن کریم میں یہ صراحت سے ذکر آ گیا اور" طلوع الشمس من المغرب" کا ذکر روایات میں آ گیا تو "بعض آیات ربك" کا مصداق یہ دونوں ہو سکتے ہیں تو ایمان نہیں لایا تھا تو ایمان لانا معتبر نہیں۔

اور اگر ایمان تو لے آیا تھا اور اس ایمان میں کسب خیر نہیں کیا بلکہ وہ محرمات کا مرتکب رہا، فرائض کا تارک رہا تو عام حالات میں جس وقت تک یہ علامات نمایاں نہ ہوں تو اگر محرمات سے توبہ کی جائے، معاصی سے توبہ کی جائے تو ایمان کی برکت سے توبہ قبول ہو جاتی ہے یہ بھی ایک ایمان کا نفع ہے اور جب یہ علامت طاری ہو جائے گی تو پھر اگر وہ توبہ کرے گا تو پھر یہ ایمان نفع نہیں دے گا یعنی خاص طور پر اس معاملہ میں اس کی توبہ قبول نہیں ہے "کسبت فی ایمانها خیرا" یا اس نے اپنے ایمان کے اندر کسب خیر نہ کیا ہو ایسے شخص کو بھی ایمان نفع نہیں دے گا لیکن یہاں خاص نفع مراد ہے قبولیت توبہ والا "قل انتظروا" اگر وہ اس بات پر اڑے ہوئے ہیں کہ جب تک یہ چیزیں سامنے نہیں آئیں گی اس وقت تک نہیں مانتے تو آپ کہہ دیجئے کہ اچھا تم بھی انتظار کرو ہم بھی انتظار کرنے والے ہیں جب یہ وقت آجائے گا ہم دیکھ لیں گے کہ کیا ہوتا ہے۔

آیت کریمہ میں فرقہ سے مراد:

"ان الذین فرقوا دینهم" وہ لوگ جنہوں نے اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر لیا، کسی نے کوئی نظریہ اختیار کر لیا، کسی نے کوئی عقیدہ اختیار کر لیا، یہاں جس تفریق کا ذکر ہے اس تفریق سے اصولی تفریق مراد ہے جس میں کفر اور اسلام کا اختلاف ہو جس طرح سے مختلف گروہ ہو گئے کسی نے کوئی عقیدہ بنا لیا، کسی نے کسی قسم کا عقیدہ اختیار کر لیا اس قسم کی جو گروہ بندی ہے یہ مذموم ہے جو قطعیات کے اندر ہو جس میں کفر اور ایمان کا اختلاف آجائے تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا جا رہا ہے کہ ان سے آپ کا کوئی تعلق نہیں ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اصل مصداق تو یہی ہے تو یہاں تفریق دین سے مراد قطعیات کے اندر اختلاف کر کے مختلف دین بنا لینا جس کے اندر کفر اور ایمان کا اختلاف ہے۔

لیکن اس کے ساتھ ساتھ جو تفریق سنت کے خلاف راستہ اختیار کرنے کے ساتھ ہوتی ہے جیسے بدعتیں ایجاد کر لیں، مختلف قسم کے طریقے ایجاد کر لیے کسی درجے میں وہ بھی اس کا مصداق بن سکتے ہیں بعد کے حالات کے اعتبار سے، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تو یہ فرقے ہی مراد تھے جنہوں نے آپ کی اتباع نہیں کی بلکہ کافر تھے ایمان ہی نہیں لائے اور بعد میں آنے والے حالات میں جو سنت کے طریقے چھوڑ کر بدعتیں ایجاد کر کر کے مختلف گروہ بنا لیتے ہیں وہ بھی اس کا مصداق بن سکتے ہیں۔

جیسا کہ ایک حدیث کے اندر اس کی تفصیل ذکر کی گئی ہے سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کہ پہلی امتیں جو تھیں بنی اسرائیل ان کے تو بہتر فرقے بنے تھے اور میری امت کے تہتر فرقے بنیں گے جن میں سے بہتر فرقے جہنمی ہوں گے اور ایک فرقہ جنتی ہے پوچھا گیا یا رسول اللہ! وہ کونسا فرقہ ہے جو جنتی ہے جو نجات پانے والا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا "ما انا علیه واصحابی" کہ جس طریقے پر میں ہوں اور جس طریقے پر میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں جو لوگ اس طریقے پر چلنے والے ہوں گے یہ ہے ناجی فرقہ اور باقی بہتر کے بہتر فرقے جو ہیں وہ جہنم میں جائیں گے خواہ وہ بہتر کے بہتر ان میں سے کوئی کافر ہو تو وہ جہنم میں گیا اور اگر کوئی کافر نہ ہو بدعتی ہو پھر ان کا جہنم میں جانا عارضی طور پر ہوگا۔

اہل سنت والجماعت اور فرقِ باطلہ میں فرق:

یہاں ایک سوال ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو میرے طریقے پر ہوگا اور صحابہ کے طریقے پر ہوگا وہ جنتی ہے اس کو ہم اہل سنت والجماعت کہتے ہیں، یہ ہے نجات پانے والا تو کیا اہل سنت والجماعت یہ لوگ آخرت میں عذاب نہیں پائیں گے، یہ جہنم میں نہیں جائیں گے حالانکہ عقیدہ ہمارا ہے کہ اگر اہل سنت والجماعت میں سے جس نے نظریہ یہی اپنایا ہے کہ حضور ﷺ کی اتباع، صحابہ کی اتباع عقائد وہی اختیار کیے ہیں لیکن پھر کوئی معصیت عملی کا ارتکاب کرتے ہیں اس عملی معصیت کے ارتکاب کرنے کی وجہ سے یہ بھی جہنم میں جاسکتے ہیں، اور دوسرے بہتر فرقے جو آپ کی امت تہتر فرقوں پر مختلف ہو جائے گی تو کیا یہ بہتر کے بہتر کافر ہیں اور اگر یہ کافر نہیں تو وہ جہنم میں جائیں گے تو عقیدہ یہ ہے کہ آخر کار نجات بھی پاجائیں گے جیسے کہ تفصیل آپ کے سامنے آچکی تو یہ بہتر ان کے متعلق نجات کا بھی عقیدہ ہے، اور اہل سنت والجماعت کا جہنم میں جانے کا عقیدہ بھی ہے کہ اگر یہ برا عمل اختیار کریں گے تو یہ بھی جہنم میں جاسکتے ہیں ایسا نہیں کہ جو اہل سنت والجماعت میں سے آگیا وہ جنتی ہی جنتی ہے اور اس کی عملی زندگی کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

یہ دونوں صورت میں سوال پیدا ہوتا ہے کہ باقی بہتر فرقے اگر وہ کافر نہیں تو آخر کار نجات وہ بھی پاجائیں گے اس اشکال کو اٹھانے کے لئے علماء امت نے یہی کہا ہے کہ ایک ہے جہنم میں جانا نظریات کی غلطی کی بناء پر، نظریاتی غلطی کے طور پر جہنم میں جانا یہ زیادہ سخت ہے اس لئے وہ نظریہ کفر تک نہ بھی پہنچا ہوا ہو تو بھی

عمل کے مقابلہ میں نظریہ چونکہ ایک ٹھوس بنیاد ہوتی ہے اس لئے سزا بمقابلہ دوسروں کے اس میں زیادہ ہوگی اور مدت دراز تک رہے تو باقی بہتر فرقے جو ہیں وہ تو جہنم میں جائیں گے نظریاتی گمراہی کی بناء پر چاہے پھر ان کے نظریات کفر تک نہ پہنچنے کی صورت میں بعد میں چھوٹ ہی جائیں لیکن سزا سخت ہوگی اور زیادہ طویل ہوگی، اور اہل سنت والجماعت نظریاتی طور پر جہنم میں نہیں جائیں گے یہ جہنم میں جائیں گے تو عملی کوتاہی کے طور پر جائیں گے جس سے جلد جان چھوٹ جانے کی توقع ہے کہ سزا ہلکی ہوگی اور اسی طرح سے جلد ختم ہو جائے گی تو وہ بھی مراد لئے جاسکتے ہیں۔

اس لئے بدعت کے طور پر جو بھی راستہ اختیار کرلیا جائے سنت کو چھوڑ کر، سرور کائنات ﷺ کے طریقے کو چھوڑ کر جو بھی راستہ اختیار کرلیا جائے وہ سارے کا سارا اس کا مصداق بن سکتا ہے اس لئے دین واحد جس کو دین قیم کے ساتھ تعبیر کیا جارہا ہے یہ دین وہی ہے کہ قرآن وحدیث سے جو صراحتاً ثابت ہے اور حضور ﷺ کے کہنے کے مطابق چونکہ خلفاء راشدین کی سنت کو بھی دین کی تشریح کا درجہ حاصل ہے "علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین" اس لئے قرآن کریم سے جو ثابت ہے اس کو مانو، سرور کائنات ﷺ کی سنت میں جو چیز وضاحت سے آگئی اس کو مانو اور اس کے مطابق عمل کرو اور خلفاء راشدین کے طریقے کے اندر جو چیز آگئی سلف صالحین کا جس بات پر اجماع ہوگیا، جو چیز قیاس صحیح سے ثابت ہو یہ سارے کا سارا دین قیم ہے اس طریقے کو اختیار کیا جائے تو یہ ہے صراط مستقیم اور جس میں نجات ہی نجات ہے اور اس کے علاوہ کوئی ایسی چیز تجویز کرلی جائے چاہے کتنے ہی نیک جذبات کے تحت کیوں نہ ہو، کتنے ہی اچھے جذبات کے تحت کیوں نہ ہو لیکن اگر اس کا اصل قرآن وحدیث میں موجود نہیں، سلف صالحین کے اندر اس کا عمل موجود نہیں ہے، خلفاء راشدین کی زندگی میں کوئی نمونہ نہیں ملتا تو ایسی صورت میں وہ گمراہی ہوگی تو اس طریقے کا اختیار کرنا صراط مستقیم سے بھٹکنے کی صورت ہے۔

حضور ﷺ اور خلفاءِ راشدین کے دور میں شب معراج کی حیثیت:

جیسا کہ یہ جو رات گزری ہے ستائیس رجب کی رات، عام طور پر مشہور ہے کہ یہ لیلۃ المعراج ہے، عام طور پر مشہور اس لئے کہہ رہا ہوں کہ روایات صحیحہ میں اس کا کوئی ذکر نہیں چونکہ وہ دور ایسا تھا کہ اس میں تاریخ ضبط کرنے کی عادت نہیں تھی یہ جدید دور کی خصوصیات میں سے ہے کہ جو واقعہ آتا ہے اس کو تاریخ وار لکھ لیا جاتا ہے، بچہ

پیدا ہوا تو اس کی ولادت کی تاریخ لکھ لی، کوئی مرا تو اس کی تاریخ وفات لکھ لی اور کوئی واقعہ پیش آیا تو اس کو تاریخ وار ضبط کرلیا یہ اس وقت ایسا ہی ہے لیکن پرانے زمانے میں تاریخوں کے ضبط کرنے کا کوئی رواج نہیں تھا، اس لئے مشہور سے مشہور واقعات میں بھی تاریخ کا اختلاف ہے کہ کس مہینے میں پیش آیا تھا؟ کس تاریخ کو پیش آیا تھا تو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کس تاریخ میں ہوئی تھی اس کا ذکر روایات صحیحہ میں نہیں ہے ہاں مختلف روایات ہیں جن میں سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ اسی مہینے میں تھی۔

تو رجب کے مہینے میں تھی یا ستائیسویں رات کو تھی ہمیں اس سے کوئی بحث نہیں ہے کہ ہم اس کا انکار کریں کہ اس رات میں نہیں ہوئی اور دوسری کوئی رات متعین ہے ایسی بات نہیں، ہوسکتا ہے اسی رات میں ہوئی ہو اور آثار کے اعتبار سے اگر اس کو ترجیح دے دی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اب اس رات کی شریعت میں کیا حیثیت ہے؟ معراج ہوا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ معظمہ میں اس بات پر اتفاق ہے مکہ معظمہ میں معراج ہوا تھا جس میں پھر نماز فرض ہوئی اور مکہ معظمہ میں معراج کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں بھی رہے ایک سال رہے، دو سال رہے، تین سال رہے اور اس کے بعد مدینہ منورہ میں تشریف لے گئے تو دس سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں رہے تو دس سال رجب مدینہ منورہ میں آیا اور آپ کے زندگی کے بعد دو ڈھائی سال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تو اور نہیں تو دو دفعہ رجب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حکومت میں آیا، دس دفعہ رجب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں آیا ہے، بارہ دفعہ رجب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حکومت میں آیا اور اسی طرح پانچ یا چھ دفعہ رجب حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حکومت میں آیا۔

بعد والے دور کو چھوڑ یے کم از کم ان تیس سالوں کے اندر تو تیس دفعہ رجب آیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اور دس دفعہ رجب آیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی میں تو چالیس سالہ دور کو اٹھا کر دیکھ لیجئے کہ کسی ایک سال میں بھی کوئی ایک رات کا اہتمام کیا گیا ہو یا اس رات کی کوئی فضیلت بیان کی گئی ہو کہ اس رات میں فلاں عمل کرنے کی یہ فضیلت ہے، یہ عمل کرنے کی یہ فضیلت ہے اس لئے سنت کے مطابق طریقہ یہی ہوا کہ جس وقت کی فضیلت روایات صحیحہ کے اندر بیان نہیں کی گئی ہم اپنے طور پر کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اس کی یہ فضیلت ہے اور اس میں اس عمل کی یہ فضیلت ہے، اللہ تعالیٰ کی مرضیات کو معلوم کرنا انسان کی عقل کے ساتھ نہیں ہوتا یہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کرنے کے ساتھ ہوتا ہے۔

شب معراج کے متعلق موضوع حدیث:

اب میں یہ رات کوسن رہا تھا بیٹھا ہوا اور تقریر کی آواز آرہی تھی کہ رات چونکہ لیلۃ المعراج ہے اس رات میں صلوۃ التسبیح پڑھی جائے گی جو لوگ اس رات میں عبادت کریں گے نفل پڑھیں گے خاص طور پر دو رکعات جس میں پہلی رکعت کے اندر "الم تر کیف" اور دوسری رکعت کے اندر "لایلاف قریش" پڑھیں گے تو ان کو نبیوں کے درجے کا ثواب ملے گا، رات تقریر کے اندر یہ آواز آرہی تھی، اب یہ ہے جس کو موضوع روایات میں شمار کیا جاتا ہے کہ کسی خاص عمل پر کسی خاص ثواب کا وعدہ کریں، یہ کذب علی النبی ہے، افتراء علی اللہ ہے اور اس طرح سے لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

جب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس رات کی کوئی اہمیت بیان نہیں فرمائی اور اس رات کے متعلق کوئی اعمال ذکر نہیں کیے کہ فلاں رات کے اندر یہ عمل کیا کرو تو یہ ثواب ہے، خلفاء راشدین کے دور میں اس کا کوئی نمونہ نہیں ملتا، تیرہ سو سال کے اندر اس قسم کی کوئی بات نہیں ہے اب یہ چند سالوں کے اندر یہ چیزیں تلاش کر کے ان کا جو اہتمام کیا جاتا ہے پھر اپنے طور پر اعمال کے فضائل گھڑے جاتے ہیں کہ فلاں عمل کی یہ فضیلت ہے، فلاں عمل کی یہ فضیلت ہے، یہ ہے جس کے ساتھ تفرق دینی پیدا ہوتا ہے اور سنت کے راستے سے ہٹ کر انسان بدعت کے راستے پر جاتا ہے۔

شب معراج میں صلوٰۃ التسبیح کی جماعت اور اہل بدعت کی عید:

پھر صلوۃ التسبیح کی جماعت یہ اور ہی عجیب بدعت شروع ہوگئی حالانکہ نفلوں کی جماعت کا اہتمام تو درست ہی نہیں اور اس قسم کی عبادات جن کی ترغیب آتی ہے تو ان کو جتنا چھپا کر پڑھا جائے اتنا اچھا ہے پھر یہ نماز ایسی ہے کہ جس کے اندر بار بار متعدد بار تسبیح پڑھنی ہوتی ہے جو جماعت کی شکل میں ضروری نہیں ہے کہ امام اور مقتدی ایک وقت میں ختم کرلیں۔

بہرحال یہ چیزیں ایسی ہیں کہ جن کا سنت میں یا سنت سے استدلال کے طور پر کسی قسم کا ثبوت نہیں ہے اس قسم کے سارے کے سارے اعمال بدعت میں جارہے ہیں اور نذر و نیاز اور اس قسم کی خیرات اس رات کے اندر افضل قرار دینا آپ کو معلوم ہوگا کہ رات ہمیں تلاش کرنے پر بھی دودھ نہیں ملا اور ان بدعتیوں کی تو رات پانچوں گھی

میں ہوں گی ان کے لئے یہ عیش ہو جاتی ہے اور ہم جیسے غریبوں کے لئے یہ مصیبت بن جاتی ہے، بہر حال یہ طریقے جتنے بھی ایجاد کیے گئے ہیں یہ سارے کے سارے بدعت ہیں اور اس کے اندر کوئی فضیلت نہیں اور اختیار کرنے کے ساتھ الٹا اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ گرفت ہوگی کہ اپنے طور پر تم نے کیسے تجویز کر لیے کہ جب میں نے نہیں بتایا کہ فلاں عمل کے اندر یہ فضیلت ہے اور فلاں وقت کے اندر یہ فضیلت ہے اب آنے والے حالات کے اعتبار سے جتنے بھی بدعت کے طریقے ہیں یہ سب سنت سے ہٹے ہوئے ہیں اور یہ سب ''ان الذین فرقوادینھم'' کا مصداق بن سکتے ہیں، جنہوں نے اپنے دین میں تفریق ڈال لی اور وہ مختلف گروہ بن گئے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں، ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے اور وہی انہیں خبر دے گا جو یہ کام کیا کرتے تھے تو آخرت میں ضابطے سے اللہ تعالیٰ معاملہ فرمائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے دربار میں نیکی کی قیمت:

آگے اس کی نشاندہی ہے کہ اگر تو کوئی شخص بھلا کام لے کر آئے ''جاء بالحسنة'' جو بھلا کام لے کر آیا یہاں یوں نہیں کہا کہ ''فعل بالحسنة'' جس نے نیکی کی ہوگی کیونکہ ایک آدمی نیکی کرتا ہے لیکن اس نیکی کے کرنے کے بعد اس کو برباد کر بیٹھتا ہے کوئی ایسی حرکت کر لیتا ہے جس کے ساتھ اس کا ثواب ضائع ہو گیا جیسے قرآن کریم کے اندر یہ آیا تھا ''لاتبطلوا صدقاتکم بالمن والاذیٰ'' ایک آدمی صدقہ دیتا ہے اور صدقے کے بعد احسان جتلاتا ہے، جس کو صدقہ دیا اس کو تکلیف پہنچاتا ہے تو ایسی صورت میں صدقہ برباد ہو جاتا ہے اب جب یہ آخرت میں جائے گا تو یہ صدقہ اس کے پاس ہوگا ہی نہیں جس کی وجہ سے ثواب بھی نہیں ملے گا تو ''جاء بالحسنة'' کا مطلب یہ ہوگا کہ دنیا کے اندر اس نے نیکی کی تھی اور پھر نیکی کرنے کے بعد اس کو محفوظ رکھا تو قیامت تک وہ محفوظ رہی ایسی کوئی حرکت نہیں کی جس کی بناء پر وہ حذف ہو جائے اور ضائع ہو جائے جو نیکی لے کر آئے گا اس کو اس نیکی کی دس مثلیں ملیں گی، دس گنا ثواب ملے گا۔

یہ ہے کم از کم درجہ ورنہ قرآن کریم کے اندر سات سو تک کی نشاندہی ہے جیسے وہ غلے والی مثال دی تھی، دانہ والی کہ ایک دانہ بویا اور اس میں سے سات بالیاں نکلیں اور ایک ایک بالی کے اندر سو سو دانہ تو ایک کا سات سو بن گیا لیکن اس کے بعد بھی ''واللہ یضاعف لمن یشاء'' اللہ جس کے لئے چاہتا ہے بڑھاتا رہتا ہے حتیٰ کہ حدیث

شریف میں ایک مثال آئی ہوئی ہے کہ ایک کھجور کوئی اگر اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو بڑھاتے بڑھاتے احد پہاڑ کے برابر کر دیتا ہے اب اگر ایک کھجور کا موازنہ احد پہاڑ کے ساتھ کیا جائے تو پھر کروڑوں تک پہنچ جاتا ہے تو جتنا جس عمل کے اندر اخلاص ہوگا اتنا اس کے اندر اضافہ ہوتا چلا جائے گا، کم از کم درجہ یہ ہے کہ ایک نیکی کو دس گنا کر کے لکھا جائے گا گویا کہ وہ نیکی آپ نے دس دفعہ کر لی اور اگر کوئی برا کام لے کر آئے تو نہیں بدلہ دیا جائے گا مگر اس کے برابر۔

اور اسی طرح سے ایک اور فرق بھی رکھا اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کے طور پر حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص نیکی کا ارادہ کرے پختہ ارادہ کرے لیکن پھر اسباب مہیا نہیں ہوئے جس کی بناء پر اس نیکی کو نہیں کر سکا تو بھی اس عزم کو نیکی میں شمار کیا جاتا ہے اس پر بھی ثواب ہوگا اور اگر برائی کا ارادہ کیا تھا پھر بعد میں چھوڑ دیا تو اس کے اوپر کسی قسم کا وبال اور عذاب نہیں ہے "وھم لایظلمون" اور لوگوں پر ظلم نہیں کیا جائے گا، حق تلفی نہیں کی جائے گی۔

صراطِ مستقیم اور ملت ابراہیمی کا مصداق:

"قل اننی ھدانی ربی الی صراط مستقیم" آپ کہہ دیجئے کہ تم نے تو اپنے اپنے راستے بنا لئے لیکن میرا تو راستہ یہی ہے جو اللہ نے مجھے سمجھا دیا ہے مجھے راہنمائی کی میرے رب نے صرط مستقیم کی طرف ایسا صراط مستقیم جو کہ دین قیم ہے، بے شک میرے رب نے ہدایت دی مجھے صراط مستقیم کی، یہ صراط مستقیم یہی دین قیم ہے مضبوط دین ہے جس کے اندر کوئی کسی قسم کی کمزوری کا احتمال نہیں اور یہی دین قیم ملت ابراہیمی ہے، یہود اپنے طریقے کو ملت ابراہیمی قرار دیتے ہیں، نصرانی آپنے طریقے کو ملت ابراہیمی قرار دیتے ہیں اور مشرکین اپنے طریقے کو ملت ابراہیمی قرار دیتے ہیں لیکن ان میں سے ملت ابراہیمی کوئی نہیں اور ملت ابراہیمی یہی ہے کہ جو مجھے اللہ تعالیٰ نے سیدھا راستہ سمجھا دیا "وما کان من المشرکین" اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مشرکین میں سے نہیں تھے یہ ان کی ملت کی خصوصیت ہے۔

"قل ان صلاتی ونسکی" اب یہ گویا کہ اس ملت ابراہیمی کی ایک تعبیر ہے، ملت ابراہیمی کے اندر اخلاص ہی اخلاص ہے جو کام بھی کرتا ہے اللہ کے لئے کرتا ہے، آپ کہہ دیجئے کہ میری نماز اور میری قربانی، نماز کے

اندر بدنی عبادت آ گئی اور قربانی کے اندر مالی عبادت آ گئی یہ اختیاری عمل ہے "ومحیای ومماتی" یہ غیر اختیاری عمل ہے، میرے اختیاری اعمال خواہ وہ بدنی عبادت سے تعلق رکھتے ہیں خواہ مالی عبادت سے اور غیر اختیاری حالات جو میرے اوپر طاری ہوتے ہیں موت ہو حیات ہو سب اللہ ہی کے لئے ہے جو رب العالمین ہے اور کوئی دوسرا شریک نہیں ہے، موت وحیات بھی اسی کے اختیار میں ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے حیات ملی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی موت آئے گی، زندگی موت سب اسی کے لئے ہے اور جو ہمارے اختیاری اعمال ہیں چاہے وہ بدنی عبادت سے تعلق رکھتے ہوں چاہے وہ مالی عبادت سے تعلق رکھتے ہوں وہ بھی اللہ کے لئے ہیں جو رب العالمین ہے۔

"لاشریك له" "اس کا کوئی شریک نہیں "وبذلك امرت" اسی کا ہمیں حکم دیا گیا ہے "وانا اول المسلمین" میں اول نمبر کا مسلمان ہوں یا تو فضیلت کے اعتبار سے ہو گیا کہ سب سے بڑھیا مسلمان میں ہوں یا پھر مسلمان ہوں ترتیب کے لحاظ سے کہ اس امت میں سے سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والا میں ہوں یہاں یہ بات آ گئی اور دوسری جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبان سے یہ الفاظ نقل کیے گئے تھے "انی وجهت وجهی للذی فطر السموات والارض الخ" تو حدیث شریف کے اندر ہے کہ ان دونوں آیتوں کو جوڑ کر نماز کی ابتداء کے اندر سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے "انی وجهت وجهی للذی فطر السموات والارض حنیفا ومانا من المشرکین قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العالمین وبذلك امرت وانا اول المسلمین" حضور صلی اللہ علیہ وسلم "اول المسلمین" پڑھیں گے اور ہم جس وقت پڑھیں تو ہمیں "انا من المسلمین" پڑھنا چاہیئے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں کیونکہ ہم پر "اول المسلمین" کا لفظ صادق نہیں آتا دعا کے طور پر جب ہم پڑھیں گے تو "من المسلمین" کہیں گے۔

معانی کے متعلق مشرکین کے نظریہ کی تردید:

"قل اغیر الله ابغی ربا" آپ کہہ دیجئے کہ کیا میں اللہ کو چھوڑ کر اللہ کے غیر کو رب طلب کروں، یعنی اللہ کو رب نہ بناؤں کسی اور کو رب بناؤں اور رب ہی بنیاد ہے توحید کی جیسے آپ کے سامنے کئی دفعہ ذکر کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق ربوبیت کا عقیدہ ہی توحید کی بنیاد ہے، اللہ تعالیٰ نے بھی سب سے پہلے یہی بات ذہن میں ڈالی تھی

"الست بربکم " کے تحت جو عہد لیا گیا تھا یہ ربوبیت کا مسئلہ ہے جس کو بنیادی طور پر ہمارے قلوب کے اندر ڈالا گیا ہے تو جس شخص کا عقیدہ اللہ تعالیٰ کے متعلق ربوبیت کے طور پر صحیح ہو گیا کہ اللہ ہمارا رب ہے تو آگے ساری بنیاد اس کی صحیح ہو جاتی ہے کیونکہ رب کا معنی پیدا کرنے والا، پالنے والا، ضروریات کو پورا کرنے والا جب ایک ذات کے متعلق ہمارا یہ نظریہ ہو جائے گا پھر اطاعت عبادت احتیاج نیازمندی جو کچھ ہوگا سب اسی سے تعلق رکھے گی۔

اور قبر میں جانے کے بعد سب سے پہلے سوال جو ہوگا تو یہی ہوگا کہ تم نے رب کس کو قرار دیا تھا "من ربك " تو مطلب یہ ہوگا کہ اول سے لے کر آخرت تک اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا عقیدہ یہ انسان کی عمل کی لائن کو سیدھا کرتا ہے "وھورب کل شیء" کیا میں اللہ کو چھوڑ کر کوئی اور رب طلب کروں حالانکہ وہی رب ہے ہر چیز کا "ولا تکسب کل نفس الا علیھا " علیٰ چونکہ ضرر کے لئے ہوتا ہے اس لئے یہاں کسب سے برا کام کرنا مراد ہے اور تفسیر کے اندر لکھا ہے کہ یہ آیت اتری تھی ان مشرکین کے جواب میں جو مسلمانوں کو کہتے تھے کہ تم جو ڈرتے ہو اور کہتے ہو کہ تم نے جو کفر اختیار کیا یہ وبال آجائے گا ہم تمہارے ساتھ وعدہ کرتے ہیں کہ تم ہمارے کہنے کی بناء پر ہمارا طریقہ اختیار کرلو اور جو کوئی سختی ہوگی اور عذاب ہوگا اس کی ذمہ داری ہم پر ہے۔

سورۃ عنکبوت میں جس طرح سے لفظ آئیں گے "ولنحمل خطایاکم " تمہارے گناہ ہم اٹھالیں گے، تمہارا بوجھ ہم اٹھالیں گے اور آخرت میں تم پر کسی قسم کا بوجھ نہیں پڑنے دیں گے، اللہ تعالیٰ اس کی تردید کرتے ہیں کہ یہ بات غلط ہے کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا جو کرے گا وہی بھرے گا ان کے جواب میں یہ کہا جارہا ہے کہ یہ نظریہ غلط ہے، یہ دنیا کا معاملہ اور دنیا کی عدالت نہیں کہ ایک کا جرم کوئی دوسرا اپنے سر لے یا ایک کا جرم جو ہے وہ کسی دوسرے کے سر پر ڈال لیا جائے وہاں اللہ کے دربار میں جو کرے گا اسے ہی اپنی ذمہ داری اٹھانی پڑے گی اس دھوکے میں آجانا کہ تمہیں کوئی کہہ دے کہ تو یہ گناہ کرلے تو اس کا وبال میں برداشت کرلوں گا اس دھوکے میں نہ آنا اللہ کی عدالت میں ایسا نہیں ہوگا اگرچہ ترغیب دینے والا اس ترغیب کی بناء پر اس جرم کی سزا میں شریک ہو جائے گا لیکن جرم کرنے والا سزا سے بری نہیں ہوگا ایسے طور پر کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا کہ اصل گناہ کرنے والے کو بری قرار دے دیا جائے نہیں قصد کرے گا کوئی نفس مگر اس کا وبال اسی پر ہوگا "ولا تزر وازرۃ وزر اخریٰ" کوئی بوجھ اٹھانے والا نفس کسی دوسرے نفس کا بوجھ نہیں اٹھائے گا "ثم الیٰ ربکم مرجعکم " پھر تمہارے رب کی طرف ہی تمہارا لوٹنا ہوگا پھر وہ خبر دے گا تمہیں ان کاموں کی جس میں تم اختلاف کیا کرتے تھے۔

دنیا دارالابتلاء ہے اور آخرت دارالجزاء ہے:

اب یہ آخر میں جا کر تنبیہ کردی گئی جس میں گزشتہ تاریخ کی طرف متوجہ کردیا گیا کہ ''وھوالذی جعلکم خلٰئِفَ الارض'' جس کا مطلب یہ ہوگیا کہ اس دنیا کی اسٹیج پر تم پہلے نمودار ہونے والے نہیں، تم سے پہلے بہت ساری امتیں بہت ساری جماعتیں آئیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک معیار پر پرکھا تو جس ترازو اور باٹ کے ساتھ اللہ نے انہیں تولا تھا اسی ترازو اور باٹ کے ساتھ اللہ تمہیں تولے گا جب اللہ کے معیار پر وہ پورے نہیں اترے تو کس طرح سے ان کو پردہ عدم میں بھیج دیا گیا کیسے برباد کردیا گیا تم ان کے جانشین ہو پہلے بھی امتیں اور جماعتیں آئیں تھیں تم ان کی جگہ ہو، تم ان کے گدی نشین اور جانشین ہو اگر انہی جیسے عمل اختیار کروگے تو جیسے وہ برباد ہوگئے ویسے تم برباد ہوجاؤ گے اور اگر اللہ تعالیٰ کے معیار پر تم صحیح اترو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں دنیا اور آخرت کے اندر شاداب کرے گا، نیک نامی ہوگی، آخرت میں اللہ تعالیٰ ثواب دے گا، دنیا کے اندر نیک نام رہو گے اور عافیت نصیب ہوگی۔

تو ''خلائف الارض'' تم زمین کے اندر خلیفے ہو، جانشین ہو، اللہ نے تمہیں خلیفہ بنایا، تمہیں جانشین بنایا، اس کی تفصیل آپ کے سامنے سورۃ اعراف کے اندر ذکر کی جائے گی امتوں کے حالات تفصیل سے بیان کرکے کہ پہلے کیسی کیسی امتیں آئیں اور ان کے پاس رسول آئے انہوں نے کیا کردار اپنایا جس کے نتیجے میں ان کو برباد کردیا گیا ''ورفع بعضکم فوق بعض درجات'' اللہ تعالیٰ نے تمہارے بعض کو بعض پر درجوں میں ترقی دی، درجوں میں اونچا کیا، کسی کو رزق زیادہ دیا کسی کو کم، کسی کو بدنی قوت زیادہ دی کسی کو کم، کسی کو علمی استعداد زیادہ دی کسی کو کم، یہ تمام چیزوں میں ہے کسی کو اللہ نے نیچا کیا کسی کو اونچا کیا ہے۔

''لیبلوکم فی ما اٰتاکم'' یہ تمہارے عملوں کی جزا نہیں ہے یعنی دنیا کے اندر کسی کا بڑھیا ہونا یا گھٹیا ہونا یہ عملوں کی جزا اور سزا کے طور پر نہیں ہے یہ دنیا دارالابتلاء ہے یہاں کا نظم جو چل رہا ہے یہ جزا اور سزا کے اصول پر نہیں بلکہ یہاں کا نظم جو چل رہا ہے یہ ابتلاء کے اصول پر چل رہا ہے اس لئے ہوسکتا ہے کہ پرلے درجے کا بدمعاش اور پرلے درجے کا بدکردار دنیا کے اندر خوشحال ہو اللہ تعالیٰ اس کو خوشحال کرکے اس کی آزمائش کررہا ہے۔

اور ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک بہت نیکوکار آدمی، بہت احسان کی صفت رکھنے والا دنیا کے اندر بدحال ہو اللہ تعالیٰ

اس کو مصیبت میں ڈال کر صبر کا امتحان کر رہا ہے تو یہ جو کچھ تمہیں اللہ نے دیا ہے اس میں اللہ تعالیٰ تمہیں آزمانا چاہتا ہے کہ جو حالت تمہارے اوپر طاری کی ہے تم اس کا حق ادا کرتے ہو یا نہیں "ان ربك سريع العقاب" بیشک تیرا رب جلد سزا دینے والا ہے "وانه لغفور رحيم" اور بے شک وہ غفور رحیم ہے۔